بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

کتاب مستطاب

تنزیہ الامامیہ جدید

در جواب

رسالۂ مذہبِ شیعہ و تحفۂ حسینیہ

از افادات عالیہ

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی علی رؤس المومنین

ناشر

مکتبہ السبطین

296/9 بی، سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

باسمہ سبحانہ

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

کتاب مستطاب

تنزیہ الامامیہ جدید

در جواب

رسالہ مذہب شیعہ و تحفہ حسینیہ

از افادات عالیہ

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ الشیخ محمد حسین النجفی

مدظلہ العالی علیٰ رؤس المومنین

ناشر مکتبۃ السبطین

۲۹۶/۹ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

نام کتاب: تنزیہ الامامیہ جدید
در جواب رسالہ مذہب شیعہ و تحفہ حسینیہ

تصنیف: سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین
حضرت علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی علی روس المومنین

طابع: سید اظہار الحسن رضوی

طباعت: اظہار سنز پرنٹرز
۹۔ ریٹی گن روڈ لاہور فون: 042-37220761

اشاعت جدید: جنوری ۲۰۱۳ء ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

کمپوزنگ: سید حسن واسطی 0307-6719282 048-3214705

ہدیہ: روپے

ملنے کا پتا

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

گفتارِ اولین

یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ جب میں حوزہ علمیہ نجف اشرف عراق سے اسلامی علوم وفنون کی تکمیل کی سند لے کر واپس پاکستان پہنچا اور قدوۃ الصالحین حضرت پیر سید فضل شاہ اعلی اللہ مقامہ اور شیعہ رؤساء سرگودھا بالخصوص ساداتِ جہانیاں شاہ کی خواہش وفرمائش پر میں نے مدرسہ دار العلوم محمدیہ سرگودھا کی پرنسپل شپ قبول کی تو ۱۹۶۱ء میں انجمن مدرسہ محمدیہ کے صدر گرامی قدر جناب سید نوازش علی شاہ مرحوم نے مجھے ایک رسالہ اس غرض سے دیا کہ اس کا جواب لکھا جائے۔ اس رسالہ کا نام "مذہبِ شیعہ" تھا۔ جو جناب پیر قمرالدین صاحب آف سیال شریف ضلع سرگودھا کے زورِ قلم کا نتیجہ تھا۔ جو دجل وفریب، کذب وافتراء، ابلہ فریبی اور دھوکا دہی کا غلیظ مجموعہ تھا۔ چنانچہ اس رسالہ کا مکمل ومفصل، دندان شکن اور ہمت شکن جواب چند ہفتوں میں لکھ دیا گیا۔ مگر اس وقت ملک میں جنرل ایوب خان کا مارشل لاء لگا ہوا تھا، اور اس دور میں مناظرانہ کتابوں کا شائع کرنا قرینِ مصلحت نہ تھا۔ اللہ اللہ کر کے اس سے گلوخلاصی ہوئی تو پھر جنرل یحیٰی خان کا مارشل لاء لگ گیا۔ اور جب وہ بھی ختم ہوا اور جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کا جمہوری دورِ حکومت آیا اور لوگوں نے آزادئ تقریر وتحریر کا سانس لیا۔ تو ۱۹۷۴ء میں جا کر یہ رسالہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ جبکہ پیر سید نوازش علی شاہ صاحب مرحوم ہو چکے تھے۔ اس کی اشاعت کے کئی سال بعد تک جناب پیر سیالوی صاحب زندہ رہے۔ مگر اس رسالہ کا کوئی جواب شائع نہ ہوا اور نہ ہی ہمارا رسالہ دوبارہ شائع ہوا۔ موصوف کی وفات کے کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ پیر صاحب موصوف کے ایک مرید خاص مولانا اشرف سیالوی صاحب نے "تحفۂ حسینیہ" کے نام سے اس مختصر رسالہ کا تین جلدوں میں جواب لکھ کر شائع کیا ہے۔ مگر چونکہ وہ جوابی کتاب ہمیں نہیں بھیجی گئی تھی۔ اس لیے ہم نے نہ وہ جواب دیکھا اور نہ ہی پڑھا۔ ہاں البتہ کچھ لوگوں نے اس کا تذکرہ کیا، تو ہم نے وعدہ کیا کہ جب ہم اپنا رسالہ "تنزیہ الامامیہ" دوبارہ شائع کریں گے تو اسی کے ساتھ اس جوابی کتاب کا جواب الجواب بھی شائع کر دیں گے۔ انشاء اللہ

بعد ازاں بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ جناب سیالوی صاحب ہر جگہ اپنی جوابی کتاب کے لاجواب ہونے کا بڑے فخریہ انداز میں ذکر کرتے رہتے ہیں اور ادھر دوسری تصنیفی وتالیفی، درسی وتدریسی اور تقریری مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ سالہا سال گزر گئے اور ادھر توجہ ہی نہ ہو سکی۔ اور اب جبکہ جواب الجواب کا ارادہ کیا۔ تو ہمیں اپنی لائبریری میں اپنا رسالہ "تنزیہ الامامیہ" نہ ملا اور جوابی کتاب "تحفۂ حسینیہ"

تو پہلے ہی ہمارے پاس موجود نہ تھی بلکہ دیکھی تک نہ تھی۔

پھر اپنے عزیز مولانا المحقق ملک آفتاب حسین صاحب جوادی سے اسلام آباد رابطہ قائم کیا تو انہوں نے رسالہ "تنزیہ الامامیہ" اور اس کا جواب "تحفہ حسینیہ" کی تینوں جلدیں بھی اپنی لائبریری سے ہمیں مہیا کر دیں۔ چنانچہ اب ہم نے اس ماہ رمضان میں پہلے اس جوابی کتاب کا سرسری مطالعہ کیا اور اس کے بعد اس کا جواب الجواب لکھ رہے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید واثق ہے کہ اسی ماہ جواب مکمل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

بعد ازاں اپنے رسالہ "تنزیہ الامامیہ" کے ہمراہ یہ جواب شائع ہو جائے گا۔ انشاء اللہ مگر یاد رہے کہ چونکہ سیالوی صاحب نے اِدھر اُدھر سے رطب و یابس جمع کر کے کتاب کا غیر معمولی حجم بڑھا دیا ہے۔ اور شیطان کی آنت سے بھی لمبا کر دیا ہے۔ اس لیے ہم اِدھر اُدھر کی باتوں سے ہٹ کر صرف انہی باتوں کا جواب دیں گے اور انہی مباحث پر گفتگو کریں گے جو پیر صاحب سیالوی نے رسالہ "مذہب شیعہ" میں چھیڑے تھے۔ اور ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں ان کا جواب سپردِ قلم و قرطاس کیا تھا۔ لہٰذا ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پہلے پیر صاحب کے رسالہ "مذہبِ شیعہ" سے ان کی عبارت پیش کی جائے گی پھر ہمارا "تنزیہ امامیہ" والا جواب پیش کیا جائے گا، بعد ازاں مولانا اشرف سیالوی کی اس پر تنقید پیش کی جائے گی اور سب سے آخر میں ہمارا تبصرہ پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ تاکہ تصویر کے سارے رُخ سامنے آجانے کے بعد قارئینِ کرام کو حق و باطل میں امتیاز کرنے اور سچ و جھوٹ میں تمیز کرنے اور طرفین کے بیانات کا وزن معلوم کرنے میں آسانی ہو جائے۔

مخفی نہ رہے کہ جناب پیر سیالوی کا رسالہ "مذہب شیعہ" ایک سو بیس ۱۲۰ صفحات پر مشتمل تھا اور ہمارا جوابی رسالہ ایک سو اسی ۱۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مگر مولانا اشرف سیالوی نے تطویل لاطائل کر کے اور غیر متعلقہ مباحث کو چھیڑ کے اور تصنیف و تالیف کا سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے غیر ضروری مسائل میں اُلجھ کر اس قدر طوالت سے کام لیا کہ "تحفہ حسینیہ" کے نام سے تین حصے لکھ ڈالے۔ مگر ہم ان سب فضول باتوں سے غضِ نظر کرتے ہوئے صرف اصل کتاب میں اٹھائے گئے اعتراضات اور چھیڑے گئے مسائل پر گفتگو کریں گے۔ وبس ان شاء اللہ تعالیٰ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی

یکم ماہِ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

مقدمہ

ناصبیت کا آغاز یوں تو نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک ہی میں ہو گیا تھا، تب سے لے کر اب تک بعد والے تمام ادوار میں کسی نہ کسی شکل و صورت میں ناصبیت موجود رہی ہے۔ اچھے خاصے محدثین و مؤرخین ناصبیت کی گود میں پروان چڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ برصغیر میں جب سے دیوبندیت کا غلغلہ ہوا تب سے ناصبیت بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ یہ ناسور ان بعض نام نہاد مدارس سے پروان چڑھ رہا ہے اور روز بروز بڑھ رہا ہے، جو اسلام کے نام پر قائم ہوئے ہیں، جس کا اعتراف انتہائی متعصب دیوبندی عالم قاضی مظہر حسین (چکوال) نے بھی اپنی تصنیف "خارجی فتنہ" میں کیا ہے۔ بدقسمتی سے اب یہی صورتِ حال بریلوی مکتب فکر کی ہے کہ اس میں بھی ناصبیت و خارجیت کا زہر سرایت کر چکا ہے۔ یہ ناصبی عناصر بریلویت کا روپ دھار کر جہاں بغض اہل بیت علیہم السلام کے سنگین جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں وہاں امت مسلمہ میں ہمہ وقت انتشار و افتراق بھی پھیلا رہے ہیں۔ یہ ناصبی لوگ صحابہ کرامؓ کا نام لے کر نہ صرف حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام کی توہین و تحقیر کر رہے ہیں بلکہ ان کی شانِ اقدس میں ناقابل برداشت زبان درازی بھی کر رہے ہیں۔ ان بدبخت لوگوں میں جہاں مساجد کے ملا اور مدارس کے مدرسین پیش پیش ہیں وہاں بعض گدی نشین پیر فقیر بھی پیچھے نہیں ہیں۔ بہرحال ان نواصب کی جانب سے ماضیٔ قریب اور حال میں چند کتابیں شائع ہوئی ہیں، جن میں دل کھول کر حضرت امیر علیہ السلام کی توہین کی گئی ہے۔ جیسے "ضربِ حیدری" "ضربِ ختنین" "امیر معاویہ اہل حق کی نظر میں" "نعرہ تحقیق حق چاریار" "عمدۃ التحقیق" "الحجر الحریق" "مذہب شیعہ" اور "تحفہ حسینیہ" وغیرہ وغیرہ۔ ان غلیظ اور دل آزار کتابوں کا تعفن مسلمانوں کی عقیدتوں کو بدبودار کر رہا ہے۔ ضرورت اور سخت ضرورت ہے کہ نواصب کے مذموم عزائم کو خاک میں ملانے اور ان کے پلید منصوبوں کا قلع قمع کرنے کے لیے دندان و ہمت شکن علمی و تحقیقی کتابیں لکھی جائیں اور منظر عام پر لائی جائیں۔

بغضِ علیؑ کا ناسور ان لوگوں کے بدبودار جسموں میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ انہی کے ہم

مسلک وہ علماء وعوام جو حضرت علیؑ کو پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد سب سے افضل واعلیٰ جانتے ہیں وہ انھیں "شیعہ" اور "رافضی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ انہی کی مساجد کے خطیب اور انہی کے مدارس کے مدرس اور بریلوی مکتب فکر کے مطابق فقہ حنفیہ پر عمل پیرا ہیں۔ ایسے علماء وعوام کو نشانہ تنقید بنانا ان لوگوں کے خبث باطنی کی دلیل ہے۔ حالانکہ اہل سنت کے اکابر علماء نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو بعد از نبی ﷺ تمام صحابہؓ سے افضل کہنے والے رافضی ہیں نہ بدعتی۔ اس لیے کہ بہت سے صحابہ کرامؓ وتابعین عظام تمام صحابہ پر افضلیت علیؑ کے قائل تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: قلت لیس تفضیل علی برفض ولا هو ببدعة بل قد ذهب الیه خلق من الصحابة و التابعین۔ "میں کہتا ہوں کہ تفضیل علیؑ رفض نہیں اور نہ یہ بدعت ہے، بلکہ صحابہؓ وتابعینؒ کی ایک بڑی تعداد اسی کی قائل تھی"۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ١٦ صفحہ ٤٥٧) یہ لوگ اپنی نا سمجھی کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ شیعوں کو ننگی گالیاں دے کر ان پر کفر وشرک کے فتوے لگا کر ان کو مرکز رشد وہدایت یعنی اہل بیت نبوت علیہم السلام سے جدا کر سکیں گے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے اور شیعیت کی خونچکاں داستان پڑھنی چاہیے کہ انھوں نے سابقہ ادوار میں جیلیں آباد کیں، ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنیں، جائیدادیں ضبط کرائیں، اولادیں ذبح کرائیں، زبانیں کٹوائیں، تلواروں کی دھاروں پر چلے اور تختہ دار پر لٹک گئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے مگر علیؑ اور اولادِ علیؑ کا دامن ولایت نہیں چھوڑا اور مشن آلِ محمد علیہم السلام کو ترک نہیں کیا، بلکہ انھوں نے تختہ دار پر لٹک کر بھی ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہی نعرہ بلند کیا کہ "الحق مع علیٍ و علیٌ مع الحق"۔ جب بنی امیہ و بنی عباس وغیرہ کے جابر و جائر مُطلق العنان حکمران شیعیان حیدرِ کرار کو اہل بیت نبوت کے دروازہ سے نہ ہٹا سکے تو یہ لوگ کون ہوتے ہیں اور یہ کس باغ کی مولی ہیں؟ حق کا کام ہی زندہ رہنا ہے۔ اور باطل کا کام ہی مٹنا ہے۔ قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا۔ ع

باطل آخر داغ حسرت حیری است

الغرض انہی لوگوں میں سے جو بدقسمتی سے بغض اہل بیتؑ میں مبتلا ہیں ایک سابق پیر آف سیال شریف جناب قمر الدین صاحب سیالوی اور ان کے مرید خاص مولوی محمد اشرف سیالوی بھی ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب موصوف نے ماضی قریب میں "مذہب شیعہ" نامی رسالہ لکھ کر اور شائع کر کے نہ صرف شیعہ خیر البریہ کے خلاف زہر چکانی کی بلکہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے خلاف بھی زہر اگل کر ناصبیت نوازی کی۔ اور ان کے مرید اشرف سیالوی نے "تحفہ حسینیہ" لکھ کر نہ صرف شیعہ کی توہین کی

بلکہ اہل بیت نبوتؑ کی بھی توہین وتذلیل کی ۔ بلکہ اس بے توفیق آدمی نے تو خود حضرت پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت دائمہ و مُستمرہ کے خلاف "تحقیقات" نامی رسوائے زمانہ کتاب لکھ کر خود آنحضرتؐ کی توہین و تحقیر کی ۔ جس کے رد میں انہی کے ہم مسلک مفتیانِ کرام نے کتابیں لکھ کر شائع کیں ۔ جیسے تجلیات علمی فی رد تحقیقات السلوی، تنبیہات بجواب تحقیقات اور توضیحات وغیرہ ۔ یہی وجہ ہے کہ سیال شریف کے موجودہ گدی نشین پیر حمیدالدین سیالوی نے مولوی محمد اشرف کے بارے میں کہا ہے :
"محمد اشرف نام کا ایک آدمی ادھر (سیال شریف) رہتا تھا، یہاں سے کہیں چلا گیا، پتہ نہیں کہاں گیا ہے ۔ کثرتِ علم نے بگاڑ پیدا کر دیا" ۔ (تجلیاتِ علمی صفحہ ۱۴) اسی بنا پر ان کو توہین رسالت کیس کی دھمکی بھی دی گئی ہے (ملاحظہ ہو تجلیاتِ علمی صفحہ ۲۳) قارئین کرام بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس گستاخ کی زبان اور قلم سے خود پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ گرامی صفات محفوظ نہ ہو اس کی زبان وقلم سے شیعہ یا اہل بیت رسالتؑ کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں؟

پیر آف سیال شریف کی ابلہ فریبی اور دھوکہ دھی

پیر آف سیال شریف قمرالدین سیالوی اپنے رسالہ مذہب شیعہ میں مذہب حق کے خلاف زبان درازی کرنے کے ساتھ ساتھ کذب و افتراء، دجل و فریب اور دھوکا دہی کی تمام حدیں کراس کر گئے ہیں ۔ کہیں حوالہ غلط، کہیں ترجمہ غلط، اور کہیں شیعہ کتابوں سے عبارات نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ کا ارتکاب کیا ہے ۔ اور کہیں سیاق و سباق کو چھوڑ کر درمیانی جملہ لے لیا ہے جس سے مطلب بگڑ گیا ہے اور سب سے بڑھ کر دھوکا دہی یہ کی ہے کہ شافی وغیرہ وہ شیعی کتابیں جو مخالفین کے اعتراضات کے رد میں لکھی گئی ہیں، ان سے مخالفین کی عبارات کو شیعی عبارت بنا کر پیش کیا گیا ہے ۔
جیسا کہ رسالہ تنزیہ الامامیہ میں پیر صاحب کے اس دجل و فریب کا پردہ چاک کر کے اس کی دھجیاں فضائے محیط میں بکھیری گئی ہیں اور اصل حقائق کے چہرہ سے نقاب کشائی کی گئی ہے ۔

اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے ترجمان اہل بیتؑ، مُفسّر قرآن، آیت اللہ علامہ ایشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی کو جنھوں نے دوسرے مختلف علمی و تحقیقی کارناموں کے علاوہ تنزیہ الامامیہ لکھ کر پیر آف سیال شریف کے رسالہ کا پوسٹ مارٹم کر کے جہاں حق وحقیقت کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا کیا، وہاں پیر صاحب کے تارِ عنکبوت سے زیادہ کمزور بچھائے ہوئے جال کا تار و پود فضائے آسمانی میں بکھیر کے رکھ دیا ۔

واضح رہے کہ پیر آف سیال کا رسالہ ایک سو بیس (۱۲۰) صفحات پر مشتمل تھا، جبکہ جوابی رسالہ

ایک سو اسّی (۱۸۰) صفحات پر مشتمل تھا۔ نامعلوم مولوی اشرف سیالوی (سلوی) کی رگِ ناصبیت اس قدر کیوں پھڑکی کہ "تحفہ حسینیہ" کے نام سے تین جلدیں لکھ ماریں، اور پیر صاحب کے دجل و فریب کی پردہ پوشی کی ناکام کوشش کرتے ہوئے رطب و یابس سے اس کا پیٹ بھر دیا اور نصب و عداوتِ اہل بیتؑ کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ جس کا سرکار علامہ نے "تنزیہ الامامیہ" کے جدید ایڈیشن میں اپریشن کر کے حق کے آہنی گرز سے باطل کا بھیجا نکال دیا ہے۔ اور پیر و مرید کے بچھائے ہوئے مکرو فریب کے جال کا تارو پود اس طرح فضائے بسیط میں بکھیر دیا ہے کہ آئندہ ان کو قلم بدست ہونے کی توفیق نہیں ہوگی۔ اور وہ اپنے زخم چاٹتے رہیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

پیر و مرید کی اصول حدیث سے لاعلمی

یہ اہل علم و فن کے نزدیک طے شدہ اصول ہے کہ: "جس راوی پر جرح مفسّر کی گئی ہو اس سے مروی روایت مردود اور ناقابل اعتماد ہوتی ہے"...... مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ پیر و مرید نے اپنی کتابوں میں اپنی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے اس اصول کو بڑی بے دردی کے ساتھ پامال کیا ہے۔ ہم یہاں بطور نمونہ مُشتے از خروارے اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ پیر سیالوی اپنے رسالہ "مذہبِ شیعہ" صفحہ ۲۸ طبع سرگودھا میں اور مرید اپنے "تحفہ حسینیہ" حصہ دوم صفحہ ۲۴۷ طبع لاہور میں کتاب "کشف الغمہ" صفحہ ۲۲۰ سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول شدہ ایک روایت نقل کرتے ہیں: "عن عروۃ عن ابی عبداللہ قال سئلت ابا جعفر محمد بن علی علیہ السلام عن حلیة السیوف فقال لا بأس به قد حلی ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنه سیفه قلت فتقول الصدیق قال فوثب و ثبة و استقبل القبلة فقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل له الصدیق فلاصدق له قولا فی الدنیا و لافی الاخرة "۔ سرکار علامہ نجفی مدظلہ نے "تنزیہ الامامیہ" میں اس کے جواب میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ علامہ اربلی نے یہ روایت ابن جوزی سنی کی کتاب "صفة الصفوة" سے نقل کی ہے۔ جو ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔ اس کے علاوہ متعدد کتب اہل سنت میں، یہ روایت موجود ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی نے "صواعق محرقہ" صفحہ ۵۳ طبع مکتبۃ القاہرہ مصر میں بلا سند نقل کی ہے۔ ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" جلد ۴ صفحہ ۴۰۸ طبع بیروت، دار قطنی نے "فضائل الصحابہ" صفحہ ۶۳ پر اور ابو نعیم اصفہانی نے "حلیۃ الاولیاء" جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ طبع مصر میں سند کے ساتھ نقل کی ہے جس سے واضح ہے کہ یہ روایت اہل سنت کی ہے جو اہل تشیّع کے خلاف حجت نہیں ہوسکتی بلکہ اہل سنت کے اصول روایت و درایت کے مطابق بھی یہ روایت ناقابل اعتماد و اعتبار ہے۔ کیونکہ اس روایت کا پورا

سلسلہ سند یوں ہے: حدثنا محمد بن علی بن حبیش حدثنا ابراھیم بن شریك الاسدی حدثنا عقبة بن مکرم حدثنا یونس بن بکیر عن ابی عبدالله الجعفی (عمروبن شمر) عن عروة بن عبدالله قال سئلت ابا جعفر محمد بن علی عن حلیة السیوف الخ (ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ طبع مطبعۃ السعادۃ مصر) اس روایت میں ایک راوی ابوعبداللہ عمرو بن شمر الجعفی ہے جو کہ شیعہ وسنی دونوں کے نزدیک بالاتفاق منکر الحدیث متروک، مردود، مُتّہم بالوضع، واہی الحدیث اور زائغ کذاب اور ضعیف جداً ہے۔ چنانچہ بخاری نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے، ابن معین نے اس کے بارے میں لکھا ہے: لا یکتب حدیثه...... یعنی اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ اور بعد ازاں بخاری کا اسے منکر الحدیث قرار دینا نقل کیا ہے۔ (کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۳ صفحہ ۲۷۵۔ ۲۷۶ طبع بیروت) اہل سنت کے ہاں اصول یہ ہے کہ: "جس راوی کو بخاری منکر الحدیث قرار دے دیں اس سے روایت لینا جائز نہیں ہے"۔ (ملاحظہ ہو تدریب الراوی صفحہ ۱۲۷ طبع مصر، میزان الاعتدال ذہبی جلد اول صفحہ ۶، طبقات شافعیہ سبکی جلد ۲ صفحہ ۹ طبع مصر) اسی طرح شیعہ علماء رجال نے بھی شدید جرح وقدح کی ہے اور اس کی روایت کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو خلاصۃ الاقوال فی احوال الرجال، منتہی المقال، رجال نجاشی، مجمع الرجال اور مُعجم رجال الحدیث وغیرہ وغیرہ) ان حقائق سے واضح وآشکار ہو گیا کہ یہ روایت بالکل وضعی وجعلی ہے۔ محقّق علی الاطلاق علامہ سید میر حامد حسین لکھنوی نے "استقصاء الافحام" جلد ا صفحہ ۳۶۴ تا ۳۶۷ مطبوعہ مطبع اعجاز محمدی لکھنو میں کتاب "کشف الغمہ" کے مندرجات پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ فلیراجع الیہا۔ مگر بایں ہمہ پیر آف سیال شریف یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "امام عالی مقام کے اس ارشادِ گرامی پر کس کا ایمان ہے اور کون اس ارشاد کو نہیں مانتا"۔ ع "تفو برتو اے چرخ گردوں تفو"۔

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

جناب اشرف سیالوی یا سلوی نے ایک کتاب بنام "مُتعہ اور اسلام" لکھی ہے جس کے ٹائٹل پر ان کے نام کے ساتھ "اشرف العلماء" لکھا ہوا ہے، جو بالکل غیر تحقیقی اور کج فہمی اور کوتاہ اندیشی کا شاہکار ہے۔ جس میں موصوف نے طعن وتشنیع کے تیر چلائے ہیں، حق وحقیقت کی مخالفت میں اس قدر اندھے ہو گئے ہیں کہ ایک جلیل القدر صحابی اور ابن عم الرسولؐ جناب عبداللہ بن عباسؓ کی توہین و تحقیر سے بھی دریغ نہیں کیا۔ (العیاذ باللہ) چنانچہ انھوں نے اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۳۔ ۱۴ پر اسماء بنت ابوبکر کے نکاح مُتعہ والی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جواب دوم کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

"قاضی ثناء اللہ (پانی پتی صاحب تفسیر مظہری) نے اگرچہ اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن وہ خود محدث نہیں بلکہ انھوں نے نسائی اور طحاوی کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس روایت کے نقل کرنے میں خود ان کو یا کاتب کو سہو ہوا ہے اور غلطی لگی ہے۔ سنن نسائی کے کتاب النکاح کے باب المتعہ میں اس روایت کا کہیں نام ونشان نہیں ہے، بلکہ کتاب الحج کے باب المتعہ میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں .... رہا معاملہ طحاوی شریف کا تو اس میں بھی کتاب النکاح میں قطعاً اس کا ذکر نہیں ہے، البتہ کتاب الحج میں ہے لیکن مُتعۃ الحج کی روایت سے مُتعۃ النساء کے جواز پر استدلال کی لغویت محتاج بیان نہیں ہے۔ اس لیے طحاوی کے حوالے سے بھی اس ضمن میں ذکر کرنا غلط محض ہے"۔ (مُتعہ اور اسلام صفحہ ۱۱۳۔۱۱۴ سیالوی) سیالوی صاحب نے اپنی کم علمی اور کوتاہ اندیشی سے قاضی ثناء اللہ پانی پتی یا ان کے کاتب پر الزام لگا دیا، اگر ان کا مبلغ علم اور وسعتِ نگاہ کا یہی حال تھا تو کتاب لکھنے کیوں بیٹھ گئے اور مصنّفین کی فہرست میں نام درج کرانے کا شوق کیوں چرایا۔ بہر حال غالباً ۲۰۰۶ء یا ۲۰۰۷ء میں کسی پروگرام کے سلسلہ میں بندہ سرگودھا گیا تو سیالوی صاحب کے مدرسہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام سرگودھا میں گیا۔ سیالوی صاحب کے بارے میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی فاتحہ خوانی کے سلسلہ میں سلانوالی گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کے بڑے صاحبزادے غلام نصیر الدین موجود تھے، ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو ان کے والد کی کتاب "مُتعہ اور اسلام" میں کی گئی غلط بیانی سے ان کو آگاہ کیا کہ اسماءؓ بنت ابوبکر کے نکاح مُتعہ والی صحیح سند روایت امام نسائی کی السنن الکبریٰ کتاب النکاح باب المتعہ جلد ۳ صفحہ ۳۲۵ طبع بیروت میں موجود ہے اور طحاوی شریف شرح معانی الآثار جلد ۲ باب النکاح باب المتعہ صفحہ ۸۶ طبع مکتبہ رحیمیہ دیوبند میں موجود ہے۔ لہٰذا آپ کے والد صاحب کا انکار ان کی جہالت وضلالت کا نتیجہ ہے۔ تو موصوف نے اپنے والد کے دفاع میں اپنے بڑے بزرگوں کی فحش غلطیاں گنوانا شروع کردیں۔ گویا ع "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کا مظاہرہ کیا۔ بہر حال سیالوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ حق وحقیقت کو چھپانے والوں پر لعنت بھیجتا اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات الآیہ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشرف صاحب ظاہری بصارت کی طرح قلبی وذہنی بصیرت سے بھی محروم ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کو ان کی اس علمی خیانت مجرمانہ سے آگاہ کردیا گیا تھا تو کتاب کے اگلے ایڈیشن میں اس کی تلافی کرتے اور قارئین سے معذرت طلب کرتے، مگر انھوں نے اس کے برعکس کتاب کے دوسرے ایڈیشن سے یہ دونوں پیرے ہی حذف کردیے۔ ان کی اس حرکت سے صاف

ظاہر ہے کہ انھوں نے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے عمداً یہ خیانت مجرمانہ کی تھی۔ مقامِ عبرت ہے کہ جب اشرف العلماء کے دعویدار اس قسم کی گھناؤنی حرکت اور خیانت کا ارتکاب کریں گے تو پھر ارذل العلماء کی خیانت کاریوں اور سیاہ کاریوں کا کیا عالم ہوگا؟ بقول شاعر:

گر ہمیں مکتب است و ہمیں ملا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

بایں ہمہ ستم ظریفی یہ ہے کہ سیالوی صاحب اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۶۷ پر لکھتے ہیں کہ:
"بلاریب وتردد ہم کہتے ہیں کہ مُتعہ بالکل زنا ہے اور اس کا مرتکب زنا کار اور فاسق وفاجر ہے"۔......الخ۔
اس پر ہم سیالوی صاحب سے صرف یہ سوال کرنا چاہیں گے کہ بخاری ومسلم وغیرہ اسلامی کتب حدیث وتفسیر وتاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ، عہد ابوبکر اور ابتدائی خلافت عمر تک جو صحابہ و صحابیات بشمول حضرت اسماء بنت ابوبکر مُتعہ کرتے کراتے رہے، آیا وہ سب (العیاذ باللہ) زنا کار تھے؟ اور ان حضرات نے ان پر حدِ زنا جاری کی؟۔...... ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ سیالوی کے اس فتویٰ کی زد میں کون کون بزرگوار آتے ہیں؟ افسوس!

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

نعوذ باللہ من الجور بعد الکور

خدا تعصّب کا بیڑا غرق کرے، وہ آدمی کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ سچ ہے: ؎

شجر ہے فرقہ آرائی تعصّب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدمؑ کو

الغرض اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتابوں میں مذہب اہل بیتؑ کے خلاف بہت زبان درازی و بہتان سازی کی ہے۔ بالخصوص "تحفہ حسینیہ" نامی کتاب میں بہت زہر اُگلا ہے۔ جس کا دندان وہمت شکن مکمل ومدلل اور مفصل جواب باصواب "تنزیہ الامامیہ" جدید میں دے دیا گیا ہے۔ والحمد للہ

شیعہ علماءِ اعلام کے بعض دفاعی کارناموں کا اجمالی تذکرہ

سیالوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ مذہب شیعہ خیر البریہ کے خلاف ہمیشہ ہرزہ سرائی مخالفین نے کی ہے اور شیعہ اکابر واساطین نے ہمیشہ دفاع کیا ہے اور اس دفاع میں جرأت وبسالت کی وہ

درخشندہ تاریخ رقم کی ہے اور اب بھی کر رہے ہیں کہ تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جب بھی کسی ناصبی وخارجی نے اہل بیت نبوت کی افضلیت وبرتریت کو گھٹانے یا مذہب کو مٹانے کی سعی نافرجام کی تو غیرت وحمیت سے سرشار علماء شیعہ کثرہم اللہ فی البریہ ان کی سرکوبی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اشہب قلم کو اس طرح جولانی دی اور ایسے ایسے دندان وہمت شکن اور مسکت خصم جوابات سپرد قلم و قرطاس کیے جس سے دشمنانِ اہل بیت کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اور مکڑی کے جال کی طرح بلکہ اس سے بھی کمزور تر ایرادات کے گھروندے زمین بوس ہو گئے۔ جس کی قدرے تفصیل ہم نے "تجلیاتِ صداقت" جدید اضافہ شدہ ایڈیشن کے مقدمہ میں بیان کر دی ہے...... البتہ چند ایک یہ ہیں: برصغیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے "السیف المسلول" لکھی تو اس کے جواب میں شہید رابع علامہ مرزا محمد الدہلویؒ نے "شمشیر براں" تحریر فرمائی۔ مولوی قاسم نانوتوی نے "ہدیہ شیعہ" شائع کی تو مفسر قرآن علامہ سید عمار علیؒ نے "تحفۃ الاشعریہ" دو بڑی جلدیں لکھ کر باطل کو کچل دیا۔ مولوی خلیل احمد سہارنپوری نے "مطرقۃ الکرامہ" تحریر کی تو علامہ سید سجاد حسین بارہویؒ نے "اعجاز داودی" اور مولانا سید کاظم علی الواسطی البریلوی نے "نور علیٰ نور" لکھ کر صاحب مطرقہ کا جادو توڑ دیا۔ انہی علماء حق اور مجاہدین ملت میں سے ایک ہمارے صدر المحققین آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ بھی ہیں، جو نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے مذہب حق کے دفاع کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، چنانچہ:

(۱) جب ضلع چکوال کے مولوی کرم دین آف بھیں نے آفتاب ہدایت لکھ کر مذہب اہل بیتؑ کے خلاف زہر اگلا تو موصوف نے تجلیاتِ صداقت رقم کر کے باطل کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر دیں۔

(۲) مولوی محمد نافع آف محمدی شریف جھنگ نے "حدیث ثقلین" نامی کتاب لکھ کر صحیح بلکہ متواتر حدیث ثقلین بالفاظ قرآن وعترت کی تضحیک کر کے قرآن وسنت والی حدیث کی صحت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تو سرکار علامہ مدظلہ نے "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" رقم کر کے مولوی محمد نافع کو حدیث ثقلین بالفاظ قرآن وعترت کی صحت کا اقرار کرنے پر مجبور کر دیا۔ جسے شک ہو وہ موصوف کی کتاب "حدیث ثقلین" طبع جدید کا صفحہ ۳۵ حاشیہ نمبر ۱ ناشر تخلیقات لاہور، دیکھ لے۔

(۳) اسی طرح جب پیر قمر الدین آف سیال شریف نے رسالہ "مذہب شیعہ" اور......

(۴) اشرف سیالوی نے "تحفہ حسینیہ" تحریر کر کے مذہب حق اور اہل حق پر بودے اور رکیک

ایرادات کیے تو سرکار آیت اللہ النجفی مدظلہ نے "تنزیہ الامامیہ" درجواب رسالہ "مذہب شیعہ" و "تحفہ حسینیہ" لکھ کر باطل کی کمر توڑ دی۔

اس کتاب مستطاب میں گم گشتگان وادئ ضلالت اور سرگردانِ ورطہ غوایت کی رشد وہدایت کے لیے وافر مقدار میں سامان رشد وہدایت مہیا کر دیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ اہل اسلام و ایمان کو اس کتاب مستطاب سے مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت علامہ نجفی مدظلہ کی عمر دراز فرمائے اور شر شیطان انسی وجنی سے محفوظ رکھے، تاکہ تادیر عامہ وخاصہ ان کے وجود مسعود کے فیوض وبرکات سے استفادہ کرسکیں اور ہم سب کو منہج اہل بیت علیہم السلام پر ثابت قدم رکھے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔

نسئل اللہ تعالیٰ ان یوفقنا لخدمۃ الحق و اھلہ

بجاہ نبی الابرار و آلہ الاطہار علیہم صلوات الملک الجبار

نیاز آگین

آفتاب حسین الجوادی

۵ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ بطابق ۲۴ ستمبر ۲۰۱۲ء

اظہارِ تشکر

میری تازہ کتاب "تنزیہ الامامیہ درجواب رسالہ مذہب شیعہ وتحفہ حسینیہ" کمپوزنگ کے مرحلہ سے نکل کر طباعت کی منزل میں قدم رکھنے والی تھی تو جناب اخلاص مآب الحاج لیاقت علی صاحب آف نیوپورٹ حسب سابق اس کی اشاعت کی تیاری کررہے تھے۔ کیونکہ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ میری ہرنئی کتاب کی طباعت کاشرف وہ حاصل کریں۔ لیکن ان کافون آیا کہ یہ سعادت جناب مُستطاب چودھری منظور حسین صاحب مرحوم آف ہیڈمراڑ ضلع سیالکوٹ واردنیوپورٹ برطانیہ کی بیوہ محترمہ نذیراں بی بی صاحب (ابھی کتاب طبع نہیں ہوئی تھی کہ یہ خبرِرقت ملی کہ محترمہ نذیراں بی بی وفات پاگئی ہیں۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔ اب ایصالِ ثواب میں مرحومہ کوبھی شامل کرلیاجائے۔ دعا ہے کہ خداوندجناب مرحومہ کوحضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے جوارِ پرانوار میں جگہ عطافرمائے۔) اور ان کی اولادِعزیزان گرامی کاشف حسین وآصف حسین اور دونوں عزیزیان بیٹیاں عزیزہ شازیہ اور عزیزہ نازیہ اور مرحوم کے دونوں پوتے عزیزم قاسم عباس وعزیزم ضیغم عباس سلمھم اللہ تعالیٰ، جناب چودھری صاحب مرحوم کے ایصالِ ثواب کی خاطر حاصل کرناچاہتے ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ ہماری دعاہے کہ خداوندعالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اورائمہ طاہرین علیہم السلام کے جوارِپرانوار میں مقامِ اعلیٰ علّیین عطافرمائے اوران کے پسماندگان (نام بردگان) کوزندہ وسلامت رکھے اوران کے توفیقاتِ خیر میں مزیداضافہ وازدیادفرمائے۔ بجاہ النبی وآلہ الطاہرین علیہم السلام۔

قارئین کرام سے چودھری صاحب مرحوم کی روح پرفتوح کوایصالِ ثواب کی خاطرایک بار سورہ فاتحہ اورتین بارسورہ اخلاص کے پڑھنے کی اپیل کی جاتی ہے۔

واناالاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

تنزیہ الامامیہ

باب اول... فصل اول

(مسئلہ تقیہ اور اسلام)

① رسالہ "مذہب شیعہ" میں پیر سیالوی صاحب فرماتے ہیں:

"اگر اہل بصیرت فرقۂ اہلِ تشیّع کے نظریات کا بغور مطالعہ کریں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی اور سلفِ صالحین کے ایمانی جذبات اور ان کے محیر العقول اسلامی خدمات کی انجام دہی اور ان کی عقل و ادراک سے بالاتر قربانیاں بھی مطالعہ کریں تو وہ حضرات آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اہل تشیّع اور شریعتِ اسلامیہ کے درمیان مکمل مخالفت اور منافقت کی نسبت ہے"۔ (رسالہ مذہبِ شیعہ صفحہ ۳)

چند سطور کے بعد صفحہ ۴ پر فرماتے ہیں:

"جن اصحاب سے اور اماموں سے روایتیں لینا جائز بتاتے ہیں ان کے متعلق اس ضروری عقیدہ کا دعویٰ کرتے ہیں کہ تقیہ اور کذب بیانی ان کا دین اور ایمان تھا"۔

بعد ازاں بطور استشہاد اصول کافی وغیرہ سے تقیہ کی ضرورت پر چند روایات نقل کی ہیں۔ مثلاً اصول کافی صفحہ...... پر ہے:

"عن ابی بصیر قال ابو عبداللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ قلت من دین اللہ؟ قال ای و اللہ من دین اللہ!"

"یعنی ابوبصیر جو امام عالی مقام جعفر صادق علیہ السلام کا دیرینہ مشیر تھا اور روایت میں اہل تشیّع کا مرکز ہے۔ کہتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ کا دین ہے؟ تو امام صاحب نے فرمایا اللہ کی قسم ہاں تقیہ (جھوٹ) اللہ کا دین ہے"۔

علیٰ ہذا القیاس صفحہ...... و صفحہ...... اور...... تمام کے تمام یہ صفحات مکر و فریب اور کذب بیانی پر مشتمل روایات سے پُر ہیں"۔ (رسالہ مذہبِ شیعہ صفحہ ۵)

② تنزیہ الامامیہ: **الجواب واللہ الملهم للصواب:**

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ وہ لوگ جو نہ اسلامی اصول وقوانین کے مبادیات سے آگاہ ہیں نہ آئینِ فطرت وقانونِ قدرت سے واقف اور نہ ہی اپنی مذہبی کتب ورسائل پر مطلع۔ بایں ہمہ پیشوائی وپیری کا دعویٰ بھی ہے اور تصنیف وتالیف کی پُرخار وادی میں جادہ پیمائی کا شوق بھی دامن گیر ہے۔

نے اصولت محکم آید نے فروع
شرم باید از خدا و از رسولؐ

اس لیے قدم قدم پر ٹھوکر کھاتے اور منہ کے بل گرتے ہیں گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں:

کبھی گرتا ہوں مینا پر کبھی جھکتا ہوں ساغر پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

اُن کی خدمت میں کون عرض کرے کہ حضرت! جو کام آپ خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے سکتے اُسے ترک فرمادیں۔

اذا لم تستطع امرا فدعه
و جاوزه الیٰ ما تستطع

پیری مریدی والا دھندا آسان ہے اس شغل کو جاری رکھیں۔ تصنیف وتالیف کے خاردار جنگل میں قدم رکھ کر نہ خود رسوا ہوں نہ اپنے ابناء مذہب کو رسوا کریں اور نہ ہمیں جواب کی زحمت دیں۔

عرض خود می بری و زحمتِ ما میداری

③ اس پر جناب مولانا اشرف سیالوی کی معاندانہ تنقید:

''ڈھکو صاحب نے بڑی تعلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام کو اسلامی مبادیات سے بے خبر کہنے کی جسارت کی ہے۔ اور تقیہ اور نفقہ میں فرق ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ فرزندانِ اسلام کی ضرب کاری سے ڈر کر جن لوگوں نے ''واذا لقوا الذین امنوا قالوا اٰمنا'' کا وطیرہ بنا لیا تھا۔ وہ درحقیقت اپنے آباء واجداد اور اسلاف کے مذہب پر دل وجان سے فریفتہ تھے اور راسخ القدم، کیا ان کا یہ طریقہ بھی تقیہ کہلائے گا؟ حالانکہ وہ اپنے دھرم کی رو سے دل میں ایمان چھپائے ہوئے تھے اور کفر کو ظاہر کر رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ابدی کلام میں کہیں ان کو ''وما ھم

بمومنین" فرمایا اور کہیں "اذا جائك المنافقون" سے تعبیر فرمایا...... ڈھکو صاحب نے تقیہ کا معنی بیان کیا ہے: "ابطان ایمان واظہار خلافِ ایمان"۔ ایمان کو پوشیدہ رکھنا اور اس کے خلاف ظاہر کرنا۔
یہ تعریف بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صرف عقائد میں تقیہ کرنے پر تو سچّی آسکتی ہے مگر اعمال میں دوسرے لوگوں کی موافقت پر سچّی نہیں آسکتی...... بعد ازاں یہاں ایک طویل و عریض عبارت درج ہے جو کہ محل نزاع سے خارج ہے۔ اور آخر میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ شیعی روایات کا لب لباب یہ ہے کہ نوے فیصد دین تقیہ میں ہے اور جو تقیہ نہ کرے وہ سرے سے مومن ہی نہیں"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸ تا ۳۳)

④ اس پر ہمارا محققانہ تبصرہ:

بفضلہ تعالیٰ ہم نے تقیہ کی ضرورت وافادیت اور تقیہ اور نفاق کے باہمی فرق کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اسے سوچ سمجھ کر کتب فریقین کا مطالعہ کر کے اور میزانِ عقل و شرع پر تول کر لکھا تھا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ جناب مولانا اشرف سیالوی کو اپنے اسلاف کی اندھی تقلید اپنے بھینگے پن کی وجہ سے ہنر بھی عیب اور صواب بھی خراب نظر آتا ہے۔ سچ ہے کہ:

ھنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبی است

ہم نے تقیہ اور نفاق کا جو فرق بیان کیا تھا کہ تقیہ میں ایمان چھپایا جاتا ہے اور خلاف ایمان (کفر) ظاہر کیا جاتا ہے اور نفاق میں اس کے برعکس کفر چھپا کر ایمان ظاہر کیا جاتا ہے۔ اتنی واضح بات کو بھی اشرف صاحب نظر انداز کرتے ہیں یا پھر سمجھتے نہیں ہیں اور فرزندانِ اسلام کی ضرب کاری سے ڈر کر منافقین کی روش ورفتار کہ "جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں "أمنا" (ہم ایمان لائے ہیں) اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں: "انا معکم" (کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں) کو تقیہ کہتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ منافقت ہے، تقیہ نہیں ہے۔

اشرف صاحب اپنی صحیح بخاری کا ہی مطالعہ کر لیتے تو تقیہ کی تعریف انھیں سمجھ آجاتی۔ چنانچہ صحیح بخاری کے محشی مولانا احمد علی سہارنپوری بحوالہ عمدۃ القاری تقیہ کی تشریح وتعریف یوں کرتے ہیں:

ای تقیة و کلاھما بمعنی واحد اشار الیه البخاری بقوله و ھی تقیة وھی الحذر من اظھار ما فی الضمیر من العقیدة و نحوھا عندالناس۔ "تقاة و تقیة" کا معنی ایک ہی ہے، بخاری نے اپنے قول "وھی تقیة" سے اس طرف اشارہ کیا ہے اور "تقیہ" عقیدہ یا اسی طرح کی اور باتیں جو دل میں ہوں ان کے لوگوں کے سامنے اظہار سے بچنا ہے۔ (صحیح بخاری بین السطور جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۶ مطبع احمدی میرٹھ)

اسی طرح قسطلانی بھی "ارشاد الساری" میں تقیہ کی یہی تعریف کی ہے۔ تقیہ وہ تھا جو جناب عمارؓ نے کیا تھا کہ ایمان چھپا کر کفر کا اظہار کیا تھا، مگر دل ایمان پر مطمئن تھا۔ اور پیغمبر اسلامؐ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا تھا کہ "ان عمار ملئی ایمانا" کہ "عمار تو سر سے لے کر پاؤں تک ایمان سے لبریز ہے"۔ (تفسیر بیضاوی)

"اپنے دھرم کی روسے" کی دُم نہ لگائیں۔ بلکہ مولانا اشرف صاحب اور ان کے ہم نوا صاف صاف بتائیں کہ قرآنی اور ایمانی نقطۂ نگاہ سے منافقین ایمان چھپا کر کفر ظاہر کر رہے تھے۔ یا اپنے آباء واجداد اور اسلاف والا کفر چھپا کر قرآن والے اسلام و ایمان کا اظہار کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے ان کو منافق قرار دیا ہے۔

پس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

محل نزاع عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے کہ شرعی نقطۂ نگاہ سے تقیہ جان کی حفاظت کے لیے روا ہے۔ یا مال کی حراست کے لیے کیونکہ "حرمة مال المسلم کدمه"...... یا عرض و ناموس کی صیانت کے لیے جو کہ جان و مال سے بھی زیادہ اہم ہے۔ جیسا کہ علامہ فخر الدین الرازی رقم طراز ہیں: التقية جائزة لصون النفس و هل هي جائزة لصون المال يحتمل ان يحكم فيها بالجواز كقوله علیہ السلام حرمة مال المسلم كحرمة دمه۔ "جان کی حفاظت کے لیے تقیہ کرنا تو جائز ہے ہی کیا مال کی حفاظت کے لیے بھی تقیہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواز کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے مال کی حرمت بھی ان کے خون کی حرمت کی طرح ہے"۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۴۶ مطبوعہ دار الطباعة العامرة قسطنطنیہ)

الغرض تقیہ ہر جگہ واجب نہیں ہوتا، بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے کبھی واجب، کبھی مُستحب، کبھی حرام، کبھی مکروہ اور کبھی صرف مباح ہوتا ہے۔ یہ ہوا تقیہ مقامِ اعتقاد میں۔ اور مقامِ عمل میں ایمان کے تقاضوں کو چھپا کر اس کے خلاف پر عمل کرنے کا نام تقیہ ہے۔ وبس۔ اور ہماری روایات میں جو اس میں دین کے نو حصے قرار دیے گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دنیا و آخرت کا فائدہ ہے اور اسلام جو کہ دین فطرت ہے۔ اس کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ "جو تقیہ نہ کرے وہ سرے سے مومن ہی نہیں ہے"۔ ہاں البتہ جو اس کے جواز کا انکار کرے جو کہ قرآن و سنت کے نصوصِ صریحہ و صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس کا اسلام ضرور محل کلام ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ایسی روایات کتب اہلسنت میں بھی پائی جاتی ہیں کہ "التقية الى يوم القيامة" "تقیہ قیامت تک برقرار ہے"۔ (بخاری شریف ج ۴ ص ۱۲۳ طبع مصر) اور "لا دين لمن لا تقيه له" "جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے"۔ (کنز العمال)

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

فصل دوم

تقیّہ کا جواز قرآن کریم کی روشنی میں

① تنزیہ الامامیہ:

پیر سیالوی نے تقیہ کو شریعت کے مخالف قرار دے کر علوم شرعیہ سے اپنی تہی دامنی کا ثبوت دیا ہے۔ معمولی دینی بصیرت رکھنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیث سید المرسلینؐ میں جوازِ تقیہ کے ناقابل انکار و تاویل قطعی نصوص موجود ہیں اور کتب سیر و تواریخ میں نہ صرف سلف صالحین بلکہ انبیاءؑ و مرسلینؑ اور بڑے بڑے دین کے تقیہ پر عمل درآمد کرنے کے متعدّد واقعات مذکور ہیں۔ ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ چند آیات کچھ روایات اور بعض واقعات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ تقیّہ کا اِنکار تکذیب قرآن کے مترادف ہے اور یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں ہے کہ:

جو ہو ناحق درپئے تکذیب فرقانِ الٰہی کے
وہ ہرگز تابع خیر البریہ ہو نہیں سکتا

ارشادِ قدرت ہے:

پہلی آیت:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ (سورۃ النحل: ۱۰۶)

"جو شخص ایمان لائے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے۔ اور کفر ہی کرے تو دل کھول کر۔ تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور ان کے لیے بڑا (سخت) عذاب ہے"۔ (ترجمہ نذیری)

اس آیت کے متعلق مُفسّرین اسلام کا اتفاق ہے کہ جناب عمارؓ بن یاسر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ شانِ نزول یوں ہے:

اخذ المشرکون عمار بن یاسر فلم یترکوہ حتی سب النبی ﷺ و ذکر الھتھم بخیر ثم ترکوہ فلما اتی رسول اللہ ﷺ قال ما وراءک شیء قال شر ما ترکت حت نلت منک و

ذکرت الھتھم بخیر قال کیف تجد قلبك؟ قال مطمئن بالایمان قال ان عادوا فعد فنزلت الا من اکرہ و قلبہٗ مطمئن بالایمان۔ اخرجہ عبدالرزاق، و ابن سعد و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و الحاکم صححہ و البیھقی فی الدلائل من طریق ابی عبیدۃ بن محمد بن عمار عن ابیہ

یعنی ایک بار مشرکین نے جناب عمار بن یاسر کو پکڑ لیا اور ان کو اپنے معبودانِ باطل کی تعریف اور پیغمبر اسلامؐ پر سب وشتم کرنے پر مجبور کیا۔ حتیٰ کہ وہ ایسا کر گزرے۔ پھر انھوں نے حضرت عمارؓ کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جب وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو تمام ماجرا بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اپنے دل کو کیسے پاتے ہو؟ عرض کیا وہ تو پوری طرح ایمان پر مطمئن ہے۔ فرمایا (پھر کوئی حرج نہیں ہے) اگر کفار دوبارہ یہی کلمے کہلوائیں تو کہہ دینا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان۔

(تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۳۲ مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۴ھ)

تفسیر بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۴۵۳ طبع نولکشور پر مذکور ہے کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو بارگاہ نبویؐ میں عرض کیا گیا:

یا رسول اللہ ان عماراً کفر فقال کلا۔ ان عمار ملئی ایمانا من قربہ الی قدمہ و اختلط الایمان بلحمہ و دمہ فاتی عمار رسول اللہ ﷺ! و ھو یبکی فجعل رسول اللہ ﷺ یمسح عینہ و قال مالك ان عادوا لك فعدلھم بما قلت۔

"یارسول اللہ! عمارؓ کافر ہو گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ عمارؓ تو سر سے پاؤں تک ایمان سے لبریز ہے۔ اس کے گوشت و پوست میں ایمان مخلوط ہے۔ بعد ازاں جناب عمارؓ روتے ہوئے بزم نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ تو آنحضرتؐ نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے فرمایا تجھے کیا ہے؟ اگر کفار یہی کلمات دوبارہ کہلوانا چاہیں تو بے شک کہہ دینا"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے ذیل میں توثیق کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ورجالہ ثقات مع ارسالہ ایضا ھذہ المراسیل یفسر بعضھا ببعض۔ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں، اگر یہ روایت مرسل بھی ہے مگر مرسل روایات مل کر ایک دوسری کو قوی کر دیتی ہیں۔

(فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ طبع بولاق مصر ۱۳۰۱ھ)

یہ واقعہ لکھنے کے بعد قاضی بیضاوی (متوفی ۶۹۲ھ) رقم طراز ہیں:

وھو دلیل علیٰ جواز التکلم بالکفر عند الاکراہ۔ یعنی یہ آیت مبارکہ جبرو اکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز کی قطعی دلیل ہے۔ تفسیر جامع البیان، اکلیل اور معالم التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: "والاجماع علی جواز کلمۃ الکفر عند الاکراہ" ۔ یعنی جبرو اکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز پر پوری امتِ مُسلمہ کا اجماع ہے۔ (کذا فی تفسیر فتح البیان و تفسیر ابن کثیر و ترجمان القرآن)

ان حقائق کی روشنی میں کم از کم کسی مُسلمان کو تو تقیّہ کے جواز میں کلام نہیں ہوسکتا۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ صحابہ رسولؐ تقیّہ پر عمل کریں۔ رسول مقبولؐ ان کو کامل الایمان ہونے کی سند عطا فرمائیں اور بوقت ضرورت دوبارہ تقیّہ کرنے کا حکم دیں۔ خداوند عالم اس کے جواز پر آیت نازل فرمائے۔ علماء اہلسنّت اس کے جواز پر پوری امتِ مرحومہ کے اجماع کا دعویٰ کریں۔ اور تمام لوگ بوقت ضرورت اس پر عمل بھی کریں۔ مگر بدنام صرف شیعیان حیدرِ کرار کو کیا جائے کہ وہ تقیّہ باز ہیں اور سیال شریف کے دارالافتاء سے اس کے خلاف شریعت ہونے کا فتویٰ صادر کیا جائے؟ سچ ہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(۲) اس پر اشرف سیالوی کی تنقید:

ڈھکو صاحب کو اس قدر طوالت کی ضرورت کیا تھی۔ انھیں تو یہ بیان کرنا چاہیئے تھا کہ جنھوں نے تقیّہ نہیں کیا ان کا حکم از روئے شریعت کیا ہے؟ سرورِ عالم کا کفار و مشرکین کی اذیتیں برداشت کرنا اور اعلانِ توحید و رسالت سے باز نہ آنا اور صحابہ کرام کا ہر مصیبت اور تکلیف کو سینے سے لگانا اور ایمان و اسلام کو مخفی نہ رکھنا...... اور میدانِ کربلا میں سید الشّہداء کا روضۂ مقدّس اور ان کے جان نثار ساتھیوں کے مزاراتِ مقدّسہ اعلانِ حق کی خاطر بے مثال قربانیوں کی نا قابل تردید ثبوت و برہان ہیں...... بعد ازاں حضرت امیر علیہ السّلام کی زبانی ان کی شجاعت اور دشمن سے بے خوفی کے چند جملے نقل کیے ہیں...... اور پھر ائمہ اہل بیتؑ کے غیر اللہ کو خاطر میں نہ لانے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنے کے بعض واقعات بیان کیے ہیں۔ اور اس تمام تگ و تاز سے نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ "واضح ہو گیا کہ پیغمبرانِ اسلام علیہم الصّلوٰۃ والسلام سے لے کر علماء کرام بلکہ عوام اہل اسلام کو بھی صرف اللہ سے ڈرنے اور دوسرے لوگوں سے نہ ڈرنے کا پابند کیا گیا ہے۔ (تحفہ حسینیہ صفحہ ۵۰)

پھر صفحہ ۵۰ پر "سنتِ انبیاءؑ و رسلؑ بھی شیعی تقیّہ کو باطل ٹھہراتی ہے" کا عنوان قائم کر کے حضرت خلیلؑ اور جناب موسیٰؑ و ہارونؑ کے بعض کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ (صفحہ ۵۱)

(۴) اس پر ہمارا تبصرہ:

اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ پیغمبر اسلامؐ یا دوسرے انبیاءؑ و مرسلینؑ کے تقیہ نہ کرنے کا ہمارے متعلقہ موضوع سے کیا تعلق ہے؟ کیونکہ بالاتفاق انبیاءؑ و مرسلینؑ کے لیے تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔ بھلا جان و مال اور عرض و ناموس کے خوف سے اگر نبی و رسول بھی تقیہ کر کے حق کو چھپائیں اور باطل کو ظاہر فرمائیں۔ ایمان کو چھپائیں اور کفر کو ظاہر کریں تو پھر دین خدا پہنچائے گا کون؟ اور دین حق بتائے گا کون؟ یہی وجہ ہے کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ہمیشہ اپنی عظیم جانوں کا نذرانہ راہ خدا میں پیش کرتے رہے مگر تقیہ نہیں کیا۔ اور اپنی جان بچا کر اسلام کا نقصان نہیں کیا۔ لہٰذا انبیاءؑ و مرسلینؑ کے لیے تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس بات کا ہمارے محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تقیہ کا جواز دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔ انبیاءؑ و مرسلینؑ کے لیے نہیں ہے۔ مولانا اشرف سیالوی کا بار بار یہ کہنا کہ جن اہل اسلام نے تقیہ نہیں کیا ان کے بارے میں شیعہ کیا کہتے ہیں؟ ہم نے یہ کب کہا ہے کہ تقیہ ہر وقت اور ہر شخص پر واجب ہے؟ تا کہ یہ سوال کیا جائے کہ تارکِ تقیہ کا کیا حکم ہے؟ تقیہ شرعی احکام خمسہ کے مطابق کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی حرام، کبھی سنت و مستحب ہوتا ہے اور کبھی مکروہ اور کبھی صرف مباح۔ جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہوتا ہے۔ جہاں جہاد وغیرہ کے ذریعے جان قربان کر کے اسلام و ایمان بچانا موقوف ہو۔ وہاں تقیہ کرنا حرام ہے۔ اور جہاں جان دینے سے نہ اسلام کو کوئی فائدہ پہنچے اور نہ ملک و ملت کو۔ وہاں تقیہ کر کے جان بچانا واجب ہے۔ اور جہاں جان قربان کرنے سے اسلام کو فی الجملہ فائدہ تو پہنچے مگر جان بچا کر آدمی اسلام کی زیادہ خدمت کر سکتا ہو وہاں تقیہ کرنا مستحب ہے۔ اور جہاں اس کے برعکس ہو یعنی جان قربان کرنا جان بچانے سے زیادہ فائدہ مند ہو وہاں تقیہ کرنا مکروہ ہے اور جہاں دونوں پہلو برابر ہوں وہاں تقیہ کرنا مباح ہے لہٰذا ہر شخص کو ماہر طبیب کی طرح حالات و واقعات کی روش و رفتار کی نبض پر ہاتھ رکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ یہاں مال بچانا ہے یا جان اور یہاں جان بچانی ہے یا اسلام و ایمان؟؟ علیٰ ہذا القیاس اسلام کے مبادیات پر نگاہ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ اسلام کا سارا نظام مہم اور اہم پر قائم ہے۔ یعنی اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب بھی مہم اور اہم میں تصادم ہو جائے تو مہم کو اہم پر قربان کر دینا چاہیے۔ بنابریں اگر مال و جان میں تصادم ہو جائے کہ آدمی یا مال بچائے یا جان۔ تو عقل و شرع کا تقاضا ہے کہ جان اہم ہے۔ لہٰذا مال قربان کر کے جان بچانی چاہیے اور اگر کبھی یہی تصادم جان و ایمان میں ہو جائے۔ جیسا کہ کربلا کے میدان میں ہوا تھا تو چونکہ جان سے اسلام و ایمان اہم ہے۔ اس لیے عقل و شرع کا فیصلہ ہے کہ ہزار جان گرامی قربان کر

کے اسلام وایمان بچایا جائے۔

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

ہر سمجھدار اور دین دار انسان کو موقع ومحل کی مناسبت سے اپنی ذمہ داری نبھانی چاہیے۔ چنانچہ جناب امام حسن علیہ السّلام نے امیر شام سے صلح کر کے اپنے جدنامدار کا دین بچایا۔ اور حضرت امام حسین علیہ السّلام نے بے مثال جہاد کر کے اور عظیم قربانی پیش کر کے اپنے جدنامدار کا کام ونام اور خدا کا قرآن واسلام بچایا۔ ولنعم ماقیل:

چاہا جب خدا نے یہ کہ بتائے دنیا والوں کو
کہاں پر صلح ہوتی ہے کہاں پر جنگ ہوتی ہے

تو بھیجے اپنی قدرت سے علیؑ کے لاڈلے دونوں
وہ آئے اور عمل کر کے مُسلمان کو یہ بتلایا
یہاں پر صلح ہوتی ہے وہاں پر جنگ ہوتی ہے

لہٰذا ہماری بحث (Discussion) کا مرکز اور محور (Centre) صرف یہ ہے کہ شرعی اور عقلی ضرورت کے وقت تقیہ کرنا یعنی مہم کو اہم پر قربان کرنا جائز ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ قرآن وسنت اور سیرت علماء وصلحاء کی روشنی میں مہر نیم روز سے بھی زیادہ واضح وآشکار ہے۔

ومن ینکرہ انما ینکر باللسان وقلبہ مطمئن بالایمان۔ لہٰذا حالات کے مطابق جہاں جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ وہاں یہ نذرانہ پیش کرنا چاہیئے اور جہاں مال اور عرض وناموس کی خاطر تقیہ کرنا قرین عقل وشرع ہو وہاں یہ سپر استعمال کر کے جان بچانی چاہیے۔

جناب سیالوی صاحب کو امام حسین علیہ السّلام کا کربلا کے میدان میں اسلام کی خاطر جہاں جام شہادت نوش فرمانا تو نظر آیا ہے۔ وہاں حضرت امام حسن علیہ السّلام کا امیر شام سے صلح کرنی کیوں نظر نہیں آئی؟ اور امام زین العابدینؑ سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام تک نواماموں کی خانہ نشینی کیوں نظر نہیں آئی۔ اور جہاں جناب یاسر وسُمیہ کی شہادت نظر آئی ہے۔ وہاں جناب عمار کا تقیہ کیوں نظر نہیں آیا؟ بے شک اسلام میں شعائر کے اقامہ کی خاطر ہجرت بھی واجب ہے۔ اور اسلامی احکام کی بجا آوری بھی لازم ہے۔ مگر جہاں عقل وشرع کا فیصلہ جان بچانا ہو وہاں وقتی طور پر (نہ کہ ہمیشہ کے لیے) تقیہ کو سپر بنا کر جان ومال اور عرض وناموس کی حفاظت کرنا بھی واجب ولازم ہے۔ منصف

مزاج علمائے اہل سنت بھی اس حقیقتِ واقعہ کا اقرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے امام بخاری نے جوازِ تقیہ پر مزید تائید وتاکید کے لیے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: "التقیه الی یوم القیامه" حسن بصری نے کہا: "تقیہ قیامت تک باقی رہے گا"۔ یعنی جہاں جان جانے کا ڈر ہو یا بے عزتی کا یا کوئی عضو کاٹے جانے کا یا ضربِ شدید کا جس کا تحمل نہ ہو سکے تو کسی حیلہ سے اپنے تئیں بچانا، اس کا نام تقیہ ہے۔ اس عبارت کے ذیل میں بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے: ای ثابتة الی یوم القیامة لم تکن مختصة بعهده ﷺ۔ یعنی تقیہ قیامت تک جائز ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۳ طبع قسطنطنیہ)

انور شاہ کشمیری دیوبندی نے "فیض الباری" میں بھی اس پر کوئی تنقید نہیں کی، گویا انھیں بھی اقرار ہے۔ اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ الا ان تتقوا منهم تقاة اور ناواقف لوگ تقیہ کو روافض کا خاص طریق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک بھی ایسے موقع پر جائز ہے۔" فاحفظ هذا فانه مفید و لاینبئك مثل خبیر"۔

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

الحمد للہ کہ درج بالا علماء اہل سنت حسن بصری، بخاری، عینی، احمد علی سہارنپوری، انور شاہ کشمیری اور بدر عالم میرٹھی وغیرہم نے یہ حقیقت پیش کر کے تقیہ کے بارے میں ہر قسم کی قیل وقال اور ہر قسم کے جنگ وجدال کا خاتمہ کر دیا۔

لطیفہ:

تقیہ کے جواز پر ہماری پیش کردہ پہلی آیت کے جواب میں مولانا اشرف سیالوی نے اپنے رسالہ "تحفہ حسینیہ" کے ساڑھے سولہ صفحے سیاہ کیے ہیں اور اِدھر اُدھر سے رطب ویابس اور غیر مُتعلقہ باتوں کی بھرتی کی ہے۔ مگر ہماری پیش کردہ آیت کے جواب میں ایک جملہ بھی نہیں کہا۔ اس سے بڑھ کر ہماری فتح مندی اور ان کی تہی دامنی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔؟؟ والحمد للہ

(۱) تنزیہ الامامیہ دوسری آیت ارشادِ قدرت ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ (آل عمران:۲۸)

"مُسلمانوں کو چاہیے کہ مُسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا

تو اس سے اور اللہ سے کچھ سروکار نہیں مگر (اس تدبیر سے) کسی طرح ان کی شرارت سے بچنا چاہو (تو خیر) اور اللہ تم کو اپنے (جلال) سے ڈراتا ہے اور (آخرکار) اللہ کی طرف جانا ہے"۔ (ترجمہ نذیری)

تفسیر بیضاوی طبع لکھنو جلد ا صفحہ ۳۴ و طبع مصر جلد ا صفحہ ۱۱۲ میں بذیل آیت بالا مرقوم ہے:

"و قراء یعقوب تقیة منع عن موالاتهم ظاهرا و باطنا فی الاوقات کلها الا وقت المخافة فان اظهار الموالاة حینئذ جائز۔

یعنی یعقوب (قاری) نے تقاۃ کو تقیۃ پڑھا ہے (معالم التنزیل میں مجاہد کی قرأت بھی یہی بتلائی گئی ہے) خداوند عالم نے اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو کفار کے ساتھ ہر قسم کی ظاہری و باطنی دوستی کرنے سے سوائے حالتِ خوف کے باقی تمام اوقات و حالات میں ممانعت فرمائی ہے۔ ہاں البتہ بوقتِ خوف ان سے دوستی ظاہر کرنا جائز ہے۔

ایسا ہی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۶۴۶، و تفسیر کشاف ج ا ص ۱۸۳ فتح البیان وغیرہ میں افادہ فرمایا گیا ہے۔ برادرانِ اسلامی کی اصح الکتب بعد کتاب الباری الصحیح للبخاری ج ۴ ص ۱۲۳ طبع مصر بذیل آیت مذکورہ بالا لکھا ہے: الا ان تتقوا منهم تقاة و هی تقیة و قال الحسن التقیة الی یوم القیامة۔ یعنی "تقاۃ سے مراد تقیہ ہے"۔ اور حسن (بصری) کہتے ہیں کہ تقیّہ قیامت تک باقی اور جائز ہے۔ ارباب انصاف کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ خداوند کریم حالتِ خوف میں کفار سے اظہار محبت کو جائز قرار دے (جو عام حالات میں ناجائز ہے) علماء اسلام اس کے جواز کی صراحت کریں۔ بخاری شریف میں تقیّہ کے قیامت تک قائم و دائم رہنے کی بشارت موجود ہو۔ اس سے واضح و عیاں ہے کہ تقیّہ برحق ہے۔ و ما ذا بعد الحق الا الضلال۔ مگر بایں ہمہ اگر ہم اس پر عمل کریں یا ہمارے ائمہ اطہارؑ اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائیں تو ہمارے کرم فرما نفاق کے فتوے صادر فرمائیں!

ہم آہ بھی جو کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(۲) اس پر سیالوی صاحب کی تنقید

اس واضح الدلالۃ آیت مبارکہ پر سیالوی صاحب بے جا تنقید کے تیر یوں چلاتے ہیں قرآن مجید میں قراءت متواترہ کے اندر "الا ان تتقوا منهم تقاة" وارد ہے اور اس کے معنی خوف و ڈر ہے نہ کہ مصطلح تقیّہ موصوف نے تقیّہ کا معنی کیا تھا "ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان" ایمان کو چھپانا اور اسلام کے خلاف کو ظاہر کرنا۔ لیکن یہاں پر دلیل قائم کرتے ہوئے صرف مدارات اور نرم رویہ اور

رواداری کا جواز ثابت کیا...... تو اس سے پچھلا دعویٰ باطل ہو گیا۔ علماء شیعہ کا افراط...... جو امور ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جائز کیے جائیں...... وہ رُخصت اور اباحت کی حد تک ہوتے ہیں نہ فرض نہ واجب اور نہ ہی موجب ترقی درجات...... مگر شیعہ صاحبان...... انہیں فرض عین قرار دیتے ہیں اور اس پر اجر جزیل ثابت کرتے ہیں۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۶۱)

(۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

ایک طرف سیالوی صاحب کی یہ تحقیق انیق ہے کہ یہاں تقاۃ موجود ہے۔ جس کے معنی ڈر اور خوف کے ہیں اور اس کا اصطلاحی تقیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور دوسری جانب مشہور تابعی اور ممدوح اہل سنت حسن بصری کی اور امام بخاری کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں تقاۃ سے مراد تقیہ ہے اور یہ قیامت تک باقی رہے گا۔ چنانچہ بخاری شریف ج ۴ ص ۱۲۳ طبع مصر بذیل آیت مذکورہ بالا لکھا ہے:

الا ان تتقوا منهم تقاة وهی تقية وقال الحسن التقية الى يوم القيامة۔

یعنی اس آیت الا ان تتقوا منهم تقاة میں وارد شدہ لفظ تقاۃ سے مراد تقیہ ہے اور جناب حسن بصری کہتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک باقی اور جائز ہے۔

اب یہ فیصلہ اہل سنت کے عوام و خواص نے کرنا ہے کہ سیالوی صاحب کی تحقیق صحیح ہے یا جناب حسن بصری اور امام بخاری کی؟ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

ہم نے بفضلہ تعالیٰ کہیں بھی اپنی تردید نہیں کی یہ سیالوی صاحب کی محض خوش فہمی ہے۔ ہم نے تقیہ کے جو معنی کیے ہیں "ابطان ایمان" اور "اظہار خلاف" یعنی ایمان کو اپنے اندر چھپا کر خلاف ایمان بات کا اظہار کرنا۔ وہ ہر جگہ صادق آتے ہیں۔ کفار و مشرکین کے بارے میں خدا اور رسول کا حکم یہ ہے کہ ان سے عداوت اور دشمنی کرو اور دوستی نہ کرو۔ اس حکم کا ماننا ایمان ہے۔ مگر مقام تقیہ میں عمل یہ ہے کہ اس عداوت کو دل میں چھپاؤ جو کہ ایمان ہے اور دوستی ظاہر کرو۔ جو کہ خلاف ایمان ہے اسی طرح سیالوی صاحب کا یہ کہنا کہ علماء شیعہ نے اس معاملہ میں افراط کیا ہے۔ اور تقیہ پر عمل کرنے کے بڑے ثواب لکھے ہیں۔ تو آپ کے اضافۂ معلومات کی خاطر عرض ہے کہ اگر خالصاً لوجہ اللہ کسی مستحبّ بلکہ صرف مباح کام کو بھی انجام دیا جائے تو اس پر خدا بڑا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا اگر مقام تقیہ میں کسی مخالف مذہب کے پیچھے نماز پر بہت سا ثواب وارد ہوا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

(تفسیر منہج الصادقین)

سیالوی صاحب کی اپنے مذہبی مُسلمات سے جہالت:

اس مقام پر سیالوی صاحب کا یہ کہنا کہ ہم تو کسی فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے پر نماز کا اعادہ واجب و لازم سمجھتے ہیں (تحفہ حسینیہ صفحہ ۶۳)

یہ بات ان کے اپنے مذہبی مُسلمات سے ناواقفی کی بین دلیل ہے آپ حنفی المذہب کہلاتے ہیں۔ جن کا امام مذہب امام اعظم ہے اور امام اعظم کا فتویٰ یہ ہے جیسا کہ جناب ملا علی قاری حنفی (متوفی ۱۰۱۴ھ) نے شرح فقہ اکبر میں نقل کیا ہے: "صلوا خلف کل بر و فاجر" یعنی "اہل السنّۃ و الجماعت کے خُصوصی علامات میں ہے ایک علامت یہ ہے کہ ہر نیک و بد کی اقتداء میں نماز با جماعت پڑھی جائے"۔ بلکہ اسی کتاب میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

سئل ابو حنيفة عن مذهب اهل السنة و الجماعة فقال ان تفضل الشيخين و تصلى خلف كل بر و فاجر

یعنی "امام ابو حنیفہ سے سوال کیا گیا کہ مذہب اہل السنّۃ والجماعت کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ شیخین (جناب ابوبکر و عمر) کو دوسروں پر فضیلت دی جائے اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھی جائے"۔
(ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۹۲۔۹۱ طبع کانپور انڈیا)

مزید برآں ملا علی القاری الحنفی اس قول کی تشریح میں لکھتے ہیں: "و جاهدوا مع كل بر و فاجر فمن ترك الجمعة و الجماعة خلف الامام الفاجر فهو مبتدع عند اكثر العلماء"۔ "ہر نیک و فاجر کی معیّت میں جہاد کرو۔ پس جس نے فاجر امام کے پیچھے نماز جمعہ اور جماعت ترک کی وہ اکثر علماء کے نزدیک بدعتی ہے"۔ (صفحہ ۹۱) بلکہ صفحہ ۱۸۰ پر لکھا ہے: "و لان علماء الامة كانوا يصلون خلف الفسقة و اهل البدعة"۔ "کیونکہ علماء امت فاسق اور اہل بدعت امام کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے"۔ ؎

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما
من چہ سرایم و طنبورہ ام چہ سراید

سیالوی صاحب ؎

نے اصولت محکم آید نے فروع
شرم باید از خدا و از رسولؐ

فصل سوم

جوازِ تقیہ سنتِ پیغمبرِ اسلام کی روشنی میں

(۱) تنزیہ الامامیہ:

تاریخ اسلام پر نگاہ رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت مستور نہیں ہے کہ تقیہ کا جواز نہ صرف جناب رسول خدا کے قول سے بلکہ ان کے عمل و فعل سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ:

تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۰۷۔۱۰۶ و تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۱۹ طبع مصر تفسیر معالم التنزیل طبع بمبئی صفحہ ۴۹۹ وغیرہ کتب معتبرہ میں مرقوم ہے کہ: مازال النبیؐ مستخفیا سنین لا یظهر شیئاً مما انزل الله علیه حتی نزلت فاصدع بما تومر۔ یعنی ''کئی برس (۳ سال) تک پیغمبر اسلامؐ نے امر نبوت کو مخفی رکھا جو کچھ خدا ان پر نازل کرتا تھا۔ اُسے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آیتِ مبارکہ فاصدع بما تومر نازل ہوئی جب کہ شجر اسلام میں کچھ توانائی پیدا ہو چکی تھی۔ اس وقت کھل کر کلمۂ حق بلند کیا۔

بخاری مع فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۸۹، ۱۰۰ پر جناب عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لولا ان قومك حدیث عهد بالجاهلیة فاخاف ان تنکر قلوبهم و فی روایة لولا ان قومك حدیث عهد بالکفر لنقضت الکعبة و رددتها علی قواعد ابراهیم و جعلت لها بابا شرقیا و بابا غربیاً۔ ''اے عائشہ! اگر تیری قوم تازہ جاہلیت و کفر سے نکل کر اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی جس کی وجہ سے مجھے ان کے دلوں کے برگشتہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو میں یقیناً کعبہ کو گرا کر اس کا سنگِ بنیاد جناب ابراہیمؑ کی بنیادوں پر رکھتا اور اس کے لیے دو دروازے مقرر کرتا۔ ایک مشرقی اور دوسرا مغربی''۔

اس سے ظاہر ہے کہ اس اہم مصلحت کے پیشِ نظر آپ یہ مہم کام انجام نہ دے سکے۔ اس سے ایک اور مشہور غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں بعض اصلاحات کیوں نافذ نہ کیں؟ جب بانی اسلام کی سیرتِ طیبہ میں اس کی نظیر موجود ہے تو اگر جناب امیر علیہ السلام بعض اہم مصالح کی بنا پر بعض مہم اِصلاحات نافذ نہ کر سکے ہوں تو ان کو کسی طرح بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا جا سکتا۔

② سیالوی صاحب کی معاندانہ تنقید:

پہلی روایت کا جواب:

چلو تسلیم کرتے ہیں کہ تین سال تک آنحضرتؐ نے دعائے نبوت اور دیگر آیات نازلہ کو مخفی رکھا۔لیکن بہرحال اس کے بعد ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا اور لشکر و سپاہ، حکومت و سلطنت کے حصول کا انتظار نہ کیا۔تو وہ سنت منسوخ ہوگئی۔ کیا کوئی عالم بقائمی ہوش و حواس منسوخہ سنت کو دلیل بنا سکتا ہے۔ نیز یہ امر بھی دریافت طلب ہے کہ اس عرصہ میں آنحضرتؐ نے کفارِ مکہ اور قریش کے ساتھ زبانی طور پر موافقت فرمائی؟

دوسری روایت کا جواب:

ذرا سوچئے! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں تقیہ متنازعہ کے جواز پر کس طرح روشنی پڑتی ہے؟ کعبہ شہید نہ کر کے سرورِ عالم ﷺ نے کس کے ساتھ تقیہ کیا؟ اہل اسلام کے ساتھ یا کفار کے ساتھ۔

بعد ازاں حضرت امیر علیہ السلام کے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں بعض اصلاحات نہ کر سکنے کی پیغمبر اسلامؐ سے مماثلت والے استدلال پر یہ ایراد کیا ہے کہ: کعبہ کو سابقہ شکل پر برقرار رکھنے سے کسی کی نماز میں کوئی خلل لازم آ سکتا ہے؟ لہٰذا کعبۂ مقدسہ کی ازسرِنو تعمیر نہ کرنے والی مصلحت ان شرعی احکام اور اس قسم کے بیسیوں احکام کی خلاف ورزی پر خاموشی اور چشم پوشی کسی طرح بھی قیاس نہیں کی جا سکتی...... جو خلیفۂ وقت ہو کر منکرات کو نہ زور بازو سے تبدیل کر سکیں اور نہ اعلانیہ تبلیغ کے ذریعے تو اس خلافت سے بڑھ کر کار بے خیر کیا ہو سکتی ہے۔؟؟ (تحفۂ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۷۰)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو کہ میری باری آئی

ہم قبل ازیں واضح کر آئے ہیں کہ نبی و رسول تبلیغ نبوت و رسالت اور خدائے رحمٰن کا وہ پیغام جو اس کے بندوں کے نام ہوتا ہے۔ وہ اس کے کما حقہ اور من و عن پہنچانے میں تقیہ نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ مگر اس پیغام رسانی کا وقت یا کیفیت تو خدا متعین کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت رسول ﷺ نے ۲۷ رجب المرجب ۴۰ عام الفیل کو دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر اعلانِ نبوت تو کر دیا اور سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے آپ کی تصدیق و تائید فرما دی مگر حکم خداوندی یہ تھا کہ ہنوز اس

سلسلۂ تبلیغ کو جہری نہ کیا جائے بلکہ سری رکھا جائے۔ لہٰذا آپؐ تین سال تک نہ علیٰ الاعلان دعوت توحید دیتے تھے اور نہ ہی کُھلم کھلا لوگوں کے خود ساختہ شرکاء کے خلاف لب کشائی کرتے تھے یہاں تک کہ تین سال گزر گئے۔ اب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ فاصدع بما تؤمر و اعرض عن الجاھلین کہ اب کُھلم کھلا تبلیغ رسالت کریں اور جاہلوں سے روگردانی کریں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم کے بعد علیٰ الاعلان توحید پروردگار کا پرچار شروع کیا۔ اور لوگوں کے خود ساختہ معبودانِ باطل کے خلاف کُھلم کھلا بولنا شروع کیا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی اس روش ورفتار کو حسب ظاہر تقیہ کا ہی نام دیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت حالات کا تقاضا یہی تھا اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کُھلم کھلا اُن کی مخالفت کا علم بلند نہ کرنا بظاہر ان کی موافقت ہی سمجھا جائے گا۔ اور یہی تقیہ ہے۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کو گرا کر اگر جناب خلیل خداؑ کی بنیادوں پر اسے دوبارہ تعمیر نہیں کر سکے تو اس میں کفار سے تقیہ نہیں کیا۔ بلکہ جناب عائشہ وغیرہا کے خاندان کے نومسلم لوگوں سے تقیہ کیا۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ لولا ان قومك حدیث عھد بالکفر...... الخ کہ اگر تمہاری قوم تازہ مُسلمان نہ ہوئی ہوتی (جس کے مرتد ہونے کا اندیشہ ہے۔) تو میں ضرور کعبہ کی عمارت کو مسمار کر کے اسے ازسرِنو جناب خلیلؑ کی بنیادوں پر استوار کرتا۔

اس قسم کا تقیہ بھی انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز ہے۔ کیونکہ اس کا تعلّق خدا کا دین اور اس کے پیغام پہچانے سے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے لوگوں کی نماز اور حج پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جیسا کہ سیالوی صاحب نے خود تسلیم کیا ہے۔

مشابہت میں مُشبّہ اور مُشبّہ بہ میں من جمیع الجہات مشابہت ضروری نہیں ہوتی۔ بلکہ وجہ شبہ بالعموم کوئی ایک بات ہوتی ہے۔ مثلاً جب کہا جائے کہ "زید کالاسد" کہ "زید شیر کی مانند ہے"۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ زید کی بھی شیر کی طرح چار ٹانگیں ہیں، دونوں کی گردنیں موٹی ہیں اور ان پر گھنے بال ہیں وغیرہ۔ بلکہ مطلب صرف اس حقیقت کو یہاں بیان کرنا ہے کہ زید شیر کی طرح بہادر اور دلیر ہے۔ بعینہ یہی مقصد نبیؐ وعلیؑ میں مماثلت بیان کرنے کا ہے کہ جس طرح سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض مجبوریوں کی بنا پر بعض کام نہیں کر سکے (اگرچہ وہ کام غیر اہم تھے) بالکل اسی طرح بعض دشواریوں کی وجہ سے آپؐ کے وصی حضرت علی علیہ السلام بھی بعض اصلاحات نہیں کر سکے۔ (اگرچہ وہ ضروری تھیں)

حضرت امیر علیہ السلام نے ظاہری مسند خلافت پر بیٹھتے ہی جو خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ:

"لو ثبتت قدماء لغیرت اشیاء"۔ اگر مجھے ثابت قدمی نصیب ہوگئی تو میں بعض اصلاحات کروں گا۔ اور ان میں تغیر وتبدل کروں گا۔ (نہج البلاغہ) ظاہر ہے کہ یہ اصلاحات ثابت قدمی کے ساتھ مشروط تھیں۔ تو بموجب "اذا فات الشرط فات المشروط" جب شرط چلی جائے تو مشروط بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

تاریخ اسلام کے اوراق شاہد ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو ان کے ظاہری پنج سالہ دورِ خلافت میں ایک دن بھی سکھ کا سانس لینے کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ سیالوی صاحب کے بزرگوں کی کرم نوازی اور ثلاثہ کے پرستاروں کی نوازش سے سارا وقت خانہ جنگیوں کی آگ بجھانے میں صرف ہوگیا۔ ابھی مسند اقتدار پر پوری طرح بیٹھے بھی نہ تھے کہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت جنگ جمل شروع کردی گئی۔ آپؑ نے آتش جنگ وجدل کو بجھایا ہی تھا کہ دنیا کی طویل ترین جنگ صفین آپؑ پر مُسلّط کردی گئی اور ابھی یہ آگ بجھی بھی نہ تھی کہ جنگ نہروان کی آتش فروزاں کردی گئی۔ اس آگ کو ہنوز بجھایا ہی تھا کہ پھر صفین کا معرکہ جاری ہوگیا۔ اور اس شورش کو فرو کرتے کرتے ظالموں نے آپؑ کی زندگی کا چراغ ہی بجھادیا۔ یعنی ظلم وستم سے آپؑ کو شہید کردیا گیا۔

دل صاحبِ اِنصاف سے اِنصاف طلب ہے

بلاوہ احداث جو اصحاب ثلاثہ کے ادوار ثلاثہ سے برابر جاری تھے اور جو لوگ آپؑ کے ہمراہ تھے اور معاویہ کے مقابلہ میں شیعیانِ علیؑ بھی کہلاتے تھے ان کی اکثریت انہی لوگوں کی تھی جو چوتھے نمبر پر حضرت علیؑ کو خلیفہ راشد سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ ان تینوں کے طور طریقوں کو برحق جانتے تھے۔ بیرونی محاذ جنگ تو کھلا ہوا ہی تھا۔ جو دشمنوں نے کھولا تھا۔ اگر ان حالات میں حضرت علیؑ اندرونی محاذ خود کھول دیتے تو اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ

انجامِ گلستاں کیا ہوتا؟

نتیجہ یہ برآمد ہوتا کہ جو لوگ آپ کے ہمراہ تھے ان کی اکثریت بھی آپؑ کا ساتھ چھوڑ کر دشمن کے کیمپ میں چلی جاتی۔ چنانچہ بعض روایات میں وارد ہے کہ ایک بار ماہِ رمضان میں حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں کو نماز تراویح پڑھنے سے منع کیا جو کہ بدعت عمر ہے (بخاری) تو لوگوں نے شور مچانا شروع کردیا "واعمراہ واعمراہ قد تغیرت سنتک" ہائے عمر ہائے عمر آج آپ کے طور طریقے بدلے جارہے ہیں۔ اُدھر دشمن سے جنگ صفین شروع ہے۔ اور ادھر اپنوں کا یہ حال۔ مجبوراً مولا کو ان کے حال پر چھوڑنا پڑا (روضہ کافی) جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اسلام کا سارا نظام اسی عقلائی قانون کے اردگرد گھومتا ہے کہ جب بھی ہم واہم میں تصادم ہو تو ہم کو اہم پر قربان کردو۔ حضرت امیر

علیہ السلام اسی قانون کے تحت شورشوں کو دبانے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ کہ بعد ازاں پورے سکون واطمینان کے ساتھ داخلی امور کی طرف پوری توجہ مبذول کر کے اصلاحِ احوال کریں کہ ظالموں نے ان کی زندگی کا چراغ ہی گل کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس مقام پر ہم سیالوی صاحب سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر بتائیں کہ ان حالات میں اگر آپ ہوتے تو کیا کرتے یا آپ کا کوئی پیر ومرشد ہوتا تو وہ کیا کرتا۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

مگر افسوس:

سخن شناس نہ دلبر خطا اینجا است

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوذر غفاریؓ کو کتمانِ دین کا حکم دینا

(۱) تنزیہ الامامیہ:

بخاری کتاب المناقب ج ۲ ص ۶۶ ابذیل حدیث اسلام ابی ذر مذکور ہے کہ جب جناب ابوذر اوائل اسلام میں اسلام لائے تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: یا ابا ذر اکتم ھذا الامر وارجع الی بلدك فاذ ابلغك ظھورنا فاقبل۔ الخ "اے ابوذر ہنوز اس امر (اسلام کو) چھپائے رکھو اور اپنے شہر پلٹ جاؤ۔ ہاں جب ہمارے غلبہ وظہور کی اطلاع ملے تو ہمارے پاس چلے آنا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاذؓ کو اظہار حدیث سے منع فرمانا

صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۴ کتاب العلم باب من خص بالعلم قوما دون قوم۔ طبع دہلی پر معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ما من احد یشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النارا قال یا رسول اللہ افلا اخبرتہ اخبرت بہ الناس فیستبشرون! قال اذا یتکلون! و اخبربھا معاذ عند موتہ تاثما۔

کہ جو شخص صدق دل سے کلمہ شہادتین پڑھ لے (خدا ورسول کا اقرار کر لے) تو خدا اس کے جسم کو آتش جہنم پر حرام قرار دے دیتا ہے۔ معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ!

آیا ہیں لوگوں کو یہ حدیث سناؤں۔ تاکہ وہ خوش وخرم ہو جائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا (اگر تم نے ایسا کیا تو) وہ اسی پر بھروسا کر لیں گے (اور اعمالِ صالحہ کی بجا آوری ترک کر دیں گے) جناب معاذؓ نے اپنی موت کے وقت محض اس خیال کے پیش نظر کہ کتمانِ حدیث کر کے گنہگار نہ ہوں (یا اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے ہوئے کہ ایک سربستہ راز کا افشاء کر رہے ہیں) یہ حدیث بیان کی۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ بعض اوقات حق کا چھپانا اتنا ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ جتنا کہ بعض اوقات اس کا ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سچ ہے کہ:

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد!

(۲) اس پر اشرف سیالوی کی تنقید:

اس میں بوجوہ تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔

وجہ اول: جب سرور عالمؐ نے جناب ابوذرؓ کو حکم دیا تو انھوں نے جواب میں عرض کیا۔ والذی بعثك بالحق الامر من الناس اظهر هم الحدیث۔ چنانچہ آپ نے مسجد الحرام آکر کفار کے سامنے باآوازِ بلند کہا: اے گروہِ قریش! انی اشهد ان لا الٰه الا الله............

وجہ دوم: کیا آپ کے اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ کفار مکہ اور مشرکین عرب کے ساتھ موافقت کرتے رہو اور بت پرستی اور زنا وغیرہ میں ان کے ہمنوا بنے رہو؟

وجہ سوم: بات صرف اتنی تھی کہ اگر قریش مکہ پر اسلام کا اظہار کیا تو وہ ظلم وتشدد کا نشانہ بنائیں گے۔ لہٰذا ان کے سامنے اسلام لانے کا اعلان نہ کرنا۔ یہ حکم بطور ترحم تھا۔

حضرت معاذؓ کو آنحضرتؐ نے اس اعلان عام سے منع فرمایا اور حکمت یہ پیش نظر تھی کہ لوگ اس خوشخبری کو سن کر عمل میں کوتاہی نہ کرنے لگ جائیں۔

اس میں متنازعہ فیہ امر پر استدلال کا کیا جواز ہے۔ وہ تو اس صورت میں ممکن ہوتا کہ جب یہ اعلان کرایا جاتا کہ صدق دل سے شہادت توحید و رسالت قطعاً نجات اور فلاح کی ضامن نہیں ہے۔ اور دل میں یہ ہوتا کہ ضامن ہے۔ جب قلبی نظریہ کے خلاف کا اعلان و اظہار ثابت نہیں تو متنازع فیہ مسئلہ میں اس روایت کو گھسیٹ کر لانے کا امانت و دیانت کی دنیا میں کیا جواز ہو سکتا ہے"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۷۴)

(۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

پیر صاحب آف سیال شریف کے رسالہ مذہب شیعہ کے ہمارے دندان شکن جواب باصواب تنزیہ الامامیہ سے جناب اشرف سیالوی اس طرح بدحواس ہوئے کہ ان کو تردید اور تائید میں جو نمایاں فرق ہے۔اس کا بھی شعور نہیں رہا۔اس اجمال کے بقدرضرورت تفصیل یہ ہے کہ ہمارا استدلال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جو کہ اوائل اسلام میں اسلام لائے تھے۔یہ حکم دیا تھا کہ اے ابوذر! ابھی اپنے اسلام کو چھپائے رکھو۔اور جب ہمارے غلبہ وظہور کی اطلاع ملے تو ہمارے پاس آجانا۔(صحیح بخاری)

اب ابوذرؓ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر عمل کرتے ہیں یا نہ؟ ہمیں اس سے غرض نہیں ہے۔دیکھنا صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا تھا یا نہ؟ جب سیالوی صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دیا تھا تو ہم نے اس کا حوالہ دینے میں کیا تلبیس کی ہے؟

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے ایمان اور اس کے مطابق عمل کا اظہار نہیں کریں گے تو اس خاموشی سے حسب ظاہر تو اس سے کفار ومشرکین کی موافقت ہی سمجھی جائے گی۔کیونکہ خاموشی نیم رضامندی ہوتی ہے، کیونکہ السکوت فی معرض البیان بیان۔اور آخر میں سیالوی صاحب نے اپنے استدلال کی رکاکت کا بھانڈا عین چوراہے پر یوں پھوڑا اور قادرِ مطلق نے ان سے اس طرح حق کی تائید کرائی کہ صاف اقرار کرلیا کہ بات صرف اتنی تھی کہ اگر قریش مکہ پر اسلام لانے کا اظہار کیا۔تو وہ ظلم وتشدد کا نشانہ بنائیں گے۔لہٰذا ان کے سامنے اسلام لانے کا اعلان نہ کرنا۔یہ حکم بطور ترحم تھا۔
(تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۷۲)

اسی کا نام تقیہ ہے جو کہ متنازع فیہ ہے کہ جہاں آدمی کو مخالفین کے ظلم وتشدد کا نشانہ بننے کا اندیشہ ہو وہاں مقام اعتقاد میں ایمان اور حق کا اظہار نہ کیا جائے بلکہ خلاف ایمان کا اظہار کیا جائے اور مقام عمل میں ایمان کے تقاضوں کے خلاف کام کیا جائے اور یہ جواز تقیہ خدا کی اپنے بندوں پر رحمت وشفقت اور پیغمبر اسلامؐ کی اپنی امت پر رحمت وشفقت خُصُوصی ہے سچ ہے کہ "الحق یجری علی للسان" حق زبان پر جاری ہو ہی جاتا ہے۔

باقی رہا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب معاذ بن جبلؓ کو صرف کلمہ شہادتین پڑھنے پر جنت کے واجب اور جہنم کے حرام ہوجانے والی حدیث کے چھپانے کا حکم دینا تو جب یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور سیالوی صاحب اس کی صحت کا انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تو اگر یہ متنازع فیہ تقیہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ زبان پر یہ ہے کہ اے مُسلمانو! عمل کرو۔نمازیں پڑھو، زکوتیں دو یہ کرو اور وہ کرو کیونکہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

اور دل میں ہے کہ کوئی عمل کرو یا نہ کرو تمہاری نجات اور اخروی فوز و فلاح کے لیے صرف تمہارا کلمہ شہادتین پڑھ لینا کافی ہے۔ معلوم ہوا کہ قلبی نظریہ اور ہے اور زبانی کلامی بیان اور تو اسی کا نام تقیہ ہے۔ لہٰذا یہ استدلال اسلامی دیانت و امانت کے عین مطابق ہے اور اس حقیقت کا انکار جہالت بھی ہے اور ضلالت بھی۔ اور یہ بات درست ہے کہ آنحضرتؐ کے اس حقیقت کے اظہار سے منع فرمانے کی حکمت یہی تھی اور اس کا فلسفہ یہی تھا کہ لوگ یہ خوشخبری سن کر عمل میں کوتاہی نہ کرنے لگ جائیں۔

(تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۷۳)

① تنزیہ الامامیہ (تقیہ کا جواز اسوۂ انبیاء علیہم السلام کی روشنی میں)

اگرچہ خدائے علیم و حکیم انبیاءؑ و مرسلینؑ کو اس لیے بھیجتا ہے کہ وہ رشد و ہدایت کی شمعیں فروزاں کریں اور اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر قولی و فعلی جہاد کریں۔ مگر قرآن و حدیث کی ورق گردانی کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اعلانِ نبوت سے قبل یا اس کے بعد بعض اوقات بعض اہم مصالح کے پیش نظر بحکم خداوندی انبیاء بھی تقیہ پر عمل کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلامؐ کا تقیہ کرنا ابھی سطور بالا میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں مزید بعض انبیاء کا اسوہ و نمونہ عمل پیش کیا جاتا ہے۔ خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ فرعون نے ان سے کہا: اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ⑱ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ⑲۔ "اے موسیٰ! کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن (کے زمانے) میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟ تم اپنی عمر کے بہت سے سن و سال ہم میں گزار چکے ہو۔ پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا تو ناشکروں میں سے ہے۔ (سورۃ الشعراء: ۱۸-۱۹)

اس آیت کے ذیل میں مفسر بیضاوی نے اپنی تفسیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ طبع نولکشور میں لکھا ہے: "فانه علیه الصلوٰة و السلام کان یعایشهم بالتقیة"۔ "جناب موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام (اعلانِ نبوت سے پہلے) فرعونیوں میں تقیہ کے ساتھ بسر اوقات کیا کرتے"۔

جناب خلیل خدا کا بت توڑنا ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے۔ لیکن قرآن شاہد ہے کہ جب قوم نے جناب خلیلؑ سے اس واقعہ کے متعلق باز پرس کی تو آپؑ نے فرمایا: بل فعله کبیر هم هذا فاسئلوهم ان کانوا ینطقون۔ یہ کارستانی بڑے بت کی ہے اگر یہ بولتے ہیں تو خود ان سے دریافت کر لو۔ ظاہر ہے کہ جناب ابراہیمؑ نے زندگی میں صرف تین بار جھوٹ بولا تھا (معاذ اللہ) (بخاری ج ۳ ص ۲۲۳ طبع مصر) حالانکہ خلاقِ عالم ان کو صدیق کے لقب سے ملقب فرماتا ہے: واذکر فی الکتب ابراهیم انه کان صدیقا نبیا۔

۲ سیالوی صاحب کی تنقید:

ڈھکو صاحب نے اس عنوان کے تحت حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کو تقیہ پر عمل پیرا ثابت کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا تقیہ اس ضمن میں آپ کو صرف بیضاوی شریف کی یہ عبارت مل گئی: کان یعاشرھم بالتقیۃ۔ اس دیس میں یا فرعون کی پرستش ہوتی تھی یا اصنام واوثان کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے کسی کا ارتکاب کیا تھا؟ جب ایسی کوئی صورت ثابت ہی نہیں ہے۔ تو شیعی تقیہ کیسے ثابت ہو گیا۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تقیہ اس ضمن میں ڈھکو صاحب قول باری تعالیٰ حکایت "عن الخلیل بل فعلہ کبیر ھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون"۔ پیش کیا ہے۔

بے شک آپؑ نے فرمایا: بل فعلہ کبیر ھم ھذا...... لیکن اس کا مقصد کیا تھا؟ کیا واقعی وہ لوگ اس بات کو مان سکتے تھے؟ اور آپؑ یہ جواب دے کر ممکنہ انتقامی کاروائی سے بچ سکتے تھے؟...... جب آپؑ ان کے نزدیک اس اقدام کے مرتکب تھے ہی اور تقیہ یہاں کام دے سکتا ہی نہیں تھا تو...... تو اس کو بروئے کار لانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟

ڈھکو صاحب نے تقیہ ثابت کرتے ہوئے بخاری شریف کا بھی حوالہ دے دیا کہ بخاری میں اسے کذب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی روایت کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ اہل السنۃ و الجماعۃ کے ہاں حسب ضرورت توریہ درست ہوتا ہے۔ (بعد ازاں توریہ کے معنوں کی وضاحت کی ہے۔) کہ ایسا لفظ استعمال کیا جائے۔ جو وہ معانی پر دلالت کرتا ہو ایک قریب اور دوسرا بعید...... (مطلب یہ ہے کہ متکلم معنی بعید مراد لے اور مخاطب معنی قریب سمجھے)...... پھر جناب خلیلؑ کے جواب کو (بخاری میں) کذب سے تعبیر کیوں کیا گیا؟ یہ من باب المشاکلہ مجاز ہے (پھر مجاز مشاکلہ کی وضاحت کی گئی ہے)...... (تحفہ حسینیہ صفحہ ۸۰)

۳ اس پر ہمارا تبصرہ:

ہم قبل ازیں بھی اپنے تبصرہ میں وضاحت کر چکے ہیں اور خود "تنزیہ الامامیہ" میں بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ چونکہ خدا کا دین اور اس کا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں تقیہ نہیں کرتے بلکہ وہ تن من دھن کی بازی لگا کر بھی اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ جس پر انبیاءؑ و مرسلین علیہم السلام کی روش ورفتار کے واقعات سے قرآن اور سنت کے دفتر لبریز نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے اور کبھی کبھار

اعلان کے بعد بھی بعض اہم حکم و مصالح کے پیش نظر بحکم خدا تقیہ پر عمل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلامؐ کے تقیہ کے بعض واقعات قبل ازیں بیان کیے جا چکے ہیں۔ اسی طرح جناب موسیٰؑ کا اعلانِ نبوت سے پہلے فرعون اور فرعونیوں کے اندر تقیہ کی زندگی گزارنا ثابت ہے۔ اور بیضاوی کا اقرار کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بیضاوی شریف برادرانِ اسلام کی وہ مستند و معتبر تفسیر ہے جو اُن کے تمام مدارس میں درساً پڑھائی جاتی ہے اور مولوی فاضل کے نصاب میں داخل ہے۔

اشرف صاحب کا یہ کہنا کہ آپ کو صرف بیضاوی شریف کی یہ عبارت مل گئی لخ۔ ان کی جہالت و شقاوت پر مبنی ہے۔ جبکہ یہی بات قاضی بیضاوی کے علاوہ دیگر بہت سے اہل سنت مفسرین نے تحریر کی ہے۔ چنانچہ علامہ نسفی نے محولہ بالا آیت کے تحت لکھا ہے:

"هذا افتراء منه عليه لانه معصوم من الكفر و كان يعايشهم بالتقية"۔

"فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر افتراء کیا ہے کیونکہ وہ تو معصوم تھے اور ان لوگوں کے ساتھ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے"۔

(تفسیر مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۳۸ طبع المطبعۃ الحسینیۃ المصریہ قاہرہ سنہ ۱۳۳۲ھ)

علامہ نظام الدین نیشاپوری رقم طراز ہیں:

قد افترى على موسىٰ و جهل امره لانه كان يعايشهم بالتقية و انما قلنا انه افتراء او جهل لان الكفر غير جائز على الانبياء و لو قبل النبوة۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ پر افتراء باندھا، یا آپ کے حالات سے جاہل تھا۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ ان میں تقیہ کی زندگی گزار رہے تھے۔ اور ہم نے جو کہا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ پر افتراء کیا یا جہالت سے کفر کی نسبت آپ کی طرف دی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر کفر جائز نہیں، وہ نبوت سے قبل بھی کفر نہیں کر سکتے۔

اسی طرح فخرالدین الرازی نے لکھا ہے:

و قد افترىٰ عليه او جهل امره لانه كان يعايشهم بالتقية فان الكفر غير جائز على الانبياء قبل النبوة۔

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۵۱۰ طبع قسطنطنیہ، تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ طبع بولاق مصر، تفسیر غرائب القرآن بہامش تفسیر ابن جریر الطبری جلد ۱۹ صفحہ ۵۲ طبع مصر)

اب ان اپنے مذہب کے مستند و معتبر مفسرین جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تقیہ کرنا تحریر کیا

ہے ان سے اشرف صاحب زیادہ عالم ہیں؟

جناب موسیٰؑ کے اس تقیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بھی فرعون یا اصنام کی پرستش کریں بلکہ ان کے تقیہ کے ثبوت کے لیے ان کا اعلان توحید نہ کرنا اور ان لوگوں کو بت پرستی اور فرعون پرستی پر نہ ٹوکنا ہی کافی ہے اور اس پر متنازعہ فیہ تقیہ کی تعریف صادق آتی ہے کہ ایمان کو اپنے اندر چھپا کر اس کے خلاف کا اظہار کرنا۔

اسی طرح قوم کا جناب خلیل علیہ السلام سے یہ شکوہ کرنا کہ انہوں نے ان کے اصنام توڑے ہیں اور ان کا اقرار کرنے کی بجائے اس اقدام کی نسبت ان کے بڑے بت کی طرف دینا تقیہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ قوم مانے یا نہ مانے جائے جہنم میں ہمیں اس سے کیا غرض ہے۔ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تو تقیہ کیا ہے۔ وھو المطلوب۔

باقی رہا یہ کہ یہ "توریہ" تھا کہ جس میں ایک لفظ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک قریب اور دوسرے بعید اور متکلم بعید معنی کا قصد کرتا ہے اور مخاطب اس کے قریب معنی سمجھتا ہے۔ لہٰذا "توریہ" جھوٹ نہیں ہوتا۔ "توریہ" کی یہ تعریف تو صحیح ہے۔ مگر جس چیز کو سیالوی صاحب "توریہ" قرار دے رہے ہیں اسے امام بخاری نے "کذب" (جھوٹ) کیوں قرار دیا ہے۔ کیا سیالوی صاحب اپنے مذہب کے حقائق کو امام بخاری سے بہتر سمجھتے ہیں؟

صاحب تحفہ کا اسے من باب المشاکلہ جھوٹ قرار دینا بھی جھوٹ ہی ہے۔ امام بخاری نے تو صاف لکھا ہے کہ "لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات" یعنی جناب ابراہیمؑ نے (جن کو خدا صدیق نبی قرار دیتا ہے) صرف تین جھوٹ بولے تھے۔ یہ مشاکلہ کہاں؟ وہ تو ان کی طرف کذب صریح کی نسبت دے رہے ہیں اور یہی تقیہ ہے کہ مال و جان اور ناموس کی حفاظت کی خاطر خلاف واقع بات کی جائے جیسے جناب خلیلؑ نے کی کہ بتوں کو توڑا خود تھا مگر فرما یہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے ان کو توڑا ہے سیالوی صاحب کا یہ کہنا بھی یا ان کا اپنا تقیہ ہے یا پھر اپنے مذہبی مُسلّمات سے جہالت اور لاعلمی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "مذہب اہل السنۃ والجماعہ میں حسب ضرورت "توریہ" درست ہوتا ہے (ص ۷۸) یعنی جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے اکابر علماء نے تصریحات فرمائی ہیں کہ عند الضرورت جھوٹ بولنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

چنانچہ شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ طبع دہلی پر لکھا ہے:

قد اتفق الفقهاء و العلماء لو جاء ظالم يطلب انسانا مخفيا ليقتاله و سئل عن ذلك وجب

على من علم ذلك اخفائه و انكار العلم به و هذا كذب جائز بل واجب لكونه لدفع الظلم۔

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی چھپے ہوئے آدمی کو قتل کرنے آئے اور آ کر دریافت کرے (کہ فلاں شخص یہاں ہے؟) تو جن لوگوں کو اس کا علم ہے ان پر اس کا پوشیدہ رکھنا اور اپنے علم کا اِنکار کرنا واجب ہے۔ اور یہ جھوٹ نہ صرف جائز ہے۔ بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ یہ ایک مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچانے کے لیے ہے۔ ع

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

کیا فرماتے ہیں جناب مفتی محمد اشرف سیالوی صاحب بیچ اس مسئلہ کے کہ:

آیا ان کی بات ٹھیک ہے یا بقول نووی تمام فقہاء اہل سنت کی بات درست ہے؟ بینوا توجروا

بس ایک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دِل کا

آیا اس سے متنازعہ فیہ تقیہ کا جواز بلکہ اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہ؟

بعد ازیں نزاع صرف لفظی رہ جاتی ہے کہ ہم شیعیانِ حیدر کرار اس کا نام تقیہ رکھتے ہیں اور برادرانِ اسلامی اس کا نام جواز کذب بلکہ وجوب کذب رکھتے ہیں۔ ولا مشاحة فی الاصطلاح۔ کیونکہ

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو موتی کی طلب ہے نہ صدف کی

والحمد لله على وضوح الحق والحقيقة

ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

یہی بات فاضل عقیل نے اپنی کتاب نصائح کافیہ میں کہی ہے کہ اگر خلاف واقعہ بات کرنے کو تقیہ کہا جائے تو اہل سنت ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اور اگر صاف جھوٹ کہا جائے تو اسے قبول کر لیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر توریہ سے کام چل جائے تو وہ صریح غلط بیانی پر مقدم ہے۔ لیکن اگر اس سے کام نہ بنے تو مقام تقیہ میں صریح غلط بیانی جائز ہے اسی پر سعدی نے کہا تھا کہ:

"دروغ مصلحت آمیز به از راستی فتنہ انگیز"

والله الموفق

فصل چہارم

تقیّہ کا جواز بعض بزرگان دین کے عمل کی روشنی میں

① تنزیہ الامامیہ:

اس سلسلہ میں صحابہ وتابعین اور دوسرے بزرگانِ دین کی طویل وعریض فہرست پیش کی جاسکتی ہے جنھوں نے عرض وناموس یا جان ومال کے تحفظ کی خاطر تقیّہ کیا۔ بنظر اختصار صرف ایک دو واقعات کی طرف صرف اشارہ کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جن صحابہ نے معاویہ کے وعدہ ووعید کی وجہ سے یزید کی ولی عہدی کا اقرار کیا تھا۔ جو ذاتی طور پر یزید ایسے بدکردار وبداطوار کو اس منصب جلیل کا اہل نہیں جانتے تھے۔ یہ اُن کا تقیّہ نہیں تھا تو اور کیا تھا؟ جب مسئلہ خلق قرآن پر مامون عباسی نے اصرار کیا تو برادرانِ اسلامی کے بڑے بڑے بزرگانِ دین نے تقیّہ کر کے اپنے عقیدہ ونظریہ کے خلاف اس کی ہاں میں ہاں ملادی۔

مولانا شبلی نعمانی "المامون" ص ۱۶۷، ۱۶۸ پر اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں: "فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ: جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں پا بہ زنجیر روانہ کیے جائیں تا کہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے ان کی موت وحیات کا فیصلہ کروں"۔ اسحاق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جس کی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا اور سب کے سب سچائی اور آزادی کو خیرباد کہہ کر مامون کے ہم زبان ہو گئے۔ مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ تقیّہ کیا تھا۔ وہ نہایت برافروختہ ہوا۔ اور ان لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر کیے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں ابو احسان زیادی نضر بن شمیعیں قواریری، ابو نصر تمامہ، علی بن مقاتل، بشر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے کی خبر آئی۔ جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا، ہوا۔ لیکن ان بے کسوں کے لیے تو ایک نہایت جانفزا مژدہ تھا۔ (المامون ص ۱۶۸)

۲ اُس پر سیالوی صاحب کی تنقید:

اس عنوان کے تحت ڈھکو صاحب نے جواز تقیہ کے متعلق امیر معاویہ کے دور میں یزید کی ولی عہدی کے متعلق کام لیے جانے اور مامون کے دور میں خلق قرآن کے مسئلہ پر تقیہ کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے ان دونوں واقعات کے متعلق بھی صورتِ حال عرض کیے دیتے ہیں۔ امیر معاویہ کے وعدہ وعید آخر کچھ مردان خیر اور اللہ تعالیٰ کے شیر ایسے بھی تھے یا نہیں جنھوں نے نہ وعدہ کی پرواہ کی اور نہ وعید کی اور بیعت سے انکار...... جنھوں نے بیعت کرلی وہ نہ کرنے والوں پر نوے فیصد درجات میں فوقیت لے گئے یا نہیں؟ اور بصورتِ ثانیہ اصول کافی یہ سب روایات لغو اور باطل ٹھہریں اور یہی جواب مامون کے دور میں تقیہ نہ کرنے والوں اور کرنے والوں کے متعلق بھی ہے...... امام حسنؑ کے خلاف امیر معاویہ کو سونپ دینے سے وہ بالاتفاق عالم اسلام کے امیر المومنین تھے۔ اور وہ ملکی استحکام اور امت میں اختلاف سے تحفظ کے تحت قدم اٹھانے کا دعویٰ کررہے تھے۔ لہٰذا بعض نے بیعت کرلی اور بعض نے انکار کردیا...... لہٰذا جب جبر واکراہ نہیں تھا تو تقیہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟

مامون وغیرہ کا جبر واکراہ اور تقیہ

جب جان اور آبرو کا حقیقی خطرہ لاحق ہو تو اس وقت اس سے تحفظ کی سعی بہر حال جائز ہے اور ہم محل نزاع میں اس کی تصریح کرچکے ہیں۔" (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۸۳)

۳ اس پر ہمارا تبصرہ:

ہمیں رہ رہ کر اس بندۂ خدا پر تعجب ہوتا ہے کہ انکار بھی ہے اور اقرار بھی، یہ ان کی سادگی ہے یا ابلہ فریبی ہے؟ جب وہ اقرار کررہے ہیں کہ "جب جان اور آبرو کا حقیقی خطرہ لاحق ہو تو اس وقت اس سے تحفظ کی سعی بہر حال جائز ہے" تو تقیہ اور کس چیز کا نام ہے؟ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ جب جان کے تلف ہونے، ناموس کے لٹنے اور مال کے تلف ہونے کا حقیقی خطرہ لاحق ہو تو اس وقت ابطان ایمان اور اس کے خلاف کا اظہار جائز ہے اور اسی کا نام شریعت میں تقیہ ہے اور جب نہ جان کا خطرہ ہو نہ ناموس کا اور نہ مال کا تو عیش وعشرت کرنے، مال بڑھانے، اقتدار حاصل کرنے اور فربہ ہونے کے لیے تو تقیہ نہ جائز ہے اور نہ ہی یہ اس کا محل ہے۔ تو پھر اختلاف کس بات کا ہے؟

متفق گردید رائے بو علی با رائے من

والحمد للہ

واہ سیالوی صاحب واہ!

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

خلافت وامامت دوسروں کو سونپنے کی چیز نہیں ہے

باقی رہا سیالوی کا یہ کہنا کہ: "امام حسن علیہ السلام کے خلافت امیر معاویہ کو سونپنے کے بعد وہ بالا تفاق عالم اسلام کے امیر المومنین بن گئے تھے" - یہ سیالوی صاحب کی دوسری سادگی یا ابلہ فریبی اور شاطرانہ چال ہے۔ نبوت ورسالت ہو یا امامت وخلافت یہ ایک عہدۂ الٰہیہ ہے۔ جس کے لیے خدا جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ "واللہ یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ" یہ کسی کے کسی کو سونپنے سے نہ سونپی جاسکتی ہے اور نہ کوئی اس طرح نبی یا خلیفہ بن سکتا ہے۔

حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے جنگ نہ کرنے پر صلح کی تھی

خلافت نہیں سونپی تھی

حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کی تھی جنگ نہ کرنے پر، امامت وخلافت اس کو نہیں سونپی تھی۔ اور وہ بھی حالات کی ستم ظریفی سے اس طرح مجبور ہوکر جس طرح ان کے جد نامدار نے حالات سے مجبور ہوکر کفار ومشرکین مکہ سے صلح کی تھی۔ پس اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت ان کو سونپ دی تھی اور وہ اب نبی بن گئے تھے تو پھر امام حسنؑ نے بھی امامت معاویہ کو سونپی تھی اور وہ امیر المومنین بن گیا تھا۔ اور اگر صلح حدیبیہ کے بعد بھی نبی "نبی" تھے اور کفار "کفار" تو صلح حسنؑ کے بعد بھی امام حسنؑ امام تھے اور معاویہ "معاویہ" ہی تھا۔

اور منصف مزاج عالم اہل سنت علامہ وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغۃ جلد ۵ صفحہ ۲۰۷ طبع بنگلور پر لکھتے ہیں: "ہمارے شہزادے امام حسن علیہ السلام آنحضرتؐ کی طبیعت پر نہایت دانشمند اور انجام بین وقت اور موقع محل کو دیکھ کر کام کرنے والے۔ جیسے آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں کافروں سے دب کر مصلحۃً صلح کرلی تھی۔ ویسے ہی حضرت امامؑ نے بھی دیکھا کہ میری فوج والوں کا اعتبار نہیں۔ ان کے دلوں میں کیانت بھری ہوئی ہے۔ ادھر معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔ اسلام تباہ ہوا چاہتا ہے۔ تو ناچار آپؑ نے دفع الوقتی کرکے معاویہ سے صلح کرلی۔ اب جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آپؑ نے

بخوشی معاویہ کو خلافت دے دی اور معاویہ کی خلافت صحیح اور شرعی ہوگئی۔ انھوں نے حالات اور وقائع پر غور نہیں کیا۔ اصل یہ ہے کہ امامؑ اس وقت کے حالات کے اوپر نظر کر کے مجبور ہو گئے۔ اور آپؑ نے ضرر عظیم سے بچنے کے لیے ضرر خفیف کو گوارا کیا۔ پس در حقیقت یہ صلح امامؑ کی طرف سے صحیح اور جائز تھی۔ لیکن معاویہ کی طرف سے ناجائز اور محض ظلمی اور جبری تھی جیسے صلح حدیبیہ آنحضرتؐ کی طرف سے جائز اور صحیح تھی لیکن مشرکوں کی طرف سے ظلمی اور جبری تھی۔ اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے علماء کو دھوکا ہو گیا ہے“۔

اسی طرح مولانا موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اس بات کا گواہ ہے کہ ہمارے امام اور شہزادہؑ نے اپنی خوشی کے ساتھ یہ خلافت معاویہ کو نہیں دی بلکہ مجبوری سے۔ آپؑ نے دیکھا کہ میرے ساتھی لوگ در پردہ معاویہ سے سازش رکھتے ہیں اور معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔ آپؑ معاویہ کو ظالم و غاصب جانتے تھے اور ہرگز خلافت کا مستحق نہیں جانتے تھے“۔

کتاب ”الکامل للمبرد“ کا باب ”الخوارج“ مترجم جو درسِ نظامی کے نصاب میں شامل رہا ہے (صفحہ ۴۵ ناشر مکتبہ علمیہ لاہور) میں حضرت امام حسن علیہ السّلام کا موقف یوں لکھا ہے:

خرج الحسن یرید المدینة فوجه الیه معاویة و قد تجاوز فی طریقه یسئله ان یکون المتولی لحاربتهم فقال الحسن و الله لقد کففت عنك لحقن دماء المسلمین و ما احسب ذلك یسعنی افاقاتل عنك قومًا انت والله اولیٰ بالقتال منهم

”حضرت امام حسنؑ مدینہ کے ارادہ سے کوفہ سے نکلے تو معاویہ نے قاصد بھیجا، امام حسنؑ کافی دور نکل آئے تھے۔ معاویہ نے یہ درخواست کی تھی کہ آپ خوارج سے لڑیں، اما حسنؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے تجھ سے جنگ نہ کی، تاکہ مسلمانوں کا خون محفوظ رہے، مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ کیا میں تیری جانب سے ایسے لوگوں سے لڑوں جن کی نسبت تجھ سے لڑنا زیادہ بہتر ہے“۔ اسے کہتے ہیں: ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

باقی رہی یہ بات کہ بیعت یزید کرنے والوں کے لیے معاویہ نے کس طرح خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور انکار کرنے والوں کو کن کن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہ چیز تاریخ اسلام کے طالب علموں پر مخفی و مستور نہیں ہے یزید کو خلیفہ بنانے کے مشورہ پر مغیرہ بن شعبہ کو

کوفہ کی گورنری پر بحال کرنا اور عبد اللہ بن عمر کو اس بیعت پر راضی کرنے کے لیے ایک لاکھ درہم دینا تاریخ سے ثابت ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۵۵۵) گو ابن عمر نے حیاتِ معاویہ میں تو بیعت یزید نہیں کی۔ مگر اس کی موت کے بعد ایک لاکھ درہم کا حق نمک ادا کر دیا۔ صرف یزید کی بیعت ہی نہیں کی بلکہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد جب لوگوں نے یزید کی بیعت توڑنا چاہی تھی۔ تو یہی ابن عمر تھے جو لوگوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے اس سے منع کرتے تھے (کہ یزید کی بیعت اللہ و رسولؐ کی بیعت ہے۔ العیاذ باللہ۔) (صحیح بخاری)

بقول سیالوی صاحب حضرت امام حسین علیہ السلام، ابن عمر، عبد الرحمن بن ابوبکر اور عبد اللہ بن زبیر نے بیعت یزید سے انکار کیا اور معاویہ نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ (تحفہ حسینیہ ص ۸۳)

یہ اشرف صاحب کی کتب تاریخ سے ناواقفی یا جہالت کی دلیل ہے، ورنہ ذہبی نے تو صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو دھمکی آمیز خط تحریر کیا کہ "مجھے بتایا گیا ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگوں نے آپ (امام حسینؑ) کو ہمارے خلاف قیام کی دعوت دی ہے۔ ان کو تم پہلے آزما چکے ہو۔ انھوں نے تمھارے باپ اور بھائی کا ساتھ نہیں دیا۔ پس اللہ سے ڈرو اور اپنا عہد یاد رکھتے ہوئے اس کی پاسداری کرو۔ ورنہ "فانك متى تكدنى اكدك"۔ جب تم نے میرے خلاف کوئی منصوبہ بنایا تو میں تمھارے خلاف جنگ کروں گا"۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صفحہ ۲۹۴ طبع بیروت)

امام حسین علیہ السلام نے جو معاویہ کو جواب لکھا وہ بھی پڑھ لیجیے اور فیصلہ خود کیجیے۔

بہر حال معاویہ کا ایسا کرنا کسی دینداری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ یہ اس کی ڈپلومیسی تھی کہ ان حضرات کے حسبی و نسبی مقام کی وجہ سے ان کو بظاہر نہ چھیڑا جائے تا کہ کہیں وقت سے پہلے محاربہ کربلا واقع نہ ہو جائے۔ ورنہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جیسے قتل، قید، دیس نکالا وغیرہ جو وہ کر سکتا تھا۔ اس کی تفصیل کتب تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اور مامون عباسی نے کس طرح جبر و اکراہ سے اس وقت کے علماء سے خلقِ قرآن کا اقرار کرایا اور انھوں نے جان کے ضیاع کے اندیشہ کے تحت تقیہ کر کے اقرار کیا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ سیالوی صاحب مانیں یا نہ مانیں ان کی مرضی، مولانا شبلی نعمانی جیسا فاضل آدمی اس اقرار کا نام تقیہ رکھ رہا ہے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے کہ صحابہؓ سے لے کر بڑے بڑے اکابر علماء و شیوخ امت نے ہمیشہ عند الضرورت تقیہ کیا ہے اور ہم قبل ازیں وضاحت کر چکے ہیں کہ تقیہ احکام خمسہ پر منقسم ہوتا ہے۔

① یعنی کبھی واجب ہوتا ہے ② کبھی مستحب ③ اور کبھی مباح۔ اور اصول کافی والی روایت

میں تقیہ کے جو ثواب بیان کیے گئے ہیں وہ انہی تین قسم کے تقیہ کے بارے میں ہیں۔ ④ کبھی حرام ہوتا ہے اور ⑤ کبھی مکروہ.......... اس پر نہ کوئی اجر ہے اور نہ ثواب۔

سیالوی صاحب کی عادت ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں کئی اور مسائل کو گھسیٹ کر لے آتے ہیں۔ ابتداء میں امام زمانہؑ کی غیبت یقیناً تقیہ کا نتیجہ تھی اور ان کی جان کی حفاظت کی تدبیر، جس طرح جناب عیسیٰؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا، ان کی جان کی حفاظت کی خاطر تھا۔ اسی طرح امام زمانہؑ کا پردۂ غیبت میں جانا بھی ان کی جان کی حفاظت کی خاطر تھا۔ اب جناب امام زمانہؑ کا ظہور ہو یا جناب عیسیٰؑ کا نزول، وہ خدا کے حکم، اذن اور اس کی حکمت و مصلحت پر مُنحصر ہے، جب اس کا امر ہوگا، تو امامؑ ظاہر ہو جائیں گے اور جناب عیسیٰؑ آسمان سے اتر آئیں گے اور پھر دونوں راہنما مل کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کام کریں گے۔ جس سے اسلام کو تمام ادیانِ عالم پر غلبہ حاصل ہوگا اور اسلام کا بول بالا ہو جائے گا اور کفر کا منہ ہمیشہ کے لیے کالا ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔ اور "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ" کی عملی تفسیر دنیا کے سامنے آ جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر) ؎

دنیا کو ہے اس مہدیؑ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلۂ عالم افکار

① تنزیہ الامامیہ:

مذہب اہل السُّنّت میں عند الضرورت جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے

اس وقت ہمارے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ آج اس مذہب کے پیروکار تقیہ کو جھوٹ کا نام دے کر اہل حق پر زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں۔ جن کے مذہب میں ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ چنانچہ شرح مسلم نووی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲، ۲۶۶ طبع دہلی پر لکھا ہے:

وقد اتفق الفقھا علی انہ لو جاء ظالم یطلب انسانا مختفیا لیقتلہ او یطلب ودیعہ لانسان لیاخذھا غصبا وسئل عن ذلک وجب علی من علم ذلک اخفائہ و انکار العلم بہ و ھذا کذب جائز بل واجب لکونہ فی دفع الظلم ...... الخ

یعنی تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی چھپے ہوئے آدمی کو قتل کرنے آئے یا کسی کے پاس محفوظ امانت کو غصب کرنا چاہے اور آ کر دریافت کرے۔ تو جن لوگوں کو اس کا علم ہے، ان پر اس کا پوشیدہ رکھنا اور اپنے علم کا انکار کرنا واجب ہے اور یہ جھوٹ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ یہ ایک مظلوم کو ظالم کے پنجۂ ظلم واستبداد سے بچانے کے لیے ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے
کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

(۲) سیالوی صاحب کی اس پر تنقید:

علامہ صاحب! غیر کی جان ومال اور عزت وآبرو پر تو جان قربان کر دینا مردانِ حر اور جوانانِ وفا شعار کے لیے معمولی بات ہے۔ بات ہو رہی تھی جو اپنے جان ومال کے خطرہ کے بغیر اور فربہ ہونے کے لیے خنزیر کھا لیتے ہیں اور ہم خرما وہم ثواب کے بعد ڈھکو صاحب دوسری طرف جا نکلے؟ تم نے جھوٹ بولنا جائز لکھا۔ اپنی حفاظت اور اس کو فرض وواجب بلکہ عین ایمان ٹھہرایا اور ہم نے دوسروں کے جان ومال اور عزت کے تحفظ کے لیے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں...... ایمان یہ ہے کہ تو اس مقام پر صدق کو کذب پر اور سچ کو جھوٹ پر ترجیح دے جہاں صدق وسچائی مضر اور کذب وجھوٹ نفع بخش ہو۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۴)

رہا اہل السُنّت کا معاملہ تو ان کے نزدیک سچ اصل اور عزیمت ہے اور کذب بعض ناگزیر حالات میں رخصت کے درجہ پر ہے۔ بعض اوقات شریعت ایک امر کی ناگزیر وجوہ کی بنا پر رخصت دیتی ہے تو بجائے اس کے کہ اسے اپنے مخصوص موارد میں مُنحصر رکھا جائے...... لوگ اس کو عزیمت اور عین شریعت سمجھ لیتے ہیں...... جب اہل السُنّت کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا موقع لگ جائے تو پھر تقیہ اور کذب بیانی حرام ہو جاتی ہے اور سچ بولنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ جیسا علامہ طوسی اور ابن علقمی نے کیا..... (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۸۵ تا صفحہ ۹۳)

(۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

بُت کریں دعویٰ خدائی کا
شان ہے تیری کبریائی کی

ارشاد قدرت ہے: یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین (القرآن)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔

ناقابل رد دلائل عقلیہ و شرعیہ سے ثابت ہے کہ صادقین سے مراد سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ تمام اسلامی مکاتب فکر اور تمام اسلامی فرق و مسالک میں سے صرف شیعہ خیر البریہ ہی وہ مقدس فرقہ ہے جو خانوادہ عصمت و طہارت اور اس مجسّمۂ سچ و صداقت کے دامن کے ساتھ متمسک ہے۔ اور اس کے ہاں صداقت اور سچائی اس قدر اہم ہے کہ جو بات کا سچا اور قول کا پکا نہیں ہے وہ شیعہ اہل بیتؑ کہلانے کا حقدار نہیں ہے اور جھوٹ بولنے والا بنصِّ قرآنی ملعون ہے (ولعنۃ اللہ علی الکاذبین) اور خارج از ایمان ہے (وانما یفتری الکذب الذین لا یومنون) بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنے قلم سے اپنی بعض کتابوں جیسے اصلاح المجالس والمحافل، سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ اور قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ جلد اول میں سچ بولنے کی اہمیت و فرضیت اور جھوٹ بولنے کی مذمت میں اس قدر لکھا ہے کہ جس سے زائد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا...... مگر یہ براوقت بھی ہم نے دیکھنا تھا کہ ان صادقین کے نام لیواؤں کو جھوٹ بولنے پر آج وہ لوگ طعن و تشنیع کے تیر چلا رہے ہیں جن کے بزرگوں کی غلط بیانیوں سے کتابیں چھلک رہی ہیں۔

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

سیالوی صاحب! بات کا بتنگڑ بنانے اور معمولی بات کو غیر متعلقہ باتیں چھیڑ کر طول لاطائل دینے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور کہیں اقرار اور کہیں انکار اس میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیال شریف کے مدرسہ ضیاء الاسلام میں رہ کر انھوں نے اسلام کی روشنی سے یہی کچھ حاصل کیا۔

تضاد ہی تضاد

اپنی اس جوابی کتاب تحفۂ حسینیہ صفحہ ۸۳ سطر ۱۴ پر لکھتے ہیں:

"جب جان اور آبرو کا حقیقی خطرہ لاحق ہو تو اس وقت اس کے تحفظ کی سعی بہر حال جائز ہے اور ہم محل نزاع میں اس کی تصریح کر چکے ہیں۔ یعنی جب تقیہ کرنے والے کی اپنی جان اور آبرو کو حقیقی خطرہ ہو تو اس کے تحفظ کی سعی کرنا بہر حال جائز ہے"۔

اور یہی وہ تقیہ ہے جو محل نزاع ہے۔ جب تم بھی کہتے ہو کہ یہ جائز ہے اور ہم بھی اُسے جائز کہتے ہیں تو پھر ع

یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

یہاں سیالوی صاحب نے اقرار کیا ہے کہ جب اپنی جان اور آبرو کو حقیقی خطرہ ہو تو تقیہ جائز

ہے۔ مگر اسی کتاب کے صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں:

"ڈھکو صاحب فرق آیا سمجھ آپ کو، تم نے جھوٹ بولنا جائز رکھا اپنی حفاظت کے لیے اور اس کو فرض و واجب بلکہ عین ایمان ٹھہرایا اور ہم نے دوسروں کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کے لیے"

(تحفہ حسینیہ ص ۸۶ سطر ۷)......

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسروں کی جان و مال اور عزت بچانے کی خاطر تقیہ کرنا جائز ہے مگر اپنی جان، مال اور آبرو کے لیے جائز نہیں ہے؟ تین صفحات کی تقدیم و تاخیر سے فتویٰ میں اس قدر اختلاف؟ ہے اس تضاد بیانی اور ذہنی خفت و پریشانی کی کوئی حد؟

ہے اعتراض اوروں پہ اپنی خبر نہیں

الغرض تحفہ حسینیہ کے صفحہ ۸۳ پر اقرار کیا کہ جب اپنی جان اور آبرو کو حقیقی خطرہ لاحق ہو تو اس کے تحفظ کی سعی کرنا بہرحال جائز ہے۔ یعنی اس وقت تقیہ جائز ہے اور پھر ص ۸۶ پر اقرار کیا کہ دوسروں کی جان و مال اور آبرو کے لیے تقیہ جائز ہے اور یہ رُخصت بطور ترحم ہے۔ (تحفہ ص ۸۶) اور تقیہ کے یہی دو ہی محل ہیں اور جب سیالوی صاحب ان دونوں مقامات پر تقیہ کو جائز جانتے ہیں تو کوئی ان سے پوچھے کہ ان کو ہم سے اختلاف کیا ہے؟ ہم بھی بالکل یہی کہتے ہیں کہ ان دو مقامات پر تقیہ جائز ہے۔ اس وضاحت سے واضح ہو جاتا ہے کہ اشرف صاحب اس کے بعد جو تقیہ کے خلاف لکھیں گے وہ غیر شعوری طور پر اپنے ہی خلاف لکھیں گے۔ کما لا یخفی! سچ ہے کہ جھوٹے آدمی کے کلام میں تضاد و اختلاف ہوتا ہے۔ بہرحال شیعہ بفضلہ تعالیٰ حکم اولیٰ کو حکم اولیٰ اور ثانوی کو ثانوی ہی جانتے ہیں اور صداقت و سچائی کو بہرحال اصل الاصول اور عزیمت جانتے ہیں اور بوقت ضرورت شدیدہ تقیہ کو رخصت اور جائز اور کبھی کبھار عارضی طور پر اسے لازم جانتے ہیں۔ جیسا کہ اسی کتاب میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ محض فربہ ہونے کے لیے لحم خنزیر کو کوئی بھی مسلمان جائز نہیں جانتا...... ارشاد قدرت ہے: "فمن اضطر" جو جان بچانے کے لیے مضطر و مجبور ہو جائے اس کے لیے لحم خنزیر بقدرِ ضرورت کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور ہماری کتابوں میں تقیہ کے جو فضائل وارد ہیں متعہ کی طرح وہ ایک مردہ حکم شریعت کو زندہ کرنے کے لیے ہیں اور مخالفین حق کی ناک رگڑنے کے لیے ہیں۔

باقی رہا ہلاکو خان اور ابن علقمی وغیرہ کا قصہ تو بعض علمائے محققین تو اس کو غلط اور ایک افسانہ جانتے ہیں اور بعض اہل علم اس وقت بغداد کے علماء اہل سنت کے اس ظلم و تعدی کا قدرتی ردعمل جانتے ہیں جو انھوں نے عام شیعوں کے خلاف بالعموم اور محلہ کرخ بغداد کے شیعوں کے خلاف

بالخصوص روا رکھا ہوا تھا آخر تنگ آمد بجنگ آمد بہر کیف "تلك امة قد خلت" آٹھ سو سال کے گڑے ہوئے مُردوں کو اب قبروں سے اکھیڑنے کا کیا فائدہ؟

اُسے دیکھ جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں

آج شیعہ سنی اتحاد کی اشد ضرورت ہے اسلام اور پاکستان کی بقا و سلامتی کی خاطر اس اتحاد کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے بشرطیکہ وہ لوگ اتحاد کرنے دیں جن کا دین ہی فتنہ و فساد پھیلانا ہے۔ ع

دین ملا فی سبیل اللہ فساد

اگر سیالوی صاحب ہر جگہ اور ہر وقت یہ شیخیاں نہ بکھیرتے کہ ان کی کتاب کا جواب نہیں لکھا گیا، ان کی کتاب لاجواب ہے۔ تو ہم کبھی قلم بدست ہو کر آج کے حالات کے تناظر میں یہ قدم ہی نہ اٹھاتے مگر کیا کریں "المجبور معذور" ہمیں اس تلخ نوائی میں مجبور و معذور سمجھا جائے۔

بعض منصف مزاج علماء اہل سنت کا اقرارِ تقیہ

(۱) تنزیہ الامامیہ:

انہی حقائق کی بنا پر بعض منصف مزاج علماء اہل سنت نے واشگاف الفاظ میں تقیہ کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ فاضل محمد بن عقیل حضرمی اپنی کتاب النصائح الکافیہ صفحہ ۱۹۰ طبع بمبئی ۱۳۲۶ھ پر لکھتے ہیں:

قلت اتفق اصحابنا علی جواز الکذب عند الضرورة بل و للمصلحة و ھو عین التقیة لکن ان عبرت عنه بلفظ التقیة منعه کثیر منھم لکونه من تعبیرات الشیعة فالخلاف فیما یظھر لفظی واللہ اعلم۔

"میں کہتا ہوں ہمارے علماء (اہل سنت) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضرورت بلکہ مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہ بعینہ تقیہ ہی ہے ہاں البتہ اگر اس بات کو لفظ تقیہ سے تعبیر کیا جائے تو بہت سے علماء نے اس کی ممانعت کی ہے کیونکہ یہ تعبیر شیعوں کی ہے۔ بنا بریں یہ (شیعہ سنی اختلاف) صرف لفظی اختلاف ہے (ورنہ اصل حقیقت پر ہر دو فریق کا اتفاق ہے) واللہ اعلم"۔

پیر سیالوی اور اُن کے مریدان باصفا کہاں ہیں آئیں اور انصاف کی عینک لگا کر ان حقائق کو دیکھیں اور پھر اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں۔

۲ اشرف سیالوی کی تنقید:

"ڈھکو صاحب نے کذب اور تقیہ کے متعلق لفظی اور تعبیری فرق ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے...... لیکن شیعہ صاحبان کذب اور غلط بیانی کو صرف دفع مضرت کے لیے استعمال نہیں کرتے بلکہ قاضی القضاۃ بننے کا شوق ہو یا وزیر اعظم بننے کا تو بھی اس سے کام لیا جاتا ہے اور صرف بھوک کے مرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ موٹا اور فربہ ہونے کے لیے بھی اس خنزیر کو مباح قرار دیتے ہیں۔ پھر اہل سنت جھوٹ بھی مُطلق بولنا جائز نہیں سمجھتے بلکہ تعریض اور توریہ مُقدّم ہے اور اگر ناقابل برداشت سزا یا قتل کا اندیشہ ہو...... تو پھر مباح ہے۔ (تحفۂ حسینیہ جلد ا صفحہ ۹۴)

۳ اس پر ہمارا تبصرہ:

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

فاضل عقیل نے نصائح کافیہ میں یہ لکھ کر کہ سنیوں کو شیعوں سے صرف لفظی اختلاف ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا جائز بلکہ واجب ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ ضرورت کے وقت تقیہ کرنا جائز ہے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

برادرانِ اہل سنت کو چاہیے کہ ڈاکٹر اقبال کے اس قول کو حرزِ جاں بنائیں۔

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا
غواص کو موتی کی طلب ہے نہ صدف کی

سیالوی صاحب کی یہ طعن و تشنیع بالکل بے جا اور فضول ہے کوئی بھی دین دار اور ذمہ دار شخص قضاوت یا وزارت یا سفارت کی خاطر جھوٹ جیسے گناہِ عظیم کا اِرتکاب نہیں کرتا اور اگر بالفرض کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے کہ اس نے ایک دینی رعایت سے غلط فائدہ اٹھایا ہے اس میں دین و مذہب کا کیا قصور ہے؟ اور نہ ہی کوئی عقل و دین کا دشمن محض فربہ ہونے کے لیے لحم خنزیر کھا سکتا ہے اور نہ کوئی قضاوت یا وزارت حاصل کرسکتا ہے یہ صرف ملاؤں کے چونچلے ہیں اور گدھوں کے گھونسلے ہیں۔

یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

خداوند عالم ہم سب کو غلط الزام تراشی اور اتہام سازی سے محفوظ رکھے کہ توہین مسلم سے بڑھ

کر کوئی گناہ نہیں ہے۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

اگر سیالوی صاحب کا اشارہ شہید ثالث حضرت قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمۃ کی قضاوت کی طرف ہے تو ان پر واضح ہونا چاہیے کہ ان کے علم وفضل کی شہرت کی بنا پر حضرت کو عہدۂ قضاوت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تھا تو انھوں نے اس شرط پر قبول کیا تھا کہ وہ فتویٰ دینے میں مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے پابند نہیں ہوں گے۔ جسے بادشاہ نے قبول کرلیا۔ چنانچہ آپ فتویٰ فقہ جعفریہ کے مطابق دیتے تھے اور اگر کوئی اعتراض کرتا تھا تو فقہاء اربعہ میں سے کسی ایک کی فقہ سے ثابت کر دکھاتے تھے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

① پیر آف سیال شریف کا رسالہ مذہبِ شیعہ:

پیر صاحب آف سیال شریف نے اپنے رسالہ مذہبِ شیعہ کے صفحہ ۶ پر اصول کافی سے بعض روایات نقل کی ہیں جن میں ائمہ اہل بیتؑ نے اپنے مخصوص اصحاب کو بعض مخصوص اسرار ورموز کے افشا کرنے کی ممانعت فرمائی اور مخفی رکھنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ پیر صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۶ پر ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبداللہ علیہ السلام یا معلی اکتم امرنا و لا تذعہ فانہ من کتم امرنا و لم یزعہ اعزہ اللہ بہ فی الدنیا (الی ان قال) یا معلی ان التقیۃ دینی و دین آبائی و لا دین لمن لا تقیۃ لہ

مُعلّٰی بن خنیس کہتا ہے کہ امام صاحب نے مجھے فرمایا: کہ ہماری باتوں کو چھپاؤ اور ان کو مت ظاہر کرو کیونکہ جو شخص ہمارے دین کو چھپاتا ہے اور اس کو نہیں ظاہر کرتا تو اللہ تعالیٰ چھپانے کے سبب اس کو دنیا میں عزت دے گا اور قیامت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور پیدا کرے گا جو سیدھا اس کو جنت کی طرف لے جائے گا۔ اے مُعلّٰی! جو شخص بھی ہماری باتوں کو ظاہر کرے گا اور ان کو نہ چھپائے گا تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اس سبب سے اس کو ذلیل کرے گا...... اے مُعلّٰی! تقیہ کرنا میرا دین ہے اور میرے آباء واجداد کا دین ہے (رسالہ مذہبِ شیعہ صفحہ ۶)

جن اصحاب سے اہل تشیّع روایات کرنا جائز سمجھتے ہیں یا بتاتے ہیں ان کے متعلق کہتے ہیں کہ تقیہ اور کتمانِ حق اُن کا عقیدہ تھا اب اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایک انتہا درجہ کا محب اور علمبردار تشیّع جو نہی

ان حضرات سے کوئی حدیث سنے گا اور کسی امر کا اظہار معلوم کرے گا تو اس کے لیے یقین کرنا ضروری ہے کہ صحیح اور حق بات تو انھوں نے فرمائی نہیں۔ جو بھی ان سے روایت کی گئی ہے سراسر بے حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے اور نفس الامر کے معاکس۔ وہ بھلا اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین کس طرح چھوڑ سکتے ہیں یا اُن کے وہ حاضر باش اور رات دن کے خدمت گزار جنت کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ کیسے اختیار کر سکتے ہیں، تو لہٰذا جو روایات جن اہل تشیّع کی کتابوں میں لکھی گئی ہیں اور جلسوں اور محفلوں میں بلکہ آج کل لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ بلند آہنگی کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں سراسر کذب اور واقعات کے خلاف ہیں۔ کون محب اہل بیتؑ اور کون شیعہ ائمہ طاہرینؑ کے صریح اور واضح اور غیر مبہم تاکیدی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بے دین و بے ایمان و جہنمی اور ذلیل ہونا پسند کرے گا؟ اس مقدمہ کو اہل فکر کے غور و خوض کے سپرد کرتا ہوں اور گزارش یہ کرتا ہوں کہ بانیان مذہب تشیّع نے اصل اور حقیقت پر مبنی دین اسلام کو ختم کر دینے اور شریعت مقدسہ کو کُلّیۃً فنا کر دینے کے لیے یہ سیاسی چال چلی۔ الخ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۸)

(۲) تنزیہ الامامیہ: **الجواب بفضل اللہ التواب:**

مذکورہ بالا بیان باطل ترجمان میں مؤلف محترم نے اپنے مذہبی قواعد و ضوابط سے کس طرح لا علمی کا مظاہرہ کیا ہے حقائق و معارفِ دینیہ کا کس قدر خونِ ناحق بہایا ہے؟ ائمہ اہل بیتؑ کی شان میں کس قدر دریدہ دہنی سے کام لیا ہے؟ تقیہ جیسے فطری اور شرعی مسئلہ پر کس بھونڈے انداز میں تبصرہ کیا ہے؟ اگر ہم تفصیل کے ساتھ ان امور پر اظہار خیال کریں تو دامن بیان بہت پھیل جائے گا جو پہلے ہی بہت پھیل چکا ہے جسے ہم سمیٹنا چاہتے ہیں اس لیے تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف بعض حقائق کے چہرہ سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔

بعض مخصوص اسرار و رموز کے افشا کرنے کی ممانعت کے متعلق وارد شدہ احادیث پر مؤلف نے جو ایراد کیا ہے اس کے ہم حلی والزامی ہر دو قسم کے جوابات پیش کر سکتے ہیں۔

حلی جواب

کوئی معمولی عقل و خرد رکھنے والا شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ لکل مقام مقال یعنی ؎

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

علم و معرفت کی باتوں کی ہر شخص سننے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ بعض ایسے دقائق و حقائق

ہوتے ہیں کہ تمام خواص بھی اُن کو نہیں سمجھ سکتے! العبارات للعوام، و الاشارات للخواص و اللطائف للاولیاء و الدقائق للانبیاء۔ یعنی عبارات عوام کے لیے، اشارات خواص کے لیے لطائف اولیاء کے لیے اور دقائق انبیاء کے لیے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک اچھا خطیب، اچھا کاتب اور اچھا مبلغ و رہنما وہی ہوتا ہے جو موقع و محل، حالات و ظروف اور سامعین و قارئین کی ذہنی استعداد اور قابلیت کو ملحوظ خاطر رکھ کر کچھ کہے یا لکھے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے: نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولھم۔ ہم گروہ انبیاءؑ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقل و فکر کے مطابق ان سے بات چیت کریں۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: یابنی لا تقل مالم تعلم بل لا تقل کلما تعلم۔ بیٹا! وہ بات نہ کرو جس کا تھیں علم نہیں ہے بلکہ ہر وہ بات جو تھیں معلوم ہے وہ بھی نہ کہو۔ لا نہ لیس کلما یعلم یقال

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوفِ فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

انہی مذکورہ بالا حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاضل غزالی نے ان پانچ امور کا ذکر کیا ہے جن کا ظاہر کرنا منع ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب (احیاء العلوم ج ۱ ص ۵۹ و ۶۰ کتاب العلم الفصل الثانی فی التدریج الی الارشاد طبع نولکشور و طبع مصر جلد ۱ ص ۴۳، ۶۳) پر رقمطراز ہیں:

القسم الاول ان یکون الشئی فی نفسہ دقیقا یکل اکثر الافھام عن درکہ فیختص بدرکہ الخواص و علیھم ان لا یفشوہ الی غیر اھلہ فیصیر ذالک فتنۃ علیھم (الی ان قال) و کف رسول اللہ علیہ السلام عن بیانہ من ھذا القسم...... القسم الثانی من الخفیات التی تمتنع الانبیاء و الصدیقون عن ذکرھا و ما ھو مفھوم فی نفسہ لا یکل الفھم عنہ و لکن ذکرہ یضر ھا باکثر المستمعین و لا یضر بالانبیاء و الصدیقین

قسم اول بعض چیزیں فی ذاتہ ایسی دقیق ہوتی ہیں کہ اکثر لوگوں کی عقلیں ان کے ادراک سے قاصر ہوتی ہیں۔ صرف خواص ان کو سمجھ سکتے ہیں اور پھر ان پر بھی لازم ہے کہ ان باتوں کا نااہلوں کے سامنے اظہار نہ کریں۔ ورنہ فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا اس لیے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی باتیں عوام کے سامنے بیان نہیں فرماتے تھے۔ دوسری قسم وہ مخفی چزیں ہیں: کہ جن کے ذکر سے انبیاء و صدیقین علیہم السلام باز رہتے ہیں، وہ چیزیں بذاتِ خود سمجھ میں آتی ہیں۔ فہم ان کے ادراک سے قاصر نہیں ہے۔ لیکن اس کے ذکر کرنے سے اکثر سننے والوں کو نقصان پہنچتا ہے اور نبیاء و صدیقین علیہم السلام کو نقصان نہیں دیتا۔ (اس لیے یہ انہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔)

اب قارئین کرام! انصاف کا دامن تھام کر فرمائیں کہ اگر حکماء اسلام یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے ایسے مخصوص غوامض و اسرار کو پوشیدہ رکھنے کا حکیمانہ حکم دیا ہے۔ اور ان کے افشاء و اظہار کی حکمت آمیز ممانعت فرمائی ہے۔ تو اس سے پیر صاحب سیالوی آتش زیر پا کیوں ہوتے ہیں؟ اور مذہب حق پر نزلہ کیوں گراتے ہیں؟ یہ بات تو ان ذواتِ مقدسہ کے ائمہ طاہرینؑ اور حکماء ربانیین ہونے کی بہترین دلیل ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ:

"ھنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبی است"۔

اس کا دوسرا الزامی جواب

جس چیز کا پیر صاحب مذہب حق پر طعن توڑ رہے ہیں۔

این گناھیست کہ در شھر شما نیز کنند

کا مصداق ہے۔ یعنی کتب اہلسنّت میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں جن میں پیغمبر اسلامؐ اپنے بعض اصحاب کو ان اسرار و رموز کے افشاء کرنے کی ممانعت فرماتے ہیں، جیسا کہ قبل ازیں اس قسم کی دو حدیثیں بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۶۶ وغیرہ سے پیش کی جا چکی ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوذرؓ اور جناب معاذؓ کو بعض حقائق کے اظہار و ابراز کی ممانعت فرمائی ہے۔ مزید برآں یہاں چند اور حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۱۴ و ص ۲۲۷) مرفوعاً آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا: لا تحدثوا عنی من احادیثی الا بما تحمله عقولهم۔ میری احادیث میں سے صرف وہ حدیثیں لوگوں کے سامنے بیان کرو جن کو ان کی عقلیں برداشت کر سکیں۔ (باقی نہ ظاہر ہے کہ اس زریں اصول کی خلاف ورزی کرنے سے جہاں ناقل اور راوی کی توہین ہوتی ہے۔ وہاں منقول عنہ کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری مع فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۱۴ پر ایک پورا باب بعنوان: "من خص بالعلم قوما دون قوم کراهیة ان لا یفهموا" موجود ہے۔ اس میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ حکیمانہ ارشاد نقل کیا ہے: حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب الله و رسوله۔ یعنی لوگوں کے سامنے صرف وہ حدیثیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ سکتے ہوں۔ کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ (ایسی نا قابل برداشت حدیثیں بیان کرو) کہ خدا اور رسولؐ کی تکذیب کی جائے؟ کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۲۷ میں اتنا اور اضافہ ہے کہ: "و دعوا ما ینکرون" جس چیز کو وہ برداشت نہیں کر سکتے اُسے چھوڑ دو۔

جب سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ تو لگے ہاتھوں جناب ابوہریرہ کی دو تھیلیوں کا ذکر بھی سنتے جائیں! چنانچہ (بخاری کتاب العلم باب حفظ العلم جلد ا صفحہ ۲۳ مطبوعہ میرٹھ) جناب موصوف سے منقول ہے: قال حفظت من رسول اللہ ﷺ وعائین فاما احدھما فبثثتہ واما الاخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم۔ فرمایا میں نے جناب رسولؐ خدا سے علم کی دو تھیلیاں حفظ کیں تھیں ایک تھیلی کو تو میں نے پھیلا دیا ہے لیکن اگر دوسری تھیلی کا اظہار کروں تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے گا۔

نہایہ ابن اثیر لغت "قشع" میں یہ روایت بایں الفاظ مروی ہے: لو حدثتکم بکل ما اعلم رموتنی بالتقشع ای بالحجر والحذر۔ "قال ذلك استخفافا بی و تکذیبا لقولی او رموتنی بالجلد"۔ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہ سب کچھ تمھارے سامنے بیان کروں تو تم میری تکذیب وتخفیف کرتے ہوئے مجھے پتھروں یا تازیانوں سے مارنے لگو گے (کذا فی انوار اللغۃ پ ۲، ۲۶۱۴ وغیرہ)

یہ وہی ابوہریرہ صاحب ہیں کہ برادرانِ اسلام کا قریباً آدھا دفتر احادیث انھی سے منقول ہے۔

جب پیر صاحب کی مذہبی کتابوں سے پیغمبر اسلامؐ کا اپنی احادیث چھپانے کا حکم دینا اور ان کے چہیتے راویوں کا کتمانِ حق کرنا ثابت ہو گیا تو اب کوئی شخص پیر صاحب کا آموختہ تھوڑے سے اِختلاف کے ساتھ ان کے سامنے اس طرح دُہرائے کہ: ایک اِنتہا درجہ کا اہل تسنّن جو نہی ان حضرات سے کوئی حدیث سنے تو اس کے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ صحیح اور حق بات تو انھوں نے فرمائی نہیں (کیونکہ سچ کہنے سے پتھر لگتے ہیں) لہٰذا جو بھی ان سے روایت کی گئی ہے وہ سراسر بے حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے۔ لہٰذا جو روایات بھی اہل تسنّن کی کتابوں میں لکھی ہیں اور جلسوں، محفلوں اور مسجدوں میں لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ بلند آہنگی کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ سراسر کذب ہیں۔ بھلا کون سنی مُسلمان جناب رسولؐ انام اور صحابہ کرامؓ کے صریح وغیر مبہم تاکیدی حکم کی خلاف ورزی کر سکتا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ راویانِ مذہب اہل سنت نے حقیقت پر مبنی دین اسلام کے ختم کر دینے اور شریعت مُقدّسہ کو بالکلیہ فنا کر دینے کے لیے یہ سیاسی چال چلی ہے؟ تو وہ کیا جواب دیں گے؟

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

ہمارا مُخلصانہ مشورہ ہے کہ:

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

امید ہے کہ یہ بات اب مؤلف کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ کس طرح دین کے نو حصے تقیہ میں ہیں اور کس طرح انسان تقیہ کا انکار کرکے بے دین ہو جاتا ہے۔ نیز مخفی نہ رہے کہ حدیث "لا دین لمن لا تقیۃ لہ" جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ کتب اہل سنت میں بھی موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲ طبع حیدر آباد دکن)

اب یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ:

کسی مؤمن سے انکار تقیہ ہو نہیں سکتا
جو منکر ہے تقیہ کا وہ مسلم ہو نہیں سکتا

(۳) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

ڈھکو صاحب نے...... خواہ مخواہ طوالت سے کام لیا ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ ائمہ کی طرف سے اس دین کو عام کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ حضرت شیخ الاسلام نے معلی بن خنیس کی روایت سے ثابت کیا کہ شیعی روایات جو ائمہ کی طرف منسوب ہیں وہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ یہ دین ظاہر کرنا ذلیل ہونے کا موجب ہے اور اس دین کو چھپانا عزت و آبرو کا موجب ہے...... لیکن ڈھکو صاحب نے اس کو عوام الناس کی عقل و فہم سے بالاتر مخصوص اسرار و رموز اور غوامض ودقائق پر محمول کر دیا...... (بعد ازاں سیالوی صاحب نے چند روایات پیش کرکے ان سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ) یہاں دین چھپانے کی بات ہو رہی ہے کیا دین کا لفظ صرف غوامض اور اسرار و رموز پر بولا جاتا ہے؟ (روایات میں کہیں لفظ دین وارد ہے کہیں ھذا الامر کہیں لفظ ولایت ہے)...... ابوسعید کہتے ہیں مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اے ثابت! تمھیں لوگوں سے کیا واسطہ لوگوں سے دور رہو اور کسی کو اپنے دین کی طرف مت بلاؤ......"

اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہاں امر سے مراد دین ہے...... اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی دین کا اہم حصہ ہے۔ جس سے روکا جا رہا ہے...... ابو عمر اعجمی کہتا ہے کہ مجھے امام جعفر صادق نے فرمایا "نوے فیصد دین تقیہ میں ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا سرے سے دین ہی نہیں رہتا......" الغرض ڈھکو صاحب کو ان حقائق کی روشنی میں اپنا دامن صاف کرنا چاہیے تھا۔ ادھر ادھر بھاگنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟...... رہا اسرار و رموز کو صرف ان کے متحمل لوگوں تک محدود رکھنے کا معاملہ اور لوگوں کے ساتھ ان کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق گفتگو کرنے کا یا ایسے غیبی امور کا انکشاف جو سلاطین زمان

کے غیظ وغضب کا موجب بنیں تو ان سے جان ومال اور عزت وآبرو کی بربادی کا اندیشہ ہو تو وہ چیزیں نہ بیان کرنا بالکل درست ہے کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں نہیں آتیں۔
(خلاصہ تحفۂ حسینیہ جلد ا از صفحہ ۹۴ سطر ا سے صفحہ ۱۰۲)

④ اس پر ہمارا تبصرہ:
اسے کہتے ہیں:

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

مذہب شیعہ کیا ہے؟ جو دین اسلام اللہ تعالیٰ نے بنایا اور جو دین اسلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناقابل برداشت تکالیف وشدائد سہ کر تیئیس سال کی طویل مدت میں خدا کے بندوں تک پہنچایا اور جو دین اسلام حضرت علی علیہ السلام نے چند مخلص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مل کر پھیلایا اور جو دین اسلام مشکل وقت آنے پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے تن من دھن قربان کر کے، کنبہ مروا کے، گردن کٹوا کے اور نوک سناں پر سوار کر کے بچایا اور اسے زندۂ جاوید بنایا، اسی دین اسلام کی حقیقی تعبیر اور حقیقی تفسیر کا نام مذہب شیعہ ہے۔ (والحمد للہ)

لہٰذا اگر دین اسلام نشر واشاعت کے قابل نہیں بلکہ چھپانے کا دین ہے تو پھر مذہب شیعہ بھی ایسا ہی ہے اور اگر اسلام نشر واشاعت کے قابل ہے اور اس کی نشر واشاعت کرنی چاہیے تو پھر مذہب شیعہ کی بھی نشر واشاعت کرنی چاہیے یہ چھپانے کی چیز نہیں...... اس سے واضح ہوتا ہے...... کہ جہاں ربانی حکماء اسلام یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے دین چھپانے کا حکم دیا ہے وہاں اس سے پورا دین و مذہب مراد نہیں ہے بلکہ من باب المجاز "کل" بول کر اس سے جزء مراد لیا گیا ہے یعنی دین کے غوامض ودقائق اور وہ اسرار ورموز جن کے سمجھنے کا ہر شخص اہل نہیں ہوتا۔ جس کا خود سیالوی صاحب نے بھی واشگاف الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ: رہا اسرار ورموز کو ان کے متحمل لوگوں تک محدود رکھنے کا اور لوگوں کے ساتھ ان کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق گفتگو کرنے کا یا...... یا...... تو وہ چیزیں نہ بیان کرنا بالکل درست ہے کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں نہیں آتیں۔ (تحفہ حسینیہ ج ا ص ۱۰۱)
اب معلوم ہوا کہ سیالوی صاحب کو؟

اِنکار کے پردے میں کچھ اِقرار بھی ہے

ڈھکو صاحب بفضلہ تعالیٰ کرار غیر فرار کے ماننے والے ہیں وہ میدان میں خم ٹھونک کر بات

کرتے ہیں وہ اِدھر اُدھر بھاگنے والے نہیں ہیں۔ یہ اِدھر اُدھر فرار اور خلط مبحث کرتے ہوئے ایک مسئلہ میں کئی مسائل چھیڑ کر قارئین کو اُلجھانا انھیں مبارک ہو جن کے راہبر و راہنما "فرار" تھے۔

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

جس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر یہ تڑپ تھی کہ سارے لوگ ایمان لے آئیں اور جنت میں چلے جائیں اور آپؐ اس کے لیے کڑھتے تھے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "لعلك باخع نفسك ان لا يكونوا مومنين" اندیشہ ہے کہ اس غم میں گھل گھل کر آپؐ اپنی جان سے بھی ہاتھ نہ دھو بیٹھیں کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ خداوند کریم نے آپؐ کو تسلی دی: "وما اكثر الناس و لو حرصت بمومنين وما عليك الا البلاغ" کہ جتنا حرص کرنا ہے کرلو لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپؐ کا کام صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔ منوانا تیرا فرض نہیں ہے۔ بلا تشبیہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے بعض اصحاب جیسے مومن طاقؒ، ہشامؒ بن الحکم وامثالہم کے دلوں میں تڑپ تھی کہ سب لوگ حلقہ بگوشِ حق ہو جائیں تو ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے انھیں اس حرص سے منع فرمایا اور وضاحت کی کہ جس کے مقدر میں ہدایت پانا ہے وہ بہر حال ہدایت پائے گا اور جس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: "الا ما تحمله عقولهم" میری احادیث میں سے صرف وہ حدیثیں لوگوں کے سامنے بیان کرو جن کو ان کی عقلیں برداشت کر سکیں۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۱۴، ۲۶ اور ص ۲۲۷)

بالکل اسی طرح ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ: حدثوا الناس بما يعرفون الخ لوگوں کے سامنے صرف وہ حدیثیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں۔ (ارشاد حضرت علیؑ) (صحیح بخاری مع فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۱۴)

اور سیالوی صاحب نے اِعتراض کیا تھا کہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی دین کا حصہ ہے اور اس سے روکا جا رہا ہے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۹۹) ......مگر صفحہ ۱۰۱ پر اقرار کیا ہے کہ: دین کے اسرار و رموز اور ان غیبی باتوں کا انکشاف جو سلاطین زمان کے غیظ و غضب کا باعث بنیں ......وہ چیزیں بیان نہ کرنا بالکل درست ہے۔ کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں نہیں آتیں"۔......اسے کہتے ہیں: ع

انکار کے پردے میں کچھ اقرار بھی ہے

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے دور میں بالکل یہی صورت حال درپیش تھی کہ زمام اقتدار و اختیار دشمنانِ آل محمد علیہم السلام کے ہاتھ میں تھی اور وہ محبانِ آلِ رسولؐ کی ایذا رسانی کے لیے بہانے تلاش

کرتے تھے اور کوئی بہانہ مل جانے پر نہ جان کی امان ملتی تھی نہ مال کی خیر اور نہ ناموس کی سلامتی ان حالات میں ائمہ اہل بیتؑ کی جہاں دین کی حفاظت کرنا ذمہ داری تھی وہاں اپنے نام لیواؤں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا بھی ان کے فرائض میں شامل تھا تو کیا وہ ان حالات میں اپنے نام لیواؤں کو اجازت دے سکتے تھے کہ لوگوں سے مناظرے اور مباحثے کر کے ثابت کرو کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے خلیفہ بلافصل اور امام برحق صرف حضرت علیؑ تھے۔ اور اصحابِ ثلاثہ ان کے حق کے غاصب تھے اور یہ کہ دخترِ رسول سلام اللہ علیہا پہلے اور دوسرے خلیفہ پر ناراض دُنیا سے گئی تھیں اور وہ ان کو اپنے حق کا غاصب سمجھتی تھیں اور یہ کہ تولا اور تبرا واجب ہے یعنی سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام سے محبت کرنا اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرنا واجب ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان حالات میں اگر وہ حضرات وہ کچھ نہ کرتے جو انہوں نے کیا تو اور کیا کرتے؟ سیالوی صاحب اختلاف فکر و نظر اپنی جگہ جو کہ انسان کا فطری حق ہے ولا یزالون مختلفین مگر عدل و انصاف بھی تو کوئی چیز ہے۔ اس کا قتل ناحق تو اس طرح کوئی کافر و مشرک بھی نہیں کرتا جس طرح تم لوگ کر رہے ہو۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

خلیفۂ اوّل کے ترکِ تقیہ کا خوفناک انجام

① تنزیہ الامامیہ:

مذکورہ بالا بیان حقائق ترجمان سے عیاں ہو گیا کہ:

برائے حفظ جان و مال از دربار رحمانی
کوئی بڑھ کر تقیہ سے عطیہ ہو نہیں سکتا

تقیہ کرنے کے فوائد اور اس کے ترک کرنے سے جو نقصانات مرتب ہوتے ہیں وہ اگرچہ عیاں راچہ بیان کے مصداق ہیں تاہم خواب غفلت میں سوئی ہوئی اسلامی برادری کو جگانے کے لیے جناب ابوبکر کے تقیہ ترک کرنے اور خوفناک انجام سے دوچار ہونے کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

"روایت است کہ در آن آوان حمزہؓ ایمان آورد، پیش ازان روز واقعہ دیگر بظہور پیوست و آں چنان بود کہ چوں صحابہؓ بہ سی و نہ نفر رسیدند ابوبکر گفت یا رسول اللہ چرا اسلام را پنہان داریم و آشکارا نکنیم۔ حضرت ﷺ فرمود ہنوز قوت تمام نداریم۔ ابوبکر بسیار مبالغت نمود

با حضرت رسالت ﷺ از خانه بیرون رفتند و در حرم بلشستند و ابو بکر بایستاد و خطبهٔ بلیغ بر خواند و آن اول خطبه بود که در اسلام خواندند و درآن خطبه دعوت اسلام نمود و مشرکان رابغایت ناخوش آمد و بغلظت تمام بایذائے اهل اسلام برخاستند و ابو بکرؓ را درمیان گرفتند و عتبه بن ربیعه علیه اللعن نعلین بر گرفت و چندان بروئے ابو بکر زدکه بینی از رخسار ممتاز نمی گشت تابنو تمیم بر فتند و ابو بکر را از دستِ ایشان خلاص کردند و در جامه پیچیده بخانه او بردند او در صدد هلاك رسیده بود و آں روز تاشب انگاه بیهوش افتاده بود"

یعنی روایت میں ہے کہ جس وقت جناب حمزہؓ ایمان لائے اُس سے قبل ایک اور واقعہ رونما ہوا اور وہ یہ ہے کہ جب (نومسلم) صحابہ کی تعداد انتالیس تک پہنچ گئی تو ابوبکرؓ نے کہا: یارسول اللہ! اب ہم ایمان کو کیوں چھپائیں اور کیوں اس کا اظہار نہ کریں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ابھی تک ہم پوری قوت نہیں رکھتے (اس لیے ابھی اظہار مناسب نہیں ہے) مگر ابوبکرؓ نے اپنے مدعا پر بڑا اصرار کیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے ساتھ گھر سے نکلے اور حرم میں جا کر بیٹھ گئے۔ ابوبکرؓ نے اٹھ کر بلیغ خطبہ دیا اور اسلام میں اُن کا یہ پہلا خطبہ تھا۔ اثناء خطبہ میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی، یہ بات مشرکوں کو ناگوار گزری چنانچہ وہ مُسلمانوں کی ایذارسانی کے لیے کھڑے ہو گئے اور ابوبکر کو گھیرے میں لے لیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے (خدا اس پر لعنت کرے) جوتا ہاتھ میں لے کر اس قدر ابوبکرؓ کے منہ پر مارا کہ ناک مُنھ ایک ہو گیا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ناک کہاں ہے اور رخسار کہاں؟ بالآخر بنی تمیم نے مداخلت کر کے ابوبکر کو ان کے پنجۂ ظلم سے چھڑایا۔ اور کپڑوں میں لپیٹ کر گھر لائے اور وہ قریب بہ ہلاکت سارا دن شام تک بے ہوش پڑے رہے۔ (معارج النبوۃ رکن سیوم فصل دوم ص ۵۲-۵۳ طبع نولکشور کانپور)

ولنعم ماقیل

تقیّہ توڑنے سے ناک مُنھ رُخسار گر ٹوٹیں
تو پھر شیعوں سے مرہم کا تقضیّہ ہو نہیں سکتا

وفیما ذکرناه کفایة لمن له ادنی درایة

(۲) اس پر جناب سیالوی کی تنقید:

ہمارے ائمہؑ نے تو نعرۂ مستانہ لگا کر: "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" کا حق ادا کیا، اسی

لیے تو ہم اس تقیہ کو جائز نہیں سمجھتے اور حضرت شیخ الاسلام نے بار بار میدانِ کربلا کی طرف توجہ دلائی ہے......کہ اگر تقیہ درست ہوتا......تو امام مظلوم علیہ السلام شہید کربلا ضرور تقیہ کرتے......خود سرورِ عالم نے مکہ مکرمہ میں ہی کس قدر تشددات برداشت کیے اور طائف میں کس قدر پتھر کھا کر لہولہان ہوئے......وہاں ڈھکو صاحب کو مرہم کا قضیہ کرنے کی نہ سوجھی......(تحفہ حسینیہ ج ا ص ١٠٣)

④ اس پر ہمارا تبصرہ:

ملا معین الدین محمد بن عبد اللہ الہروی متوفی ٩٥٤ھ صاحب شرح کنز الدقائق فی فروع الحنفیہ کی شہرہ آفاق کتاب "معارج النبوۃ" میں جناب خلیفہ کے تقیہ نہ کرنے اور اپنے اسلام کا اظہار کرنے اور کفارِ مکہ کو دعوتِ اسلام دینے اور ان لوگوں کے ان کو مارنے پیٹنے کا تذکرہ ہے وہاں اس میں صاف لکھا ہے کہ جب ابو بکر نے اسلام کے کُھلم کھلا اظہار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت رسولِ خدا ﷺ نے ان کو یہ فرما کر کہ "ھنوز قوتِ تمام نداریم" کہ "ابھی ہم پوری قوت نہیں رکھتے"۔ ان کو اظہارِ اسلام سے منع فرمایا تھا۔ مگر انھوں نے اصرار کر کے ایسا کیا، اور ناک منہ ایک کرایا۔ یہ کیسا عشق ہے کہ محبوب ایک کام سے منع فرمائے اور محبوب بھی وہ محبوب جو کہ عصمتِ کبریٰ کا تاجدار ہے اور محبت کا دعویدار ان کا حکم نہ مانے؟ یاد رکھو!

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

یعنی جو کسی کا سچا جبدار ہوتا ہے وہ اپنے محبوب کا تابعدار رہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو (معارج النبوۃ رکن سیوم فصل دوم ص ٥٢۔ ٥٣ طبع نولکشور کانپور (اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی حکم عدولی کا ثمرہ و نتیجہ تھا۔ سچ ہے کہ ع

خود کردہ را علاجے نیست

اور جہاں تک حضرت رسولِ خدا ﷺ کا مکہ اور طائف میں تشددات برداشت کرنے کا تعلق ہے تو وہ ان کی نبوت و رسالت کا تقاضا تھا کہ جب وہ مبعوث ہی خدا کا دین اس کے بندوں تک پہنچانے کے لیے ہوئے۔ تھے تو ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ اپنا کام انجام دیں اگرچہ اس سلسلہ میں ان کی جان بھی چلی جائے قبل ازیں کئی بار اس حقیقت کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ نبی یا رسول اعلانِ نبوت سے پہلے تقیہ کر سکتا ہے یا اعلان کے بعد اس وقت کر سکتا ہے جب خدا اسے ہنوز علی الاعلان تبلیغ کرنے سے منع فرمائے۔ کما تقدم

باقی رہا حضرت امام حسین علیہ السلام کا کربلا کے میدان میں اسلام کی حفاظت اور اس کی بقاء کے

لیے بے مثال اقدام تو امام ہوتا ہی وہ ہے جو حکیم اسلام ہوتا ہے اور اس کا ہاتھ اسلام کی نبض پر ہوتا ہے وہ سب سے بہتر اپنی شرعی تکلیف اور ذمہ داری کو جانتا ہے کہ کہاں ظالموں سے صلح کر کے اسلام بچانا ہے (جس طرح امام حسن علیہ السلام نے صلح کر کے اسلام بچایا) اور کہاں جنگ کر کے اسلام کی بقاو دوام کا انتظام فرمانا ہے جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام نے کیا نہ ایک طریقہ کار ہر جگہ مُفید ہوتا ہے اور نہ ہی ایک نسخہ ہر جگہ جام شفا ہوتا ہے۔ بلکہ

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے وارد

شیعیانِ علیؑ چونکہ پنج تن پاکؑ بارہ ائمہؑ اور چہاردہ معصومینؑ کو مانتے ہیں اس لیے ان کے سامنے امام حسنؑ اور دوسرے ائمہ کی صلح اور خاموشی بھی ہوتی ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا معرکہ کربلا بھی لہٰذا وہ سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھاتے ہیں کہ حالات کا تقاضا کیا ہے صلح یا جنگ اور اسی چیز کا نام عقلمندی اور ہوشمندی ہے۔ والحمدللہ

نہ ہر جا بود مرکبے تاختن
کہ جاہا بود سپر انداختن

ایک لطیفہ یا ایک کثیفہ

اس سے قبل کم از کم تین مقامات پر تحفہ حسینیہ کا مؤلف تقیہ کے جواز کا اقرار کر چکا ہے صفحہ ۵۲ پر صفحہ ۸۳ پر اور صفحہ ۸۶ پر کہ اپنی جان و مال اور آبرو یا کسی دوسرے مُسلمان کی جان و مال اور ناموس کی حفاظت کے لیے تقیہ جائز ہے۔ مگر یہاں صفحہ ۱۰۳ پر پہنچ کر جناب ابوبکر کے تقیہ نہ کرنے اور ناک وُمنھ کے ایک ہونے کے واقعہ پر تقیہ کا اِنکار کر دیا۔ لکھتے ہیں:

"ہمارے ائمہ نے تو نعرۂ مستانہ لگا کر بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" کا حق ادا کر دیا، اسی لیے تو ہم تقیہ کو جائز نہیں سمجھتے" ہم اس مقام پر صرف یہی کہہ سکتے ہیں۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دین اپنا چھوڑ کر
ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مُسلماں ہو گیا

ہے اس حماقت و سفاہت کی کوئی حد؟

تقیّہ کا اِنکار صرف خوارج نے کیا ہے

مُسلمانوں میں کوئی بھی تقیّہ کا منکر نہیں ہے البتہ خارجی اس کے ہمیشہ منکر رہے ہیں۔ چنانچہ میر شریف جرجانی نے خوارج کے خواص بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :وقالوا تحرم التقیۃ فی القول و العمل۔اور خوارج کہتے ہیں کہ تقیّہ قول وعمل دونوں میں حرام ہے۔

(شرح مواقف جلد ۸ صفحہ ۳۹۳ المطبعۃ السعادۃ مصر)

علامہ عبد القادر بن احمد بدران نے یہاں خوارج کے مخصوص عقائد کا تذکرہ کیا ہے وہاں ایک خاصہ تقیّہ کے عدم جواز کا بھی نقل کیا ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں: سادسہا قالوا ان التقیۃ غیر جائزۃ لا فی القول ولا فی العمل۔خوارج کا چھٹا خاصہ یہ ہے کہ تقیّہ کو قول وعمل میں ناجائز قرار دیتے ہیں۔(تھذیب ابن عساکر جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ مطبعۃ روضۃ الشام دمشق)

مندرجہ بالا عبارات سے بالکل صاف معلوم ہوا کہ تقیّہ کو ناجائز کہنے والے صرف اور صرف خارجی ہیں نہ کہ مُسلمان۔ لہٰذا جو تقیّہ کا انکار کرتا ہے وہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام، ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کی سیرت پر نہیں چل رہا، بلکہ خارجیوں کی پیروی واتباع کر رہا ہے۔

بہرحال ان حقائق سے مہر نیم روز کی طرح یہ حقیقت واضح وآشکار ہوگئی کہ رحمۃ للعالمین کے طفیل رب العالمین کا اپنے بندوں پر یہ خُصُوصی رحم وکرم ہے کہ

وہ عند الضرورت اپنی جان ومال اور ناموس کی حفاظت کی خاطر یا دوسرے اہل اسلام وایمان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حراست کے لیے تقیّہ کی سپر استعمال کر سکتے ہیں اور یہ ایک ایسا فطری امر ہے۔ جسے ہر شخص ضرورت کے وقت استعمال کرتا ہے۔ ومن ینکر انما ینکر باللسان و قلبہٗ مطمئن بالایمان۔

این ھمہ راز است کہ معلوم عوام است...... والحمد للہ

(۱) تنزیہ الامامیہ:

شیعہ فرقہ کی قدامت

مذکورہ بالا عبارت میں مؤلف نے سرکار محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی نسبت تخریب دین کے بے بنیاد نسبت بھی دی ہے۔ (کیونکہ یہی ذواتِ مقدسہ مذہب شیعہ کے بانی ہیں) اور اہل تشیّع کو ایک سیاسی

چال چلنے والا فرقہ قرار دیا ہے۔ اس سے مؤلف نے صرف اپنی اہل بیتؑ دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ ورنہ ایسی تحریر و تقریر سے نہ تو ائمہ اہل بیتؑ کی عصمت و طہارت متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی صداقت و حقانیت پر کچھ زد پڑتی ہے۔ کیونکہ ان کی عصمت پر آیت تطہیر اور صداقت پر آیت صادقین شاہد ہیں اور جہاں تک ان ذوات قادسہ کی دینی خدمات کا تعلق ہے تو وہ عیاں راچہ بیان کی مصداق ہیں ساری دنیا جانتی ہے کہ انھوں نے اپنا سب کچھ قربان کر کے دین کا سب کچھ بچا لیا اور جہاں تک فرقہ حقہ شیعہ خیر البریہ کو (جو اسلام کی صحیح شکل کا دوسرا نام ہے) ایک جدید سیاسی فرقہ قرار دینے کا تعلق ہے یہ کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے دشمنانِ شیعہ و شیعیت یہی بے بنیاد الزام عائد کرتے آئے ہیں۔ مگر حقیقت بین حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ مذہب شیعہ کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ باغبانِ شریعت یعنی سرکار ختمی مرتبتؐ نے اظہار نبوت و اسلام کے ساتھ ساتھ اپنے مقدس ہاتھوں سے یہ پودا لگایا خود آبیاری کی اور خود حضورؐ ہی اس کی نگہداشت فرماتے رہے یہ پودا بڑھ کر ہرا بھرا درخت ہوا اور رسولؐ سلام کی زندگی میں پھولنے لگا۔ مگر پھلنے نہ پایا تھا کہ چراغ نبوت گل ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل، جلال الدین سیوطی، ابن حجر مکی، زمخشری، نسائی، ابن اثیر وغیر ہم فحول علماء نے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: یا علیؑ! انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامه۔ اے علیؑ! تم اور تمھارے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہوں گے۔ علامہ وحید الزمان نے انوار اللغہ پ ۱۱ صفحہ ۱۴۴ پر بذیل حدیث۔ انت و شیعتك راضین مرضین لکھا ہے اس حدیث سے یہ بھی نکلتا ہے کہ شیعہ علیؑ ایک قدیم فرقہ ہے جس کا ذکر آنحضرتؐ نے کیا۔

② اس پر اشرف سیالوی کی تنقید:

شیعہ فرقہ ابن سبا کے نفاق کا نتیجہ ہے۔ ڈھکو صاحب نے شیعہ فرقہ کی قدامت ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہوئے اہل سنت کی کتابوں سے صرف ایک حوالہ "یا علیؑ انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامه" اور "یا علیؑ انت و شیعتك راضین مرضین" لکھا ہے۔ کنز العمال میں کامیاب و کامران شیعہ کا بھی ذکر تھا اور مبغوض و نا پسندیدہ اور واجب القتل شیعہ صاحبان کا بھی...... اتنی دھاندلی بھی ہوتی ہے کہ ایک کتاب کی دو روایات میں سے ایک کو لے کر اپنی دلیل بنا لیا جائے اور دوسری کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا جائے۔ روضہ کافی میں ہے کہ دن کے آغاز میں ایک منادی ندا اور اعلان کرتا ہے کہ فلاں بن فلاں کے شیعہ فائز المرام ہیں...... اور دن کے آخری حصہ میں منادی ندا کرتا ہے کہ عثمان اور اُن کے شیعہ فائز المرام ہیں...... لفظ شیعہ کے اطلاقات از روئے قرآن......

(بعدازاں چند آیات پیش کی ہیں جن میں لفظ شیعہ اچھے یا برے معنی میں استعمال کیا گیا ہے...... بعد ازاں لکھا ہے)...... شیعہ کا معنی جماعت، گروہ اور قبیلہ ہوتا ہے جو اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی...... علاوہ بریں محبان علیؑ کے تیرہ گروہ ہیں جن میں سے بقول حضرت امام جعفر صادقؑ صرف ایک جنتی ہے باقی بارہ دوزخی ہیں ملاحظہ ہو کتاب الروضہ...... لفظ شیعہ اور شارح نہج البلاغہ وہ فرماتے ہیں کہ مقام مدح وثناء میں جہاں کہیں لفظ شیعہ وارد ہے اس سے مراد ہیں...... شیعہ سبائی سازش کا نتیجہ ہیں ...... چنانچہ رجال کشی صفحہ ۱۰۱ پر موجود ہے کہ ذکر بعض اهل العلم ان عبدالله بن سبا کان یهودیا ...... بعض اہل علم نے کہا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ پس اسلام لایا اور حضرت علیؑ کی محبت وتولّی کا دم بھرا وہ یہودیت کے دوران جناب یوشع کے بارے میں غلو کرتا تھا، اور اسلام کے بعد حضرت علیؑ کے بارے میں بھی وہی کہا...... بنیاد ۳۵ھ میں رکھی گئی...... پھر قدیم مذہب اسلام کیسے قرار دیا گیا ...... حضرت علیؑ نے فرمایا سواد اعظم کا دامن ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دست کرم جماعت پر ہے (نہج البلاغہ)...... اسلام میں سواد اعظم کون ہیں؟...... (یہاں مجالس المومنین کے حوالہ سے ایک مناظرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ شہید ثالث نے اعتراف کیا کہ اہل سنّت ہمیشہ سواد اعظم رہے ہیں...... (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۰۵،۱۱۵)

(۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

سیالوی صاحب نے مذہب شیعہ خیر البریہ کو عبداللہ بن سبا کے نفاق کا نتیجہ قرار دے کر کوئی نئی تحقیق پیش نہیں کی بلکہ اپنے قدیمی بزرگوں اور شیخ الاسلاموں کا آموختہ دُہرایا ہے جو کہ سراسر کذب و افتراء کا پلندہ ہے......

وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون

ابن سبا کے بارے میں شیعی علماء کے نظریات

عقل کا تقاضا ہے اور قانون فطرت بھی ہے کہ ہمیشہ تمام اہل مذاہب اپنے مذہب کے بانیوں کا تذکرہ اچھے اور شاندار الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں مگر شیعہ علم رجال کی کتابیں شاہد ہیں کہ ہمارے علماء جب بھی اس ملعون کا ذکر کرتے ہیں تو لعنت کے ساتھ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہو لعن من ان

یذکر"...... یعنی ابن سبا ایسا ملعون ہے کہ اس کا ذکر کرنا ہی مناسب نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو اصل اصول شیعہ، تاریخ الشیعہ، جامع الرواۃ اور تحفۃ الاحباب وغیرہ) جب وہ غالی اور علی اللّٰھی تھا تو اس کا شیعیت سے کیا تعلق؟

بعض علماء کے نزدیک عبداللہ بن سبا کا وجود ہی فرضی ہے

بعض سنی اور شیعہ علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک فرضی شخصیت اور مجنون عامری اور ابوبلال کی طرح داستان سراؤں کا خیالی ہیرو ہے اس سلسلہ میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری، جارج جرواق لبنانی، استاد عبداللہ سبیتی، علامہ مرتضیٰ عسکری، ڈاکٹر علی الوردی اور مولانا سید منظور حسین بخاری اجنالوی کی کتابیں اور ان کی تحقیقات دیکھی جاسکتی ہیں۔

مذہب شیعہ کے اصل بانی خود بانیٔ اسلام ہیں

اگر تاریخ شیعیت کا بے لاگ اور تحقیقی نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو صاف پتا چلتا ہے کہ مذہب شیعہ اسلام کے بالمقابل کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ اسلام کی حقیقی تفسیر و تعبیر کا نام ہے اور آغاز اسلام کے ساتھ ہی بانیٔ اسلامؐ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے یہ پودا لگایا اور پھر اسے اپنی نگرانی میں پروان چڑھایا۔ اہل سنت کے بڑے بڑے اکابر علماء نے جیسے امام احمد بن حنبل، علامہ سیوطی، ابن حجر مکی، علامہ زمخشری، امام نسائی اور علامہ ابن اثیر اور شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہم نے پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ حدیث صحیح نقل فرمائی ہے کہ فرمایا: "یا علی انت و شیعتك هو الفائزون یوم القیامه"۔ "اے علیؑ! تو اور تیرے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہوں گے"۔

بعض علماء اہلسنّت کا شیعۂ علیؑ ہونے کا دعویٰ!

یہی وجہ ہے کہ اہلسنّت کے بڑے بڑے مناظرین شیعۂ علیؑ ہونے کے دعویدار نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر مکی ہی مذکورہ بالا حدیث اپنی کتاب صواعق محرقہ میں درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں: نحن شیعة علی کرم الله تعالی وجهه واما الروافض خذلهم الله فهم شیعة ابلیس۔ یعنی حضرت علیؑ کے شیعہ تو ہم اہل سنت ہیں اور یہ رافضی لوگ تو ابلیس کے شیعہ ہیں۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ نولکشور لکھنو کے ص ۱۱ پر پیغمبر اسلام کی یہی حدیث

"یا علیؑ انت و شیعتک هم الفائزون یوم القیامة" درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں: " آن شیعه اولی مائیم " کہ حضرت علیؑ کے وہ پہلے شیعہ جن کے ناجی ہونے کی شہادت پیغمبرؐ اسلامؐ دے رہے ہیں وہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں...... ہاں البتہ جب ۳۵ھ میں کچھ رافضیوں نے اپنا نام شیعہ رکھ لیا تو ہمارے بزرگوں نے بڑے غور و فکر کے بعد کہ کہیں حق و باطل گڈمڈ نہ ہو جائیں۔ اپنا نام اہل السنّہ و الجماعہ مقرر کرلیا اور شیعہ علی کہلوانا ترک کر دیا"۔ (تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز دہلوی)

اسے کہتے ہیں: "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے"۔

سوادِ اعظم کے مفہوم کی وضاحت

مؤلف سوادِ اعظم کے لفظ پر بڑے اِتراتے ہیں کہ وہ سوادِ اعظم ہیں۔ یعنی تعداد میں زیادہ ہیں۔ مگر وہ یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ لفظ "اعظم" مُشتق ہے "عظم" سے۔ جس کا معنی "بڑا ہونا" ہے۔ لہٰذا "اعظم" کا معنی "بڑا" ہے نہ کہ تعداد کی زیادتی۔ اور اِصطلاحِ شریعت میں لفظ سوادِ اعظم ہو یا جماعت وہ اہل حق پر بولا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ تعداد میں قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۱۵ طبع حیدر آباد۔

حافظ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں: "و السواد الاعظم هو العالم صاحب الحق و ان کان وحده و ان خالفه اهل الارض"۔ "اور سوادِ اعظم سے مراد وہ عالم ہے جو حق والا ہے، اگرچہ وہ اکیلا ہو اور زمین کے (تمام) باسی اس کے مخالف ہوں"۔ (اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۳۹۷ طبع دار الفکر بیروت)

ملا علی قاری حنفی اسی "سوادِ اعظم" والی حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: "واتبعوا الاسواد الاعظم یدل علی ان اعاظم الناس العلماء و ان قل عددهم و لم یقل الاکثر لان العوام و الجهال اکثر عدد......

"واتبعوا السواد الاعظم" لوگوں کے بڑے علماء پر دلالت کرتا ہے، اگرچہ ان کی تعداد قلیل ہو اور "اعظم" سے مراد "اکثر" نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ اکثر تعداد عوام اور جہلا کی ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان۔

"الجماعة" الجماعة دالة بجماعة اهل الحق و ان قلو۔ "جماعت سے مراد اہل ہیں اگرچہ کم ہوں۔ (تفسیر کبیر للرازی)

اور علامہ وحید الزمان انوار اللغہ پ ۱۲ صفحہ ۱۶۱۔ ۱۵۸ طبع بنگلور پر لکھتے ہیں: "سوادِ اعظم سے مراد وہ جماعت ہے جو حق پر ہو اگرچہ اس کی تعداد قلیل ہو"۔

اسی بنا پر قرآن مجید میں جناب خلیل خداؑ کو امت کہا گیا ہے۔ ان ابراھیم کان امۃ۔

بقول شاعر:

ہے آدمی بجائے خود ایک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

خود حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا: فاما اهل الجماعة فانا و من تبعني...... "میں اور میرے پیرو کار اہل جماعت ہیں اگر چہ تعداد میں تھوڑے ہی ہوں"۔ ورنہ قرآن ہو یا دفتر حدیث سب کے سب حضرت آدمؑ سے لے کر جناب خاتمؐ تک اور حضرت علیؑ ولی سے لے کر حضرت مہدیؑ ہادی تک اور غیبت کبریٰ کے آغاز سے لے کر آج تک ہر دور میں اکثریت کی مذمت اور اقلیت کی مدح سے لبریز نظر آتے ہیں۔

آزمائے جس کا جی چاہے

اگر شیعہ کے تیرہ فرقے ہیں اور اہلسنّت کے ساٹھ اور مل کر تہتر بنتے ہیں تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مُسلمہ اور متفق بین الفریقین فرمان کے مطابق ناجی تو صرف ایک فرقہ ہی ہے اور وہ شیعہ خیر البریہ ہی ہے باقی سب ناری ہیں ہم اس مقام پر سیالوی صاحب سے صرف اتنا کہیں گے کہ: ع

اپنی فکر کر ناداں قیامت آنے والی ہے

① تنزیہ الامامیہ:

فرقہ اہل سنت کا تذکرہ

مذکورہ بالا حقائق سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ ایک خالص مذہبی قدیم فرقہ ہے۔ البتہ اس کے برعکس مؤلف رسالہ کا فرقہ ایک سیاسی اور جدید فرقہ ہے۔ جس کا سنگ بنیاد معاویہ بن ابو سفیان نے رکھا ہے۔ چنانچہ فتح الباری شرح بخاری جلد ٦ صفحہ ۵۵۲ استیعاب برحاشیہ اصابہ صفحہ ۳۷۳، ۳۷۵ مطبوعہ المطبعۃ السعادہ مصر وغیرہ کتب اہل سنت میں مذکور ہے کہ: "صلح حسنؑ کے بعد جب معاویہ تخت اقتدار پر قابض ہوا اور کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی تو اُس کا نام "سنة الجماعة" (جماعت والا سال) رکھا گیا اور بعد میں مرور ایام سے یہ لفظ بدل کر اہل سنت والجماعت بن گیا"۔ اب تو یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ پودا معاویہ کا کاشتہ ہے۔ بانی

اسلام کا اس کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے۔ مگر یہاں پر اندھیر گردی کا یہ عالم ہے کہ: ع

ہے اعتراض اوروں پر اپنی خبر نہیں

ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا

(۲) اس پر اشرف سیالوی صاحب کی تنقید:

اہل سنت والجماعت کے مذہب کی قدامت ایک حقیقت ہے جس کی دعوت کے لیے پیغمبر اسلام مبعوث ہوئے۔ جس کا عام نام مؤمنین و مسلمین ہے اور دیگر مذاہب اور مختلف فرقوں کے پیدا ہونے پر بطور امتیاز اس کو اہل السنۃ والجماعۃ کا نام دیا گیا...... نبی اکرم اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے انہی دونوں (قرآن و سنت) کی پیروی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ (حضرت علیؑ) فرماتے ہیں: اقتدوا بھدی نبیکم فانہ افضل الھدی و استنوا بسنتہ فانہ اھدی السنن۔ اپنے نبیؐ کی سیرت کو اپناؤ کیونکہ وہ سب سے بہتر سیرت ہے اور آپ کی سنت پر چلو کیونکہ وہ سب سنن...... سے زیادہ موجب ہدایت ہے۔ (نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۲۶۴ طبع مصر)

مخصوص نام تجویز کرنے کی وجہ

پہلے سبھی شیعیانِ علیؑ کہلاتے تھے مگر جب مختلف جنگوں میں ان کا اصحابِ جمل اور اصحابِ صفّین کے ساتھ مقابلہ ہوا اور بعد میں تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو اس دوران کچھ لوگ صحابہ کرامؓ کے حق میں طعن وتشنیع...... سے کام لینے لگے جو "روافض" کہلائے...... اور کچھ لوگ خود حضرت امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السّلام کی ذات کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے لگے...... وہ "خوارج" کہلائے اور جو ان قلیل جماعتوں کے علاوہ جو عظیم اکثریت بچ گئی وہ اہل السُّنّت والجماعت کہلائے۔

ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق ہے کہ امام حسنؑ نے جب معاویہ سے صلح فرمائی تو اس سال کو سنت الجماعت کہا گیا اور زمانہ گزرنے پر اس کو اہل السُّنّت والجماعت سے بدل دیا گیا...... وجہ وہ مُعتبر ہوتی ہے جو خود اربابِ مذہب نے بیان کی ہو...... شرح عقائد مع نبراس صفحہ ۳۱ پر علامہ تفتازانی نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ترک الاشعری مذھبہ و اشتغل ھو و من تبعہ بابطال رای المعتزلہ......

یعنی شیخ ابوالحسن اشعری نے ابوعلی جبائی مُعتزلی کا مذہب ترک کر دیا اور آپ خود اور ان کے متبعین مُعتزلہ کا رد کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور جو کچھ سنت مصطفیٰ...... میں وارد تھا اور جس پر جماعت اصحاب رسول آخر دم تک قائم رہی اس کے اثبات کے درپئے ہو گئے۔ پس ان کو اہل السُّنّت والجماعت کا نام دیا گیا

......یہ ہے وجہ تسمیہ جو خود اہل السُّنّت والجماعت نے بیان کی...... یہ ہے اہل السُّنّت والجماعت کے نام کی وجہ تسمیہ اور یہ ہے اہل سنت کی قدامت (تحفہ حسینیہ از ص ۱۱۶ تا ۱۲۴)

(۴) اس پر ہمارا تبصرہ:

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

حق کی کرامت

اگر یہ بات عجائباتِ روزگار سے نہیں تو اور کیا ہے کہ جناب مولانا اشرف سیالوی صاحب نے ابھی اوپر اپنی جوابی کتاب "تُحفہ حسینیہ" کے قریباً دس صفحات از صفحہ ۱۰۵ تا صفحہ ۱۱۵ اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیے اور بزعم خود یہ بات ثابت کی کہ شیعہ فرقہ اسلام کا قدیم فرقہ نہیں...... شیعہ سبائی سازش کا نتیجہ ہیں۔ اہل السنۃ والجماعت اسلام کا قدیم فرقہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور اب جب صفحہ ۱۱۹ پر پہنچے تو عنوان قائم کیا "مخصوص نام تجویز کرنے کی وجہ" اور اس کے ذیل میں لکھتے ہیں: "پہلے تو سبھی شیعیانِ علیؑ کہلاتے تھے مگر جب مختلف جنگوں میں ان کا اصحابِ جمل اور اصحابِ صفّین کے ساتھ مقابلہ ہوا تو کچھ لوگ...... روافض کہلائے اور کچھ لوگ...... خوارج کہلائے اور جو عظیم اکثریت بچ گئی وہ اہلسُنّت والجماعت کہلائے (تُحفہ صفحہ ۱۱۹) اس تحقیق انیق کے مطابق قدامت مذہب شیعہ کی ثابت ہوئی یا اہل سنت کی؟ اسے کہتے ہیں حق۔ جو طاقت کا اصلی سرچشمہ ہے......" والحق یجری علی اللسان "۔ اور یہ حق کے طاقت ہونے کا ناقابل رد ثبوت ہے کہ اس پر جس قدر دوہرے تہرے دبیز پردے ڈالے جائیں وہ زبان پر جاری ہو ہی جاتا ہے۔ اور ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔ یہ حق کی کرامت ہے۔

باقی رہی اس فرقہ کی وجہ تسمیہ کہ اس فرقہ کا نام اہلسُنّت کیوں رکھا گیا؟ یہ کوئی اہم بات نہیں ہے خواہ اس کی وجہ وہ ہو جو سیالوی صاحب نے بیان کی ہے کہ مذہب اہل السنۃ والجماعۃ وہی ہے جس کی دعوت کے لیے پیغمبر اسلامؐ مبعوث ہوئے، جس کا نام مومنین اور مسلمین ہے اور دیگر مذاہب اور مختلف فرقوں کے پیدا ہونے پر بطورِ امتیاز اس کو اہل السنۃ والجماعت کا نام دیا گیا (تحفہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶) اگرچہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس دین پر لوگوں کو دعوت دینے، اسے بندوں تک پہنچانے اور اس کو پھیلانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اس کا نام تو اسلام تھا (ان الدین عند اللہ الاسلام) اور جن لوگوں نے اس دین حق کو قبول کیا ان کا نام مُسلمان تھا (ھو سماکم المسلمین) یہ اہل

السنۃ والجماعت کا نام کہاں سے نکل آیا؟......

وجہ تسمیہ اہل سنت والجماعت

بہر حال یا وجہ وہ ہو جو علامہ تفتازانی نے بیان کی کہ جب ابوالحسن اشعری (کہ جو ۲۶۰ھ یا ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ میں وفات پائی) نے اپنے استاد ابوعلی جبائی معتزلی کے مذہب کو ترک کیا اور اس کی رد میں مشغول ہوئے اور جو کچھ سنتِ مصطفیٰ میں وارد تھا اور جس پر جماعت اصحاب رسولؐ آخر دم تک قائم رہی اس کے اثبات کے درپئے ہو گئے پس ان کو "اہل السُّنّت والجماعت" کا نام دیا گیا (تحفہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۲)

علامہ تفتازانی کے علاوہ ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ وترك الاشعری مذھبه و اشتغل ھو و من تبعه بابطال رأی معتزلة و اثبات ماورد به السنة و مضی علیه الجماعة فسموا اھل السنة و الجماعة۔ "ابوالحسن الاشعری نے اس کا مذہب چھوڑ دیا، وہ خود اور ان کے پیروکار مُعتزلہ عقائد کے ابطال اور اس کے مقابلے میں عقائد سنت کے اثبات میں مشغول ہو گئے، تو انھوں نے اپنی جماعت کا نام "اہل سنۃ والجماعۃ" رکھ لیا۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۹ طبع کانپور)

اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے مذہب کا نام "اہل سنت والجماعت" تیسری صدی اور بقول مولانا محمد ادریس میرٹھی تیسری صدی کے اواخر میں رکھا گیا ہے۔ (سنت کا تشریعی مقام صفحہ ۴۶)

یا وہ وجہ تسمیہ ہو جو ہم نے تنزیہ الامامیہ میں بیان کی تھی کہ صلح حسنی کے بعد جب معاویہ تخت اقتدار پر کلی طور پر قابض ہوا تو لوگوں نے اس سال کا نام "سنۃ الجماعۃ" رکھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ "اہل السنۃ والجماعۃ" بن گیا...... پیر سیالوی صاحب اس پر بہت جز بز اور یخ پا ہوئے...... بھلا اس میں برا منانے کی کیا بات ہے۔ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ یہ لقب خدا یا رسولؐ خدا کا عطا کردہ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ پودا معاویہ کا کاشتہ نہیں ہے تو پھر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کاشت کردہ بھی نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کا ساختہ پرداختہ ہے۔

بہر حال سیالوی صاحب کے اس بیان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ "دروغ گورا حافظہ نباشد" اور یہ کہ جھوٹے آدمی کے کلام میں اختلاف وتضاد ضرور ہوتا ہے۔

وھو المقصود قد حصل بعون اللہ الودود

قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

دوسرا باب

فصل اوّل

شیعوں کے ایمان بالقرآن کا بیان

جیسا کہ مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ رسالہ" مذہب شیعہ" (سیالوی) کا نہ کوئی باب ہے نہ عنوان نہ کوئی ترتیب ہے نہ کوئی ترکیب بس صرف مؤلف کے چند پراگندہ و پریشان خیالات و قیاسات کا مجموعہ ہے۔ ہم نے از خود اس کی باب بندی کر کے ایک موضوع کے متعلق ان کی بکھری ہوئی تحریروں کو یکجا کر کے ترتیب وار جوابات پیش کیے ہیں۔ مگر مؤلف نے پہلے مسئلہ تقیہ کو چھیڑا ہے اور اس کے ضمن میں بعض دوسرے مسائل اٹھائے ہیں۔ مگر ہیر پھیر کے دوسرے عام مناظرین اہل سنت کی طرح تان آ کر مسئلہ تحریف قرآن پر ہی توڑی ہے اور اپنے رسالہ کے صفحہ ۸ سے صفحہ ۹ تک اور پھر صفحہ ۸۶ سے صفحہ ۸۹ تک اپنے بزرگوں کا آموختہ دُہرانے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ" شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں" ان کا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی اسلامی و الہامی کتاب نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

① رسالہ مذہب شیعہ سیالوی:

چنانچہ جناب موصوف اپنے رسالہ کے ص ۸، ۹ پر لکھتے ہیں:

" اب رہا قرآن کریم تو اس کے متعلق بانیانِ مذہب تشیّع و رازدارانِ فرقۂ مذکورہ اس قرآن کریم کا صراحۃً انکار کرتے نظر آتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر اصول کافی صفحہ ۶۷۱ پر یہ روایت دیکھیں کہ امام جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت علیؑ قرآن کو جمع کرنے اور اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ اللہ عزوجل کی کتاب یہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے محمدؐ پر اس کو نازل فرمایا ہے اور میں نے ہی اس کو اکٹھا کیا ہے۔ جس پر لوگوں نے کہا کہ: " ہمارے پاس قرآن شریف موجود ہے، ہمیں کسی نئے قرآن کی کیا ضرورت ہے"۔ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ: " اللہ تعالی کی قسم آج کے دن کے بعد تم اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے"۔

اسی صفحہ پر امام جعفر صادق صاحبؒ سے منسوب ایک روایت اور بھی ملاحظہ فرمائیں: ''کہ جو قرآن حضورؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام لائے تھے اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں اور غریب اہل سنت کے پاس تو صرف چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات والا قرآن کریم ہے۔

اسی اصول کافی کے صفحہ ۶۷۵ پر بھی نظر ڈالتے جائیے اور اگر اس قرآن کریم سے صراحۃً انکار کی شان کسی حد تک تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہیں تو اصول کافی صفحہ ۲۶۱ تا صفحہ ۲۶۸ اور صفحہ ۶۷۰ وصفحہ ۶۷۱ اور ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۴۹۳ وصفحہ ۴۹۴، اور تفسیر صافی جلد اول صفحہ ۱۴ مطالعہ فرمائیں اور بانیانِ مذہب تشیّع کی سیاست کی داد دیں کہ کس صداقت اور وضاحت کے ساتھ اس فرقہ نے سرے سے قرآنِ شریف کا انکار کیا ہے''۔

پھر پیر صاحب نے رسالہ ''مذہب شیعہ'' صفحہ ۸۸ تا صفحہ ۸۹ پر اسی مسئلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں گل فشانی فرمائی:

''شیعوں کے مذہبی پیشوا مطلقاً قرآن کا انکار اظہار کرتے ہیں بلکہ جو قرآن کریم حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ حفاظ طلب فرما کر جمع فرمایا جو ہمارے سینوں میں ہے اور مسلمانوں کی ہر مسجد میں جس کو بچے سے لے کر بوڑھے تک پڑھتے ہیں اور جو مسلمانوں کے سات آٹھ سال کی عمر کے بچوں کو یاد ہے جس کو رمضان میں نمازِ تراویح میں ختم کیا جاتا ہے۔ جس کے تیس پارے ہیں جو سورہ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور سورہ ناس پر ختم ہوتا ہے۔ بانیانِ مذہب شیعہ نے اس کا انکار کیا ہے اور جب بھی اپنا ایمان قرآن پر ثابت کرتے ہیں تو اپنا موسوم قرآن (سترگز والا جس نے قیامت سے پہلے ہدایت کے لیے منہ نہیں دکھانا۔ حلال وحرام کی تعلیم صرف قیامت کو دے گا) ہی مراد لیتے ہیں تو پھر جس قرآن پر ان کا ایمان نہیں اس کو ہزار دفعہ جھوٹ بولتے وقت سر پر رکھیں ان کے مذہب کو کیا نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے؟

قرآن پر مدعیان تولا کے ایمان کا نمونہ اصل عبارت میں پیش کرتا ہوں تا کہ اہل علم لوگ تصدیق کر سکیں (اصول کافی صفحہ ۶۷۱) یہاں وہی حضرت امیرؑ کے قرآن جمع کرنے اور دوبارہ خلافت اُولیٰ میں پیش کرنے والی روایت پیش کی ہے جو ہم اُوپر رسالہ میں نقل کر چکے ہیں۔ بعد ازاں ایک اور روایت پیش کی ہے۔

اسی اصول کافی صفحہ ۶۷۰ پر امام عالی مقام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے ایک شیعہ صاحب بنام احمد بن محمد کہتے ہیں کہ مجھے امام موسیٰ کاظمؒ نے مصحف مبارک عطا فرمایا اور فرمایا اس

کو کھول کر مت دیکھنا، میں نے کھولا اور دیکھا اور سورہ لم یکن الذین کفروا پڑھی تو سورت (ھکذا) میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام بمع (ھکذا) ان کے آباء کے نام لکھے ہوئے موجود پائے تو امام صاحب نے میری یہ شان تعمیل حکم دیکھ کر میری طرف آدمی بھیجا کہ میرا قرآن واپس کر دو۔"

اصول کافی کی صفحہ ۶۷۱ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کریں جس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں اہل علم حضرات منطبق فرمالیں۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو قرآن حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جبریلؑ لائے تھے اس کی ستر ہزار آیتیں تھیں اور اہلسنّت والجماعت غریبوں کے پاس تو صرف ۶۶۶۶ پر مشتمل قرآن حکیم ہے۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۸۸)

(۲) تنزیہ الامامیہ:

الجواب بعنوان اللہ الوہاب:

نالہ بلبل شیدا تو ہنس ہنس کے سنا
اب جگر تھام کے بیٹھو کہ میری باری آئی

اس بیان باطل ترجمان میں کس قدر حق پوشی اور باطل کوشی سے کام لیا گیا ہے اس کا صحیح اندازہ قارئین کرام کو ہمارے جوابات کے بعد ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ برادرانِ یوسف کا یہ سراسر غلط الزام ہے کہ شیعیانِ حیدر کرار کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے اور یہی بانیانِ مذہب کی تعلیم ہے (معاذ اللہ) یہ بات محتاجِ بیان نہیں ہے کہ شیعیانِ علیؑ اپنے پیشواؤں کی مقدس تعلیم کی روشنی میں موجودہ قرآن مجید کو ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک، خدائے قدوس کی آخری الہامی کتاب اور پیغمبر اسلام کا معجزہ خالدہ مانتے ہیں اور اسے پورے عالم امکان کی رشد وہدایت کے لیے خدا کا بے عیب دستور العمل جانتے ہیں اور اس کی تعلیم و تعلّم اور اس کے اکرام واحترام کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

فصل دوم

ائمہ طاہرینؑ کے موجودہ قرآن کے متعلق ارشادات

① تنزیہ الامامیہ:
ان اجمالی حقائق کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔
تفسیر صافی صفحہ ۱۱ پر حضرت امیر المؤمنینؑ اور طلحہ کا ایک مکالمہ درج ہے جس سے اس مدعا کی حرف، بحرف تائید ہوتی ہے۔ جناب امیر علیہ السلام طلحہ سے دریافت کرتے ہیں: "فاخبرنی عما کتب عمر و عثمان اقران کله ام فیه مالیس بقرآن"۔ مجھے یہ بتاؤ جو قرآن عمر و عثمان نے لکھوایا ہے۔ آیا وہ پورے کا پورا قرآن ہے یا اس میں کچھ قرآن کے علاوہ بھی ہے؟ طلحہ نے کہا "بل قرآن کله" بلکہ وہ پورا قرآن ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ان اخذتم بما فیه نجوتم من النار و دخلتم الجنة فان فیه حجتنا و بیان حقنا و فرض طاعتنا"۔ اگر تم اس قرآن پر عمل کرو گے تو جہنم سے نجات پا جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ کیونکہ اسی قرآن میں ہماری حجت ہمارے حقوق اور ہماری اطاعت کے واجب ہونے کا بیان ہے۔ یہ سن کر طلحہ نے کہا: "حسبی اذ کان قرآنا"۔ جب یہ قرآن پورا ہے تو میرے لیے یہی کافی ہے۔ نیز تفسیر صافی صفحہ ۱۰ پر بحوالہ اصول کافی باسناد سالم بن مسلمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آنجنابؑ نے سالم سے فرمایا: "اقرأ کما یقرأ الناس" اس طرح قرآن پڑھ جس طرح عام لوگ پڑھتے ہیں"۔ تفسیر صافی صفحہ ۵ پر امام حسن عسکریؑ سے مروی ہے فرمایا: "ان هذا القرآن هو النور المبین و الحبل المتین لهٗ" یقیناً یہ قرآن مجید خدا کا واضح نور اور محکم رسی ہے۔ "من تمسك به انقذه الله و من لم یفارق احکامه رفعه الله"۔ جو شخص اس کے ساتھ تمسک کرے گا خدا اسے (آتش جہنم سے) چھڑائے گا اور جو شخص اس کے احکام سے علیحدگی نہیں کرے گا خدا اسے بلندی عطا کرے گا۔

② اس پر سیالوی صاحب کی تنقید:
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشرف سیالوی صاحب نے جناب پیر سیالوی کے رسالہ "مذہب شیعہ کی عبارات اور" تنزیہ الامامیہ" میں مذکور ان کے جوابات پڑھنے سے پہلے ہی رسالہ "تحفہ حسینیہ

جلد اول کے پورے ۲۹ صفحات بے کار سیاہ کیے ہیں کہ شیعیان علیؑ کا موجودہ قرآن پر نہ ایمان ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہم اس بحث کے آخر میں اس پر کچھ تبصرہ کریں گے۔

سردست یہ کہنا ہے کہ پیر صاحب کے ایرادات اور ان کے جوابات جو "تنزیہ الامامیہ" کی پہلی فصل کے اندر مذکور تھے ان کو تو سیالوی صاحب نے چھوا بھی نہیں...... البتہ رسالہ کی دوسری فصل جس کا عنوان ہے "ائمہ طاہرینؑ کے موجودہ قرآن کے متعلق ارشادات"...... اور اس سلسلہ میں تین حدیثیں پیش کی گئی تھیں کہ موجود قرآن خالق اکبر کا کلام ہے جو اس پر عمل کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت کرے گا وہ جہنم میں جائے گا...... سیالوی صاحب بزعم خود یہاں ان تینوں حدیثوں کا جواب دینے کی ناکام سعی کر رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

پہلی روایت اور اس کا جواب

تفسیر صافی کے حوالہ سے طلحہ اور حضرت علیؑ کا مکالمہ درج کیا ہے...... ڈھکو صاحب کی اندھیر نگری ملاحظہ کرو۔ دعویٰ تو کیا ہے کہ موجودہ قرآن ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے اور دلیل وہ پیش کی جو اس دعویٰ کے سراسر مخالف ہے۔ طلحہ نے بار بار اس قرآن کے ظاہر کرنے کا مطالبہ کیا (جو حضرت علیؑ نے جمع فرمایا تھا) مگر حضرت علیؑ نے دیدہ دانستہ ٹال دیا اور بالآخر طلحہ سے دریافت کیا کہ جو کچھ عمر و عثمان نے جمع کیا وہ قرآن ہے یا اس میں اضافہ کیا گیا ہے؟ تو اس نے کہا نہیں یہ تو قرآن ہے تو آپؑ نے اس پر عمل کو موجب نجات قرار دیا لیکن اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ رہ گیا وہ بھی قرآن ہے نہ کہ یہ مکمل ہے۔

نیز صاحب تفسیر صافی نے اس روایت کو تحریف کے اثبات میں پیش کیا اور ڈھکو صاحب نے اسے عدم تحریف میں پیش کیا ہے۔ لہٰذا کسی ایک نے تو فریب کاری کی ہے؟......

دوسری روایت اور اس کا جواب:

امامؑ نے ایک شخص کو قرائت کرتے ہوئے سنا جو عام لوگوں کی قرائت سے مختلف تھی تو آپؑ نے فرمایا: "کف عن هذه القراة" اس قرائت سے باز رہو اور مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے لوگوں کی موافقت کر کے وقت گزارو...... یہ فرما کر امامؑ نے حضرت علیؑ والا مصحف نکالا اور جس کے متعلق آپ نے فرمایا: یہ ہے اصلی قرآن جیسا کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا...... ملا محسن کاشانی نے اس روایت کو قرآن میں عیب ثابت کرنے کے لیے نقل کیا اور ڈھکو صاحب اُسے قرآن کے بے عیب ہونے کے لیے ذکر کر رہے ہیں...... لہٰذا کسی ایک نے تو تقیہ بازی کا مظاہرہ ضرور کیا ہے؟

تیسری روایت اور اس کا جواب:

تفسیر صافی صفحہ ۵ پر امام حسن عسکریؑ سے روایت نقل کی ہے۔ جس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ: یہ قرآن خدا کا واضح نور ہے اور محکم رسّی ہے، اس استدلال میں بھی مکمل جہالت کا مظاہرہ ہے۔ یا مکاری اور فریب کاری کا مظاہرہ ہے۔ کیونکہ یہ قرآن جس میں ہمارا کلام ہے۔ یہ تو بہر حال اس وقت موجود نہیں تھا...... (الغرض ان سب روایات کا مفہوم یہ ہے کہ اس قرآن کے ساتھ گزارہ چلاتے رہو اور اس قرآن کے قائلین کے ساتھ موافقت کرو جب تک کہ مہدیؑ کا ظہور نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس قسم کی روایات کو پیش کرنا تقیہ کا عظیم ترین شاہکار ہے) (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۵۶ تا ۱۶۲)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

ہر گز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ
لا حول و لا قوۃ الا باللہ

برادران اسلام کس اسلام کے داعی ہیں؟

برادران اسلام جن میں بڑے بڑے شیخ القرآن، شیخ الحدیث، قاضی، مفتی، علامے اور مولانے موجود ہیں ہمیں آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ کس اسلام کے داعی اور مبلغ ہیں قرآن مجید میں خالق اکبر کا فرمان ہے کہ "لا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا"۔ "جو شخص اسلامی طریقہ پر تم پر سلام کرے تو تم اس کو یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے"...... پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین اسلام سے فرمایا کرتے تھے کہ تم اس وقت تک کفار سے جنگ کرو جب تک وہ یہ اقرار نہ کریں کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (تواریخ اسلام)

چودہ سو سال گزر گئے اور پندرہویں صدی کا تیسواں سال جا رہا ہے ہر دور کے شیعوں نے ان کے علماء اعلام نے، زعماء و فضلاء عظام نے ہمیشہ ببانگ دُہل اعلان پر اعلان کیا ہے اور کر رہے ہیں کہ ہم اسی قرآن کو جو مُسلمانوں کے درمیان موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاریب کلام جانتے ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت خاتمیہ کا مُعجزۂ خالدہ مانتے ہیں۔ احادیث کی صحت و سقم کے پرکھنے کی کسوٹی جانتے ہیں اور اس کے احترام و اکرام کو جزء ایمان مانتے ہیں اور اسے ہر قسم کے نقص و عیب سے منزہ و مبرا جانتے ہیں...... اور جہاں تک ان کے عمل و کردار کا تعلّق ہے تو دُنیا جانتی ہے کہ شیعیانِ حیدر کرار کا کوئی اور قرآن نہیں وہ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اسی قرآن کریم کو، ترجمے کرتے ہیں تو اسی قرآن

کے، اور تفسیریں لکھتے ہیں تو اسی قرآن کی، ان کے گھروں میں ہے تو یہی قرآن، مساجد اور امام بار گاہوں میں ہے تو یہی قرآن۔ لہٰذا اگر ایمان بالقرآن کے یہی معنی ہیں تو بفضلہ تعالیٰ ہم سب سے بڑے مومن بالقرآن ہیں اور اگر اس کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو پھر اس کی وضاحت کی جائے۔ مگر ہمارے بھائی پھر بھی ہمارا ایمان بالقرآن ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلام کوئی اور ہے قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ والا اسلام نہیں ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ع

دین ملاں فی سبیل اللہ فساد

افسوس ع

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

اُس حضرت علیؑ کے شیعوں کو کہا جائے کہ وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے جس علیؑ ولی کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا: "علی مع القرآن و القرآن مع علی، لا یفترقان حتی یردا علیّ الحوض"۔

(المعجم الصغیر للطبرانی صفحہ ۱۴۹ مطبع انصاری دھلی ۱۳۱۱ھ)

اگر قرآن ناطق کے ماننے والے قرآن صامت کو نہیں مانتے تو پھر کوئی بھی نہیں مانتا، ائمہ اہل بیتؑ کے نام لیواؤں کے متعلق کہا جائے جن کے سینوں میں علم قرآن کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے "تلك آيات بينات فی صدور الذين اولو العلم" اور آل محمد علیہم السلام کے داعیانِ حق کے پیروکاروں کے متعلق کہا جائے وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے جو وارثان علم قرآن ہیں: "ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا من عبادنا" اور بنصِ حدیث ثقلین ثانیٔ قرآن اور ثانیٔ قرآن ہیں۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

بہر حال ہمیں جس طرح اپنے اسلام کی سند سپاہ صحابہ والوں سے لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اسی طرح اپنے ایمان بالقرآن کی سند بھی برادرانِ اہل سنت سے لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مصحف علیؑ کیسا تھا؟

مخالفین تشیع ہمیشہ ان پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے رہتے ہیں کہ شیعوں کا قرآن وہ تھا جو حضرت علیؑ نے وفاتِ پیغمبر اسلامؐ کے بعد مرتب کیا تھا، اور جب دربارِ خلافت میں پیش کیا تو انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر آپؑ نے فرمایا کہ تم آج کے بعد یہ قرآن مجید نہیں

دیکھو گے۔ لہٰذا وہ امام مہدیؑ کے پاس ہے وغیرہ وغیرہ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ وہ قرآن مجید جو حضرت علیؑ نے مرتب فرمایا تھا آیا وہ اس موجودہ قرآن سے حجم میں کم وبیش تھا یا پھر وہ کیسا تھا؟ تو جواباً عرض ہے کہ جو کچھ کتب فریقین سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی دو خصوصیات تھیں۔

① پہلی یہ کہ اس کی ترتیب نزول قرآن کی ترتیب کے مطابق تھی (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان جلد ا صفحہ ۷۴ طبع مصر از علامہ جلال الدین سیوطی)

② دوسری یہ ہے کہ اس میں ایسے تفسیری و تشریحی بیانات وارشادات تھے جن سے آیات کا باہمی ربط اور اُن کی شان نزول معلوم ہو جاتی تھی۔

اسی وجہ سے ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ "لو اصیب ذلک الکتاب لکان فیہ العلم" یعنی اگر وہ مصحف دستیاب ہو جاتا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ آجاتا۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۷ حاشیہ نمبر ۵ محشی مولانا احمد علی سہارنپوری مطبع احمدی میرٹھ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۵۵ طبع جدید مصر) ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

روایات تحریف پر اجمالی تبصرہ

یا پھر مخالفین ہمیشہ ان فرسودہ اور بیسیوں بار کی مردہ روایات کا غلط سہارا لیا کرتے ہیں جو ہماری بعض کتابوں میں پائی جاتی ہیں جو موہم تحریف ہیں جن کے حلی اور الزامی جوابات سینکڑوں بار ہمارے علماء اعلام دے چکے ہیں جبکہ ایسی ہی روایات کتب اہل سنت میں پائی جاتی ہیں۔

چیست یارانِ طریقت بعد از تدبیر ما

مگر ہمارے برادران یوسف پھر بھی نہیں مانتے۔

کیا ہندو قرآن کو مانتے ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان روایات تحریف کی وجہ سے جو شیعہ وسنی کتابوں میں پائی جاتی ہیں، اگر شیعوں کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے تو پھر اہل سنت کا بھی اس پر ایمان نہیں ہے اور چونکہ اسلام کے بڑے بڑے یہی دو فرقے ہیں: ① شیعہ ② سنی

یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان روایات کی وجہ سے کسی اسلامی فرقہ کا اس موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے تو پھر کیا ہندوؤں کا اس پر ایمان ہے یا یہود ونصاریٰ کا ہے؟ وہ اس کو کلام اللہ مانتے ہیں؟؟۔اس پر تو وہی مثل صادق آتی ہے۔

ذهب الحمار ليستفيد لنفسه

قرنا فاب فماله اذنان

آمدیم برسر مطلب

ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں تفسیر صافی وغیرہ کے حوالہ سے جو تین عدد حدیثیں پیش کی تھیں کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اسی موجودہ قرآن کو کلام اللہ تسلیم کرنے اس پر عمل کرنے اور اسی میں رشد وہدایت اور فوز وفلاح کا راز پوشیدہ ہونے کا حکم دیا ہے۔

جیسا کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اس امر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

پس در جمیع روایات امامیه موجود است که همه اهل بیت همین قرآن را می خوانند و بعام و خاص و دیگر وجوه نظم و تمسك می کردند و بطریق اشتهاد می آوردند و آیات او را تفسیر می کردند۔

"پس تمام روایات امامیہ میں موجود ہے کہ تمام اہل بیت اسی قرآن کو پڑھتے تھے، اسی کو عام وخاص اور وجوہ نظم سے تمسک فرماتے اور اسی قرآن مجید سے اِستشہاد لاتے رہے۔ وہ صرف اسی قرآن کی تفسیر فرماتے"۔ (تحفہ اثناعشریہ صفحہ ۲۱۵ طبع نولکشور ۱۳۱۳ھ)

ہم نے ان احادیث سے یہی مطلب سمجھا تھا اور اگر ملامحسن فیض کاشانی نے ان کا مطلب کچھ اور سمجھا ہے تو اس میں ہماری نہ کوئی تقصیر ہے اور نہ کوئی فریب کاری اور دھوکا دہی۔ ہر اہل علم کی اپنی فہم وفراست ہے اپنی سوچ ہے اور اپنی اپروچ یعنی: ع

هر کس بقدر فهمش فهمید مدعا را

ہر آدمی کے لیے اس کی اپنی سوچ ہی حجت ہوتی ہے۔

اینها همه راز است که معلوم عوام است

بہرحال کوئی مانے یا نہ مانے

جمالِ و نورِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

فصل سوم

شیعہ علماء اعلام کی تصریحات

① تنزیہ الامامیہ

اگرچہ ائمہ اطہارؑ کے ارشادات کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی ۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر بعض شیعہ اعلام کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں ۔

① رئیس المحدّثین شیخ صدوق علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ اعتقادیہ طبع ایران صفحہ ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں: "اعتقادنا بالقرآن الذی انزلہ اللہ تعالی علی نبیہ محمد ﷺ ہو ما بین الدفتین و ہو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذلک و مبلغ سورہ عند الناس ماۃ و اربعۃ عشر سورۃ...... و من نسب الینا انا نقول انہ اکثر من ذلک فہو کاذب" یعنی قرآن کے متعلق ہمارا ایمان یہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر اسلامؐ پر جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ یہی ہے جو دو دفتیوں کے درمیان لوگوں کے ہاتھوں میں اس وقت موجود ہے اس کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرے کہ ہم موجود قرآن سے زائد کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے"۔

② شیخ الطائفہ شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر تبیان میں ۔

③ امین الاسلام علامہ طبرسیؒ نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں

④ افتخار المفسّرین علامہ سید علی الحائریؒ نے اپنی تفسیر لوامع التنزیل میں ۔

⑤ آیت اللہ علامہ السید ابوالقاسم خوئیؒ مجتہد اعظم نجف اشرف نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں

⑥ سید العلماء علامہ السیّد علی نقیؒ نے اپنے مقدمہ تفسیر قرآن میں ۔

ان کے علاوہ سینکڑوں علماء اعلام نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ موجود قرآن مکمل ہے اس میں کسی قسم کی کوئی تحریف و تغییر نہیں ہوئی۔

② اس پر اشرف سیالوی کی تنقید:

ڈھکو صاحب کے پیش کردہ ارشاداتِ ائمہ کی حقیقت تو آپ معلوم کر چکے، اور اس کے مقابل

دو ہزار سے زیادہ شیعہ صاحبان کی معتبر و متداول کتابوں میں حضرت علیؑ اور دیگر ائمہؑ سے منقول روایات کا نمونہ بھی دیکھ چکے...... تو اب دو چار علماء کا نام گنوانے سے کیا فائدہ...... شیخ صدوقؒ اور علم الہدیٰؒ سے پہلے جتنے علماء گزرے ہیں وہ سب تحریف اور تغیّر و تبدل کے قائل ہوئے ہیں صرف شیخ صدوق نے سب سے پہلے تحریف کا انکار کیا...... ظاہر ہے کہ مذہب کا ثبوت روایت اور احادیث سے ہی ہوسکتا ہے نہ کسی عالم کے تحریف قول سے ...... پھر دو چار کو سینکڑوں تک پہنچانا کس طرح کار آمد ہوسکتا ہے؟...... تو جب شیخ صدوق نے سب سے پہلے تحریف کا انکار کیا تو بتلایئے ان سے قبل تین صدیوں تک تمہارا مذہب کیا تھا؟...... قائلین تحریف کا حکم کیا ہے؟ جن لوگوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تحریف ثابت کی ہے تو ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟؟ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۰)

۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

گلیم بخت کسے کہ بافتہ اند سیاہ
باب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

سیالوی صاحب کا یہ کہنا کس قدر حقیقت کے خلاف ہے کہ "مذہب کا ثبوت روایات اور احادیث سے ہی ہوسکتا ہے نہ کسی عالم کے قول سے یہ بات تمام فرق اور مسالک کے نظریہ کے خلاف ہے۔ سب علماء و فضلاء کا اتفاق ہے کہ ہر مذہب و مسلک میں ہر قسم کی رطب و یابس اور غث و ثمین روایات موجود ہوتی ہیں ان روایات میں سے غلط و صحیح ثقہ و غیر ثقہ، معتبر اور غیر معتبر میں تمیز کرنا اس مذہب کے ذمہ دار علماء کا ہی کام ہوتا ہے۔ پھر ان مختلف روایات کے درمیان جمع و تطبیق کر کے ان کا حقیقی مفہوم متعین کرنا یہ بھی علماء ہی کا فرض منصبی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اسلامی کتابوں میں ایسی روایات بلکہ خرافات مل جاتی ہیں جن سے ایک متعصب ہندو "رنگیلا رسول" نامی رسوائے زمانہ کتاب مرتب کرسکتا ہے اور عام اسلامی کتابوں میں ایسی ایسی روایات بلکہ خرافات بھی مل جاتی ہیں جن کو سامنے رکھ کر رشدی ملعون جیسا شخص "شیطانی آیات" نامی کتاب لکھ سکتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا کہ:

حقیقت روایات میں کھو گئی
یہ امت خرافات میں کھو گئی

بہر حال ہر روایت کے ساتھ درایت لازم ہے اور یہ علماء کا کام ہے نیز یہ بھی حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ کسی قوم، مذہب و مسلک کا نظریہ معلوم کرنا ہو یا اس کا عقیدہ و عندیہ تو

اس مذہب کے محقق علماء کے اقوال و آراء ہی کو سامنے رکھا جاتا ہے نہ کہ اس مذہب کے جہلاء کے عقیدہ و عمل کو لہٰذا اس اصل الاصول کی بنا پر تحریف قرآن کے بارے میں بقول معترض مذہب شیعہ میں کئی روایات پائی جاتی ہیں تو اس مذہب کے ذمہ دار علماء و فقہاء اور مُفسّرین و محدثین کے اقوال اور تحقیقات کو سامنے رکھنا پڑے گا کہ وہ ان روایات کے پیش نظر اس موضوع کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ جب ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ سے پہلے تو خود ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی ظاہری امامت کا دور تھا اور عامۃ الناس انہی کی طرف رجوع کرتے تھے البتہ امام زمانہؑ کی غیبت کبریٰ کے بعد امامؑ کے حکم پر لوگوں نے علماء کی طرف رجوع کرنا شروع کیا اور غیبت کبریٰ کا دور حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے حین حیات میں ہی شروع ہوا۔ کیونکہ امام زمانہؑ کی غیبت کبریٰ ۳۲۹ھ میں واقع ہوئی۔ جبکہ شیخ صدوقؒ کی وفات ۳۸۱ھ میں واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم اس مسئلہ کا آغاز شیخ صدوقؒ سے ہی کریں گے نہ کہ اس سے پہلے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس چوتھی صدی سے لے کر موجودہ پندرھویں صدی تک ہر دور کے علماء اعلام، مُفسّرین کرام، محدثین عظام اور فقہا فخام نے تحریف قرآن کی نفی کر کے اسے باطل قرار دیا ہے تو بعد ازاں اس کے بطلان میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے؟

الا علی اکمہ لم یبصر القمرا

① شیخ صدوقؒ متوفی ۳۸۱ھ
② شیخ مُفیدؒ متوفی ۴۱۲ھ
③ سید مرتضیٰ، علم الہدیٰؒ متوفی ۴۳۶ھ
④ شیخ طوسیؒ متوفی ۵۱۵ھ
⑤ امین الاسلام شیخ طبرسیؒ متوفی سنہ ھ
⑥ نصیر الدین محمد بن محمد بن حسن طوسیؒ ۶۷۲ھ
⑦ علامہ حلیؒ متوفی ۷۲۶ھ
⑧ نجم الدین ابو القاسم جعفر بن حسن الحلی ۶۷۶ھ
⑨ شہید اولؒ شیخ محمد بن جمال الدین العاملی متوفی ۷۸۶ھ
⑩ شہید ثانیؒ شیخ زین الدین متوفی ۹۶۶ھ
⑪ شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستریؒ متوفی ۱۰۱۹ھ
⑫ علامہ سید حامد حسین لکھنویؒ متوفی ۱۳۰۶ھ
⑬ علامہ سید ناصر حسین لکھنویؒ متوفی ۱۳۶۱ھ
⑭ علامہ مفتی سید محمد عباس لکھنویؒ متوفی ۱۳۰۶ھ
⑮ علامہ السیّد علی اظہر کھجویؒ متوفی سنہ ھ
⑯ علامہ ابو القاسم رضویؒ لاہوری متوفی ۱۳۲۴ھ
⑰ علامہ سید علی حائریؒ متوفی ۱۳۶۰ھ
⑱ علامہ شیخ جواد بلاغی نجفیؒ متوفی سنہ ھ
⑲ آیت اللہ سید ابو القاسم الخوئیؒ متوفی ۱۴۱۳ھ

۴۰ علامہ سید علی نقی نقوی لکھنوی متوفی ۱۴۰۸ھ
۴۱ علامہ السید محمد حسین طباطبائی قم
۴۲ علامہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ
۴۳ علامہ شیخ جعفر سبحانی قم مقدسہ
۴۴ علامہ حسین بخش جاڑا متوفی ۱۹۹۰ء
۴۵ یہ راقم آثم اپنی تفسیر "فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن" اور "احسن الفوائد" میں۔

جب اس قدر فحول علماء اور ذمہ داران مذہب وملت تحریف کی نفی کر کے موجودہ قرآن کو لاریب اور بے عیب ثابت کر رہے ہیں تو ان کی بات مانی جائے گی یا محدث نوری کی جن کی کتاب فصل الخطاب کے رد میں خود علماء شیعہ نے متعدد کتابیں لکھی ہیں یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ کسی ایک شخص کا یا دو اشخاص کا نظریہ خواہ وہ کتنا بڑا ہو یا بڑے ہوں پورے مذہب کا نظریہ نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی وہ مذہب اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

علامہ نوری نے "فصل الخطاب" میں زیادہ تر روایات اہل سنت کی کتابوں سے پیش کی ہیں۔ فلیرجع الیہا۔

اور جہاں تک قائلین تحریف پر فتویٰ کا تعلق ہے تو سب اہل علم جانتے ہیں کہ ان الحدود تدرء بالشبہات۔ یعنی شبہ کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو ہوتا ہے۔ لہٰذا قائل تحریف کے بارے میں غور وفکر کیا جائے گا کہ آیا اس نے کسی آیت یا کسی روایت سے غلط مفہوم اخذ کرنے کی وجہ سے اشتباہ میں مبتلا ہو کر وہ نظریہ قائم کیا ہے یا اور کسی عقلی یا نقلی شبہ کی بنا پر وہ غلط نظریہ اختیار کیا ہے تو اس پر نہ کوئی فتویٰ لگایا جائے گا اور نہ اس پر کوئی حد جاری کی جائے گی جسے کوئی اندھا یا بینا اندھیرے میں اشتباہ کی وجہ سے کسی نامحرم عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے مباشرت کرے تو اس پر شبہ کی بنا پر نہ کوئی حد جاری کی جائے گی اور نہ کسی عقلی وشرعی دلیل سے کوئی فتویٰ جاری کیا جائے گا!

اور اگر کسی نے نہ کسی آیت کی بنا پر اور نہ کسی روایت کی بنا پر اور نہ کسی قول کی بنا پر اور نہ ہی کسی عقلی یا نقلی شبہ کی بنا پر بلکہ عمداً ارادۃً یہ غلط نظریہ اختیار کیا ہے تو پھر اس کے اسلام میں اشکال ہوگا۔

واللہ العالم بحقائق الامور

فصل چہارم

بعض منصف مزاج علماء اہل سنت کا اعتراف حقیقت

① تنزیہ الامامیہ

شیعیانِ علیؑ کا ایمان بالقرآن ایک ایسی کھلی حقیقت ہے کہ بعض منصف مزاج اہل سنت نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔

① چنانچہ فاضل رحمت اللہ کیرانوی اپنی کتاب اظہار الحق جلد ۲ صفحہ ۸۹ طبع بمبئی میں بعض اعلام شیعہ کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فظهر ان المذهب المحقق عند علماء الفرقة الامامية الاثنا عشرية ان القرآن الذی انزله الله على نبيه هو ما بين الدفتين و هو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذلك الخ"۔

یعنی "ان حقائق کی روشنی میں ظاہر ہوا کہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کے علماء اعلام کے نزدیک ثابت شدہ نظریہ یہ ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے نبی خاتم ﷺ پر نازل کیا وہ یہی ہے جو کتابی صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اس سے زیادہ نہیں"۔

② حافظ محمد اسلم جیراجپوری اپنی کتاب "تاریخ القرآن" صفحہ ۶۲ تا ۶۷ بذیل عنوان "شیعہ اور قرآن" متعلقہ مسئلہ میں بعض اکابر علماء شیعہ کا کلام نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ان علماء شیعہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول و مستند ہیں اور ان اقوال میں نہ تاویل کی گنجائش ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ سے کہا ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنھوں نے علماء اہل سنت کی تردید میں رسائل لکھے ہیں ان کے متعلق تقیہ کا گمان نہیں کیا جاسکتا"۔

③ مولانا عبد الغنی خان کشمیری اپنی کتاب "مذاہب اسلامیہ" صفحہ ۴۷۴ طبع لاہور پر لکھتے ہیں:

"اثنا عشریہ قرآن میں کمی بیشی کے قائل نہیں اور یہ جو مشہور ہے شیعہ اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ

صحابہ نے دس پارے قرآن مجید کے گم کردیے اور بعض شیعہ سورۂ حسنین اور سورۂ فاطمہ اور سورۂ علی پڑھا کرتے ہیں یہ جہلا کی گپ ہے آج تک سلف سے خلف تک کوئی محقق اثنا عشری یہ عقیدہ نہیں رکھتا"۔

② اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

علامہ رحمت اللہ نے عیسائیوں کے الزام کا جواب دینا تھا کہ اگر ہماری انجیل محرف ہے تو تمہارا قرآن بھی تو محرف ہے...... دیکھو شیعہ علماء تحریف کے قائل ہیں...... حافظ اسلم صاحب نے بعض علماء کی طرف سے اس قول کا سرزد ہونا تسلیم کیا ہے۔ وہ محل انکار نہیں لیکن وہی قول شیعہ کا مذہب قدیم بھی ہے...... عبد الغنی کشمیری نے جو کہا ہوگا اس کو ایک طرف رکھ کر یہ بتلائیں کہ جن کتابوں کے حوالے ہم نے پیش کیے ہیں وہ اہل سنت علماء ہیں یا وہ اثنا عشری مذہب کے مقتداء ہیں؟...... یہ تین تنکے آپ کو بھنور سے نجات نہیں دے سکتے۔ (تحفۂ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۳)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

بد بخت تعصب وہ موذی مرض ہے کہ اگر بقول شاعر ساکنانِ جنت میں بھی پیدا ہو جائے تو جناب آدمؑ کو جنت سے نکلوا کر رہتا ہے اور ہمارے ملا مولا نے تعصب کا ارتکاب کر کے جنت میں جانا چاہتے ہیں تو پھر وہ سن لیں کہ وہ ایسا کر کے جنت الحمقاء (پاگل خانہ) میں تو جا سکتے ہیں مگر جنت الفردوس میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ والعاقبة للمتقین۔

☆ جنت مُتّقیوں کے لیے ہے فاسقوں کے لیے نہیں۔
☆ مصلحین کے لیے ہے مُفسدین کے لیے نہیں۔
☆ کافروں کو مُسلمان بنانے والوں کے لیے ہے مُسلمانوں کو کافر بنانے والوں کے لیے نہیں۔
☆ وہ بے ایمانوں کو مؤمن بنانے والوں کے لیے ہے، مومنین کو بے ایمان بنانے والوں کے لیے نہیں ہے۔
☆ الغرض جنت الفردوس لڑنے والے بھائیوں کو منانے والوں کے لیے ہے منے ہوئے بھائیوں کو لڑانے والوں اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے تنگ نظر اور کوتاہ اندیش ملاؤں کے لیے نہیں۔

ہم نے بنظرِ اختصار اہل سنت کے تین جید علماء کا کلام حق ترجمان پیش کیا، جنھوں نے تعصب کی پٹی اتار کر اقرارِ حق کیا کہ شیعہ حضرات اسی موجودہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور کوئی محقق شیعہ عقیدہ تحریف نہیں رکھتا۔ مگر بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بجائے اس کے کہ سیالوی صاحب اپنی روش پر شرمسار ہوتے اور اس کی تلافی کرتے وہ الٹا بموجب "کھسیانی بلّی کھمبا نوچے" بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ان منصف مزاج علماء اہل سنت کے منصفانہ و محققانہ کلمات پر یہ معاندانہ تبصرہ کر کے ان کے کلام حق ترجمان کو ایسے "تین تنکے" قرار دیتے ہیں جو ہمیں بھنور سے نجات نہیں دے سکتے...... ہم تو بفضلہ تعالیٰ کسی قسم کے بھنور میں مبتلا ہی نہیں ہیں۔ ہم تو بفضلہ تعالیٰ آلِ محمد علیہم السلام کی کشتیٔ نجات پر سوار ہیں۔ جس کے بارے میں بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

"مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من رکبها نجی و من تخلف عنها ضل و غرق و هوی"۔

جو اس میں بیٹھ جائے اس کا بیڑا پار ہوتا ہے

ہم تو اسلامی ہمدردی اور رواداری کے تحت تعصّب و عناد اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد پھیلانے کے بھنور سے نکالنے کے لیے یہ سب کوشش کر رہے ہیں۔

مگر سچ ہے کہ ؎

تہی دستانِ قسمت را چه سود از راهبر کامل
که خضر از آبِ حیواں تشنه می آرد سکندر را

فصل پنجم

حضرت امیر علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کی حقیقت

① تنزیہ الامامیہ

چونکہ مؤلف نے جناب امیر علیہ السلام کے جمع قرآن کے واقعہ کو ہمارے خلاف پیش کیا ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس واقعہ کی حقیقت کو ظاہر کر دیا جائے۔ سو فریقین کی کتابوں سے جو چیز پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے وہ یہ ہے کہ جو قرآن جناب امیر علیہ السلام نے جمع کیا تھا وہ یہی تھا جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ہاں البتہ اس میں درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔

(ا) اس کی ترتیب نزول قرآن کے مطابق تھی یعنی جو سورہ پہلے نازل ہوا تھا اسے پہلے درج فرمایا تھا اور بعد میں نازل ہونے والے سوروں کو بعد میں جگہ دی گئی تھی۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۴ طبع مصر میں لکھتے ہیں:

"فمنهم من رتبها على النزول و هو مصحف علی كان اوله اقرأ ثم المدثر ثم نون، ثم المزمل، ثم تبت، ثم تكوير وهكذا الى آخر المكی والمدنی"۔

"یعنی صحابہ کرامؓ میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے ترتیب نزول کے مطابق کلام اللہ کو جمع کیا تھا اور وہ مصحف علیؑ تھا جس میں پہلے سورہ اقراء پھر مدثر بعد ازاں نون اور اس کے بعد مزمل پھر تبت اور اس کے بعد تکویر اور اسی طرح پہلے مکی اور اس کے بعد مدنی سوروں کو جمع کیا گیا تھا۔ اس کی تائید مزید اصول کافی صفحہ ۶۷۱ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے سقیفائی دربارِ خلافت میں اپنا جمع کردہ قرآن پیش کرتے وقت فرمایا تھا: "هذا كتاب الله كما انزله الله على محمد"۔ "یہ ہے خدا کی کتاب جو اس طرح جمع کی گئی ہے جس طرح خدا نے جناب رسول خدا پر نازل فرمائی تھی"۔

(ب) اس مصحف میں قرآن مجید کی مختصر تاویل و تفسیر بھی تھی جیسا کہ سیوطی نے ابن سیرین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: "لو اصيب ذالك الكتاب لكان فيه العلم"۔ یعنی "اگر جناب امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن مل جاتا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ آجاتا"۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۸۵ طبع جدید مصر

اس کی تائید مزید تفسیر صافی صفحہ ۱۰ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں جناب امیر علیہ السلام اور طلحہ کا مکالمہ درج ہے فرمایا: "یا طلحۃ! ان کل آیۃ انزلھا اللہ عزوجل علی محمد عندی یا ملاء رسول اللہ و خط یدی و تاویل کل آیۃ انزلھا اللہ علی محمد و کل حلال و حرام الی آخرہ......"

"اے طلحہ! ہر وہ آیت جو خداوند عالم نے جناب رسولؐ خدا پر نازل فرمائی وہ آنحضرتؐ کی املاء اور میرے خط سے لکھی ہوئی میرے پاس موجود ہے اور ہر آیت کی تاویل و تفسیر اور ہر حلال و حرام کی تفصیل بھی میرے پاس محفوظ ہے"۔ یہ وہ مصحف ہے جو اس وقت امام زمانہؑ کے پاس ہے۔ جسے وہ وقت ظہور اپنے ہمراہ لائیں گے۔ ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

پیر صاحب نے اس افسانہ کے خاکہ میں مزید رنگ بھرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ ستر گز کا قرآن تھا اگر پیر صاحب اپنے تمام انصار و اعوان سمیت ہماری کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے قرآن کا ستر گز ہونا ثابت کر دیں تو ہم اُن کو منہ مانگا انعام دینے کے لیے تیار ہیں ورنہ بصورت دیگر ہم آیت معلومہ کی تلاوت کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ پیر صاحب کی یہ رجز خوانی بے جا ہے کہ "جو قرآن کہ سیدنا حضرت عثمان نے جمع فرمایا جو ہمارے سینوں میں موجود ہے، سات آٹھ سال عمر کے بچے پڑھتے ہیں لخ...... معلوم ہو گیا کہ یہ اہل سنت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہی قرآن شیعیانِ حیدر کرارؑ کے سینہ ہائے بے کینہ میں بھی موجود ہے اور بحکم ائمہ اطہارؑ ہماری مساجد اور ہمارے مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسے ہی پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، ہمارے علماء اعلام اسی سے احکام شریعہ کا استنباط کرتے ہیں، اسی کی تفسیریں لکھتے ہیں اسی قرآن کو شیعہ حق و باطل کا معیار اور صحیح و سقیم احادیث کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں۔ الغرض: ؎

جمال و نورِ قرآن حرزِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

بفضلہ تعالیٰ

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

(۴) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

علامہ ڈھکو صاحب نے یہ تسلیم کر لیا کہ جو قرآن حضرت علیؑ نے جمع فرمایا تھا اس کی ترتیب

موجودہ قرآن کی ترتیب سے مختلف تھی اور آپؑ نے اس کو ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا۔ لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ سرور عالمؐ نے آپ کو اس ترتیب سے جمع کرنے کا حکم دیا تھا تو دوسرے صحابہ حضرات نے سرور عالمؐ کی مرضی کے برعکس اس کو کیوں جمع کیا؟ لہٰذا وہ مجموعہ بے عیب نہ رہا اسی طرح خود سرور عالمؐ ترتیب نزول کے مطابق تلاوت فرماتے تھے تو اس کے خلاف جمع کرنا درست نہ ہوا۔

اصول کافی کی روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ نے کہا میں نے اس کو ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا "ھذا کتاب اللہ کما انزلہ اللہ تعالی علی محمدؐ" حالانکہ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ میں نے ترتیب نزول کے مطابق اس کو جمع کیا ہے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ میں نے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہونے دیا......

حضرت ابوذرؓ کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر کے مطالبہ پر حضرت علیؑ نے کہا کہ اب وہ قرآن تمھارے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا۔ میں نے حجت قائم کرنی تھی وہ کردی...... تا آنکہ فرمایا کہ: "اب یہ قرآن صرف مہدیؑ کے ذریعے لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جائے گا"...... اپنی روایات کو ہاتھ لگائے بغیر اہل السنّت کے حوالے پیش کرنا کس قدر شرمناک ہے پہلے اپنی روایات کا جواب دو بعد میں کوئی روایت معتبرہ بطور تائید پیش کرو...... تو بجا ہے...... جو قرآن آپؑ نے جمع فرمایا اس وقت بھی اس کو علمی خزانہ اس لحاظ سے کہا گیا کہ اس سے ناسخ و منسوخ کا پورا علم آجاتا...... پھر جب حسب اعتراف ڈھکو صاحب اس میں تفسیری نوٹ بھی تھے تو وہ قرآن کہلانے کی بجائے ایک علمی اور تفسیری خزانہ تھا...... جب مولائی مرتضیٰؑ کے دورِ امامت میں سبائی سازش نے حضرت عُثمان کے جمع کردہ قرآن کے متعلق بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں...... تو حضرت علیؑ نے فرمایا حضرت عُثمان کے حق میں جمع قرآن اور اس کی تالیف کے متعلق کسی قسم کے شکوک کا اظہار مت کرو۔ کیونکہ انھوں نے جو کچھ کیا ہمارے مشورہ سے کیا۔ عن سوید بن غفلہ قال علی رضی اللہ عنہ......

(الاتقان جلد اول صفحہ ۵۹)

یہود کی انتقامی کارروائی

دراصل قرآن مجید نے یہود پر تحریف کا الزام لگایا...... تو انھوں نے بدلہ لینے کے لیے عبداللہ بن سبا کے ذریعہ اہل اسلام میں یہ عقیدہ رائج کیا...... اور مدعیانِ اسلام کی ایک جماعت بغیر سوچے سمجھے اس ڈگر پر چل نکلی اور یہود کی سازش کو کامیاب بنا دیا...... بعد ازاں فرماتے ہیں...... رہا یہ دعویٰ

کہ ہماری مساجد ومدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسی قرآن کو پڑھتے ہیں...... ہمیں تو علامہ تمھارا بھی صحیح قرآن پڑھنا نظر نہیں آیا...... اور پورے عالم تشیّع میں جب ایک حافظ بھی نہ مل سکے تو پھر تسبیح و سلام کی رجز خوانی بالکل بے جا ہے...... (تحفہ جلد ا صفحہ ۱۸۲)

(۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

اسلام کے دو ہی عظیم فرقے ہیں (۱) شیعہ (۲) سنّی۔ اور ان دو مذہبوں کے ذمّہ دار علماء متفق ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد جو قرآن جمع فرمایا تھا ایک تو وہ ترتیب نزول کے مطابق تھا...... اور دوسرا اس میں کچھ تفسیری نوٹ بھی تھے۔ اس پر بموجب "کھسیانی بلّی کھمبا نوچے"۔ ہندی کی چندی نکالتے ہوئے چند رکیک اور بودے ایراد کر کے ایک مُسلّمہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کی سعی نافرجام کی جارہی ہے۔ مثلاً یہ کہ آیا پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا؟ اس خاص معاملہ میں کوئی حکم دیا تھا یا نہ؟ البتہ ایک عام اعلان ضرور فرمایا تھا: کہ "الحق مع علی و علی مع الحق" کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ...... لہٰذا آنحضرت ﷺ کے اس مُسلّمہ فرمان کے مطابق ایک مُسلمان کو ہر کلام، ہر کام اور ہر اقدام میں حضرت علی علیہ السلام کو برحق تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انھوں نے جو کام جس طرح انجام دیا وہ منشائے خدا اور رضاء مصطفیٰؐ کے مطابق ہی دیا...... باقی رہا یہ سوال کہ باقی صحابہؓ نے جو اس کے خلاف مرتب کیا وہ مرضیٔ مصطفیٰؐ کے برعکس کیا؟ اس اقدام کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ ہم تب کرتے جب ہمارے ائمہ طاہرینؑ نے اسی موجودہ قرآن کے اسی طرح پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم نہ دیا ہوتا......

نیز یہ سوال سوال کرنے والے کی کس قدر طفلانہ اور بچگانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے کہ "خود سرور عالمؐ ترتیب نزولی کے مطابق تلاوت کرتے تھے" اس احمقانہ سوال کا جواب واضح ہے کہ آپؐ اگر خدا کی نازل کردہ ترتیب کے مطابق تلاوت نہیں کرتے تھے تو کیا اس موجودہ ترتیب کے مطابق کرتے تھے جو آپؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد عمل میں لائی گئی"۔

ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں حضرت امیر علیہ السلام کے ترتیب نزولی کے مطابق قرآن جمع کرنے کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر اتقان جلد ا صفحہ ۶۴ طبع مصر کا حوالہ دیا تھا کہ آپؑ نے ترتیب نزولی کے مطابق قرآن جمع فرمایا تھا کہ اس میں پہلے نمبر پر سورہ اقراء تھی دوسرے نمبر پر

سورہ مدثر اور تیسرے نمبر پر سورہ مزمل تھی (ھکذا)...... یہی حقیقت مولانا احمد علی سہارنپوری نے بخاری کے حاشیہ نمبر ۵ صفحہ ۷۵۷ طبع میرٹھ میں بیان کی ہے۔ جبکہ اصول کافی والی روایت جس میں حضرت امیرؑ اور طلحہ کا جو مکالمہ مذکور ہے اس میں خود حضرت علیؑ کے اس فرمان کا بالکل یہی مطلب ہے کہ "ھذا کتاب اللہ کما انزلہ اللہ تعالی علی محمدؐ" یہ ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ پر نازل فرمائی...... جسے کھینچ کر سیالوی صاحب دوسری طرف لے گئے ہیں...... بہرحال ہمارے تفسیر اتقان کے اس حوالہ پر سیال شریف کے دارالافتاء سے یہ فتویٰ صادر ہوا کہ "اپنی روایات کو ہاتھ لگائے بغیر اہل سنت کے حوالے دینا کس قدر شرمناک بات ہے"۔ (صفحہ ۱۷۷) حالانکہ یہ حوالے اس لیے دیے جاتے ہیں کہ ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

البتہ شرم کی بات یہ ہے کہ سیالوی صاحب ایک جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ "جب مولائے مرتضیٰ کے دورِ امامت میں سبائی سازش سے حضرت عثمان کے جمع کردہ قرآن کے متعلق بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں تو ان کا سختی سے رد کرتے ہوئے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ عثمان کے حق میں جمع قرآن کے متعلق کسی قسم کے شکوک...... کا اظہار مت کرو۔ کیونکہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ ہمارے صلاح و مشورہ سے کیا"۔ اتنا بڑا دعویٰ اور ثبوت میں ہماری کتابوں کا حوالہ دینے کی بجائے اپنے مذہب کی تفسیر اتقان (جلد ا صفحہ ۵۹) کا حوالہ دیتے ہیں" کس قدر شرمناک بات ہے" اس سے بڑی علمی تہی دامنی اور کیا ہو سکتی ہے؟؟

باقی رہا سیالوی صاحب کا یہ بودا ایراد...... کہ "حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن میں تفسیری نوٹ تھے تو پھر تو وہ قرآن کہلانے کی بجائے علمی و تفسیری خزانہ تھا......"

اس کے متعلق صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ آج جو ہر مذہب کے ترجمہ اور علمی حواشی کے ساتھ قرآن چھپتے رہتے ہیں وہ قرآن ہی کہلاتے ہیں یا علمی تفسیری خزانہ کہلاتے ہیں؟؟ مالکم کیف تحکمون؟...... یقین سے کچھ معلوم نہیں ہے کہ یہودیوں نے قرآن میں تحریف ثابت کرنے کی کارروائی کب کی؟ کہاں کی؟ "ساون کے اندھے" کی طرح جس طرح اُسے ہر چیز سبز نظر آتی ہے ہمارے کرم فرماؤں کو بھی اسلام کے خلاف ہر سازش کے پیچھے عبداللہ بن سبا ہی نظر آتا ہے۔

بہرحال اگر یہود نے کبھی اس قسم کی کوئی سازش کی ہے تو اس کی تکمیل جناب پیر سیالوی اور ان

کے شاگرد رشید جناب اشرف سیالوی کر رہے ہیں۔ یہ ڈھنڈورا پیٹ کر شیعہ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں، جبکہ شیعہ مذہب کے ذمہ دار علماء چودہ سو سال سے اس تہمت سے اپنی برائت ظاہر کر رہے ہیں۔ واللہ علی ما اقول وکیل

پتا نہیں سیالوی صاحب کس صحرائے اعظم افریقہ میں یا کس جنت الحمقاء میں رہتے ہیں جہاں ان کو نہ شیعوں کا علامہ صحیح قرآن پڑھتا ہوا نظر آتا ہے اور نہ کوئی اور؟ شاید انھوں نے جاہل ذاکروں کو ہمارا علامہ سمجھ لیا ہے...... اور نہ ہی ان کو پورے عالم تشیع میں کوئی حافظ قرآن نظر آتا ہے۔

دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

ہم نے اپنی کتاب "تجلیاتِ صداقت" میں صفحہ ۲۶ پر حفاظ کرام کے نام مع ایڈریس گنوائے ہیں جو ملک کے مختلف حصوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں اس وقت تک کچھ مرحوم ہو گئے اور کچھ زندہ وسلامت ہیں۔ ان میں کچھ ایسے حفاظ بھی ہیں جو ہنوز سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے۔ جن کی عمر صرف پانچ برس ہے۔ مگر انھوں نے بڑے بڑے حفاظ اہل سنت سے اپنے حفظ اور اس میں اپنی مہارت کا لوہا منوایا ہے۔ جن میں سے بعض ایران قم مقدسہ میں قیام پذیر ہیں (سید محمد حسین طباطبائی) کچھ گلگت بلتستان میں ہیں اور کچھ آپ کے قریب فروکہ پنجاب میں (حافظ تقی خان جو کہ فی الحال ایران میں زیر تعلیم ہے) بلکہ ہماری کئی لڑکیاں بھی حافظہ قرآن موجود ہیں جن کے نام اور پتے تجلیات صفحہ ۲۶-۲۷ پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ والحمد للہ

ہم اس مقام پر صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ایک لاینحل جواب طلب سوال

مولانا اشرف سیالوی اور اُن کے پیر و مرشد پیر صاحب آف سیال شریف کے علمی غبارہ سے ہوا نکالنے حدود اربعہ طشت ازبام کرنے کی خاطر ان کے اٹھائے ہوئے سب سوالات کے علمی جوابات پیش کر چکنے کے بعد ہم ان سے صرف ایک سوال کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے نظریہ کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد دو بار قرآن مجید جمع کیا گیا۔ پہلی بار عہد ابوبکر میں جناب عمر کے تعاون کے ساتھ، دوسری بار عہد عثمان میں۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلی اور آخری بار کا جمع شدہ

قرآن ایک طرح کا تھا، یا باہم مختلف تھا؟ پس اگر ایک جیسا تھا تو پہلے جمع شدہ قرآن عہد عثمان میں جلایا کیوں گیا؟ (بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ طبع مصر) اور دوسرا رائج کیوں کیا گیا؟ اور اگر ان میں اختلاف تھا تو پھر لاریب اور لاعیب قرآن کون سا تھا اور عیب دار کون سا تھا؟؟؟

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا
مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

تراویح بدعت عمر ہے

(۱) تنزیہ الامامیہ:

ہاں البتہ ہم شیعیانِ علیؑ پیر سیالوی کے ہم مسلک حضرات کی طرح ماہ رمضان میں تراویح کے اندر قرآن ختم نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ نماز سنت رسولؐ نہیں بلکہ بدعت عمر ہے (ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۱۳۶۱ طبع دہلی) اور جناب رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: "کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ سبلیھا الی النار" ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۱)

(۲) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

ہاں جی! آپ کے ہاں فرائض میں بھی باجماعت مروج نہیں ہے تو اتنی لمبی نماز باجماعت اور اس میں قرآن پڑھنے کی تکلیف آپ کو کیوں گوارا ہو...... لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب ہر بدعت گمراہی ہے اور اس کا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے تو حضرت علی المرتضیٰ شیر خداؑ نے اس راستہ پر چلنے سے لوگوں کو منع فرمایا یا نہ؟...... (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۸۳)

(۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

کونسی ایسی جگہ ہے جہاں اہل ایمان کے چند گھر ہوں اور وہاں پیش نماز موجود نہ ہو اور نماز باجماعت نہ ہوتی ہو؟ اور بچوں اور بچیوں کو قرآن پڑھانے اور دین اسلام کی بنیادی تعلیم کا انتظام نہ ہو؟؟

ہم آپ سے زیادہ لمبی نمازیں پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے ہاں ماہِ رمضان کے مقدس مہینہ میں پنجگانہ نمازوں کے مقررہ نوافل کے علاوہ ایک ہزار نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ جو تمھارے نوافل تراویح سے بہر حال زیادہ ہیں۔ مگر ہمارے ہاں نوافل میں اس لیے جماعت نہیں ہے کہ سرکار محمدؐ و

آل محمد علیہم السلام نے یہ کام نہیں کیا۔

اور جہاں ان ذواتِ مقدسہ کا نقش پا نظر نہ آئے ہم وہ کام نہیں کرتے۔ جب "تراویح" کا لفظ کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے تو اس پر دلیل قائم کرنا ہی بے بنیاد ہے۔ وہ عمل کیوں کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام نہیں دیا۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ حدیث بیان کی کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج تمتع کیا ہے تو ایک شخص نے جواب دیا کہ ابوبکر و عمر حج تمتع سے منع کیا کرتے تھے تو ابن عباسؓ نے جواب دیا: اراھم سیھلکون اقول قال النبی صلی اللہ علیہ و الہ و سلم و یقول نھی ابوبکر و عمر۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ جلدی ہلاک ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے منع کیا۔ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ طبع بیروت)

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "تراویح" کے نام کی کوئی نماز باجماعت پڑھنے کا حکم نہیں دیا تو عمر بن خطاب کو کیسے جرأت ہوئی کہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و عمل کے مقابلے میں باجماعت پڑھنے کا حکم دیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قول رسول اللہ علیہ السلام احق ان یتبع من قول عمر۔ عمر کے قول کے مقابلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کا ہی اتباع کیا جائے۔
(السنن الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

یہی وجہ ہے کہ عہد عثمان سے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام نے اختلاف کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا:

"ما کنت لادع سنۃ النبی صلی اللہ علیہ و الہ و سلم لقول احد"۔

"میں کسی کے قول کی وجہ سے سنت پیغمبرؐ کو ترک نہیں کر سکتا"۔

(مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۹۵، سنن الدارمی صفحہ ۳۰۷، صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۵۶۳ طبع بیروت)

باقی رہا نماز تراویح کا بدعت ہونا تو یہ خود جناب عمر کے اعتراف سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ طبع دہلی) اور یہ کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہے۔ یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہے کہ: کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالہ سبیلھا الی النار

(کنز العمال جلد ۱ ص ۶۱)

باقی رہا حضرت امیر علیہ السلام کا اپنے ظاہری دور خلافت میں خود نہ پڑھنا اور پڑھنے والوں کو منع کرنا تو یہ کتب تاریخ وحدیث سے ثابت ہے۔ مولائے کائنات علیہ السلام نے اپنے ایک طویل خطبے

میں ارشاد فرمایا:

و اللہ لقد امرت الناس ان لا یجتمعوا فی شھر رمضان الا فی فریضۃ و اعلمتھم ان اجتماعھم فی النوافل بدعۃ فتنادی بعض اھل عسکری ممن یقاتل معی یا اھل الاسلام غیرت سنۃ عمر ینہانا عن الصلوۃ فی شھر رمضان تطوعاً و لقد خفت ان یثور وا فی ناحیۃ جانب عسکری۔

"خدا کی قسم میں نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ ماہ رمضان میں سوائے فرائض کے مروجہ نوافل (تراویح) کی جماعت نہ کرائیں۔ کیونکہ یہ بدعت ہے۔ میرے لشکر میں سے جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کر رہے تھے پکار اٹھے کہ اے مسلمانو (دیکھو) حضرت عمر کی سنت تبدیل کی جا رہی ہے۔ یہ ہمیں نوافل رمضان سے منع کرتے ہیں۔ الخ

(روضۃ الکافی جلد۸ صفحہ ۵۷ خطبہ نمبر ۲۱ طبع دار التعارف للمطبوعات بیروت)

زبردستی منوانا خدا اور رسولؐ کا بھی فریضہ نہیں ہے۔ کیونکہ: ع

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

مخفی نہ رہے کہ قبل ازیں تقیہ کے باب میں بھی اس موضوع پر کما حقہ تبصرہ کیا جا چکا ہے اور مندرجہ بالا خطبہ کے اقتباس سے ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں لوگوں کو نمازِ تراویح سے منع فرمایا تھا جس کی وجہ سے عام لوگوں نے ایک ہڑبونگ مچا دیا اس لیے جناب کو ان کے حال پر چھوڑنا پڑا۔

ان فی ذالك لایات لقوم یعقلون

فصل ششم

روایات موہم تحریف کے حلی جوابات

① تنزیہ الامامیہ
جو کچھ سطور بالا میں لکھا گیا ہے وہ اگر چہ اہل بصیرت وانصاف کی تسکین وتسلی کے لیے کافی ہے مگر ممکن ہے کہ ہماری وہ روایات جو بظاہر موہم تحریف ہیں۔* (جن کا ایک شمہ مؤلف نے اپنے رسالہ میں پیش کیا ہے) کچھ لوگوں کے لیے اقرار حق سے مانع ہوں تو اُن کے کئی حلی جوابات دِیے جاسکتے ہیں۔

پہلا جواب:
ان روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح السند نہیں ہے بلکہ وہ سب کی سب ضعیف ہیں اس لیے وہ نا قابلِ استدلال ہیں۔

دوسرا جواب:
یہ روایات اختلاف قرائت پر محمول ہیں یعنی جن روایات میں وارد ہے کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی اور فلاں اس طرح ان کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے قاریوں کے بالمقابل ائمہ اہل بیتؑ کی قرائت یہ ہے۔

تیسرا جواب:
یہ روایات تاویل پر محمول ہیں یعنی جن روایات میں یہ وارد ہے کہ فلاں آیت یوں نازل ہوئی ہے اور فلاں یوں تو یہاں تنزیل سے مراد تاویل ہے یعنی جناب رسولؐ خدا نے بموجب ارشاد قدرت اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (سورة القیامۃ:۱۷۔۱۹) قرآن کا نازل کرنا اس کا پڑھانا اور بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ بتعلیم اللہ قرآن کی تاویل بیان کرنا جناب رسولِ خداؐ کے فرائض میں شامل ہے۔ بنابریں کلام اللہ کا صحیح مفہوم وہی ہو گا جو خدائے حکیم کی تعلیم سے جناب رسولِ خداؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام بیان فرمائیں گے۔ بنابریں جن روایات میں قرآنی آیات کی تعداد زیادہ مذکور ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان بیانات کو اصل آیات کے ساتھ شامل کیا جائے تو ان کی مقدار اتنی بن جاتی ہے۔ چنانچہ وہ روایت جسے مؤلف نے

نقل کیا ہے اس سے اس جواب کی تائید مزید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنا قرآن ابو نصر کو دیا، جب اس نے کھول کر دیکھا تو سورہ بینہ کے ذیل میں ستر آدمیوں کے نام بمع ولدیت کے مذکور تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ تفسیر وتاویل قرآن تھی نہ کہ تنزیل۔

۲ اس پر اشرف سیالوی کی تنقید:

پہلا جواب اور اس کا ردیہ ہے کہ ان روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے، بلکہ سب کی سب روایات اور وہ بھی اہل بیتؑ سے مروی ہوں آخر وہ مذہب کیسے قابل اعتبار ہوگا...... صاحب فصل الخطاب نے کہا: عندی ان الاخبار...... کلینی مصرح ہیں کہ جو روایات میں نے ذکر کی ہیں پس ان کے متعلق وثوق ہے۔ سرورق پر امام غائب حضرت مہدیؑ کی مہر تصدیق بھی ثبت ہے......

دوسرا جواب اور اس کا رد...... یہ روایات اختلافات قرائت پر مبنی ہیں۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کو مُتعدّد قرائتوں میں پڑھنے کی اجازت دی ہے تو شیعہ مذہب میں یہ قطعاً قابل قبول توجیہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک ہی قرأت کے قائل ہیں (بعد ازاں اس مضمون کی دو تین روایات نقل کی ہیں کہ قرآن ایک قرائت پر نازل ہوا ہے۔

تیسرا جواب اور اس کا رد...... جہاں یہ وارد ہے کہ فلاں آیت یوں نازل ہوئی تو اس کا یہ مطلب ہے کہ نازل تو اسی طرح ہوئی جیسے اہلسنّت کے قرآن میں ہے۔ مگر اس کا معنی یوں ہے اللہ اللہ کہتے تو ہیں کہ نازل اس طرح ہوئی اور مطلب اور ہوتا ہے کہ معنی اس طرح...... صاحب فصل الخطاب نے اس تاویل وتوجیہ پر بھی مفصل بحث کی ہے اور مصحف علیؑ میں تاویل اور تفسیر یا احادیث قدسیہ کے اندراج کا رد کیا ہے...... تاویل مذکور اس صورت میں درست ہو سکتی تھی جب ائمہ اہل بیتؑ کو جامعین قرآن کے ساتھ اس کے معنی کے ساتھ اختلاف ہوتا۔ خلفاء ثلاثہ ایک معنی بیان کرتے اور ائمہ کرام دوسرا معنی۔ جب کہ قطعاً اس طرح کا کوئی اختلاف نہ تھا، تو پھر اس تاویل کے لحاظ سے طعن و تشنیع کا کیا مطلب۔ طبرسی نے فصل الخطاب میں کہا...... لم اصغر علی التحریف المعنی...... روایات ائمہ میں قطعاً ایسی تاویلات کی گنجائش نہیں ہے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۹۲)

۳ اس پر ہمارا تبصرہ:

هزار نکته باریك تر زِ مو اینجا است
نه هر که سر بتراشد قلندری داند

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ قابل غور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"روایۃ تدریہ خیر من الف ترویہ" ایک روایت کا درایت (جانچ پڑتال) کے ساتھ نقل کرنا ایک ہزار روایت کو بغیر سوچے سمجھے نقل کرنے سے بہتر ہے۔ (اساس الاصول للعلامہ سید دلدار علی غفران مآب)

علم درایۃ الحدیث اور علم الرجال کس لیے ہیں؟ انہی روایتوں کی جانچ پڑتال کے لیے۔ نہیں تو اور کس مرض کے علاج کے لیے ہیں؟۔ متقدمین کے پاس کسی روایت کی صحت و سقم معلوم کرنے کے لیے کئی داخلی اور خارجی قرائن ہوتے تھے، جو متاخرین کے ہاں مفقود ہیں۔ ان کے پاس اس صحت و سقم کے معلوم کرنے کا میزان ان دو علموں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب کلینی رحمۃ اللہ نے جو روایات نقل کی ہیں ان کوئی حکم نہیں لگایا، اس لیے کہ فن اصول حدیث کے ماہرین جو علم رجال کی حیثیت کو دیکھ حکم لگائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ مجلسیؒ نے جب اس کی شرح بنام "مرآۃ العقول" لکھی تو اس میں صحت وعدم صحت کا حکم لگا دیا ہے، ان میں سے صحیح، حسن، موثق، مرسل، ضعیف موجود ہیں۔ لہٰذا یہ روایات تحریف صحت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا بھی بالکل سینہ گزٹ ہے کہ ان کی تعداد دو ہزار ہے کس نے یہ تعداد گنی ہے؟ صرف صاحب فصل الخطاب کے کہنے سے تو اتنا بڑا دعویٰ ثابت نہیں ہو جاتا۔ غور طلب دریافت امر یہ ہے کہ ان روایات کو مسئلہ امامت سے کیا تعلق؟ جو قرآن کی آیات محکمات پیغمبر اسلام ﷺ کی روایات متواترات اور ہزارہا عقلی و نقلی دلائل و براہین سے ثابت ہے اور مذہب شیعہ خیر البریہ کی ضروریات میں سے ہے، حضرت علامہ حلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "الفین" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس میں امامت حقہ کے موضوع پر ایک ہزار عقلی اور ایک ہزار نقلی دلائل پیش کیے ہیں۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ سیالوی صاحب بار بار کہتے ہیں کہ کافی پر امام مہدیؑ کی مہر تصدیق ثبت ہے۔ یہ بے حقیقت بات ہے علماء اعلام کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جو "اصول کافی" مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۳۰۲ھ سے شائع ہوئی ہے، اس کے ناشر نے کتاب کے ٹائیٹل پر بلا سند یہ بات لکھ دی۔ حالانکہ "کافی" کے شارحین نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔ ملاحظہ ہو ملا خلیل قزوینی کی شرح بنام صافی، ملا صالح مازندرانی کی شرح اصول کافی اور حضرت علامہ مجلسیؒ کی مرآۃ العقول۔ علاوہ بریں "کافی" میں صحیح وضعیف احادیث کا ہونا ہی اس مقولہ کے من گھڑت ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

لہٰذا روایات تحریف کے ضعیف ہونے سے ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ اُن کے بالمقابل ائمہ طاہرین علیہم السلام کی وہ احادیث ہیں جو صحیح السند ہیں اور قرآن کے مطابق ہیں۔ والحمد للہ

ہمارے دوسرے جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے جو یہ کہا گیا کہ یہ روایات اختلاف قرائت پر

بنی ہیں حالانکہ شیعہ ایک ہی قرائت کے قائل ہیں۔ یہ جواب مؤلف کے عدم تدبر یا نا سمجھی کا نتیجہ ہے ورنہ ہم نے کب یہ کہا کہ سات قرائتوں پر قرآن کا پڑھنا جائز ہے۔ بے شک ہمارا نظریہ یہ ہے کہ قرآن ایک خدا کی طرف سے ایک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور وہ بھی ایک قرائت کے ساتھ نازل ہوا ہے ۔ (احسن الفوائد) مگر برادرانِ اسلامی تو سات قرائتوں کے قائل ہیں۔ بلکہ اپنی کتب معتبرہ میں وارد الفاظ کی تبدیلیوں کو بھی قرائت میں شمار کر لیتے ہیں۔ یا للعجب۔ تو ان میں ایک قرائت اہل بیت علیہم السلام کا بھی اضافہ کر لیں، اور ان روایات کو جو موہم تحریف ہیں ان کو اہل بیتؑ نبوتؑ کی قرائت تصور کر لیں تو جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

ہمارے تیسرے جواب پر سیالوی صاحب یوں تبصرہ کرتے ہیں کہ: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آیت نازل تو اس طرح ہوئی جس طرح اہل سنت کے قرآن میں ہے۔ مگر اس کا معنی یوں ہے۔ اللہ اللہ کہتے تو یہ ہیں کہ نازل اس طرح ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ معنی یوں ہے۔ یہ تاویل تب صحیح ہوتی کہ جب ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو جامعین کے ساتھ اختلاف ہوتا......

سیالوی صاحب! اس قدر سادگی کا کیا مطلب؟ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ جامعین کے ساتھ ائمہ اہل بیتؑ کو اختلاف تھا۔ تفسیر میں اختلاف، حدیث میں اختلاف، فقہ میں اختلاف، طرز بود و ماند میں اختلاف۔ ورنہ ایک اسلام کے تہتر اسلام کیوں بنتے؟ کسی مناسب مقام پر ان اختلافات کی قدرے وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ......

مؤلف کو ہر جگہ محدث نوری صاحبِ فصل الخطاب ہی نظر آتے ہیں جن کی تحریر سے شیعہ علماء اعلام کو سخت اختلاف ہے دوسرے علماء اعلام کیوں نظر نہیں آتے جو صاحبِ فصل الخطاب کے خیالات کو باطل جانتے ہیں اور دلائل سے ان کو رد کرتے ہیں۔ فاضل جواد نجفی کی تفسیر آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن ہی پڑھ لیں، حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔

(۱) تنزیہ الامامیہ:

ان روایات کے الزامی جوابات

اگرچہ مذکورہ بالا تین عدد حلی جوابات اربابِ عقل و انصاف کے اطمینانِ قلب کے لیے کافی ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص کی ان سے تا حال تسلی نہ ہوئی ہو تو ذیل میں ہم اُن کے الزامی جوابات بھی پیش کرتے ہیں کہ

ایں گناهیست که در شهرِ شما نیز کنند

یعنی جس طرح ہمارے ہاں ایسی روایات ملتی ہیں جو موہم تحریف ہیں، بالکل اسی طرح خود مُعترضین کے ہاں بھی بکثرت ایسی روایات موجود ہیں جو موہم تحریف ہیں، جن کا ایک شمہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا جو جواب یہ حضرات ان روایات کا پیش کریں گے وہی ہماری طرف سے سمجھ لیں اور اگر اس قسم کی روایات کے باوجود ان کے ایمان بالقرآن پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو ہمارے ایمان میں کیوں خلل واقع ہوسکتا ہے؟

اس اجمال کی بقدرضرورت تفصیل یہ ہے کہ:

روایات اہل سنت کے مطابق موجودہ قرآن ناقص ہے

تفسیر اتقان طبع مصر جلدا صفحہ ۵۵ اور طبع لاہور صفحہ ۳۱۶ پر عبداللہ بن عمر کی زبانی منقول ہے کہا: "لا یقولن احد کم قد اخذت القرآن کله و ما یدریه ما کله قد ذهب منه قرآن کثیر...... الخ" کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن پا لیا ہے، اسے کیا خبر کہ پورا قرآن کس قدر تھا؟ قرآن کا بہت سا حصّہ تو ضائع ہو گیا ہے۔ اس روایت کو اصول کافی کی سترہ ہزار آیت والی روایت کے بالمقابل رکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر دو کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کی کثیر مقدار غائب اور قلیل مقدار موجود ہے۔ لہٰذا جو جواب تفسیر اتقان والی روایت کا دیا جائے گا وہی جواب اصول کافی والی روایت کا تصور کیا جائے گا؟

(۲) اس پر اشرف سیالوی کی تنقید:

اپنی مذہبی متواتر روایات کا اور اکابر مذہب کے عقیدۂ تحریف کا جواب تو بن نہ سکا لیکن ڈھکو صاحب نے الزامی کاروائی شروع کر دی جس میں جعل سازی ...... سے کام لیا ہے ...... الزامی کاروائی تب ممکن ہے جب کسی اہل سنت والجماعت کے عالم کا یہ قول ثابت کریں کہ وہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں ...... بعد ازاں "محل نزاع کا تعین اور حقیقت حال کی وضاحت یعنی نسخ یا تحریف" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں جو قرآن مجید وقتاً فوقتاً نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور تیئیس سال میں مکمل ہوا وہ پورے کا پورا اب اہل اسلام کے پاس موجود نہیں ہے۔ اس پر شیعہ وسنی کا اجماع واتفاق ہے ...... لیکن اہل السنہ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بعض نازل شدہ آیات کو بعض مصلحتوں اور حکمتوں کے پیش نظر منسوخ فرما دیا۔ اور نبی اکرم ﷺ کے لوحِ قلب سے محو فرما دیا "کما قال تعالی ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها"۔ "جو آیت ہم منسوخ کریں گے یا اس

کو بھلوائیں گے تو اس سے بہتر لائیں گے"...... بعدازاں تین اقسام نسخ کا تذکرہ کیا ہے۔ یعنی:

① جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کر دیے گئے۔

② جن کی صرف تلاوت منسوخ کی گئی اور حکم باقی رہا۔

③ حکم منسوخ کر دیا گیا لیکن تلاوت باقی رہی۔

جبکہ شیعہ مذہب میں منسوخ التلاوہ آیت کا کوئی نام ونشان موجود نہیں ہے۔ (بعدازاں اپنے مُفسر آلوسی کی تفسیر روح المعانی سے اپنے بیان کی تائید مزید اور شیعہ حضرات کی تردید کی ہے اور طول لاطائل سے کام لیا ہے، مطلب وہی ہے جو اوپر بیان ہوا) اور آخر میں ابن عمر والی روایت کا ایک جواب آلوسی کے حوالہ سے یہ دیا ہے کہ وہ غیر متواتر ہے، اور جو تواتر کے ساتھ نبی اکرمؐ سے نہ منقول ہو، وہ قرآن نہیں ہے، یہ ان آیات کے قبیل سے ہے۔ جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔

لہٰذا اس قسم کی روایت سے اہل السنہ کو تحریف کا قائل ثابت کرنا قطعاً غلط ہے......

(تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۸)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

جائیں گے آپ کس طرف شیعوں کو چھیڑ کے
رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

ہم نے جب سے الزامی جواب میں کتب اہل سنت سے قرآن مجید میں تحریف کے واقع ہونے والی بکثرت وارد شدہ روایات کا تذکرہ شروع کیا ہے...... اور یہ کہا ہے کہ اگر ان روایات کے کتب اہل سنت میں موجودگی سے ان کے ایمان بالقرآن پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو پھر ہمارے ہاں اس قسم کی روایات کی موجودگی سے ہمارے ایمان پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ لہٰذا جو جواب اہل سنت اپنی ان روایات کا پیش کریں گے ہماری طرف سے بھی وہی جواب ہماری روایات کا سمجھ لیں۔

تضاد بیانی

سیالوی صاحب نے اپنی کتاب کے ص ۱۶۴ سطر ۹ پر یہ کہا تھا کہ "ظاہر ہے کہ مذہب کا ثبوت روایات واحادیث سے ہی ہو سکتا ہے۔ نہ کسی عالم کے قول سے"۔ اور اب جب کہ ہم نے کتب اہل سنت سے تحریف کی روایات پیش کی ہیں تو اب وہی سیالوی صاحب اپنی اس کتاب کے ص ۱۹۳ سطر ۹ پر لکھتے ہیں:

"الزامی کارروائی تب ممکن ہے جب کسی اہل السنۃ والجماعت عالم کا یہ قول ثابت کریں کہ وہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں"۔

ہے اس تضاد بیانی کا کوئی جواب؟...... سچ تو یہ ہے کہ "دروغ گو کی بات میں تضاد ضرور ہوتا ہے"...... بہرحال تحفہ حسینیہ جلداول صفحہ ۱۲۵ سے لے کر صفحہ ۱۹۲ تک اسی بات کی تکرار تھی کہ خداوند عالم نے جو قرآن پیغمبر اسلام پر نازل کیا تھا وہ یہی ہے جو بین الدفتین موجود ہے۔ مگر صفحہ ۱۹۳ سطر ۱۴ پر پہنچ کر یوں پینترا بدلا کہ "جو قرآن وقتاً فوقتاً نبی اکرمؐ پر نازل ہوتا رہا اور تیئیس سال میں پورا ہوا وہ پورے کا پورا اب اہل اسلام کے پاس موجود نہیں ہے"۔ اگر یہی بات کوئی شیعہ کہہ دے تو وہ منکر قرآن اور اگر سیالوی صاحب کہہ دیں تو وہ مؤمن بالقرآن؟ ؏

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اس اقرار کے باوجود آپ تحریف کے قائل نہیں ہیں تعجب ہے؟

بہرحال سیالوی صاحب نے اپنے اسلاف کی طرح یہاں نسخ کا کمزور سہارا لینے کی ناکام کوشش کی ہے جو تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ "وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت"۔

یہ کہنا نص قرآنی کے خلاف ہے کہ نسخ کی وجہ سے قرآنی آیات میں کمی واقع ہوئی ہے سیالوی صاحب نے خود اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر یہ آیت مع ترجمہ نقل کی ہے کہ ارشادِ قدرت ہے۔ "مانسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا" کہ جو آیت ہم منسوخ کریں گے یا بھلوائیں گے تو اس سے بہتر لائیں گے۔ اس ارشادِ خداوندی سے بعبارۃ النص واضح ہے کہ وہ باری تعالیٰ جب کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت کوئی آیت منسوخ کرتا ہے یا بھلواتا ہے تو اس کی جگہ اس آیت سے بہتر آیت لاتا ہے۔ بنابریں جس قدر آیات منسوخ ہوتی ہیں اتنی ہی نئی آیات ان کی جگہ آجاتی ہیں...... تو پھر تعداد میں کمی کیوں واقع ہوتی ہے؟ اس اشکال کا اہل سنت کے پاس کوئی جواب ہے؟؟

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین!!

نسخ صرف زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوسکتی ہے

ظاہر ہے کہ یہ نسخ یا انساء کا سلسلہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات تک ہی ہوسکتا ہے جب تک کہ قرآن کے نزول کا سلسلہ جاری تھا اور آپؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد تو نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ جب کہ یہاں ام المومنین جناب عائشہ کا فرمان موجود ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ:

"سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبی مائتی ایۃ فلما کتب عثمان المصاحف ثم نقدر منھا الا علی ما ھو الآن"
یعنی زمانہ پیغمبر اسلام میں سورہ احزاب کی دو آیتیں پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن جب عثمان نے قرآن جمع کرائے تو ہمیں صرف وہی آیات دستیاب ہوئیں جو اس وقت موجود ہیں۔ (تفسیر اتقان ج ا ص ۲۱۶ طبع لاہور) جو کل تہتر آیتیں ہیں باقی ایک سوستائیس ۱۲۷ آیات غائب ہیں وہ کہاں گئیں؟؟ اس طرح بعض دوسری سورتوں کے بارے میں روایات موجود ہیں جن کا تذکرہ بعد ازیں کیا جائے گا ......اور یہی ابن عمر کے اس قول کا مطلب ہے جو ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں پیش کیا ہے کہ "لا یقولن احد کم قد اخذت القرآن کلہ"......لے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ اس نے پورا قرآن پا لیا ہے اسے کیا خبر کہ پورا قرآن کس قدر تھا؟ قرآن کا بہت سا حصہ تو ضائع ہو گیا ہے۔
(تفسیر اتقان جلد ا صفحہ ۵۵ طبع مصر و طبع لاہور ۳۱۶)

اس سے واضح ہو گیا کہ اس قول کا وہ مطلب بالکل غلط ہے جو آلوسی نے بیان کیا ہے اور سیالوی نے قبول کیا ہے! نیز یہ بھی واضح رہے کہ مؤلف نے نسخ کے جو تین اقسام بیان کیے ہیں وہ بالکل غلط ہیں۔ نسخ کی صرف ایک ہی قسم ہے کہ حکم منسوخ ہو گیا ہے مگر اس کی تلاوت باقی ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

(۱) تنزیہ الامامیہ:

بحسب روایاتِ اہل سنت سورہ ہائے قرآن میں کمی

تفسیر اتقان صفحہ ۳۱۶ طبع لاہور پر جناب عائشہ سے مروی ہے کہا:
"سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبی مأتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم نقدر منھا الا علی ما ھو الآن"۔
یعنی زمانۂ پیغمبرؐ میں سورۂ احزاب کی دو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں لیکن جب عثمان نے قرآن جمع کرائے تو صرف وہی آیات دستیاب ہوئیں جو اس وقت موجود ہیں۔
ظاہر ہے کہ اس وقت اس سورت کی صرف تہتر ۷۳ آیتیں موجود ہیں اور ایک سو ستائیں غاب نیز اتقان کے اسی صفحہ پر بروایت ابی ابن کعب اس سورہ کا بقدر سورہ بقرہ ہونا ثابت ہوتا ہے جس کی دو سو چھیاسی آیات ہیں۔ یہاں نسخ والی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ نسخ صرف زمانہ نبوی میں ممکن ہے، اس کے بعد اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کما لا یخفی

(۲) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

یہ سب ڈھکو صاحب کی پانی میں مدھانی ہے...... کیونکہ قرآن مجید کی آیات جتنی بھی کم ہوں یا زیادہ اس میں تو بحث ہی نہیں ہے۔ بحث اس میں ہے کہ اصحاب رسولؐ کا کردار کیا ہے؟ کیا حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا تھا کہ عثمان نے آیات حذف کر دی ہیں...... اب ڈھکو صاحب سے پوچھئے کہ منسوخ التلاوت آیات کو بیان کرنا ہو تو کیا کہیں گے کہ زمانہ رسولؐ سے پہلے پڑھی جاتی تھیں؟

علامہ آلوسی کے حوالہ سے میں نے مسلک اہل سنت واضح کر دیا کہ ایسی روایات نسخ پر محمول ہیں...... طبری نے منسوخ التلاوۃ کو بیان کرتے ہوئے کہا...... ابو القاسم الخوئی نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں منسوخ التلاوۃ کا انکار کیا ہے اور اس کو تحریف قرار دیا ہے۔ ہم نے یہاں صرف یہ بتلانا تھا کہ اہل سنت کے نزدیک نسخ کی ایک قسم نسخ التلاوت بھی ہے اور ایسی روایات کا مفاد و مدلول یہی ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی...... (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۰۲)

(۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

مولانا سیالوی نے جس بھونڈے انداز میں ہمارا ذکر کیا ہے ایسا تو بھانڈ بھی نہیں کرتے اور صرف یہاں ہی نہیں بلکہ اکثر و بیشتر مقامات پر ایسے ہی اخلاقِ عالیہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ سچ ہے کہ "کل اناء یترشح بما فیہ"۔ مگر ہم اپنے پیشواؤں کی تقلید و تاسی میں اس سے غض بصر کرتے ہوئے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ ہم قبل ازیں الزامی جوابات پر تنقید کے جواب میں اس بات پر تبصرہ کر کے واضح کر چکے ہیں کہ برادرانِ اسلامی کے پاس اس بھنور سے نکلنے کے لیے نسخ کا سہارا لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اور ہم وہاں دو باتیں واضح کر آئے ہیں۔ ایک یہ کہ نسخ صرف پیغمبر اسلام ﷺ کے حین حیات میں ہوتا ہے، نہ کہ آپؐ کے بعد......

اور دوسری یہ کہ نسخ سے آیات کی تعداد پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ جو آیت منسوخ ہوتی ہے اس کی جگہ ناسخ آیت آجاتی ہے۔ سیالوی صاحب کا یہ کہنا کہ "کیا حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ عثمان نے آیات حذف کر دیں۔ کیا اس مطلب کو بیان کرنے کے لیے یہی الفاظ ضروری ہیں......" جو الفاظ ام المومنین نے استعمال کیے ہیں کہ "سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبیؐ مأتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم نقدر منہا الا علی ما ھو الآن" یعنی پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں سورۃ احزاب کی دو سو آیتیں

پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن جب عثمان نے قرآن جمع کیے تو ہمیں یہی موجودہ (۷۳ آیات) ہی دستاب ہوئیں۔ بی بی نے یہ تو نہیں فرمایا کہ پیغمبر اسلامؐ کے اوائل حین حیات میں دوسو آیتیں پڑھی جاتی تھیں۔ جو آخر عمر میں کم کردی گئیں...... وہ تو بڑی صراحت کے ساتھ یہ تلخ حقیقت بیان کررہی ہیں کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں یعنی ان کے حین حیات میں دوسو آیات پڑھی جاتی تھیں۔ مگر جب عثمان صاحب نے قرآن جمع کیے تو ہمیں صرف موجودہ تہتر آیات دستیاب ہوئیں۔ اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ باقی ایک سو ستائیس آیتیں کہیں خرد برد کردی گئیں۔ اس سے زیادہ واضح الفاظ میں شریکہ حیات النبیؐ یہ تلخ حقیقت اور کس طرح ظاہر کرسکتی تھیں؟؟ ع

اگر اب بھی نہ تم سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے

منسوخ التلاوۃ آیات کا ہمارے ہاں کوئی تصور نہیں ہے جناب طبرسی نے مسلک اہل سنت کا تذکرہ کیا ہے ہمارا موقف وہی ہے جو سرکار آقائے خوئی علی اللہ بقامہ نے بیان فرمایا ہے۔ وبس

(۱) تنزیہ الامامیہ:

سورہ توبہ: تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ طبع مصر حضرت حذیفہ سے مروی ہے فرمایا:

"التی تسمون سورة التوبة هی سورة العذاب و اللہ ما ترک احدا الا ثالث منه و لا تقرؤن منها مما کنا تقرا الا ربعها"

یعنی جس سورہ کو تم سورہ توبہ کہتے ہو یہ دراصل سورہ عذاب ہے بخدا اس نے ہم میں سے کسی ایک کو بھی مذمت کے بغیر نہیں چھوڑا اس کی جتنی مقدار ہم عہد رسالتؐ میں پڑھتے تھے اس کا صرف چوتھا حصہ اب تم پڑھتے ہو۔

اسی سورہ کے متعلق عمر صاحب کہا کرتے تھے:

"قال عمر مافزع من تنزیل سورہ التوبة حتی ظننا انه لم یبق منا احدا الا ینزل فیه و کانت الفاضحة"۔

اس وقت سورہ برائت کے نزول کا سلسلہ ختم نہیں ہوا جب تک ہمیں یہ گمان نہیں ہوگیا کہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑے گی مگر یہ کہ اس کی مذمت میں کچھ نہ کچھ ضرور نازل ہوگا اسی واسطے اس سورہ کا نام "فاضحہ" (رسوا کنندہ) رکھا جاتا تھا۔ (تفسیر اتقان جلد ا صفحہ ۵۵) مگر آج اس سورہ کے اندر اس قسم کی رسوائی کا کوئی مظاہرہ نظر نہیں آتا۔

لہٰذا پیر سیالوی اور اُن کے ہم نوالہ و ہم پیالہ حضرات بتائیں کہ اس سورہ کے وہ ۴/۳ حصے کدھر

گئے؟ اور جن جن لوگوں کی مذمت میں آیتیں نازل ہوئی تھیں ان کے نام کہاں غائب کر دیے گئے۔

② اس پر سیالوی صاحب کی تنقید:

اصولی اور تحقیقی جواب ان دو روایات کا بھی اور اس قسم کی دوسری روایات کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے...... کہ سورۂ برائت میں لوگوں کا محاسبہ اور ان کے بعض افعال پر تنقید کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے نام موجود تھے اور اب وہ نام غائب کر دیے گئے؟

رہ گیا تین چوتھائی کا معاملہ تو مذہب اہل سنت بیان کر کے ہم نے اس قسم کی تمام روایات کا اصولی جواب دے دیا ہے...... (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۰۰)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ
لا حول و لا قوۃ الا باللہ

جناب عمر کا یہ کہنا کہ اس سورہ کا اس وقت تک نزول ختم نہیں ہوا جب تک ہمیں گمان نہیں ہو گیا کہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑے گی...... اگر نام بنام مذمت نہیں کی گئی تھی تو پھر "فاضحہ" (رسوا کنندہ) کیوں قرار پائی؟

باقی رہا سیالوی صاحب کا یہ کہنا کہ "قرآن مجید چونکہ ابدی کتاب اور صحیفہ آسمانی ہے...... اس لیے اس میں بعض اشخاص کے ساتھ مخصوص احکام کا ذکر نہیں ہو گا"۔...... اگر مخصوص افراد کے ساتھ مخصوص احکام کا ذکر نہیں ہو گا...... تو بعض اشخاص کی نام بنام مذمت تو ہو سکتی ہے، ورنہ فرعون، ابولہب اور ابوجہل وغیرہ کا نام لے کر مذمت نہ کی جاتی...... اور موصوف کا یہ کہنا کہ "اصولی و تحقیقی جواب ان روایات کا دیا جا چکا ہے یعنی یہ نسخ پر محمول ہیں تو اس عذر کو کہاں کہاں ڈھال بنایا جائے گا۔ اور اس سے کہاں کہاں کام چلایا جائے گا؟؟ ہم بھی سطور بالا میں ثابت کر آئے ہیں کہ یہ ڈھال تارِ عنکبوت سے زیادہ کمزور ہے اس سے کام کہاں نہیں بنتا۔

"فقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا"

① تنزیہ الامامیہ:

"روایات اہل سنت کے مطابق قرآن سے بعض سورے غائب ہیں"۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان جلد ا صفحہ ۶۷ طبع مصر پر لکھا ہے کہ ابی بن کعب کے مصحف میں ایک سو سولہ سورے تھے (جبکہ موجودہ قرآن میں ایک سو چودہ ہیں) کیونکہ اس کے آخر میں سورۂ "حفد" اور

سورۂ "صنع" بھی درج تھیں۔ مگر آج وہ سورے ندارد ہیں۔ پیر سیالوی صاحب یا اُن کے مریدان باصفا بتائیں کہ وہ سورتیں کدھر گئیں؟۔ آیا جناب عائشہ کی بکری ہضم کر گئی (ابوداؤد) یا جناب عُثمان نے نذر آتش کر دیں؟ (بخاری) ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

(۲) اس پر اشرف سیالوی کی تنقید:

علامہ ڈھکو صاحب کی دو سورتوں کے غائب ہونے کی وجہ سے غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا آخر یہ بھی سوچیں کہ ایک سو چودہ سورتیں بھی انھیں صحابہ کرام کی مہربانی سے ہاتھ آئیں۔

صاف ظاہر ہے کہ جمہور کے نزدیک ان کی قرآنیت ثابت نہیں تھی۔ منسوخ ہونے کی وجہ سے یا تواتر نہ ہونے کی وجہ سے اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۰۴)

(نوٹ) تحفہ میں کام کی بات یہی تھی باقی سب گپ شپ ہے اور باغیانِ شریعت والا لطیفہ نہیں بلکہ کثیفہ ہے کتابت کی غلطی سے باغبانِ شریعت کا باغیانِ شریعت بن گیا سچ ہے کہ

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
خواص کو موتی کی طلب ہے نہ صدف کی

(۳) اس پر ہمارا تبصرہ:

ہمیں کوئی غصہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی رنج و افسوس ہے اس تحریر سے مقصد صرف اس حقیقت کا اظہار کرنا تھا کہ جن امور یعنی بعض ضعیف روایات کی بنا پر ہمیں موجودہ قرآن کا منکر ٹھہرایا جاتا ہے ایسی روایات برادرانِ اسلامی کی کتابوں میں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا اگر ہم منکر ہیں تو پھر سب ہیں اور اگر قائل ہیں تو بھی سب ہیں۔ یہ تفریق جائز نہیں ہے اور خدا لگی بات تو یہ ہے کہ ہم نے کبھی برادرانِ اسلامی پر یہ الزام نہیں لگایا کہ وہ منکر قرآن ہیں، البتہ ہمارے برادرانِ یوسف ہم پر ہمیشہ یہ الزام لگاتے رہے ہیں اور لگا رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ ؎

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

سیالوی صاحب نے یہاں نسخ کا سہارا لیا ہے، اور یہ سہارا اتنا کمزور ہے کہ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سیالوی صاحب کے محبوب صحابہ کرام کی مہربانی سے ایک سو چودہ سورتوں والا قرآن ملنے پر شکریہ ادا کریں یا ان کی کرم فرمائی سے حضرت امیر علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن سے محرومی پر ان کا ماتم کریں؟

① تنزیہ الامامیہ:

آیات قرآنیہ کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ مؤلف نے بار بار اس بات کا تکرار کیا ہے کہ موجودہ قرآن کی آیات ۶۶۶۶ ہیں۔ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ ابن عباس سے ۶۶۱۶ مروی ہیں (تفسیر اتقان جلد ا صفحہ ۶۷ طبع مصر) مگر حق یہ ہے کہ موجودہ قرآن کی آیتوں کی تعداد بغیر بسم اللہ ۶۲۳۶ اور بسم اللہ سمیت ۶۳۵۵ ہے۔

بہر کیف موجودہ حد بندی کے مطابق مؤلف کی بیان کردہ مقدار کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ اگر پیر صاحب یا ان کا کوئی ہمنوا ثابت کر دے تو ہم بطور انعام مبلغ ایک سو روپیہ ان کی خدمت میں پیش کریں گے۔ یہی قرآن دانی ہے جس پر پھولے نہیں سماتے؟ جب ان کو آیاتِ قرآنیہ کی تعداد ہی کا علم نہیں ہے، تو پھر حقائق فرقانیہ کا خاک علم ہوگا؟

② اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

ڈھکو صاحب کا اپنا تتبع ناقص ہے اصول کافی کے محشی نے لکھا ہے کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیات ہیں، جبکہ طبرسی نے ۶۲۶۳ آیات بیان کی ہیں...... ولعل الاختلاف من قبل تحدید الایات (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۱۰)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

آیتوں کی تعداد والا مسئلہ کوئی اہم نہیں ہے اس کے تذکرہ سے مقصد یہ تھا کہ بقول متنبی

نخالف الناس حتی لاتفاق لهم
الا علی شجب و الخلف فی الشجب

پیر سیالوی نے چونکہ اپنے رسالہ میں بار بار ان کی تعداد ۶۶۶۶ بتائی ہے جس پر عرض کیا گیا کہ یہ بات اتفاقی نہیں ہے۔

آئیے اس اختلاف کی آب کو مزید ایک جھلک دکھائیں:

☆ کوفی قراء کے نزدیک کل آیات قرآن کی تعداد ۶۲۳۲ ہے اور یہ تعداد مصر کے مصدقہ قرآن کی تعداد کے مطابق ہے (تفسیر المتقین)

☆ مگر تفسیر ماجدی میں بحوالہ تفسیر اتقان بقول اصح ۶۶۱۶ ہے (ماجدی)

☆ اور اکثر کے نزدیک ۶۶۶۶ ہے۔ تفسیر حقانی اور چند نے کوفی قراء کے نزدیک ۶۶۳۶ بیان کی ہے (حقانی) الی غیر ذالک من الاختلاف۔

توضیح

مخفی نہ رہے کہ امت محمدیہ کے یہ سب اختلافات آل محمد علیہم السلام کا دامن چھوڑنے کا نتیجہ ہیں پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تھا: اهل بيتي امان لامتي من الاختلاف۔ فاذا خالفتها قبيلة صارت حزب ابليس میری اہل بیتؑ میری امت کے لیے اختلاف سے نجات کی ضامن ہے، پس جب بھی کوئی قبیلہ اور گروہ ان کی مخالفت کرے گا تو وہ ابلیس کا گروہ بن جائے گا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی) لہٰذا جب تک امت محمدیہ اپنا یہ بھولا ہوا سبق یاد نہیں کرے گی اور اس پر عمل نہیں کرے گی اس وقت تک اس اختلاف وافتراق کے عذاب سے نجات حاصل نہیں کر سکے گی۔

من آنچه شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواه از سخنم پند گیر و خواه ملال

باب سیوم

کیا اصحاب ثلاثہ اسلام لانے میں مخلص تھے؟

اور اس باب میں دو فصلیں ہیں

① رسالہ مذہب شیعہ:

پیر سیالوی نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۲، ۱۳ پر دو مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے پہلے یہ کہ اصحاب ثلاثہ اخلاص سے ایمان لائے تھے، دوسرا یہ کہ منافق عہد رسالت مآب ﷺ میں ختم ہو گئے تھے؟ ہم حسب عادت ہر دو مسئلوں کے متعلق پہلے پیر صاحب کا استدلال انہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں پھر اس پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ چنانچہ جناب موصوف غریب شیعوں پر گرجنے برسنے کے بعد اپنے اصحاب ثلاثہ کے خلوص و ایمان کے متعلق یوں رطب اللسانی فرماتے ہیں:

"جس وقت میں کہ حضورؐ کا ساتھ دینے میں مستقبل کی تمام دنیوی منزلوں میں غربت اور مصائب و آلام و تکالیف کے سوا عالم اسباب میں اور کچھ نظر نہ آتا تھا تو ایسے حالات میں ان مقدس ہستیوں نے تمام تر تکالیف کو بطیبِ خاطر برداشت کیا، اور اللہ کے سچے رسول ﷺ کے نام پر گھر بار بال بچے، عزت و ناموس قربان کیے اور حضورؐ کا ساتھ نہ چھوڑا تو ایسی مقدس ہستیوں کے خلوص، ان کے صدق و صفا، ان کے ایمان و تصدیق کے متعلق کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ ایسے حالات میں دوسرا کون سا ایسا داعیہ ہو سکتا تھا جس کے زیر نظر ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اس قدر دکھ برداشت کیے؟"۔ (رسالہ مذہب شیعہ سیالوی صفحہ ۱۲)

② تنزیہ الامامیہ: **الجواب واللہ المعین علی الصواب**

ارباب دانش و بینش کا قول ہے: "عدم العلم لا یدل علی العدم"۔ یعنی "کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے"۔ اگر مؤلف کو اصحاب ثلاثہ کے اسلام لانے کے کسی دنیوی داعیہ اور محرک کا علم نہیں ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ سوائے خلوص و ایمان کے اس کا کوئی اور

دنیوی داعیہ موجود نہ تھا۔ آئیے ہم آپ کے اہم اضافہ معلومات کی خاطر ان حضرات کے اسلام لانے کے اصل محرکات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ایک ضروری نوٹ

"تنزیہ الامامیہ" میں یہ کل باب سات صفحات پر مشتمل ہے۔ مگر سیالوی صاحب نے باب شروع ہونے سے پہلے ہی بائیس صفحات پر مشتمل فضائل صحابہ کے عنوان سے ایک تمہیدی بیان داغا ہے۔ پھر اس باب سیوم کے مختصر مندرجات کے جوابات کو تقریباً سینتالیس صفحات تک لے گئے ہیں۔ بائیس اور سینتالیس مل کر بن گئے انہتر صفحات۔ ہے اس طول ممل اور طولِ لاطائل کا کوئی جواز ؟

سب عقل مند جانتے ہیں کہ "خیر الکلام ما قل و دل" کہ بہترین کلام وہ ہوتا ہے جو مختصر ہو اور نتیجہ خیز۔ مگر تصنیف و تالیف کا سلیقہ نہ ہونے اور صحیح گفتگو کا انداز معلوم نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ ایک سو اسّی صفحات پر مشتمل مختصر رسالہ کا جواب چودہ سو صفحات پر پھیلا کر "تحفہ حسینیہ" کی تین جلدیں مرتب کر ڈالیں۔ جن میں سے اگر حشو و زوائد اور طول لاطائل کو نکال دیا جائے تو باقی چند صفحات بچتے ہیں، اللہ اللہ خیر سلّا۔

ہمارے لیے مشکل یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا جواب نہ دیا جائے تو پھر واویلا مچایا جائے گا کہ ہماری فلاں چیز، فلاں دلیل اور فلاں استدلال کا جواب نہیں دیا گیا۔ بہر حال ہم حسبِ سابق پہلے سیالوی صاحب کی تحریر کا خلاصہ درج کرتے جائیں گے اور پھر اس کے مختصر مگر جامع جوابات دیتے جائیں گے۔ انشاء اللہ (احقرم بقلمہ)

(۳) اس پر اشرف سیالوی کی تنقید:

شہادتِ عقل: جس وقت سرورِ عالم ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا اس وقت سے لے کر جنگ بدر کے واقعات تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیں کہ خود آنحضرتؐ کی قریبی برادری کا رد عمل کیا تھا۔ ابو لہب بھی چچا تھا، لیکن ...... تو جن حضرات نے اس وقت آپؐ کا ساتھ دیا اور ان مشکل حالات میں آپؐ کے دامن نبوت سے وابستہ ہوئے......

سید عالمؐ کے پاس بظاہر نہ مال و زر تھا، نہ حکومت و سلطنت، نہ کوئی جائیداد۔ تو پھر لوگوں کو ان تکالیف کے برداشت کرنے اور......کونسی چیز آمادہ و راغب کر سکتی تھی سوائے اعتقادِ حق کے......اور اگر کوئی از راہِ تحکم......اس کا انکار کرے تو اسے کم از کم ایسی کوئی نظیر پیش کرنی چاہیے......

شہادت قرآن

قال اللہ تعالی اذن للذین یقاتلون الایہ (سورۂ حج)

"پروانگی عطا کی گئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں"۔

اس آیتِ کریمہ میں مہاجرین کا مظلوم و ناحق گھروں سے نکالا جانا...... ثابت ہے...... للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا (سورہ حشر) ان فقیروں، ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروالوں اور مالوں سے جبراً...... جدا کیے گئے اس آیت مبارکہ میں بھی علی العموم مہاجرین کرام کے جبراً وطن اور اموال سے جدا کیے جانے کی تصریح ہے......

والذین تتبوٴ الدار و الایمان من قبلھم (الآیۃ سورہ حشر) اور جنھوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا...... اس آیت کریمہ میں انصار کا اخلاص اور مہاجرین سے محبّت...... بیان کیا گیا ...... محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکافر (الآیہ سورۂ فتح)...... یہ آیت کریمہ ان کے کفار پر سخت ہونے اور آپس میں نرم دل ہونے...... کی گواہ ہے...... فالذین ہاجروا و آذوا فی سبیل (الآیہ آل عمران)...... اس آیت کریمہ میں ہجرت کرنے ایذائیں برداشت کرنے...... کے متعلق بشارت ہے......

اصحاب بدر اور شہادت قرآن

قال اللہ تعالی اذ تستغیثون ربکم...... (انفال) اس آیت مبارکہ سے خدا کا مؤمنین کی فریاد کو سننا اور فرشتے امداد کو بھیجنا ثابت ہے...... اذ یوحی ربك الی الملائكه (الآیہ)...... (انفال)...... اس ارشادِ خداوندی سے ظاہر ہے...... کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بدری صحابہ کے ساتھ تھے...... قال اللہ تعالی اذ یقول المنافقون (الآیہ)...... (انفال) اس فرمان صداقت نشان سے واضح ہو گیا کہ منافقین...... نے بھی اصحابِ بدر کے کمال وثوق اور یقین کامل کی گواہی دی۔

غزوۂ اُحد اور شہادتِ قرآن

و ما اصابکم یوم التقی الجمعان الآیہ (آل عمران) ان کلمات طیبات میں جنگ اُحد کے دن اہل ایمان اور منافقین کے درمیان امتیاز کرانے کا اعلان ہے...... کہ مخلص مؤمن کون اور منافق کون؟ وان اللہ لا یضیع اجر المومنین الذین استجابو الآیہ...... (آل عمران) جنگ اُحد سے واپسی پر کفار کے

مدینہ پر چڑھائی کرنے کی خبر سن کر ان کے تعاقب میں نکلنے والوں کی داد و تحسین اور اُن کے اُخروی درجات کو ان کلماتِ طیبات میں بیان کیا گیا ہے...... ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان الآیہ...... اس آیت مبارکہ میں تیر اندازوں کے...... مرکز چھوڑنے کی وجہ سے...... جو صورتِ حال پیش آئی اور میدانِ جنگ سے بعض مجاہدین پھر گئے، ان کے متعلق بھی عفوو درگزر کا اعلان کیا گیا ہے...... غزوۂ خندق اور شہادت قرآن قال اللہ تعالی و لما رأی المومنون الاحزاب الآیہ (احزاب) ...... و رد اللہ الذین کفرو بغیظهم (الآیہ) ان آیاتِ مقدسہ میں بھی جنگ احزاب اور غزوۂ خندق میں شامل مہاجرین و انصار کی ایمانی پختگی...... کا بیان ہے۔

معاہدۂ حدیبیہ اور شہادت قرآن

قال اللہ تعالی لقد رضی اللہ عن المومنین الآیہ...... (سورہ فتح) ...... اس آیتِ مقدسہ میں حضرت عثمان کے شہید ہونے کی اطلاع پر جو بیعت کی گئی تھی اس میں صحابہ کرام کا خلوص اور ان سے اللہ تعالی کے راضی ہونے کا اعلان ہے...... ان الذین یبایعونک الآیہ...... (سورہ فتح) اس آیتِ مقدسہ میں اس بیعت رضوان میں شامل حضرات کا کس قدر اعزاز و اکرام ہے...... سیقول لک المخلفون من الاعراب الآیہ...... (سورہ فتح)...... اس آیتِ مبارکہ میں سرورِ عالم کے ہمراہ عمرہ کے لیے جانے والوں کے کمال ایمان کی گواہی ہے۔

غزوۂ حنین اور شہادتِ قرآن

قال اللہ تعالی لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرۃ...... الآیہ...... (سورہ فتح) اس آیتِ مقدّسہ میں غزوۂ حنین کے شرکاء پر سکینہ اور خصوصی اطمینان کا نزول، ملائکہ کے ذریعے ان کی امداد کا صریح اعلان ہے......

غزوۂ تبوک اور شہادتِ قرآن

قال اللہ تعالی لقد تاب اللہ علی النبی و المہاجرین و الانصار الذین الآیہ...... (سورۂ توبہ)......

غزوۂ تبوک میں شامل مجاہدین اسلام، مہاجرین و انصار کے لیے اللہ تعالی کی خصوصی رحمتیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالی کی رأفت و رحمت کا یہ ابدی اعلان ہے...... قال اللہ تعالی و السابقون الاولون من المہاجرین و الانصار...... الآیہ...... (سورہ توبہ) اس آیت مبارکہ میں مہاجرین اولین اور انصار اولین

کے ساتھ ساتھ ان کی اتباع کرنے والے...... یعنی بعد میں ان کے ساتھ شامل ہونے والوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی...... کا بیان ہے...... قال اللہ تعالیٰ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح...... الآیہ...... (سورہ حدید) اس آیت کریمہ میں فتح مکہ سے پہلے جہاد کرنے والوں اور راہِ خدا میں مال صرف کرنے والوں کے عظیم درجات اور بعد والوں پر ان کی فوقیت کا بیان ہے لیکن استحقاق جنت اور وعدۂ ثواب میں دونوں کو شریک کرنے کا اعلان......

ہم نے صرف بیس آیات گنوائی ہیں۔ اگر دامن اوراق تنگ نہ ہوتا تو...... اس لیے یہ معاملہ اہل انصاف کے غور وفکر اور اربابِ اخلاص کے فہم وفراست پر چھوڑتے ہیں کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی شانِ اقدس انھیں ان آیات سے معلوم ہوتی ہے یا نہیں......

اخلاص صحابہ اور تعامل نبوی کی شہادت...... حضرت شیخ الاسلام نے حکم خداوندی کی روشنی میں اور نبی اکرمؐ کے ان حضرات کے ساتھ سلوک اور برتاؤ سے ان کے اخلاص پر استدلال کیا ہے......

یا ایہا النبی جاھد الکفار و المنافقین الآیہ...... ولا ترکنوا الی الذین ظلمو (الآیہ)

اس فرمانِ خداوندی کے باوجود ان سے محبت و پیار...... اور ان سے رشتہ داریاں قائم کرنا...... اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ مقدس ہستیاں نگاہِ خدا اور نگاہِ مصطفیٰ...... میں پاکیزہ اور مقدس اور سراپا اخلاص تھیں......

اہل بدر اور شہادت نبوی

فی الجمع عن الباقر علیہ السلام ان النبی لما نظر الی کثرۃ عدد المشرکین و قلہ عدد المسلمین استقبل القبلہ و قال اللھم انجزلی ما وعدتنی انھم ان تھلك ھذہ العصابۃ لم تعبد فی الارض۔

نبی اکرمؐ نے جب لشکر کفار ومشرکین کی کثرت دیکھی اور اہل اسلام کی قلت تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی اے اللہ میرے ساتھ کیا ہوا وعدۂ نصرت پورا فرما۔ اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔......

حدثنا ان رسول اللہ قال اللہ یوم بدر اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم

رسولؐ خدا نے اہل بدر کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم جو چاہو کرو کیونکہ میں نے تمھیں بخش دیا ہے...... (شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰)

اہل حنین اور شہادت نبوی

ثم رفع راسه الی السماء فقال اللهم ان تهلك هذه العصابة لم تعبد ۔ پھر رسولؐ نے (اہل اسلام کے وقتی طور پر پیچھے ہٹنے پر) آسمان کی طرف سر اٹھایا...... اور عرض کیا: اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی ...... یہی تفسیر قمی میں موجود ہے ...... الغرض اہل حنین کے بارے میں بھی وہی فرمایا۔ جو اہل بدر کے متعلق فرمایا تھا...... سرور عالمؐ نے دونوں گروپوں کو اساس عبادت قرار دیا کہ اگر یہ جماعت بدر میں اور وہ جماعت حنین میں ہلاک ہوگئی تو پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی...... تو ان کے ایمان واخلاص میں کون مسلمان شک کرسکتا ہے۔

(تحفہ حسینیہ جلد ا از صفحہ ۲۱۲ تا ۲۳۳)

④ اس پر ہمارا تبصرہ:

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں

سیالوی صاحب کے پورے بائیس صفحات پر پھیلے ہوئے طویل و عریض مضمون کا خلاصہ در خلاصہ پیش کرتے ہوئے بھی چار پانچ صفحات سیاہ ہو ہی گئے۔ کیونکہ ہم یہ چاہتے تھے کہ خلاصہ پیش کرتے وقت ان کے استدلال کی روح مجروح نہ ہو جائے۔

مدح صحابہ میں سیالوی صاحب کی پیش کردہ بیس ۲۰ عدد آیات کا جواب موصوف نے مدح و فضائل صحابہ میں صرف بیس عدد آیات پیش کی ہیں۔ مگر مولوی کرم دین آف بھیں نے تو آفتابِ ہدایت میں پوری ستائیس آیات پیش کی تھیں۔ مگر نالہ پھر بھی وہیں رہا...... اور وہ اپنے خاص ممدوح صحابہ کرام کا نہ ایمان ثابت کر سکے اور نہ اخلاص اور نہ مخلصانہ ہجرت اور نہ جہاد...... جیسا کہ ہم ان باتوں کا اجمالاً تذکرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

جناب سیالوی نے پہلے دلیل عقل وخرد کا عنوان قائم کر کے ایمانِ ثلاثہ پر یہ عقلی استدلال پیش کیا ہے کہ جس وقت آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو اپنے پرائے سب دشمن تھے۔ اور آپؐ کے پاس نہ مال تھا نہ زر اور نہ کوئی حکومت۔ تو ان حالات میں جو لوگ اسلام لائے اور آپ کا ساتھ دیا تو سوائے اعتقادِ حق کے اس کا اور کیا محرک ہوسکتا تھا؟ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو...... اس کی کوئی نظیر نظر آتی ہے؟

اس عقلی استدلال کا جواب یہ ہے کہ: کسی چیز کے تسلیم کرنے یا کوئی زحمت برداشت کرنے کا کوئی محرک تو ضرور ہوتا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس وقت حاضر اور موجود بھی ہو۔ لوگ اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لیے کیا کیا زحمات و مشقات برداشت نہیں کرتے۔ ملکی انتخابات کے موقع پر دیکھا گیا ہے کہ وہ فرعون صفت لوگ جو غرباء سے ہاتھ ملانا بھی گوارا نہیں کرتے تو اس موقع پر غرباء کو گلے لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور جو کسی غریب و مسکین کی خوشی وغمی میں شرکت کرنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں وہ ان دنوں دس دس سال پہلے مرنے والوں کی بھی فاتحہ خوانی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، جن کو گھر والے بھی بھول چکے ہوتے ہیں، اور جو کنجوس مالدار کسی کو گناہ بھی نہیں دیتے وہ بھی ایسے مواقع پر پانی کی طرح دولت بہاتے ہیں۔ کیونکہ؟ صرف مستقبل کو سنوارنے کی خاطر کہ آج ایک لاکھ خرچ کریں گے تو ممبر بن کر ایک کروڑ کمائیں گے۔

اسی طرح ایک طالب علم اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لیے شب و روز ایک کر کے اور محنت شاقہ کر کے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے خرچ کر کے ایم اے کرتا ہے، اسی طرح پہلے صاحب کو بحیرہ راہب نے شام کے سفر تجارت میں یہ پیش گوئی کی تھی کہ تمھارے ہاں عنقریب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اوائل میں تو اُسے بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر بالآخر وہ کامیاب ہو جائے گا۔ تم اس کی فوراً تصدیق کرنا۔ کیونکہ تمھیں ان کے بعد زمام اقتدار ملے گی۔ (سیرتِ حلبیہ وغیرہ تفصیل بعد میں آرہی ہے)

پیش کردہ بیس عدد آیات کا جواب

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ہجرت ہو یا جہاد، نماز ہو یا روزہ وغیرہ، ہر عمل کی صحت اور قبولیت کے لیے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔

پہلی شرط ایمان ہے

جب کہ ارشاد قدرت ہے: ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثی و ھو مومن (القرآن) جو شخص بھی مرد ہو یا عورت نیک عمل بجا لائے بشرطیکہ اس کے اندر ایمان ہو (اللہ تعالیٰ اُسے ضرور جزائے خیر دے گا) اور یہاں اسی گوہر گرانمایہ کا فقدان نظر آتا ہے۔ جیسا کہ سیالوی صاحب کے اس تمہیدی بیان سے فارغ ہونے کے بعد پیر صاحب آف سیال شریف کے استدلال کے جواب میں "تنزیہ الامامیہ" کے اندر اس کی تفصیل آرہی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ بیعت رضوان میں بھی خدا صرف

ان بیعت کرنے والوں سے راضی ہوا تھا جو مومن تھے (لقد رضی اللہ عن المومنین)

دوسری شرط اخلاص ہے

ارشادِ قدرت: من کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً و لا یشرک بعبادۃ ربہ احدا ۔ یعنی جو شخص خدا کی خوشنودی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ خلوصِ نیت کے ساتھ نیک عمل کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ (یعنی ریا کاری نہ کرے) اور پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ:

انما الاعمال بالنیات فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ ، فھجرتہ الی اللہ و رسولہ و من کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ تیزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔

یعنی تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ پس جس شخص کی ہجرت خدا اور رسولؐ کی خاطر ہے تو اس کی ہجرت تو خدا اور رسولؐ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی خاطر ہے پس اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف متصور ہوگی جس کی خاطر اس نے ہجرت کی ہے (مشکوٰۃ شریف حدیث اول) اور یہاں جب پہلی شرط ایمان کا ہی فقدان ہے تو اخلاص کہاں سے آئے گا؟؟

اصحابِ ثلاثہ کا جہاد

سیالوی صاحب نے جنگ بدر سے لے کر جنگ حنین تک کی متعلقہ آیات پیش کرنے کی کتنی بڑی زحمت کی ہے مگر اے کاش کہ ان اسلامی غزوات میں اپنے محبوب القلوب اصحاب ثلاثہ کا کوئی جنگی کارنامہ بھی پیش کرنے کی زحمت فرماتے ہیں کہ فلاں جنگ میں اتنے کافروں کو مارا اور فلاں جنگ میں اتنے مشرکوں کو واصل جہنم کیا...... یا اگر اور کچھ نہیں ثابت کر سکتے تھے تو کم از کم تاریخ اسلام کی روشنی میں صرف یہ ثابت کر دیتے کہ فلاں فلاں جنگ میں انہوں نے کافروں سے اتنی اتنی مار کھائی اور اتنے اتنے زخم کھائے۔

مگر جب ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان حضرات کا دامن اس جہاد والی سعادت سے بالکل خالی نظر آتا ہے۔ اگرچہ ان حضرات کی زندگی کا خاصا حصّہ آنحضرتؐ کے ساتھ اسلامی غزوات میں شرکت کرتے ہوئے گزرا۔ مگر بعض ظریف مؤرخین کا یہ دلچسپ بیان ہے کہ:

ما ضربوا و لا ضربوا قط۔

یعنی "پورے اسلامی غزوات میں نہ کبھی کسی کافر و مشرک کو کوئی ضرب لگائی اور نہ کبھی

کسی کافر و مشرک سے کوئی چوٹ کھائی"......

بلکہ اکثر جنگوں میں تو راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسے جنگ اُحد، خیبر اور جنگ حنین وغیرہ۔

جیسا کہ صحیح بخاری کتاب المغازی صفحہ ۶۲۴ پر صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کا بیان ہے:

"انهزم المسلمون و انهزمت معهم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس فقلت له ماشان الناس قال امر الله"۔ جنگ حنین سے مُسلمان بھاگے اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ اچانک میں نے عمر بن خطاب کو بھی اُنھی بھاگنے والوں میں پایا۔ پوچھا لوگوں کا یہ کیا حال ہے؟ عمر نے کہا حکم خدا مانع تھا۔ نیز جنگ خیبر سے ابوبکر و عمر دونوں فرار ہوئے۔ (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۳ و ۲۶۴)

اور ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۴۹ پر حضرت عمر کے کارناموں مین یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ بھاگے تو فوج بھی بھاگی۔ "جاؤا یجنبونه و یجنبهم"۔ فوج ان کو بزدل کہہ رہی ہے اور یہ فوج کو بزدل بتا رہے تھے۔ والتفصیل مقام آخر۔

اینها همه راز است که معلوم عوام است

سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

مزعومہ حدیث اعملوا ماشئتم پر تبصرہ

سیالوی صاحب نے اپنے بیان کے آخر میں جو جعلی حدیث پیش کی ہے کہ خدا نے شرکاء بدر سے فرمایا:

"اعملوا ما شئتم فانی غفرت لکم"۔

"تم جو چاہو کرو، میں نے تمھارے گناہ معاف کر دیے ہیں"۔

اس قسم کی کوئی روایت خواہ وہ جس مذہب و مسلک کی کتابوں میں پائی جائے، وہ نہ قابل اعتماد ہے اور نہ ہی اسلام کے مزاج اور خدا و مصطفیٰ ﷺ کے طریقہ کار کے مطابق ہے۔ اس طرح گنہ گاروں کو کُھلّم کُھلا گناہ و عصیان کی چھٹی دینا خدائے علیم و حکیم کی حکمت اور مصطفیٰ ﷺ کی مصلحت کی منافی ہے۔

کتب احادیث و تواریخ میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ تحریر ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور

بعد والے صحابہ کرام میں بدری صحابہ کو شراب نوشی وغیرہ کی حدود لگائی ہیں جو اس جعلی روایت کے بطلان وابطال کے لیے کافی ہے۔

قصہ قدامہ بن مظعون حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس محولہ روایت پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۱۴ طبع بولاق مصر ۱۳۰۱ھ

اور فتح الباری کی اسی جلد صفحہ ۴۴۹ پر لکھتے ہیں: "و قد استشكلت اقامة الحد على مسطح بقذف عائشة مع انه من اهل بدر"۔ "بلاشک قذف عائشہ میں حضرت مُسطح پر حد قائم کرنی مُشکل سمجھی گئی۔ کیونکہ وہ اہل بدر میں سے تھا"۔

قدامہ بن مظعون بدری صحابی ہیں، ان پر شراب پینے کی حد لگائی گئی۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۴۸ ازالۃ الخفاء للشاہ ولی اللہ الدہلوی مقصد ۲ صفحہ ۱۵۲ مطبع صدیقی بریلی)

ہمیں افسوس ہے کہ بیچارے سیالوی صاحب نے طائر بسمل کی طرح ہاتھ پیر تو بہت مارے ہیں اور اِدھر اُدھر سے رطب ویابس کا انبار بھی لگایا ہے اور بموجب ع

"کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا"

پر فائدہ کچھ بھی نہ ہوا۔ سچ ہے کہ ؎

گلیم بخت کسے کہ بافتہ اند سیاہ
بآبِ کوثر و تسنیم سفید نتواں کرد

تیسرا باب

فصل اول

ابوبکر صاحب کے اسلام لانے کا اصل محرک

① تنزیہ الامامیہ:

جناب رسولِ خداؐ نے ابھی تک اعلانِ نبوت نہیں کیا تھا کہ جناب ابوبکر کی سفر تجارت کے سلسلہ میں شام جاتے ہوئے بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے رسمی احوال پرسی کے بعد پیش گوئی کی کہ عنقریب تم میں ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا اور تکالیف شاقہ برداشت کرنے کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ تم اس کی تصدیق کرنا۔ کیونکہ اس نبی کے بعد زمامِ اقتدار تمھیں ملے گی۔ (ملاحظہ ہو سیرتِ حلبیہ ج ا ص ۲۱۰ تاریخ الخلفاء ص ۲۳، صواعق محرقہ ص ۲۵)

چونکہ ابوبکر صاحب کو راہب کی بات پر پختہ یقین تھا، اس لیے جب آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو یہ بظاہر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے، اور حصولِ اقتدار اور عروسِ حکومت سے ہمکنار ہونے کے لیے بقولِ مؤلف تمام تر تکالیف کو بطیبِ خاطر برداشت کیا، جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ شاہد ہے کہ لوگ نفع کثیر کی خاطر نقصان یسیر برداشت کیا ہی کرتے ہیں۔ چونکہ خلیفہ صاحب کے دل ودماغ میں راہب کی پیش گوئی راسخ تھی۔ اس لیے دنیا کے غنائم اور حصولِ حکومت کے لالچ میں آکر سب کچھ گوارا کیا۔

خلیفہ صاحب کے قلبی مرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسولِ خداؐ نے فرمایا: "الشرک فیکم اخفیٰ من دبیب النمل" کہ "شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے"۔

(تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۵۴ کنزل العمال ج ۲ ص ۱۲۹)

نیز آنحضرتؐ نے یہ فرما کر ابوبکر کی سبقتِ اسلامی کا بھانڈا ابھی چوراہے پر پھوڑا ہے کہ "ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا صلوۃ الا بشئی وقر فی قلبہ" یعنی ابوبکر نے روزہ رکھنے، نماز پڑھنے میں تم پر سبقت حاصل نہیں کی بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے کی ہے جو ان کے دل میں راسخ تھی۔ یعنی بحیرہ

راہب کی پیشگوئی۔

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

۲ اس پر جناب اشرف سیالوی صاحب کی تنقید:

ڈھکو صاحب نے قرآن مجید اور ارشاداتِ رسولؐ اور ارشادات ائمہؑ جو اصحاب ثلاثہ کے اخلاص پر دلالت کرتے ہیں، ان کے مقابل اور معارض اقوال پیش کر کے حضرت شیخ الاسلام کے استدلال کا توڑ پیش کرنا چاہا ہے اور اس میں ترتیب خلافت کو سامنے رکھ کر اپنے قلبی بغض کا اظہار کیا ہے۔ سیرت حلبیہ اور صواعق محرقہ میں مرقوم روایت لاکر اس سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ ڈھکو صاحب کی اپنی افتادہ طبع ہے...... ہم ذیل میں اس استدلال کی عقلی و نقلی حیثیت واضح کرتے ہیں۔

۱ قابل توجہ امر یہ ہے کہ آیا قرآن مجید کی آیاتِ صریحہ اور احادیث صحیحہ کے مقابل سیرتِ حلبیہ کی روایت سے خودساختہ وتراشیدہ مطلوب پیش کرنا کسی بااصول عالم دین بلکہ کسی مسلمان کے نزدیک قابل قبول ہوسکتا ہے۔

۲ دلیل وہ ہونی چاہیے جو دعویٰ اور مدلول کو مستلزم ہو...... لیکن اس روایت میں اس قسم کا کوئی استلزام موجود نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے خلوصِ دل سے ایمان لائے ہوں اور راہب کی خبر کے ہردو حصوں کا یقین کیا ہو۔

۳ بحیرہ راہب نے جو کچھ آپ کو بتلایا تھا، اس میں نبی اکرمؐ کا نبی آخرالزمان ہونا بھی داخل تھا...... اگر آپ کو اس کی بات سن کر اپنے وزیر و خلیفہ ہونے کا یقین آ گیا تھا تو آپؐ کی نبوت کا یقین کیونکر نہ ہوا......

۴ نبی اکرمؐ ملک عرب کے بادشاہ بن چکے ہوتے یا آپؐ کے حالات سازگار ہوتے تو پھر اس توہم کی گنجائش تھی۔

۵ راہب نے جس وزارت اور خلافت کی خبر دی تھی وہ ذاتی رائے اور رمل و نجوم کے علم پر مبنی تھی یا اللہ تعالیٰ کی منزل کتاب ازلی کا فیصلہ اور محیط علم غیب کی بنا پر۔

۶ اگر یہ خلافت ظالمانہ تھی تو راہب کو بطور بشارت اور مژدہ اس کو ذکر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا۔

۷ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ یہ محض شورائی خلافت نہیں تھی بلکہ اس کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے ازلی کلام میں ہوچکے تھے۔

⑧ چلیے ڈھکو صاحب کے ادعاء باطل کے مطابق ابوبکر صدیق کو تو یہ حرص و لالچ تھا......مگر دوسرے مہاجرین وانصار کو کس نے مجبور کیا۔

⑨ مہاجرین کا اخلاص قول باری تعالیٰ سے یبتغون فضلا من ربھم و رضوانہ سے واضح ہے جن کے پیشوا صدیق اکبر تھے۔

⑩ راہب نے آپ کے خواب کی کہ "چاند طلوع ہوا اور اس کا ایک ٹکڑا مکہ کے ہر گھر میں گرا اور پھر وہ مکمل ہو کر آپ کی گود میں آ گیا"......تعبیر بتائی؟

مؤلف کا دوسرا شبہ اور اس کا جواب

ڈھکو صاحب نے روئے سخن حضرت صدیق کی طرف ہونے کی وجہ سے آپ کو مورد الزام ٹھہرایا...... بسا اوقات ایک اہم ہستی کی طرف روئے سخن ہوتا ہے اور مراد دوسرے لوگ ہوتے ہیں ۔جیسے: ولا تمدن عینیك ......فعل بعض کا ہوتا ہے اور نسبت سب کی طرف دی جاتی ہے ۔جیسے: قتلتم نفسا فادار ئتم فیھا...... یہاں بھی یہی صورت حال ہے۔

......خود حضرت علیؑ نے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے اخلاص کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا:"کان افضلھم فی الاسلام کما زعمت...... علاوہ بریں شرک خفی نام ہے ریا کاری کا اور کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی...... لہٰذا طبیب روحانی نے اپنے زیر تربیت غلاموں کو حکم دیا کہ......اس سے ہوشیار رہو...... حضرت ابوبکر اتقی ہیں جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں ہے:عن ابن الزبیر قال ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر...... لہٰذا ایسی ہستی میں قلیل ترین ریا کاری بھی برداشت نہیں ہو سکتی......

(تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۹)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

یہاں بھی حسب عادت سیالوی صاحب نے طول لاطائل سے کام لیتے ہوئے اپنے رسالہ کے قریباً چودہ صفحے سیاہ کیے ہیں، جن کا خلاصہ ہم نے سطور بالا میں پیش کر دیا ہے......سو سیالوی صاحب جس قدر چاہیں طول کلام سے کام لیں اور سب کو الجھائیں ۔مگر:

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

سو واضح ہو کہ اگر کوئی شخص استدلال کرنے والا قرآن سے استدلال کرے تو وہاں صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مفہوم و مطلب کیا ہے؟ کیونکہ سند وصحت تو لاریب ہے اور اگر

حدیث سے کرے تو وہاں دو چیزیں قابل غور ہوتی ہیں۔ ① اول یہ کہ اس کی سند کیا ہے یعنی آیا قابل قبول ہے یا نا قابل اعتماد ہے؟ اور ② دوم یہ کہ اس کا مطلب و مفہوم کیا ہے؟

بنابریں ہم نے چونکہ ایمانِ ابوبکر کے سلسلہ میں بحیرہ راہب والی روایت پیش کی ہے اس کے بارے میں پہلی چیز تو طے ہوگئی کہ وہ روایت قابل قبول ہے۔ چنانچہ سیالوی صاحب رقمطراز ہیں: " سیرت حلبیہ اور صواعق محرقہ میں مرقوم روایت بجا" مگر ان کو ہمارے اخذ کردہ مفہوم پر ایراد ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "مگر اس سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ ڈھکو صاحب کی اپنی افتادِ طبع ہے"۔
(تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۶)

اس پر سیالوی صاحب نے دس عدد تنقیحات قائم کی ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ترتیب وار ان پر مختصر مختصر تبصرہ کرتے ہیں:

① قابل توجہ امر یہ ہے کہ آیا قرآن مجید کے آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کے مقابل سیرت حلبیہ کی روایت سے خود ساختہ اور تراشیدہ مطلوب پیش کرنا کسی با اصول عالم دین بلکہ ایک مُسلمان کے نزدیک قابل قبول ہو سکتا ہے؟؟...... اس کا جواب واضح ہے کہ بے شک مؤلف نے سطور بالا میں بیس عدد آیات عام مہاجرین وانصار وغیرہم کے حق میں پیش کی ہیں۔ مگر کسی ایک میں بھی جناب ابوبکر صاحب کا نام نہیں ہے اور یہ منطق اور اصول کا مُسلمہ قاعدہ ہے کہ "لا دلالۃ للعام علی الخاص باحدی الدلالات الثلاث" کہ عام کو خاص پر تین دلالتوں میں سے کوئی ایک دلالت بھی نہیں ہے...... لہٰذا ایسی آیت پیش کرو جس میں خلیفہ صاحب کا نام ہو...... یا کوئی صحیح السند حدیث پیش کرو جس میں جناب موصوف کی شان بیان کی گئی ہو۔ ان بھول بھلیوں سے کچھ نہیں بنتا۔

② " دلیل وہ ہونی چاہیے جو دعویٰ اور مدلول کو مستلزم ہو اور عقلاً تحقیقی دلیل کے بعد مدلول کا متحقق نہ ہونا باطل ہوتا ہے۔ لیکن اس روایت میں اس طرح کا کوئی استلزام موجود نہیں ہے۔ یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر ہو سکتا ہے خلوص سے ایمان لائے ہوں...... (تحفہ حسینیہ جلد ۱ ص ۲۳۷)

اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ دلالت کی تین قسمیں ہیں: ① مطابقی ② تضمنی ③ اور التزامی۔ اور جس التزام کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے، وہ ہر دلالت میں موجود نہیں ہوتا، بلکہ صرف بعض میں ایسا ہوتا ہے لہٰذا سیالوی صاحب کا یہ کہنا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والی بات ہے کہ: "یہ خبر سن کر ہو سکتا ہے حضرت ابوبکر خلوص سے ایمان لائے ہوں"۔ ورنہ ظاہر بلکہ اظہر وہی بات ہے

کہ بحیرہ راہب کی اس پیشگوئی سے متاثر ہو کر اسلام لائے کہ "اس میں تھا کہ اس مدعیٔ نبوت کی کامیابی کے بعد زمام اقتدار تمھیں ملنے والی ہے"۔ کما لا یخفی علی اولی الالباب

③ "بحیرہ راہب نے جو کچھ آپ کو بتلایا تھا اس میں نبی اکرمؐ کا نبی آخر الزمان ہونا بھی تھا...... اگر آپ کو یہ بات سن کر اپنے وزیر و خلیفہ ہونے کا یقین آ گیا تھا تو آپ کی نبوت و رسالت کا یقین کیونکر نہ ہوا"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۳۸)......اس تنقیح کا جواب بھی روشن ہے کہ بحیرہ راہب کی اس پیش گوئی میں جناب پیغمبر اکرمؐ کے نبی آخر الزمان ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ صرف یہ بیان ہے کہ ایک مدعیٔ نبوت اعلانِ نبوت کرے گا۔ جسے پہلے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا مگر آخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا یعنی اس کو اقتدار حاصل ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ اقتدار تمھیں ملے گا۔ لہٰذا اس ساری پیشینگوئی میں بیت القصیدہ بات یہی تھی کہ اس مدعیٔ نبوت کے بعد اقتدار آپ کو ملے گا۔ لہٰذا بموجب "دُنیا بامید قائم است" اس متوقع اِقتدار کے طمع و لالچ میں جناب نے اظہارِ اسلام کیا اور آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دوسری بات صرف اِحتمالی ہے اور یہ بات یقینی ہے۔

④ "نبی اکرمؐ ملک عرب کے مالک بن چکے ہوتے، آپ کے لیے حالات سازگار ہوتے تو پھر تو اس توہم کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی۔ مگر مکی زندگی کے تیرہ سال انتہائی پر آشوب تھے۔ پھر مدنی زندگی میں بھی جنگ بدر، جنگ اُحد...... صرف اس موہوم اُمید پر کون برداشت کر سکتا ہے"۔؟...... (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۳۹)...... قبل ازیں ہم اپنا مشاہدہ بیان کر چکے ہیں اور یہ سب کا مشاہدہ ہے کہ انتخابات کے دوران مستقبل کے سہانے خوابوں کی خاطر لوگ کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں اور اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لیے کیا کیا زحمتیں برداشت کرتے ہیں۔ اور یہاں تو امید بھی موہوم نہیں تھی، بلکہ اقتدار کا یقین تھا۔ کیونکہ خلیفہ صاحب کو بحیرہ راہب کی اس پیش گوئی پر یقین تھا، تو اگر اس اقتدار کی خاطر کچھ چند روزہ شدائد جھیل لئے ہوں تو اس میں کیا جائے تعجب ہے؟

⑤ راہب نے جس وزارت اور خلافت کی خبر دی تھی وہ ذاتی رائے اور نجوم و رمل کے علم پر مبنی تھی، یا اللہ تعالیٰ کی منزل کتب میں ازلی فیصلہ اور محیط علم غیب کی بنا پر تھی...... (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۳۹)......اس تنقیح کا جواب بھی واضح ہے کہ یہ پیشینگوئی خواہ بحیرہ راہب کے علم نجوم و رمل کی بنا پر ہو یا منزل کتابوں کی وجہ سے ہو، بہر حال یہ اس طرح کی پیشگوئی ہے جس طرح

یہ ہے کہ قیامت سے پہلے یاجوج ماجوج آئیں گے، دجال خروج کرے گا، یہ ہوگا اور وہ ہوگا ...... پیشینگوئی سے کسی کا سچا یا جھوٹا ہونا واضح نہیں ہوتا۔ اس سے تو صرف اس واقعہ کا وقوع پذیر ہونا ثابت ہوتا ہے یا پیشینگوئی کرنے والے کی صداقت اس سے اس واقعہ کا حق یا باطل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ وذالك اوضح من ان يخفى

(۶) "اگر یہ خلافت ظالمانہ تھی تو راہب کو بطور بشارت اور مژدہ اس کو ذکر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا"۔...... (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۰)...... اس تنقیح کا تحقیقی جواب بھی سابقہ تنقیح نمبر ۵ کے جواب سے مہر نیم روز کی طرح واضح وعیاں ہے کہ پیشینگوئی صرف پیشینگوئی ہی ہوتی ہے کہ فلاں تاریخ کو سورج گہن لگے گا، فلاں وقت چاند گہن ہوگا، فلاں وقت گرج چمک کے ساتھ بارش ہوگی، فلاں وقت آندھی آئے گی اور فلاں وقت فلاں بیماری عام ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ اس سے پیشینگوئی کرنے والے کی علمی وفنی مہارت تو ثابت ہو جاتی ہے۔ مگر اس سے وقوع پذیر ہونے والے واقعہ کی حقانیت یا بطلان کا پتا نہیں چل سکتا۔

(۷) "نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ محض شورائی خلافت نہیں تھی، بلکہ اس کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے ازلی کلام میں ہو چکے تھے...... "اس اجماع واتفاق نے اس ازلی فیصلے پر مہر تصدیق لگا دی"۔ اسی ایک بات کی بار بار تکرار کی جارہی ہے۔ عنوان بدلنے سے کسی چیز کی حقیقت تو نہیں بدل جاتی ؟...... بحیرہ راہب نے صرف یہ پیشینگوئی کی تھی، اس نے یہ وضاحت تو نہیں کی تھی کہ اس کی یہ پیشینگوئی اس کے علم نجوم ورمل کا نتیجہ ہے۔ یا آسمانی کتب میں پڑھنے کا ثمرہ ہے اور اگر کتب میں تھی، تو یہ کوئی خدائی تقرری ہے یا صرف پیشینگوئی ہے؟ بھلا ایک عیسائی کا اسلامی خلافت سے کیا تعلق؟ اس میں صرف اقتدار کے حاصل ہونے کی پیشینگوئی ہے؟۔ وبس۔

(۸) "چلئے ڈھکو صاحب آپ کے ادعاء باطل کے مطابق ابوبکر صدیق کو تو یہ حرص اور لالچ تھا، لہذا مشکلات بھی برداشت کیں اور بظاہر اسلام بھی لے آئے۔ مگر دوسرے مہاجرین وانصار کو کس نے مجبور کیا تھا۔ الخ...... (تحفہ حسینیہ جلد ۱ ص ۲۴۱)...... جب بحث صرف سیالوی صاحب کے محبوب القلوب اصحاب ثلاثہ کے اسلام کی ہو رہی ہے تو خلط مبحث کرتے ہوئے آپ دوسرے مہاجرین وانصار کو اس میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟ جبکہ ان کا اسلام محل بحث نہیں ہے، لہذا اصلی موضوع پر بحث کریں اور لایعنی اور غیر متعلقہ بحث میں ٹانگ نہ اڑائیں اسی میں آپ کی سلامتی ہے۔

⑨ مہاجرین کا اخلاص قول باری تعالیٰ یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا ...... سے ظاہر ہے اور ان سب کے امام و پیشوا صدیق اکبر ٹھہرے تو ان کے اخلاص میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے...... (تحفہ حسینیہ جلد ا ص ۲۴۲)...... اس تنقیح کا جواب بھی واضح ہے ...... کیونکہ اس وقت نہ دوسرے مہاجرین وانصار کا اسلام و ایمان زیر بحث ہے اور نہ اُن کا اخلاص و ایثار اس وقت موضوع سخن اصحاب ثلاثہ کا ایمان ہے اور ان میں سے بھی سر دست خلیفۂ اول کے اسلام پر گفتگو ہو رہی ہے۔ لہٰذا اس سے اِدھر اُدھر جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ...... اور جہاں تک جناب ابوبکر صاحب کے ان کے امام و پیشوا ہونے کا تعلق ہے تو اولاً توان کا سب مہاجرین و انصار کا پیشوا ہونا غلط ہے۔ کیونکہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ بہت سے مہاجرین وانصار ان کی خلافت سے متفق نہیں تھے۔ اور ثانیاً اشتباہ ممکن ہوتا ہے کہ ایک آدمی امام النار کو امام الجنۃ سمجھ لیتا ہے۔ کیونکہ امام دو قسم کے ہیں۔ ① وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا ② وجعلنا هم ائمة يدعون الى النار...... فافهم فانهٗ مفید۔

⑩ "راہب نے آپ کے خواب کی کہ چاند طلوع ہوا اور اس کا ایک ایک ٹکڑا مکہ شریف کے ہر گھر میں گرا الخ...... (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۴۳)...... سیالوی صاحب بھرتی کی خاطر خیالی پلاؤ پکاتے جاتے ہیں ۱، ۲، ۳، وغیرہ وغیرہ۔ اور آخر میں لکھتے ہیں: تلك عشرة كاملة...... مگر عقل و فکر کی کوئی بات بھی نہیں کی۔ بھلا خوابوں سے بھی اسلامی مسائل حل ہوتے ہیں؟ جبکہ خواب بھی غیر معصوم کا ہو۔ یاد رکھیے کہ "ان دين الله لا يصاب بالمنام" کہ اللہ تعالیٰ کا دین خوابوں سے درست نہیں ہو سکتا۔ عموماً خواب خیال ہوتے ہیں اور خوابوں پر کوئی عمارت تعمیر کرنا عقلمندی کی دلیل نہیں ہے۔

قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين

ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں اِسلام ابوبکر کے ضمن میں لکھا تھا کہ: "ابوبکر صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الشرك فيكم اخفى من دبيب النمل" کہ شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۴، کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۱۶۱)

① بعض اوقات ایک اہم ہستی کی طرف روئے سخن کیا جاتا ہے لیکن مراد دوسرے ہوتے ہیں ...... جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تمدن عينيك الى ما متعنا به (الآیہ) ...... حالانکہ جس ذات مُقدّس نے کونین کی نعمتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے فقر و مسکنت کو اختیار فرمایا...... یہاں

مراد دوسرے لوگ ہیں اور یہی معاملہ حضرت ابوبکر کا ہے۔

(۲) الشرك اخفی فیکم کا خطاب اگرچہ عام ہے، لیکن کبھی عام سے عموم والا معنی مراد نہیں ہوتا، بلکہ بعض کا فعل ہوتا ہے...... جس طرح بنی اسرائیل کا واقعہ بعض نے قتل کیا، مگر نسبت سب کی طرف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "و اذ قتلتم نفسا فادارأتم فیھا۔ لہٰذا قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اس شرک خفی میں مبتلا ہو تو آپ کا فرمان صادق ہو جائے گا۔

(۳) خود حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے اخلاص کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا: کان افضلھم کما زعمت و انصحہ اللہ و الرسول الخلیفہ الصدیق...... (شرح میثم بحرانی ص ۴۸۸)

(۴) شرک خفی نام ہے ریاکاری کا، اور کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور وہ اندر ہی اندر ترقی کرتا رہتا ہے...... لہٰذا طبیب روحانی نے زیر تربیت غلاموں کو اس کی اہمیت بتلانے کے لیے فرمایا کہ چیونٹی کی چال...... لہٰذا اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے...... خود اسی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ ابوبکر صدیق نے عرض کیا: ھل الشرك الا من جعل مع اللہ الھا آخر ...... اور دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے عرض کیا: ھل الشرك الا ما عبد من دون اللہ او ما دعی مع اللہ...... یعنی کیا شرک تو صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو الٰہ اور معبود مانا جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا نہیں وہ چیونٹی کی طرح سرایت کرتا ہے...... شرک خفی ایمان کے منافی نہیں۔ مگر کمال صدیق کے منافی ہے۔ کیونکہ وہ اتقی اہیں اور مجمع البیان میں ہے کہ اتقی (بہت بڑا متقی) حضرت ابوبکر ہیں...... (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۹)

بیچارے سیالوی صاحب اپنے خلیفہ اول کی گرتی ہوئی پوزیشن کو سہارا دینے کے لیے ہاتھ پاؤں تو بہت مارتے ہیں مگر: ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

چنانچہ موصوف نے جس طرح اسلام ابوبکر کے بارے میں دس عدد تنقیحات قائم کی تھیں جنھیں ہم نے بفضلہ تعالیٰ گرز حق سے ھباءً منثورا کر دیا...... اسی طرح یہاں اپنے خلیفہ کے دامن کو شرک جیسے نا قابل بخشش گناہ کی آلودگی سے صاف رکھنے کی خاطر چار تنقیحیں قائم کی ہیں۔ مگر سب بے سود ہیں۔

(۱) اگر کسی ہستی کی عصمت و طہارت آیات قرآنیہ اور مسلماتِ عقلیہ سے ثابت ہو اور بظاہر کسی آیت یا روایت سے اس کی عصمت پر زد پڑتی ہو تو اس کی تاویل واجب ہوتی ہے جیسے پیغمبر اسلام کے بارے میں وارد شدہ یہ آیت ولا تمدن عینیك الآیہ۔ مگر جناب خلیفہ

صاحب کی تو وہ پوزیشن نہیں ہے...... پھر یہاں کس بنیاد پر روایت کی تاویل کی جائے؟

(۲) ہاں یہ درست ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کام بعض افراد کرتے ہیں اور مجازاً نسبت سب کی طرف دی جاتی ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے مقتول کی یہی کیفیت ہے، جب کہ دوسرے لوگ اس کام پر راضی ہوں مگر حقیقی معنوں سے دست برداری اور مجازی معنی کے اختیار کرنے کے لیے کسی قطعی قرینہ کا ہونا لازم ہے...... جو یہاں مفقود ہے، تو پھر بلا بینہ و برہان کس طرح یہاں وہ تاویل کی جاسکتی ہے۔ ع

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

(۳) خلیفہ صاحب کی جس فرضی فضیلت کی نسبت حضرت امیر علیہ السلام کی طرف دی گئی ہے، وہ بالکل بے بنیاد ہے اور سیالوی صاحب کی دھوکا دہی اور فریب کاری ہے، ورنہ یہ حقیقت ان کو بھی یقیناً معلوم ہوگی کہ "نہج البلاغہ" اور اس کی "شرح میثم بحرانی" میں حضرت علیؑ اور معاویہ کی جو خط و کتابت درج ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ جب الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے معاویہ حضرت علیؑ کو خط لکھتا ہے۔ کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد جو سب سے افضل تھا وہ خلیفہ اول تھا اس کے بعد عمر تھا اور آپ نے ان کے خلاف سازشیں کیں اور بغاوتیں کیں۔ (العیاذ باللہ)
(مطلب یہ تھا کہ اگر آپ نے میرے خلاف یورش کی ہے تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے؟) تو جناب امیر علیہ السلام نے اس کے اس مکتوب کا دندان شکن جواب دیا۔ جس کے ڈیڑھ دو جملے یہاں نقل کیے گئے ہیں۔ مولائے کائناتؑ کا یہ جملہ ہی اس سارے گھروندے کو گرانے کے لیے کافی ہے کہ "وکان افضلھم کما زعمت" "یہ تیرا گمانِ فاسد ہے کہ خلیفہ صدیق سب سے افضل و اعلیٰ تھا"...... مولی علی علیہ السلام تو معاویہ کے خیال کی ترجمانی فرما رہے ہیں اس کا جناب امیر علیہ السلام کے اصلی اعتقاد بحق ثلاثہ سے کیا تعلق؟ اگر یہ بات معلوم کرنی ہے کہ مولا امیر علیہ السلام ان اصحابِ ثلاثہ کو کیا جانتے تھے تو پھر "نہج البلاغہ" کا "خطبہ شقشقیہ" پڑھیں سب راز کھل جائیں گے۔

نہاں کئے ماند آں رازے کز و سازند محفلہا

(۴) اور جہاں تک مجمع البیان کے حوالہ سے ابوبکر صاحب کے اتقی ہونے کا تعلق ہے تو یہ اہل سنت کا قول ہے جیسا کہ اس کے راوی ابن زبیر سے واضح ہے اور مجمع البیان کے قارئین جانتے ہیں کہ جناب طبرسی رحمہ اللہ تعالیٰ سنی اور شیعہ ہر دو کی روایات اپنی تفسیر میں نقل کرتے رہتے

ہیں۔ اور آخر میں اہل بیت علیہم السلام کا مسلک حقہ بیان کر دیتے ہیں۔
خود اہل سنت کے ہاں آیہ "وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾" (سورہ اللیل) کے مصداق ونزول میں اختلاف ہے۔ بعض علماء اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو دحداحؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: "قال بعضهم نزلت هذه الآية هي قوله عزوجل مالاحد عنده من نعمة تجزى في ابي بكر الصديق و قال بعضهم هذه الاية في ابي الدحداح رضى الله عنه"۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت ابو دحداحؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے"۔ (تفسیر تاویلات اہل السنۃ جلد ۱۰ صفحہ ۵۵۵ طبع قاہرہ) لہٰذا معلوم ہوا کہ اس آیت کا ابوبکر کے حق میں نازل ہونا بعض کا مذہب ہے۔ تمام اہل سنت کا نہیں ہے۔
مشہور قاعدہ وضابطہ "فان ترتب الحكم على الوصف يشعر بعليته له"۔ "کسی حکم کا کسی وصف پر مرتب ہونا یہ اشارہ کرتا ہے کہ وہ وصف اس حکم کی علت ہے"۔ اس آیت مبارکہ میں جہنم سے بچائے جانے کے حکم کو "الاتقی" پر مرتب کیا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ الاتقیٰ ہونا علت ہے جہنم سے بچنے کی۔ چونکہ ہر مومن کا "الاتقی" ہونا ممکنات میں سے ہے، یہ ابوبکر کا خاصہ نہیں ہے۔ اب ابوبکر کا "الاتقی" ثابت کرنا سیالوی صاحب پر فرض ہے۔ اور یہاں لفظ "الاتقی" اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ تقی جو صفت مُشبّہ کا صیغہ ہے، کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر نیشاپوری جلد ۶ صفحہ ۵۱۲ طبع بیروت، تفسیر مدارک جلد ۲ صفحہ ۸۱۳، تفسیر سمرقندی جلد ۳ صفحہ ۵۹۰، تفسیر روح البیان جلد ۴ صفحہ ۶۶۱، اور تفسیر ابن جریر الطبری وغیر ہم۔
اب رہی یہ بات کہ یہ شرک جلی تھا یا خفی...... بہر حال اس حدیث اور اس جیسی دیگر حدیثوں سے ابوبکر صاحب کا شرک روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہے اور شرک نا قابلِ معافی جرم ہے اور ایمان کی ضد ہے۔ فقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا...... والحمد للہ

(۱) تنزیہ الامامیہ

اسلام عمر کی حقیقت

کتب سیر و تواریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے اعلانِ نبوت کے چھ سال بعد تک عمر صاحب اسلامی دائرہ میں داخل نہیں ہوئے، بلکہ اس اثناء میں مختلف طریقوں سے

آنحضرت کو اذیت پہنچاتے رہے حتی کہ ایک مرتبہ جب ابو جہل نے آنحضرت کو قتل کرنے پر ایک ہزار سرخ و سیاہ اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دینے کا اعلان کیا تو عمر صاحب قتل رسول کے ارادہ سے شمشیر بکف ہو کر رسولؐ خدا کو قتل کرنے کے بدارادہ سے روانہ ہوئے اور جب اسی حال میں بارگاہِ نبوی میں پہنچے تو آنحضرتؐ باہر تشریف لائے اور عمر صاحب کے دامن اور برہنہ تلوار کو جھنجوڑ کر فرمایا: ما انت بمنتہٍ یا عمر حتی ینزل اللہ بك من الخزی و النکال ما انزل بالولید بن المغیرۃ فقال عمر اشھد ان لا الہ الا اللہ الخ "اے عمر! معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت تک ان حرکات سے باز نہیں آؤ گے جب تک تمھارے متعلق خدا ذلت و رسوائی کی وہی باتیں نازل نہ کردے جو اس نے ولید بن مُغیرہ کے متعلق نازل کی ہیں۔ یہ دھمکی سن کر عمر نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا"۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص ۷۵، ۷۶، صواعق محرقہ ص ۵۵، شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد ۲ صفحہ ۵۱ وغیرہ)

اب اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ ولید کے بارے میں کون سی آیت اتری تھی؟ جس آیت کے اترنے کی عمر صاحب کو دھمکی دی گئی تو سورۂ نون کی یہ آیت پڑھیں: "ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلك زنیم" (پ ۲۹) اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: "اور تم (کسی ایسے نابکار) کے کہنے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھاتا ہے (اور) آبرو باختہ ہے (لوگوں پر) آوازے کسا کرتا ہے (اِدھر کی اُدھر، اُدھر کی اِدھر) چغلیاں لگاتا پھرتا ہے (ان عیوب) کے علاوہ بداصل بھی ہے (ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی)

لمحۂ فکریہ

یہ تو درست ہے کہ عمر صاحب کے ظاہری کلمہ پڑھنے سے وہ آیت نہ اتری جس کی رسولِ خدا ﷺ نے دھمکی دی تھی۔ مگر صاحبانِ عقل و دانش کے لیے لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ آیا اس کلمہ پڑھنے سے ولید بن مُغیرہ کے ساتھ مشابہت کے اسباب بھی بدل گئے تھے یا بدستور قائم تھے؟

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لیے

(۲) اس پر سیالوی صاحب کی تنقید:

(۱) ڈھکو صاحب نے حضرت عمر بن خطاب کی شانِ اقدس میں گستاخی اور آپ کے ایمان و خلاص کا انکار کرنے کے لیے جس روایت کا سہارا لیا ہے، اس کے استدلال کا نچوڑ یہ ہے کہ چونکہ سرورِ عالم ﷺ نے آپ کو ولید بن مُغیرہ کے انجام سے ڈرایا ہے...... سبحان اللہ۔ قرآن و سنت کے دلائل

کے مقابل ایسی دلیل ...... نبی اکرمؐ کی وعید سنانے پر لایا ہوا ایمان قابل اعتماد ...... نہیں ...... تو کفرو شرک کی صورت میں جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بننا اور ہمیشہ کے لیے اس میں رہنا ...... قرآن میں جا بجا موجود ہے۔ لہٰذا اس دلیل کے تحت کسی کا ایمان بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔

(۲) علامہ ڈھکو صاحب نے اسلاف کی اتباع میں یہاں بھی تحریف کا حق ادا کر دیا ...... حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اس سے پہلے اپنے سابقہ ارادہ سے توبہ کر چکے تھے اور اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآن مجید کی آیات سن کر اور صحیفہ میں پڑھ کر اسلام کی طرف راغب ہو چکے تھے ...... لہٰذا اس میں جبر و اکراہ ...... کا کیا دخل ہو سکتا تھا۔

(۳) نبی اکرمؐ نے صرف ان کلمات پر اکتفاء نہیں کیا جو ڈھکو صاحب نے ذکر کیے ہیں ...... بلکہ اس کے آخری حصہ کے الفاظ یوں ہیں ...... اللھم ھذا عمر اللھم اعز الاسلام بعمر۔ (شرح حدیدی جلد ا صفحہ ۱۷۷) ...... جناب کا بیان ہے کہ آج آپ ﷺ ساری رات یہی دعا فرماتے رہے۔

اے اللہ اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعے عزت عطا فرما ...... غور کیجیے! روایت کا ابتدائی حصہ بھی عظمت عمر بن خطاب کی دلیل اور آخری حصہ بھی۔ مگر ڈھکو صاحب اس کو تو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے۔

(۴) ڈھکو صاحب کا عقیدہ ہے کہ چونکہ سرور عالمؐ نے ولید بن مُغیرہ کے انجام بد سے آپ کو ڈرایا لہٰذا لازماً جو حقیقت باعتبار نسبت اس کی تھی آپ کی بھی وہی تھی۔ مگر یہ فیصلہ نبی اکرمؐ کو کرنا تھا کہ ایسے شخص کو سسر کیوں بناؤں؟

(۵) علاوہ ازیں کوئی اس مدعی علم بلکہ دعویدارِ اجتہاد سے دریافت کرے کہ کیا تشبیہ جمیع امور میں اشتراک اور مساوات کو مستلزم ہوتی ہے ...... آخر کسی کی عداوت میں یوں بے ہوش اور بدحواس نہیں ہونا چاہیے ......

(۶) پھر شارح حدیدی نے اس روایت کو بلا سند اور بلا حوالہ نقل کیا ہے، جب کہ اس کی باحوالہ روایت بھی مُعتبر نہیں ہوتی وہ پکا خبیث تھا ...... کتب اہل سنت میں صرف یہ ہے: اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ھشام ...... یا پھر مروی ہے: لو کان بعدی نبی لکان عمر۔

(۷) نبی اکرمؐ نے دھمکی دے کر حضرت عمر سے جو کلمہ پڑھوایا تھا اسی طرح ابولہب اور ابوجہل سے کیوں نہ پڑھوالیا۔

(۸) نبی اکرمؐ نے اس دھمکی اور تہدید و تشدید کے ذریعہ پڑھائے ہوئے کلمہ کو حضرت عمر سے قبول

کیا یا نہ؟ اور اس پر خوشی کا اظہار کیا یا نہ؟ دارِ ارقم میں نعرہ تکبیر بلند تو اسی عمر کے اسلام پر ہوا اور جبرائیل امینؑ نے بھی اسی اسلام پر آکر بشارت دی۔

⑨ ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ آپ چھ سال بعد اسلام لائے تو کیا چھ سال بعد والا اسلام قابل قبول نہیں ہے...... الغرض ڈھکو صاحب کا اس روایت کو پیش کرنا نہ عقلاً درست ہے۔ نہ نقلاً درست ہے۔ اور نہ ہی کسی طرح اس میں اس کے قلبی غیظ و غضب...... کے لیے سامانِ تسکین ہے۔

(تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۵۰،۲۵۶)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

آپ ہی اپنے جور و جفا پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

جس سوقیانہ اور جاہلانہ انداز میں سیالوی صاحب نے ہماری ذات پر جلی و خفی حملے کیے ہیں اور جس طرح "تنابز بالالقاب" کا مظاہرہ کیا ہے ہم اس کا ترکی بترکی جواب دینے کی بجائے بموجب ارشادِ قدرت "وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين"۔ اس کی اس روش کو نظرانداز کرتے ہوئے اور اسلامی اخلاقِ عالیہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصل حقائق کو پیش کرنے اور ان کا دفاع کرنے پر اکتفا کریں گے۔ اور سیالوی صاحب کی نہ گانہ تنقیحات کا مدلل و مکمل جواب مگر بڑے اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

① سیالوی صاحب کا یہ کہنا کہ "کتاب و سنت کے دلائل کے مقابل ایسی دلیل وہی پیش کر سکتا ہے"...... الخ

کونسی کتاب؟ اور کون سی سنت؟ کونسی آیت یا کون سی صحیح روایت جناب عمر کے حق میں وارد ہوئی ہے؟ ذرا اس کی نشاندہی تو فرما دیجیے۔ عام مہاجرین و انصار کے حق میں وارد شدہ آیات و روایات سے کام نہیں چلے گا۔ کیونکہ عام کی خاص پر کوئی دلالت نہیں ہوتی۔

یہ مُسلمہ حقیقت ہے...... یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کے اسلام کو قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کی بات بھی نہیں ہے وہ تو خلق عظیم کے مالک تھے۔ انھوں نے تو کبھی کسی منافق کے اسلام کو بھی رد نہیں فرمایا تھا...... بلکہ ساری بحث کا محور یہ ہے کہ جناب عمر اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام لائے یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہدید و وعید سے متاثر ہو کر کہ کہیں ان کا انجام بھی ولید بن مُغیرہ والا نہ ہو...... ہم نے اسلام عمر کے بارے میں جو روایت درج کی ہے وہ ہم شیعیانِ علیؑ کی نہیں، بلکہ اہل سنت کی

کتب مُعتبرہ سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے اعلان کیا کہ جو شخص (حضرت) محمدؐ کو قتل کرے گا، میں اسے سرخ و سیاہ رنگ کی ایک سو اونٹنی اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دوں گا۔ یہ بیان سن کر جناب عمر جوش میں آ گئے اور شمشیر بکف ہو کر پیغمبر اسلامؐ کو قتل کرنے کے مذموم ارادہ سے روانہ ہوئے، تا آخر روایت، جیسا کہ "تنزیہ الامامیہ" میں درج ہے...... ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء (صفحہ ۷۵،۷۶) و صواعق محرقہ صفحہ ۵۵، شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد ۲ صفحہ ۵۹ وغیرہ)۔

اب رہی یہ بات کہ علامہ ابن ابی الحدید مُعتزلی شارح نہج البلاغہ خبیث ہے (بقول سیالوی) یا طیب ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ جو کچھ ہے بہر حال وہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتا ہے، شیعہ نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض بقول سیالوی صاحب وہ خبیث ہے تو علامہ سیوطی اور علامہ ابن حجر مکی تو ایسے نہیں ہیں۔ ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

(۲) یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ ہم نے روایت میں کوئی توڑ مروڑ نہیں کیا، اور نہ ہی صادقین کے نام لیواؤں کا یہ وطیرہ ہے۔ نہ اسلاف کا اور نہ اخلاف کا...... ہاں البتہ یہ تدلیس و تلبیس سیالوی صاحب کے پیروں فقیروں کا پرانا شیوہ و شعار ہے۔ جیسا کہ عنقریب "تنزیہ الامامیہ" کے چوتھے باب میں مندرجہ شیعی کتب کے حوالوں سے واضح و عیاں ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ...... "فانتظروا انی معکم من المنتظرین"۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ان کلمات پر اکتفا نہیں کیا جو ڈھکو صاحب نے ذکر کیے ہیں بلکہ آخری حصّہ کے الفاظ یہ ہیں: اللھم ھذا عمر اللھم اعز الاسلام بعمر...... (یا یوں فرمایا) اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ھشام...... "اے اللہ! اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعہ عزت عطا فرما"۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی) جلد ا صفحہ ۱۷۷)

یہ کلمات بالکل وضعی اور جعلی ہیں اور اگر قدرے غور و فکر کیا جائے تو ان الفاظ سے جناب عمر کی مذمت ظاہر ہوتی ہے نہ کہ مدح۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر کو ابو جہل کے بالمقابل رکھا ہے، اور حوالہ اسی شارح حدیدی کا ہے جسے سیالوی صاحب نے ذرا آگے چل کر (صفحہ ۲۵۴ پر "پکا خبیث" کا لقب دیا ہے۔ صفحہ ۲۵۱ پر "طیب" اور صفحہ ۲۵۴ پر "خبیث"؟۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

(۴) ڈھکو صاحب کا عقیدہ ہے کہ چونکہ سرور عالمؐ نے ولید بن مُغیرہ کے انجام سے آپ کو ڈرایا تھا

......مگر یہ فیصلہ تو نبی اکرم ﷺ کو کرنا تھا کہ ایسے شخص کو سسر کیوں بناؤں؟

اس بات میں بھی ہرگز کوئی علمی وزن نہیں ہے...... آپؐ ظاہری اسلام پر رشتہ کرتے تھے، ابوسفیان جیسے لوگوں کو بھی سسر بنایا، بلکہ حیی بن اخطب یہودی کو بھی بنایا، کیونکہ بیٹی مُسلمان تھی، اور آپؐ نے اس سے شادی فرمائی تھی، تو جب ابوبکر صاحب کو سسر بنایا تھا تو جناب عمر کو کیوں نہ بنائیں؟ اور بقول سیالوی صاحب اور ان کے پیران پارسا کے بقول اگر آنحضرت ﷺ نے ابولہب کے بیٹے کو داماد بنایا تھا تو اگر عثمان کو بنائیں تو اس میں کیا تعجب ہے؟؟؟

⑤ سیالوی صاحب کا تنقیح نمبر ۵ میں یہ کہنا کہ کوئی اس مدعی علم بلکہ دعویدارِ اجتہاد سے دریافت کرے کہ کیا تشبیہ جمیع الامور میں اشتراک اور مساوات کو مستلزم ہے؟ اس سوال کا جواب واضح ہے کہ "نہیں، تشبیہ میں تمام امور میں اشتراک ضروری نہیں ہوتا۔ مگر مُشبّہ بہ کے اظہر و اکمل صفات میں اشتراک تو ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ بموجب "اندھوں میں کانا راجہ" کہ مولانا محمد اشرف سیالوی اہل السنّۃ والجماعت کے شیر ہیں کہ جنھوں نے اس علامہ ڈھکو صاحب کی کتاب کا جواب لکھا جس نے کتاب لکھ کر پیر آف سیال شریف کا ناطقہ بند کر دیا تھا...... تو یہاں اگر سیالوی صاحب کے لیے شیر کی طرح ایک لمبی دم، چار ٹانگوں اور گردن پر بکثرت بالوں اور دہنی بدبو میں اشتراک ضروری نہیں ہے تو کم از کم شیر کی نمایاں صفت دلیری میں تو اشتراک ضروری ہے، ورنہ ان کے شیر ہونے کا کیا مطلب؟ بنابریں جب ابن خطاب کو ولید بن مُغیرہ کے انجام بد کی دھمکی دی گئی ہے تو یہاں ولید کے نمایاں صفاتِ بد کو دیکھنا پڑے گا کہ وہ کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں جب ہم نے قرآن کی طرف رجوع کیا تو وہی صفات ملے جن کا تذکرہ "تنزیہ الامامیہ" میں موجود ہے۔ فراجع

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

⑥ پھر شارح حدیدی کے حوالے سے جو روایت پیش کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو ابن ھشام۔ اس پر اوپر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ البتہ اس میں جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے کہ "لو کان بعدی نبی لکان عمر" یہ معاویہ کے ٹکسال کی وضع کردہ جعلی حدیث ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ سے مروی متواتر و مُسلمہ حدیث "یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی" کے بالمقابل وضع کی گئی ہے۔

⑦ سیالوی کا یہ کہنا کس قدر سادگی کی دلیل ہے کہ اگر نبی اکرم نے دھمکی دے کر حضرت عمر سے کلمہ پڑھوایا تھا تو پھر اس طرح ابولہب اور ابوجہل سے کیوں نہ پڑھوا لیا...... کیا ان کو معلوم نہیں ہے

کہ ایک ہی نسخۂ شفا سب کے لیے جامِ شفا ثابت نہیں ہوتا۔ ہر آدمی کا مزاج علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے اور دوا کی تاثیر بھی الگ الگ ہوتی ہے۔

⑧ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دھمکی کے ذریعے پڑھائے ہوئے کلمہ کو قبول کیا یا نہ؟ بے شک قبول کیا اور آپؐ چونکہ خلق عظیم کے مالک تھے، اس لیے کسی بڑے سے بڑے منافق کے کلمہ کو بھی کبھی رد نہیں فرماتے تھے اور ہر کس و ناکس کا کلمہ قبول فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کے قبول کرنے کا حکم دیتے تھے۔ جیسا کہ اس مضمون کا ایک واقعہ پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ اگر کسی کے کلمہ کو قبول نہ کرنے کی کوئی نظیر موجود ہے تو پیش کی جائے...... خدا کرے خاتمہ بالخیر ہو۔ کیونکہ "انما الاعتبار بالخاتمہ"...... خدا کرے نبیٔ رحمت اپنے آخری لمحاتِ حیات میں کسی گستاخ کو "قوموا عنی" فرما کر اپنی بزمِ رسالت سے باہر نہ نکال دیں؟

آنحضرتؐ نے تو ان کا ظاہری اسلام قبول کیا۔ مگر یہ بھی غلط ہے کہ اسلام عمر پر نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے اور اہل آسمان خوش ہوئے اور جبرائیلؑ نے آکر بشارت دی۔ سچ ہے......

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کے لیے

⑨ ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ آپ چھ سال بعد ایمان لائے۔ صرف ڈھکو صاحب ہی یہ نہیں کہتے بلکہ آپ بھی اور آپ کے پیر و مرشد بلکہ تمام اہل سنت یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ منجملہ شاہ ولی اللہ دہلوی تحریر کرتے ہیں: در ینجا نکتہ باید فہمید کہ فاروق اعظم سال ششم از بعثت بعد اسلام چہل مرد و پانزدہ زن مسلمان شد۔ اس جگہ ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیے کہ فاروق اعظم بعثت کے چھٹے سال چالیس مردوں اور پندرہ عورتوں کے اسلام لانے کے بعد مسلمان ہوئے۔ (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۴۳ مطبوعہ بریلی، کذا فی طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ طبع لیدن، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۳۴ طبع مصر)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چھ سال کے بعد والا اسلام قبول نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ جو مریدانِ عمر کہا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآن کی تلاوت سنی اور اسلام کی طرف راغب ہو گئے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا چھ سال کی مدت میں آپ نے کسی سے قرآن کی تلاوت نہیں سنی تھی، نہ نبیؐ سے نہ وصیؑ سے اور نہ کسی صحابی سے...... اور اگر سنی تھی، اور یقیناً سنی تھی تو پھر پہلے کیوں اثر نہ ہوا؟ اور اس سے پہلے کیوں اظہارِ اسلام نہ کیا۔ بہر حال: ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

بیچارے سیالوی صاحب اپنے مذہب کی پرانی چادر کو ٹانکے تو بہت لگاتے ہیں اور پیوند بھی۔ مگر قسمت کی بات ہے کہ:

عجب مشکل میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
اِدھر ٹانکا اُدھر اُدھڑا، اُدھر ٹانکا اِدھر اُدھڑا

① تنزیہ الامامیہ:

اسلام عثمان کی ماہیت

بعض اربابِ تاریخ کے بیان سے واضح وعیاں ہوتا ہے کہ جناب عثمان دین اسلام کو دینِ برحق سمجھ کر اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، بلکہ بعض مسلمان عورتوں سے شادی کرنے کے شوق میں کلمہ پڑھا تھا۔ چنانچہ کتاب خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۳۱ طبع مصر باسناد ابن عساکر لکھا ہے کہ حضرت عثمان عورتوں کے بڑے شائق تھے اور رقیہ بنت رسولؐ (بقول اہل سنت) بڑے جمال، کمال کی مالک تھیں، اُن کا عقد پہلے عتبہ سے ہوا تھا، جب اُن کو وہاں سے طلاق مل گئی تو عثمان صاحب ان سے شادی کرنے کے شوق میں اسلام لائے اور گوہر مقصود سے دامن پُر ہو گیا۔

اس سے بھی قطع نظر برادرانِ اسلامی کا نظریہ ہے کہ جناب عثمان حضرت ابوبکر کی تحریک پر اسلامی برادری میں داخل ہوئے تھے۔ لہٰذا جو خلوص اول میں تھا، اسی کا عکس ثالث بالخیر میں بھی نمایاں ہو گا۔

یہ ہے اصحابِ ثلاثہ کے خلوص وایمان کا اجمالی بیان، جو انہی کے نام لیواؤں کی زبان سے سپردِ قلم کر دیا گیا ہے۔ سچ ہے۔

گلیم بخت کسے کہ یافتہ اند سیاہ
بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

② اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

حضرت سیدنا عثمان بن عفان کے خلاف زہر افشانی کے لیے قرآن مجید سے کوئی آیت نہ ملی اور پورے ذخیرۂ احادیث سے کوئی ایک حدیث بھی نہ ملی۔ صرف ایک روایت ملی جس میں خود حضرت عثمان نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ دوسری طرف بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث..... جو بخاری شریف مسلم شریف جیسی اہم کتابوں میں مذکور ہیں اور شیعہ صاحبان

کی مستند کتابوں میں بھی...... (بعد از آں پوری روایت نقل کی ہے) کہ میں نے جب رسول خدا کی صاحبزادی کا نکاح عتبہ بن ابی لہب کے ساتھ ہو جانے کی خبر سنی تو میرے دل میں حسرت پیدا ہوئی کہ میں نے نکاح کے لیے سبقت نہ کی...... اس کے بعد اپنی خالہ کے پاس پہنچے، انہیں علم کہانت میں مہارت تھی، اس نے آپ کو اس حال میں دیکھتے ہی بشارتیں دینا شروع کر دیں، جن میں یہ بھی تھی "انکحت واللہ حصانا زھرا الخ...... تیرا عقد پاک دامن اور چمکدار رنگت والی عظیم القدر کی بیٹی سے ہوگا ......میں نے کہا خالہ کیا کہہ رہی ہو...... تو اس نے کہا...... یہ نبی ہیں جن کے پاس صداقت وحقانیت کا برہان ہے...... میں واپس ہوا تو ان کا یہ کلام میرے دل میں گھر کر چکا تھا...... اور میرا ابوبکر کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی تھا، تو میں نے جو کچھ خالہ سے سنا تھا اُن کے سامنے بیان کیا، تو انھوں نے کہا عثمان! تجھ پر افسوس ہے تو عقلمند آدمی ہے...... یہ کیا پتھر ہیں جن کی ہماری قوم پرستش کرتی ہے، کیا وہ سخت پتھروں سے تیار شدہ نہیں ہیں...... چنانچہ میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا یا: عثمان احب اللہ...... اور میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ پھر زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حضرت رقیہ سے میری شادی بھی ہو گئی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جو جوڑا رقیہ اور عثمان والا ہے کس قدر خوبصورت ہے۔ یہ ہے وہ روایت جس کو ڈھکو صاحب نے اپنے دعویٰ کی دلیل بنایا ہے اس کو بار بار غور سے پڑھیں۔

اب علمی رنگ میں اس کا تجزیہ کرتے ہیں:

① اہل اسلام اور کفار کی باہمی رشتہ داری کی حرمت کا حکم جنگ بدر کے بعد نازل ہوا اس لیے عتبہ سے نکاح ہوا طلاق کے بعد بھی اسلام کی شرط نہیں تھی۔

② حضرت رقیہ کا نکاح تو ہو چکا اور طلاق کا تو اس میں ذکر ہی نہیں تو پھر منکوحہ رقیہ سے نکاح کی رغبت اسلام لانے کا باعث کیوں کر بن گئی؟

③ اس روایت کی رو سے آپ نے خالہ سے نکاح کا ذکر ضرور کیا، لیکن کس سے ہوگا؟ کب ہوگا؟ قطعاً اس کا ذکر نہیں۔

④ بقیہ پوری روایت میں خالہ کی طرف سے حقانیت اسلام بیان کی گئی ہے اور حضرت صدیق کی طرف سے بھی۔

⑤ اگر دلیل کوئی ہے تو صرف اتنی کہ پہلے نکاح ہو جانے پر اطلاع ملی تو دل میں حسرت پیدا ہوئی...... اور اسلام لانے کے اور خالہ کی پیشینگوئی کے مطابق اس عظیم القدر ہستی کی عظیم القدر، لختِ جگر سے نکاح ہو گیا۔

⑥ حضرت عثمان کے اسلام کی جو ماہیت ڈھکو صاحب کو سمجھ آگئی وہ نبی اکرمؐ کو سمجھ نہ آسکی، نہ پہلا رشتہ دیتے وقت، نہ بدر کے بعد دوسرا رشتہ دیتے وقت۔

⑦ اگر العیاذ باللہ آپ کو ان کے متعلق پوری طرح آگاہی تھی اور اس کے باوجود صرف مریدین میں ایک فرد کے اضافے کے لیے رشتہ دیا تو اس سے نبوت کی حقانیت...... کا دامن تارتار نہیں ہو جائے گا؟......

⑧ ڈھکو صاحب کے مذہب میں تو سرورِ عالمؐ کی صاحبزادی ہی ایک ہے، ایسی صورت میں تحقیق سے اس دلیل کو کوئی نسبت ہی نہ رہی......

⑨ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، بلکہ حضرت عثمان کا اپنا بیان کردہ واقعہ ہے، تو کیا آپ سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اپنے اسلام کا باعث...... ایسے امر کو قرار دیں جو ان کے اسلام کو مشکوک بنا دے۔

⑩ ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ اسلام عثمان فرع اور تابع ہے اسلام ابو بکر کے۔ لہٰذا جو خلوص اول میں تھا وہی ثالث بالخیر میں بھی ہوگا...... اول کا خلوص بھی بحمد للہ آیاتِ بینات اور واضح الدلالت روایات سے ثابت ہو چکا اور...... ثالث بالخیر کا بھی ہو چکا اور آئندہ بھی ثبوت پیش کیا جائے گا...... صرف ایک روایت یہاں نقل کی جاتی ہے...... اگر عثمان میں خلوص نہ ہوتا تو حبشہ کی طرف ہجرت کیوں کرتے اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کیوں؟......

(تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۶۳،۲۵۷)

③ اس پر ہمارا تبصرہ:

خوشتراں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

یہاں بھی سیالوی صاحب نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح پورے سات صفحے سیاہ کر کے اور طول محل سے کام لے کر جہاں اپنا اور قارئین کرام کا وقت ضائع کیا وہاں کوئی ایک بات بھی کام کی نہیں کی ...... بلکہ پوری روایت نقل کر کے اور وہ بھی جناب عثمان کی زبانی نقل کر کے ہمارے کام کو اور بھی آسان بنا دیا اور ان کے اسلام کو طشت از بام کر دیا اور خود واضح کر دیا ہے کہ جس طرح حضرت ابو بکر کا اسلام بحیرہ راہب کی اس پیشگوئی کی بنا پر اقتدار کے لالچ پر مبنی تھا کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے بعد اقتدار ملے گا، اسی طرح ثالث بالخیر کا ایمان بھی ان کی کاہنہ خالہ کی ترغیب اور پیغمبر اسلام ﷺ کی

صاحبزادی سے شادی کرنے کے مژدہ اور لالچ پر مبنی تھا...... سیالوی صاحب کے حافظہ کی کمزوری کا، یا ہمارے دعویٰ کی صداقت کی شاہ زوری کا یہ شاہکار ہے کہ وہ اپنی کتاب کی تنقیح نمبر۳ میں لکھتے ہیں کہ ''اس روایت کی رو سے آپ کی خالہ نے نکاح کا ذکر ضرور کیا لیکن کس سے ہوگا، کب ہوگا، قطعاً اس کا ذکر نہیں۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۶۰)

اور صفحہ ۲۶۱ پر لکھتے ہیں کہ ''اور اسلام لانے کے بعد خالہ کی پیش گوئی کے مطابق اس عظیم القدر ہستی کی عظیم القدر لخت جگر سے نکاح ہوگیا''۔ سچ ہے کہ ''دروغ گورا حافظہ نباشد''۔

بہرحال اس پوری داستان کی ابتداء میں وسط میں اور آخر میں پہلے جناب رقیہ کے عقد و ازدواج کا ہی تذکرہ ہے۔ پہلے نہ ہونے کی حسرت ہے۔ پھر شادی کرنے کا تذکرہ ہے اور آخر میں اس جوڑی پر فخر ہے......

اور ہمارے بیان کے مطابق کچھ جناب ابوبکر کی ترغیب بھی کارفرما ہے۔ ؏

انکار کے پردے میں کچھ اقرار بھی ہے

جو ہمارا دعویٰ تھا وہ خود جناب عثمان کے بیان سے واضح و عیاں ہے۔ ؏

سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

اب آیئے ذیل میں سیالوی صاحب کی قائم کردہ دس عدد تنقیحات کے مختصر مگر جامع جوابات سن لیں تاکہ اس موضوع کا مطلع بالکل بے غبار ہو جائے۔

① تنقیح اوّل: اہل اسلام اور کفار کی باہمی رشتہ داری کی حرمت والا حکم جنگ بدر کے بعد نازل ہوا اس کا جواب واضح ہے کہ جب جناب عثمان کی شادی جناب رقیہ سے ہوئی تو اس وقت بہرحال اسلام کی شرط عائد ہو چکی تھی اور اسلام لائے بغیر گوہر مقصود ہاتھ نہیں آ رہا تھا پھر اس تنقیح کا کیا فائدہ......؟؟

② یہ کہنا کہ ''حضرت رقیہ کا نکاح ہو چکا اور طلاق کا تو اس میں ذکر نہیں لہٰذا منکوحہ رقیہ سے نکاح کی رغبت'' ......اس کا جواب واضح ہے کہ جناب عثمان کے دل میں اس عقد و ازدواج کی تمنا تو پہلے سے موجود تھی۔ مگر جب ان کا نکاح ہو گیا تو اس پر اپنی حسرت ظاہر کی اور طلاق کے بعد نخلِ امید پھر ہری ہونے لگی اور اس کے حصول کے لیے تگ و تاز شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اظہارِ اسلام کر کے گوہر مقصود حاصل کر ہی لیا۔ ؏

لاکھوں چھپایا راز محبت نہ چھپ سکی

دل پسند شادی کی خاطر تو لوگ تخت و تاج بھی چھوڑ دیتے ہیں، تو کیا جناب عثمان اس کی خاطر کفر نہیں چھوڑ سکتے تھے؟؟؟

③ اس روایت کی رو سے آپ کی خالہ نے نکاح کا ذکر ضرور کیا لیکن کس سے ہوگا کب ہوگا...... قطعاً اس کا ذکر نہیں...... اس روایت میں جناب عثمان کا کاہنہ خالہ نے اگر پیغمبر اسلام ﷺ کی دختر سے نکاح کا تذکرہ نہیں کیا تھا تو مؤلف نے تنقیح نمبر ۵ کے ضمن میں یہ کیوں لکھا ہے کہ "اسلام لانے کے بعد خالہ کی پیش گوئی کے مطابق اس عظیم القدر ہستی کی عظیم القدر لخت جگر سے نکاح ہوگیا"۔ (صفحہ ۲۶۱)

④ بقیہ پوری روایت میں خالہ کی طرف سے حقانیت اسلام بیان کی گئی ہے اور حضرت صدیق کی طرف سے بھی...... یہ درست ہے کہ اس کاہنہ نے اسلام کی صداقت کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ یہ ڈراوا بھی دیا ہے کہ "اگر آپؐ نے جہاد شروع کیا اور مخالفین کا قتل تو پھر چیخ و پکار فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی جب تلواریں میان سے باہر آگئیں اور نیزے بلند کر دیے گئے"۔

میرا خیال ہے کہ جناب عثمان کے اسلام لانے میں جہاں جناب رقیہ سے نکاح کا شوق کارفرما ہے۔ وہاں پیغمبر اسلام ﷺ کے جہاد کا خوف بھی اپنا اثر دکھا رہا ہے۔

⑤ یہ کہنا کہ "اگر دلیل کوئی ہے تو صرف اتنی کہ پہلے نکاح ہو جانے کی اطلاع ملی تو دل میں حسرت پیدا ہوئی...... تو کیا اس کو ڈھکو صاحب کے دعویٰ کے ساتھ کوئی تعلق ہے"۔

اس پر سابقہ تنقیحات کے جواب میں مفصل تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ اس پورے واقعہ کا ہمارے دعویٰ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ کما لایخفیٰ

⑥ جناب عثمان کے اسلام لانے کی ماہیت یقیناً نبی اکرم ﷺ کو سمجھ آگئی تھی۔ مگر چونکہ اسلامی احکام کے اجراء اور نفاذ کا تعلق ظاہری اسلام کے ساتھ ہے، اس لیے وہ رشتہ لینے یا دینے میں اسی اصول کی پابندی کرتے تھے وبس۔

⑦ آنحضرتؐ نے اپنے مریدوں یا اُمتیوں کی تعداد بڑھانے کی خاطر رشتہ نہیں دیا تھا، بلکہ اپنے لائے ہوئے اسلام کے اصول کی پاسداری کے لیے دیا تھا کہ دلوں کے رازوں سے تو صرف وہ ذات واقف ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔ باقی نبی ہوں یا غیر نبی، وہ ظاہری اسلام کے مطابق عمل کرنے کے پابند ہیں۔ چنانچہ آپ نے وہی کیا جو آپؐ کو کرنا چاہیے تھا۔

⑧ ہمارے مذہب میں سرور عالمؐ کی صاحبزادی ایک ہے اس بات کا مذہب سے کیا تعلق۔ پیغمبر

اسلام ﷺ کی بیویاں کس قدر تھیں؟ بیٹے اور بیٹیاں کس قدر تھیں؟ یہ بات نہ اصولِ مذہب میں داخل ہے اور نہ فروع میں، بلکہ یہ صرف تاریخی مسئلہ ہے۔ ہمارے ہاں مشہور ایک ہی صاحبزادی ہے۔ ملاحظہ ہوں "احقاق الحق" للشہید ثالثؒ، منہاج الشریعہ رد منہاج السنّۃ للعلامہ سید مہدی قزوینی، الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ، بنات النبیؐ ام ربائبہ للعلامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی مدظلہ، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ مؤلف ایضاً وغیرہم۔ جبکہ سیالوی صاحب کے ہاں مشہور چار ہیں۔ ہر حال وہ تین صاحبزادیاں آپ ﷺ کی صُلبی بیٹیاں تھیں یا ربیبہ، اس میں اہل سنت کے ہاں بھی شدید اختلاف ہے۔ بہر حال آپؐ کی ہی زیر تربیت اور تحویل میں ہی تھیں اور بنات النبی کہلاتی تھیں اور ان کے عقد وازدواج کا معاملہ آپ ﷺ کے ہی اختیار میں تھا۔ اور اگر ان کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی شرف تھا تو پھر ابولہب کا بیٹا بھی اس شرف سے مشرف تھا اور عُثمان سے زیادہ۔ کیونکہ اس نے باکرہ سے شادی کی تھی جبکہ عُثمان نے مُطلقہ سے۔ فتدبر۔

⑨ چلو مان لیا کہ حدیث نہیں ہے روایت ہے اور جناب عُثمان کا اپنا بیان ہے تو سیالوی کا یہ کہنا کہ "کیا آپ سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ اپنے اسلام لانے کا باعث ایسے امر کو قرار دیں جو اُن کے اسلام کو مشکوک بنادے"۔

یقیناً وہ یہ چاہتے نہیں ہوں گے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ خدائے قدیر نے حق میں وہ طاقت رکھی ہے کہ اس کو چھپانے کی ہزار کوشش کی جائے تاہم وہ زبان پر جاری ہو ہی جاتا ہے۔ آج سے قریباً گیارہ سو سال پہلے مُتنبّی نے کہا تھا:

و مهما تكن عند امرأ من خليقةٍ
و ان خالها تخفى على الناس تعلم

جب کسی بندے میں کوئی (اچھی یا بری) خصلت پائی جائے تو وہ ظاہر ہو کر ہی رہتی ہے۔ اگرچہ آدمی خیال کرتا ہے کہ وہ لوگوں پر پوشیدہ رہے گی۔ الغرض الحق یجری علی اللسان۔

⑩ یہ کہنا کہ خلیفہ اول کا اسلام آیاتِ بینات وغیرہ سے ثابت ہو چکا اور ثالث بالخیر کا بھی۔ یہ صرف سیالوی صاحب کی خوش فہمی ہے، ورنہ وہ اثبات مدعا میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ وہ طائر بسمل کی طرح ہاتھ پیر تو بہت مارتے ہیں اور باتیں بھی بہت کرتے ہیں۔ مگر ع

مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

سچ ہے کہ:

گلیم بخت کسے کہ بافتہ اند سیاہ
بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

لمحہ فکریہ

سیالوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۹۳ پر بے سند اور بے حوالہ ایک روایت پیش کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ اُحد پر تشریف فرما تھے اور ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور حضرت عثمان ساتھ تھے اور کوہِ اُحد خوشی میں رقص کرنے لگا...... تو آپؐ نے پاؤں مار کر فرمایا۔ اے اُحد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی کی ذات ہے اور ایک صدیق کی اور دو شہید موجود ہیں۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۹۳)

معلوم نہیں کہ سیالوی صاحب کے اس بے بنیاد قصہ کے نقل کرنے کا مقصد کیا ہے؟ بھلا جس بات کا کتب شیعہ تو کجا اہل سنت کی بھی کسی کتاب کا حوالہ مذکور نہیں ہے، اس کا نقل کرنا چہ معنی دارد؟ یہ سادگی ہے یا عیاری؟ خدا بہتر جانتا ہے۔

یہ کہنا کہ اگر حضرت عثمان میں خلوص نہ ہوتا تو حبشہ کی طرف ہجرت کیوں کرتے، پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کیوں کرتے۔ الخ

اس کا جواب واضح ہے کہ آدمی کو اپنے نفاق کو چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے کے لیے اس سے بھی بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است تو می گوئم
تو از سخنم پند بگیر و خواہ ملال

فصل دوم

کیا آیت جاھد الکفار و المنافقین کے نزول کے بعد منافق ختم ہو گئے تھے؟

① رسالہ مذہب شیعہ!

پیر سیالوی رقمطراز ہیں: "یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین و اغلظ علیھم "۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ کے نبیؐ! آپ کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد فرماؤ اور ان پر سختی کرو۔ اس کلمہ کے بعد جن مُقدّس ہستیوں کو اللہ کے پیارے نبیؐ نے اپنا ہمراز و دمساز قرار دیا۔ سفر و ہجرت و جہاد ہر معاملہ و ہر حالت میں اپنا مشیر و وزیر مقرر فرمایا اور اپنا ساتھی و رفیق قرار دیا، ان ہستیوں کی شان میں گستاخی کرنا (معاذ اللہ) اور ان ہستیوں کی طرف کفر و نفاق کی نسبت کرنا کون سی دیانت ہے اور کون سا ایمان"۔
(رسالہ مذہب شیعہ سیالوی صفحہ ۱۳)

② تنزیہ الامامیہ: **الجواب السوی بفضل اللہ القوی:**

مؤلف کے اس بیان سے دو چیزیں عیاں ہوتی ہیں

① اوّل یہ کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد منافقوں کا وجود ختم ہو گیا تھا۔

② دوم یہ کہ اس حکم کے نزول کے بعد جو لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ باقی رہ گئے تھے وہ مخلص مومن اور کامل مُسلمان تھے۔ حالانکہ اسلامی حقائق پر معمولی نگاہ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں اور آیت مبارکہ کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی پیداوار ہیں۔ انھوں نے یہ خیال کیا ہے کہ جب خدا نے یہ حکم دیا کہ اے رسولؐ! کفار و منافقین سے جہاد کرو تو ضرور آنحضرت نے شمشیر بکف ہو کر منافقین کو تہس نہس کر دیا ہوگا۔ حالانکہ مُفسّرین اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار کے ساتھ جہاد سے جہاد بالسیف اور منافقین کے ساتھ جہاد سے جہاد باللسان مراد ہے۔ جو آپ مدت العمر فرماتے رہے مگر: ع

جنھیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

چنانچہ جب لوگوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ منافقین کے ساتھ جہاد بالسیف کیوں نہیں فرماتے تو آپؐ نے فرمایا: یقول (او یتحدث) الناس ان محمداً یقتل اصحابہ۔ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں (اور اس سے تبلیغ نبوت رُک جائے گی) اس سے معلوم ہوا کہ صحابیوں کے لباس میں کچھ منافق بھی موجود تھے۔ ان حقائق کے معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۰۸، تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۵۸، کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۴ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ منافقوں کے ساتھ کسی محاربہ کی کوئی مثال پیش کرنے سے تاریخیں عاجز ہیں۔

اور اگر بفرضِ محال اس جہاد سے جہاد بالسیف مراد ہوتا اور آپ اس پر عمل در آمد بھی کرتے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ منافقین ختم ہو گئے؟ کیونکہ جب وہ کفار جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیسیوں جہاد فرمائے ختم نہیں ہوئے بلکہ آج تک بدستور موجود ہیں۔ تو منافقین کس طرح ختم ہو سکتے تھے؟ اس بیان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ منافقین کے ساتھ جہاد سے مراد جہاد باللسان ہے۔ جس پر آنحضرتؐ نے کماحقہ عمل بھی کیا۔ لیکن ظاہر ہے اس زجر و توبیخ کرنے سے ان کا قلع قمع تو نہیں ہو گیا تھا، بلکہ ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری لمحاتِ حیات تک، بلکہ آپؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد تک، بلکہ آج تک باقی رہنا آیات و روایات اور تاریخی مُسلمات سے ثابت ہے۔ جیسے آیاتِ مبارکہ و من اهل المدينة مردوا على النفاق الآیہ اور ومن حولكم من الاعراب منافقون۔

شبلی نعمانی اپنی مشہور کتاب "الفاروق" جلد ا صفحہ ۵۳ طبع لاہور پر لکھتے ہیں: "آنحضرتؐ نے جب وفات پائی تو مدینہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا۔ جو مدت سے اس بات کے مُنتظر تھے کہ رسولؐ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں"۔ اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے سانحۂ رحلت کے بعد منافقوں کی حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی اور اُن کی تخریبی کاروائیاں تیز سے تیز تر ہو گئی تھیں۔ چنانچہ جناب حذیفہ یمانی سے منقول ہے۔ فرمایا: "ان المنافقين اليوم شر منهم على عهد النبى كانوا يومئذ يسرون و اليوم يجهرون"۔ یعنی" آج منافقوں کی حالت عہد نبویؐ سے بدتر ہے۔ کیونکہ اس وقت یہ لوگ خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے تھے۔ مگر آج کُھلم کُھلا (اپنی خباثت کا اظہار) کر رہے ہیں"۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۴۱ طبع مصر)

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جناب رسولِ خداؐ منافقوں کے ساتھ زیادہ لطف و مدارات فرماتے تھے۔ مؤلف نے بعض لوگوں کو سفر و حضر میں اپنے ہمراہ رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ برتنے کو ان کے ایمان کی دلیل قرار دیا ہے۔ جو تاریخی حقائق سے چشم پوشی اور جناب رسول خداؐ کی روش و رفتار

سے لاعلمی پر مبنی ہے، ورنہ سیرتِ رسولؐ پر نظر رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ منافقوں کی تالیف قلب کی خاطر اہل ایمان سے بھی زیادہ ان کے ساتھ لطف و مدارات فرماتے تھے۔ چنانچہ امام فخرالدین رازی نے بذیل آیت: "ومنهم من يلمزك فى الصدقات"۔ لکھا ہے:

"روى ابوبكر الاصم رضى الله عنه فى تفسيره انه ﷺ قال لرجل من اصحابه ما علمك بفلان فقال ما بى به علم الا انك تدنيه فى المجلس و تجزل له العطاء فقال عليه الصلوة و السلام انه منافق ادارى من نفاقه و اخاف ان يفسد على غيره فقال لو اعطيت فلانا بعض ما اعطيته فقال انه مومن اكله الى ايمانه و اما هذا فمنافق ادار يه خوف افسادا"

یعنی ایک دن آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض اصحاب سے دریافت فرمایا کہ کیا تم فلاں آدمی کو پہچانتے ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ آپ اپنی بزم میں اسے قریب بٹھاتے ہیں اور اسے بہت مال و منال سے نوازتے ہیں۔ آنجنابؐ نے فرمایا: وہ منافق ہے اس کے نفاق کی وجہ سے میں اس سے یہ سلوک کرتا ہوں، تاکہ وہ دوسرے لوگوں کے دین و ایمان کو خراب نہ کرے۔ اس صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ جس قدر مال و متاع اس منافق کو دیتے ہیں اگر اس میں سے کچھ فلاں شخص کو دے دیں تو کتنا اچھا ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا یہ شخص مومن ہے میں اسے اس کے ایمان کے حوالے کرتا ہوں۔ لیکن چونکہ وہ شخص منافق ہے اس لیے اس کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے اس سے یہ لطف و مدارات پیش آتا ہوں۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۸۹ طبع مصر)

ان حقائق سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ کسی شخص کو صرف سفر و حضر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ دیکھ کر یا بزم نبوی میں سب سے زیادہ نزدیک بیٹھا ہوا دیکھ کر یا اسے عطا و بخشش سے نوازتے ہوئے دیکھ کر مومن مخلص قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب تک آیاتِ قرآن اور رسولِ خدا کے فرمان یا اس شخص کے ذاتی کردار سے اس کا ایمان ثابت نہ ہو جائے۔ مگر ان حقائق کے سمجھنے کے لیے دیدۂ بینا اور گوش شنوندہ کی ضرورت ہے۔

هزار نکته باریك تر ز مو اینجا است
نہ هر که سر بتراشد قلندری داند

(۳) اس پر اشرف سیالوی صاحب کی تنقید:

"شیخ الاسلام ...... نے قطعاً نہ یہ فرمایا کہ منافق ختم ہوئے اور نہ یہ کہ جو لوگ کلمہ پڑھتے تھے اور آپؐ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے وہ سبھی مومن تھے۔ آپ کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ

......اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد منافقین کو دمساز و ہمراز بنانا اور انھیں وزیر و مشیر بنانا اور سفر و حضر میں ساتھی اور رفیق بنانا اس امر کو مستلزم ہوگا کہ آپؐ نے اس آیتِ مبارکہ پر عمل نہیں کیا: یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین......

اس جگہ ڈھکو صاحب نے نئی منطق چلائی ہے۔ وہ یہ کہ اگر جہاد کرتے بھی تو بھی منافق ختم نہیں ہو سکتے تھے......منافقین مدینہ منورہ میں اور اس کے گرد و نواح میں موجود تھے...... جی اس میں کلام ہی کس نے کیا ہے......سوال یہ ہے کہ جن کو امام الانبیاءؐ نے قرب خاص سے نوازا، کہیں نائب امام بنایا، کبھی حج میں نائب حج بنایا، کبھی جنگوں میں علم ان کے حوالے کیا اور لشکر بنایا، ...... کبھی ...... کبھی جن میں سے بعض کو سسر بنایا اور بعض کو شرف دامادی بخشا ان کا معاملہ کیا ہے...... ڈھکو صاحب نے مزید ترقی کرتے ہوئے لا تعلمھم نحن نعلمھم بھی پڑھ دیا۔ گویا نبی کریمؐ کو منافقین کا علم ہی نہیں تھا......اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا۔ چلو وہ جہاد بالسیف نہ سہی جہاد لسانی ہی سہی، لیکن اگر منافقین کا علم ہی نہ ہو تو ان کے خلاف کسی قسم کا جہاد کیونکر ہو سکتا ہے......؟

ڈھکو صاحب نے حضرت حذیفہ کا قول بھی پیش کیا ہے کہ آج منافقین کی حالت عہد نبی سے بدتر ہے......اس پر تو ڈھکو صاحب کو اعتماد ہو گیا ہے...... ان کا معاملہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ساتھ کیسا تھا؟ کیا تاریخ کے اوراق گواہ نہیں ہیں کہ وہ ہمیشہ ان کے معاون و مددگار بلکہ عام سپاہی و خادم کی حیثیت سے رہے۔ آخر کسی پر تو اعتماد کرو...... ڈھکو صاحب نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ رسولِ خداؐ سے منافقین کو قتل نہ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد عربیؐ اپنے قریب آنے والوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس سے کیا ثابت ہوا کہ حضرات خلفاء ثلاثہ میں اخلاص نہیں تھا۔ آخر بات کرنے کا موقع و محل بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔

ڈھکو صاحب نے کہا کہ سرور عالمؐ منافقین کے ساتھ زیادہ لطف و مدارات فرماتے تھے اور ان کو زیادہ مال و منال سے نوازتے تھے۔ اور قریب تر بٹھاتے تھے۔ ڈھکو صاحب ہی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ تو ان پر سختی کا حکم دے......اور آپ اُن کے ساتھ یہ سلوک کریں تو مطلب یہی ہوا کہ آپؐ نے واقعی حکم خدا پر عمل نہیں فرمایا...... صاحب یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ پہلے مدارات کا حکم تھا اور بعد میں وہ منسوخ ہو گیا تو اس سے استدلال کی کیا گنجائش ہے...... مؤلفۃ القلوب کا ذکر مصارف صدقات کے اندر موجود ہے۔ لیکن ہمارا کلام تو ان لوگوں میں ہے جو صدقات دینے والے ہیں۔ خذ من اموالھم صدقۃ...... ہمارا کلام ان میں ہے جنھوں نے اسلام کی خاطر جان اور (۱) کی بازی لگا رکھی

تھی۔ جہاں سرور عالمؐ نے مال خرچ کرنے کو کہا، مال خرچ کیا، اور جہاد کرنے کو کہا تو بلا چوں چرا اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے نکل پڑے......

ناظرین کرام! یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہوگئی ہوگی کی مہاجرین وانصار بالعموم اور خلفاء اربعہ بالخصوص کس عظیم شان کے مالک ہیں؟...... محبوب رب العالمینؐ کے تمام صحابہ، مہاجرین و انصار کے فضائل ومناقب آیات کلام اللہ اور احادیث صحاح اس کثرت کے ساتھ وارد ہیں کہ جن کو لکھا جائے تو ایک بہت بڑی کتاب تیار ہو جائے گی...... بطور نمونہ چند روایات اہل بصیرت کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور بغور مطالعہ کرنے کی درخواست کرتا ہوں......

(رسالہ مذہب شیعہ) صفحہ ۳۸، تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۶۴ تا ۲۷۹)

④ اس پر ہمارا نقد وتبصرہ:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

ہم کئی بار اس تلخ حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں کہ چونکہ مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب میں تصنیف وتالیف کا سلیقہ نہیں ہے، اس لیے وہ جب کسی بھی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس کو شیطان کی آنت سے بھی زیادہ لمبا کر دیتے ہیں اور صفحوں پر صفحے سیاہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسالہ "تنزیہ الامامیہ" کا جب جواب لکھنے بیٹھے تو "تحفہ حسینیہ" کی تین جلدیں لکھ ڈالیں۔ اگر ان کی تحریر سے حشو وزوائد اور تکرار اور بے جا طوالت کو حذف کر دیا جائے تو پچاس صفحات پر مشتمل مضمون کل پانچ صفحات میں سما سکتا ہے۔ بہر حال پیر آف سیال شریف کا یہ ارشاد کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد جن کو آپؐ نے دمساز و ہم راز بنایا اور انھیں وزیر و مشیر بنایا یہ ان کے مؤمن ہونے کی دلیل ہے۔ اور ہم نے اس دلیل کو رد کیا تو اس پر سیالوی صاحب کے دو ایراد ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آپ پر حکم خداوندی کی عدم تعمیل کا الزام ہوگا کہ خدا سختی کرنے کا حکم دے اور آپ مدارات فرمائیں۔

دوسرا مدارات والا حکم منسوخ ہے اور سختی والا حکم ناسخ اور برقرار ہے اس کا جواب واضح ہے کہ ان دونوں کاموں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ چونکہ آپ بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی۔ لہٰذا بشارت کا تقاضا یہ ہے کہ مقام عمل میں ان کے ساتھ حسن خلق اور مدارات کا برتاؤ کریں اور نذارت کا تقاضا یہ ہے کہ قولی طور پر ان کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں غلظت کا مظاہرہ فرمائیں۔

سیالوی صاحب کا یہ کہنا کہ مؤلفۃ القلوب کا ذکر مصارف صدقات میں ہے کہ ان کی تالیف قلب کی خاطر ان کو صدقات وخیرات دیے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارا روئے سخن تو صدقات کے دینے والوں کی طرف ہے۔ جنھوں نے اسلام کی خاطر جان ومال کی بازی لگا دی تھی۔ جہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال خرچ کرنے کو کہا وہاں مال خرچ کیا اور جہاں جان دینے کو کہا وہاں بلا چوں چرا کود پڑے۔ مگر حق وانصاف یہ ہے کہ ہمیں تو تاریخ اسلام میں جس طرح ان کا جانی قربانی کا کوئی واقعہ نظر نہیں آیا، وہاں مالی ایثار وقربانی کا بھی کوئی واقعہ دکھائی نہیں دیا، ان حضرات نے دولت کمائی ضرور ہے لیکن اسلام پر خرچ کچھ نہیں فرمائی۔ آزمائے جس کا جی چاہے...... پیر صاحب آف سیال شریف نے جس قدر آیات پیش فرمائی تھیں، ان کا مختصر جواب پیش کر دیا گیا۔ ان میں سے کسی ایک میں اصحابِ ثلاثہ کی کوئی فضیلت موجود نہیں ہے اور جہاں تک ہماری کتابوں سے فضائل ثلاثہ کی روایات کا تعلق ہے تو چوتھا باب آ رہا ہے۔

جہاں پیر صاحب اور اشرف سیالوی صاحب اس قسم کی روایات پیش کریں گے تو ہم بھی ان کا پوسٹ مارٹم کر کے ان کے دجل وفریب اور کذب وافتراء کا پردہ چاک کر کے ان کو رسوا کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

سیالوی صاحب! فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

جاؤ گے تم کہاں شیعوں کو چھیڑ کے
رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

عبد الحمید - زین علی

باب چہارم

اہل بیت نبوتؑ اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کا بیان.

اور اس باب میں چند فصلیں ہیں

① رسالہ مذہب شیعہ:
پیر صاحب آف سیال شریف لکھتے ہیں: "تمام صحابہ مہاجرین وانصار رضوان اللہ تعالی عنہم اجمعین کے فضائل ومناقب میں آیات کلام اللہ اور احادیث صحاح اس کثرت کے ساتھ وارد ہیں کہ جن کو لکھا جائے تو ایک بہت بڑی کتاب ہوگی۔ اہل تشیع حضرات کی معتبر ترین تصانیف بھی اگر غور سے مطالعہ کی جائیں تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ بطور نمونہ چند روایات اہل بصیرت کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور بطور مطالعہ کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

② تنزیہ الامامیہ:
جناب پیر صاحب سیالوی کی تگ وتاز اور کدوکاوش سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رسالہ کی نگارش سے ان کا اصل مدعا یہ ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات ومراسم کا خوشگوار اور ان لوگوں کا ممدوح ائمہ اطہار ہونا ثابت کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۳ پر مندرجہ بالا عبارت لکھی ہے اس کے بعد صفحہ ۱۴ سے لے کر صفحہ ۸۰ تک پورے سرسٹھ صفحات اپنے نامۂ اعمال کی طرح دجل وفریب، کذب وافتراء، حق کشی اور باطل کوشی سے سیاہ کیے ہیں قبل اس کے کہ ہم بفضلہ تعالیٰ موصوف کے رکیک استدلالات، وہمی خیالات، بودے ایرادات اور غلط استنجاجات کا علمی محاسبہ کر کے پردہ چاک کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء مسلمین کے بارے میں ائمہ طاہرینؑ کے حقیقی نظریات اپنی کتب مُعتبرہ سے پیش کر کے اس کی تائید مزید اہل سنت کی کتب مُعتمدہ سے پیش کر دیں، تا کہ ائمہ اہل بیتؑ کے اتفاقی نظریہ بحق ثلاثہ معلوم ہو جائے، تا کہ جو روایات بظاہر اس نظریہ کے خلاف نظر آئیں وہ مردود بھی جائیں۔

ایضاح

اس سلسلہ میں بجائے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے ہم اس طویل معلوماتی مقالہ کو ہی سپردِ قرطاس کر دینا کافی سمجھتے ہیں جو محترم بزرگ فخر المحققین مولانا الحاج الحکیم امیر الدین (اعلی اللہ مقامہ) نے اپنے رسالہ شریفہ "ابطال الاستدلال" میں حوالۂ قلم فرمایا ہے۔ یہ مقالہ گو قدرے طویل ہے مگر اس کی جامعیت اور افادیت کے پیشِ نظر یہاں درج کیا جا رہا ہے، اگرچہ اس مقالہ میں بعض تلخ حقائق آ گئے ہیں جو بعض طبائع پر گراں گزریں گے۔ مگر قارئین کرام ہمیں اس سلسلہ میں معذور تصور فرمائیں، کیوں کہ اس کے بغیر اصل حقائق کھل کر سامنے نہیں آسکتے۔

لان المجبور معذور و العذر عند کرام الناس مقبول

فصل اول

چنانچہ جناب مولانائے محترم رقمطراز ہیں:

بحق ثلاثہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی اعتقادات:

اب ہم ان احادیث کتب شیعہ کی فہرست مع حوالہ جات بطور نمونہ تحریر کر دیتے ہیں جن میں حضرات ثلاثہ پر جناب امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ اہل بیتؑ کی ناراضگی اور اُن سے نفرت اور بطلان خلافت ثلاثہ اور ان کا جور و ستم اور مخالفت شرع محمدیؐ اور اُن کی مذمت اور جناب علیؑ کے اپنے مذہب حق کی توضیح صریح الفاظ میں موجود ہے جن کے ساتھ مطابقت دیتے ہوئے مکتوبات و خطبات کو کلمات متنازعہ کے حقیقی معانی بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں اور حوالہ جات کتب شیعہ کے مضمون بالا کی تائید ہم کتب اہل تسنن سے دکھائیں گے۔

خطبۃ الوسیلہ

(۱) کتاب روضۂ کافی صفحہ ۱۳ مطبوعہ نولکشور و تفسیر صافی پارہ نمبر ۱۹ ص ۳۵ بذیل آیت "یوم یعض الظالم علی یدیہ" میں یہ خطبہ جناب امیر علیہ السلام کا مروی ہے:

تقمصها دونی الاشقیان نازعانی فی ما لیس لهما بحق و رکباها ضلالة و اعتقدها جهالة فلبس ما علیه وردا (الی ان قال) غیرا آثار رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم و رغبوا عن احکامه و بعدوا من انواره و استبدلوا بستخلفه بدیلا اتخذوه و کانوا الظلمین

زعموا ان من اختاروا من ال ابی قحافة اولی بمقام رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم ممن احتاره الله و رسوله صلی الله علیه و اله وسلم وقامه و آل مهاجر آل ابی قحافة خیر من المهاجری و الانصاری الربانی ناموس هاشم بن عبد مناف الا و ان اول شهادة زور وقعت فی الاسلام شهادتهم ان صاحبهم مستخلف رسول اللهؐ

ترجمہ: جناب امیرالمومنین علی المرتضیٰؑ فرماتے ہیں میرے سوا دو بد بختوں نے (خلیفہ اوّل وثانی نے) خلافت کا کرتہ پہن لیا اور انھوں نے ناحق میرے ساتھ جھگڑا کیا اور گمراہی سے خلافت پر سوار ہو گئے اور جہالت سے اسے اپنی چیز سمجھ لیا۔ پس دونوں نے برے فعل کا ارتکاب کیا (تا اینکہ فرمایا) ان لوگوں نے آثار رسول ﷺ کو بدل دیا اور احکام نبوی سے مُنہ پھیر لیا اور انوارِ نبوت سے دور ہو گئے اور جس کو جناب رسول اکرمؐ نے اپنا خلیفہ بنایا تھا اس کی جگہ ایک خود ساختہ خلیفہ مقرر کر لیا، اس کے سبب سے وہ ظالم ہو گئے۔ انھوں نے یہ غلط گمان کیا ہے کہ ابو قحافہ (ابوبکر کے والد) کی اولاد سے جس کو (یعنی ابوبکر کو) انھوں نے پسند کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جس کو رسول خدا ﷺ نے اپنا جانشین پسند فرمایا۔ (یعنی حضرت علیؑ کو) اور انھوں نے یہ بھی غلط سمجھا ہے کہ اولاد ابی قحافہ کا مہاجر (ابوبکر) ربانی مہاجری اور انصاری ناموس ہاشم بن عبد مناف (حضرت علیؑ) سے بہتر ہے۔ خبردار ہو جاؤ اسلام میں پہلی جھوٹی شہادت (بعد وفات نبی) یہ دی گئی ہے جو انھوں نے اپنے خود ساختہ دوست (ابوبکر) کو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ پکارا ہے۔ انتہیٰ۔

مکمل خطبہ دیکھنے سے اور گل کھلتے ہیں اس کی تائید سنیوں کی کتاب الامامت والسیاست علامہ ابن قتیبہ صفحہ ۱۳ مطبوعہ مصر میں مروی ہے کہ ابوبکر صاحب نے اپنے غلام قنفذ کو جناب امیر کو بلانے کے لیے بھیجا اس نے پیغام دیا کہ تجھے خلیفہ رسول اللہ بلاتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: سریع ما کذبتم علی رسول الله یعنی تم لوگوں نے جلد تر رسولؐ خدا پر یہ جھوٹ بنا لیا ہے کہ ابوبکر کو خلیفہ رسول کہہ رہے ہو۔

(۲) الدمعۃ الساکبہ صفحہ ۷۱ میں بحوالہ "بحار الانوار" لکھا ہے کہ: "جناب امیرؑ نے فرمایا:

والله ما استخلف رسول الله غیری۔

یعنی خدا کی قسم میرے بغیر رسولِ خداؐ کسی کو خلیفہ نہیں بنا گئے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۵۴، ۲۷ میں مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ابوبکر صاحب کو مسجد قبا میں لے گئے۔ وہاں رسولِ خدا کی عالم دُنیا میں زیارت کرائی رسولِ خداؐ نے ابوبکر صاحب کو زجر و توبیخ فرمائی اور ابوبکر سے وعدہ لیا کہ وہ اس

عہد خلافت کو جناب امیرؑ کے سپرد کریں گے۔ اس کے بعد جناب ابوبکر صاحب حضرت عمر سے ملے اور یہ قصہ سنایا۔ حضرت عمر نے کہا یہ بنی ہاشم کی جادوگری ہے رسولؐ خدا فوت ہو چکے ہیں اب وہ کس طرح آ کر یہ سوال و جواب کرتے ہیں یہ سن کر ابوبکر نے وعدہ خلافی کی یہ روایت باسناد کتاب مذکور میں مروی ہے اور اسی میں ایک اور اسناد سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے شیخین کو ایک اور معجزہ دکھایا کہ رسولِ خداؐ کا تربت پاک سے ہاتھ مبارک باہر آیا اور شیخین کو مخاطب کر کے ہر ایک کا نام لے کر اس طرح آواز آئی:

اکفرت یا ابابکر، و یا عمر بالذی خلقك من تراب ثم من نطفة ثم سواك رجلا۔

یعنی کیا تم کافر ہو گئے ہو؟ اور بعض روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کف دست کو پہچان لیا گیا اور اس پر یہ کلمات لکھے ہوئے تھے۔

(۳) اصول کافی صفحہ ۲۶۵ کتاب الحجۃ میں جناب امام جعفر صادقؑ سے قوله تعالی ان الذین آمنو ثم کفروا ثم امنوا ثم کفرو ثم ازدادوا کفرالن تقبل توبتھم کی تفسیر میں اس طرح مروی ہے۔ فرمایا یہ آیت فلاں وفلاں وفلاں (اصحاب ثلاثہ) کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ انھوں نے اوّل نبیؐ کے ساتھ ایمان لا کر پھر بوقت پیش کرنے ولایت امیر المومنین علیؑ کے کفر وانکار کیا جب کہ نبیؐ نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا۔ پھر امیر المومنینؑ سے بیعت کر کے ایمان لائے پھر بعد وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفر (انکار بیعت) کیا۔ پھر کفر وانکار میں اور بڑھ گئے کہ حضرت علیؑ اور ان کے تابعداروں سے جبریہ بیعت لینے کی کوشش کی۔ پس یہ ایسے ہیں جن میں ایمان کا ایک ذرہ بھی نہیں رہا اور ان کی توبہ بھی مقبول نہیں۔

(۴) اصول کافی صفحہ ۲۶۵ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت ان الذین ارتدوا علی ادبارھم من بعد ما تبین لھم الھدی کی تفسیر میں مروی ہے فرمایا: اس آیت کے مورد اصحابِ ثلاثہ ہیں کہ یہ لوگ ترکِ ولایت امیر المومنین علی علیہ السلام کر کے ایمان سے پھر گئے پھر آیت کرھوا بما انزل اللہ سنطیعکم فی بعض الامر کو امام صادق علیہ السلام نے شیخین اور اُن کے تابعداروں کے حق میں بیان فرمایا۔

(۵) نہج البلاغہ مطبوعہ ایران صفحہ...... و نیرنگ فصاحت صفحہ ۱۴ خطبہ شقشقیہ

(۶) نہج البلاغہ صفحہ ۱۳ ما زلت مدفوعا عن حقی منذ قبض اللہ نبیہ فصاحت صفحہ ۲۲

(۷) صفحہ ۲۲ لیس لی معین غیر اھل بیتی صفحہ ۴۱

(۸) نہج البلاغہ صفحہ ۲۹ لقد علمتم انی احق بھا من غیری

⑨ صفحہ ۲۱۵ کلام علیؑ عند دفن سید النساء

⑩ صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹ احتجوا بالشجرۃ و اضاعو الثمرۃ

⑪ صفحہ ۱۷۴ اجمعوا علی منازعتی حقا کنت اولی بہ من غیری

⑫ صفحہ ۶۹۹، زعمت ان افضل الناس فلاں و فلاں۔

⑬ اقاد کما یقاد الجمل المخشوش

⑭ نہج البلاغہ صفحہ ۲۲۷، ولا یخطر ببالی ان العرب تزعج ھذا الامر من بعدہ عن اہل بیتہ

⑮ صفحہ ۲۶۱، فان کنت بالشوری ملکت امور ھم

⑯ اصول کافی صفحہ ۱۰۶، ۱۸۷، ۲۶۳، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۹۱، ۲۸۶، ۱۸۷، ۱۸۰ لغایت ۲۰۴

⑰ روضۃ کافی صفحہ ۱۳، ۱۴، ۶۱، ۲۶، ۲۷، ۵۰، ۶۲، ۷۷، ۸۷، ۸۱، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۳۹، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۲۹، ۳۰۔

⑱ احتجاج طبرسی صفحہ ۲۹، ۹۵ لغایت ۹۷

⑲ صحیفہ رضویہ مترجم صفحہ ۲۴ وحیات القلوب مطبوعہ نولکشور جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ و ۹۵

⑳ تفسیر قمی باسنادہ صفحہ ۱۶۲، ۲۷۷، بذیل تفسیر آیت وھموا بما لم ینالوا۔

اس میں امام صادق علیہ السلام نے شیخین پر بصراحت لفظ "منافق" اطلاق فرمایا ہے۔ دیکھو تفسیر صافی صفحہ ۲۱۵، ۱۰۷، ۱۴۶، ۲۰۲

اس اجمال کی تفصیل

صفحات محولہ بالا سے چند عبارات معہ ترجمہ لکھ کر اجمال و اشکال کو رفع کر دیا جاتا ہے۔

"نہج البلاغہ" صفحہ ۱۳ و "احتجاج طبرسی" صفحہ ۹۴، ۹۵ "روضہ معانی الاخبار" صفحہ ۱۴۱ میں باسناد امیر المومنین علی علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا:

فو اللہ ما زلت مدفوعا عن حقی مستاثرا علی منذ قبض اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم حتی یوم الناس ھذا۔

طبرسی کے الفاظ میں ہے:

و اللہ انی لاولی الناس بالناس فما زلت مظلوما منذ قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم

ص ۹۴ میں مستا ثر اعلی حقی زیادہ کیا ہے۔

اور روضہ کافی و معانی الاخبار شیخ صدوق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

و لم اجد اعوانا علی ذلك و انی لم ازل مظلوما منذ قبض رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم ۔

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: خدا کی قسم خلافت و امارت کا میں سب سے زیادہ مستحق ہوں، اور جب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوئے ہیں ہمیشہ مجھے اپنے حق سے دھکیل دیا گیا ہے۔ مجھ پر اوروں کو اختیار کیا گیا ہے۔ میں مظلوم چلا آیا ہوں۔

روضہ کافی صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰ میں باسناد امیر المومنین علی علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خم غدیر کے موقع پر خلیفہ مقرر فرمایا اور لوگوں کو مطلع فرمایا کہ میں اُن کے لیے ان کے نفسوں سے اولیٰ بتصرف ہوں۔ اس واقعہ کے وقت شیطان موجود تھا، اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا: اب اس امت مرحومہ پر ہمارا داؤ چلنا مُشکل ہو گیا ہے۔ پھر حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

و اخبرنی رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم انه لو قبض ان الناس یبایعون ابا بکر فی ظلة بنی ساعدة بعد ما یختصمون ثم یاتون المسجد فیکون اول من یبایعه علی منبری ابلیس لعنه الله فی صورت شیخ مسن یقول کذا و کذا ثم یخرج فیجتمع شیاطینه ۔

یعنی فرمایا مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ اُن کی وفات کے بعد لوگ جھگڑا کر کے آخر ابوبکر سے بیعت کریں گے اور پھر مسجد میں آئیں گے وہاں جو سب سے اوّل میرے منبر پر ابوبکر سے بیعت کرے گا وہ ابلیس ملعون ہو گا جو ایک بوڑھے آدمی کی صورت میں آئے گا۔ پھر اس طرح اور اس طرح کہے گا۔ پھر اپنے شیاطین ہمراہیوں کے پاس جا کر خوشیاں منائے گا کہ دیکھو ہم نے کیسا حیلہ کیا ہے۔ حتی ترکوا امر الله عز و جل و طاعته و ما امر هم به رسول الله یعنی کہے گا کہ میں نے ان لوگوں کو ایسے اپنے پنجہ میں لیا ہے کہ یہ فرمانبرداری حکم خدا اور رسول کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ انتھی ملخصا۔

دوسری روایت اس سے ملتی ہے اُس میں اس بیعت ابوبکر کے دن ابلیس کی تاچپوشی کا بھی ذکر ہے اور ابلیس کا مقولہ اُس روایت میں یوں مروی ہے: و ہؤلاء نقضوا العهد و کفروا بالرسول انھوں نے عہد کو توڑ دیا ہے اور رسولؐ خدا کے ساتھ انھوں نے کفر کیا ہے۔

روضہ کافی صفحہ ۱۵ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپؑ نے سائل کے جواب میں فرمایا:

ما تسئلني عنهما فو الله ما مات منا ميت قط لا ساخطا عليهما يوصي بزلك الكبير منا الصغير انهما ظلمانا حقنا و منعانا فيئنا (ثم قال) والله ما اسست من بلية و لا قضية تجري علينا اهل البيت الاهما اسسا اولها فعليهما لعنة الله و الملئكة و الناس اجمعين ۔

یعنی فرمایا ان دونوں (ابوبکر و عمر) کا حال تم ہم سے کیا پوچھتے ہو خدا کی قسم! ہمارے اہل بیتؑ میں کوئی ایسا فوت نہیں ہوا اور نہ کوئی ایسا زندہ ہے جو ان دونوں پر غضبناک نہ ہو۔ ہمارا ہر بڑا چھوٹے کو یہ وصیّت کر دیتا ہے کہ ان دونوں نے ہمارا حق غصب کرنے اور فدک وغیرہ مال فے روک لینے سے ہم اہل بیتؑ پر ظلم کیا ہے (پھر فرمایا) خدا کی قسم کوئی رنج اور مصیبت ایسی نہیں جو ہم پر آئی ہو مگر یہ کہ بنیاد اس کی ان دونوں نے رکھی ہے۔ پس ان پر......

دوسری روایت میں فرمایا: شیخین (ابوبکر و عمر) دُنیا سے گئے اور انھوں نے اس جرم سے توبہ نہ کی اور اس سے متاثر نہ ہوئے۔ جو ان دونوں نے امیر المؤمنینؑ کے حق میں کیا پس دونوں پر......اور دمعہ ساکبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷ میں خرائج سے باسناد امام زین العابدینؑ سے مروی ہے:

قلت اسئلك عن الاول و الثاني قال عليهما لعائن الله كلاهما ماتا و الله كافرين مشركين بالله العظيم

اس کا ترجمہ ظاہر ہے۔

ان روایات کے پڑھنے سے کسی سنّی بھائی کو ہم پر ناراض نہ ہونا چاہیے ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتے بلکہ ائمہ اہل بیتؑ کا اعتقاد کتب شیعہ کی روایات سے آپ کو اس لیے دکھانا ضروری سمجھتے ہیں کہ مناظرین اہل تسنّن کا یہ دعویٰ کہ کتب شیعہ میں اصحابِ ثلاثہ کی تعریف ائمہ اہل بیتؑ سے ثابت ہے، باطل ہو جائے اور مطالعہ ان جوابات کے بعد کوئی اہل تمیز یہ نہ کہے کہ ائمہ طاہرینؑ ثلاثہ کی تعریف بیان کرتے رہے ہیں اور ان کو محبّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایسی بے شمار احادیث کتب شیعہ میں موجود ہیں۔ مگر بخوفِ طوالت ہم نے فقط نمونہ کے طور پر ان ہی پر اکتفا کیا ہے۔ اس قدر متواتر صحیح احادیث کے بر خلاف اگر کوئی خبر واحد کہیں سے ایسی ملے جس سے بظاہر ثلاثہ کی مدح مترشح ہو تو اس کو شاذ اور مرجوح اور ساقط عن الاعتبار سمجھا جائے گا، یا اُس کا ایسا معنی مراد لیا جائے گا جو ان احادیث کے مطابق ہو۔ یاد رکھو کتب شیعہ میں سے حضرات اصحابِ ثلاثہ کی پوزیشن ہرگز صاف ثابت نہیں ہو سکتی۔

کتب سُنّیہ سے مضمون بالا کی تائید

صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ میں حضرت علیؑ ابوبکر صاحب کو فرماتے ہیں:

ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نری لنا حقا لقرابتنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

یعنی تم نے اپنی رائے سے بلا رضامندی ہم اہل بیتؑ رسول کی خلافت وامارت پر تسلّط کرلیا۔ حالانکہ ہم بوجہ قرابت رسول اللہؐ کے اپنا حق جانتے تھے۔

تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ میں اسی طرح ہے:

کنا نری ان لنا فی ھذا الامر حقا فاستبددتم بہ علینا

اس سے ثابت ہوا کہ ابوبکر صاحب کی حکومت استبدادی تھی۔ "منتہی العرب" لغت میں ہے استبد برأیہ۔ اپنی رائے سے مُنفرد ہو کر گمراہ ہوا۔ "غیاث اللغات" میں ہے: استبداد تنہا بر ہر کارے استادن و منع کسے قبول نہ کردن۔ نیز "صحیح مسلم" جلد ۲ صفحہ ۹۱ میں حضرت عمر اعتقاد جناب امیرؑ بحق شیخین کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس طرح کہ عمر صاحب جناب علیؑ اور حضرت عباس چچا رسول خدا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر خلیفہ تھے تو آپ دونوں نے اپنے اعتقاد میں اُس کو جھوٹا، گنہ گار، دغاباز، خیانتی سمجھے رکھا اور جب میں خلیفہ ہوا ہوں تو بھی (فرایتمانی کاذبا اثما غادرا خائنا) تم دونوں نے مجھے جھوٹا، گنہگا، دغاباز خیانتی سمجھا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ نے سن کر انکار نہیں فرمایا۔

اور مروج الذھب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر صفحہ ۷۵، ۷۸ میں ہے: محمد بن ابی بکر کے خط کا جواب معاویہ نے اس طرح لکھا:

کان ابوك و فاروق اول من ابتزہ حقہ و خالفہ علی الرہ علی ذلك اتفقا و استقا

ثم انھما دعواہ الی بیعتھما فابطاء عنھما و تلکا علیھما فھمابہ الھموم و ارادا بہ العظیم۔

یعنی اے محمد بن ابی بکر تم جو مجھے حضرت علیؑ کی بیعت و فرمانبرداری کی نصیحت کرتے ہو تم کو معلوم نہیں سب سے پہلے جس نے ظالمانہ طور پر حضرت علیؑ کا حق لیا وہ تیرا باپ ابوبکر اور اس کا دوست عمر فاروق ہے اس پر دونوں متفق ہو گئے۔ پھر انھوں نے علیؑ کو بیعت لینے کے لیے بلایا اس نے دیر کی اور ناراضگی ظاہر کی تو دونوں نے اس کے برخلاف سخت ارادے کیے اور منصوبے باندھے

(پھر لکھا) اگر تیرا باپ یہ کام نہ کرتا تو آج ہم بھی علیؑ ابن ابی طالبؑ کی مخالفت نہ کرتے انتہیٰ
منتہی العرب میں ہے: ابتزا الشئ ربود آنرا و گرفت بہ ستم

اور تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۶ و صفحہ ۲۷ و تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۳۴ لغایت ۴۰ و تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۴۷ و عقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۷۲، ۷۵ مطبوعہ مصر و روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۴۰۹ مطبوعہ مصر میں جناب امیرؑ کا فرمان فیصلہ شوریٰ خلیفہ ثالث کے وقت اس طرح مروی ہے فرمایا: ليس هذا اول يوم تظاهرتم علينا فصبر جميل و الله المستعان على ما تصفون اور دوسری روایت میں زیادہ ہے: تظاهر ثم علينا من دفعنا عن حقنا و الاستئثار علينا۔ یعنی تمہاری سازشوں اور منصوبہ بازیوں کا کوئی یہ پہلا دن نہیں ہے کہ ہم کو ہمارے حق سے محروم کر کے اوروں کو منتخب کیا جا رہا ہے۔ بلکہ بعد وفاتِ نبی ﷺ ہمارے ساتھ یہی سلوک ہوتا آتا ہے۔ لیکن ہم اس پر صبر کرتے ہیں۔ تفصیل اس کی فلک النجات جلد ۱ صفحہ ۲۶۱ میں ملاحظہ ہو چونکہ صبر مصیبت پر ہوتا ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ خلافت ثلاثہ کو ایک مصیبت سمجھتے تھے۔

استقصاء الافحام جلد ۱ صفحہ ۲۱۹، ۶۲۵ میں محاضرات راغب اصفہانی سے منقول ہے (جس کی تعریف سیوطی نے بغیۃ الوعات میں لکھی ہے) کہ حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر نے ایک دن فرمایا: خدا کی قسم تم لوگوں کے اندر حضرت علیؑ مجھ سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ ابن عباس کہتے ہیں: میں نے کہا پھر تم دونوں نے کیوں حملہ کر کے ان کا حق غصب کر لیا۔ حضرت عمر بولے: ہم نے سمجھا عرب حضرت علیؑ کے دشمن ہیں، وہ اس پر اتفاق نہیں کریں گے۔

حضرت عمر اور ابن عباس کا دوسرا مکالمہ

تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۱، ۲۲ و کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۴، ۲۵ مطبوعہ مصر میں حضرت ابن عباس و حضرت عمر کا مکالمۂ طویل مروی ہے، جس میں حضرت عمر نے ابن عباس کو مخاطب کر کے یوں کہا: "بلغنى انك تقول انما صرفوها عنا حسدا و ظلما فقلت اما قولك ظلما فقد تبين للجاهل و العليم.....الخ "۔ یعنی عمر نے کہا مجھے خبر ملی ہے تو کہتا ہے کہ انھوں (ابوبکر و عمر) نے ہم بنی ہاشم سے خلافت ظلم اور حسد سے لی ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں میں نے کہا: بلاشک یہ ہر عالم اور جاہل پر روشن ہے۔ مفصل دیکھو ضمیمہ

فلک النجات صفحہ ۲۸۱ اور تائید میں ملاحظہ ہو سر العالمین امام غزالی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱

تیسرا مکالمہ

شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید سنی کی جزو ۱۲ ص ۶۱ مطبوعہ ایران میں بذیل شرح اسی خطبہ مندرجہ عنوان استدلال یعنی للہ بلاد فلاں کے لکھا ہے:

وروی ابن عباس قال خرجت مع عمر الی الشام ویوم یسیر علی بعیرہ فاتبعه فقال لی یا ابن عباس اشکو الیك ابن عمك سالته ان یخرج معی فلم یفعل ولا ازل اراہ واجدا فیما تظن موجدته قلت یا امیر المومنین انك لتعلم قال اظنه لا یزال ثیا ثفوت الخلافة قلت هوذاك انه یزعم ان رسول اللہ اراد الامر له (الی ان قال) وقد روی معنی هذا الخبر بغیر هذا اللفظ وهو قوله (عمر) ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اراد ان یذکرہ الامر فی مرضه فصدته عنه خوفا من الفتنة (الخ) انتهی ملخصاً۔

خلاصہ ترجمہ:

علامہ ابن ابی الحدید باسناد خود ابن عباس سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ شام کے سفر میں حضرت عمر کے ساتھ تھا۔ تنہائی میں مجھ سے حضرت عمر کہنے لگے: اے ابن عباس تیرے چچا زاد بھائی کی میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں کہ میں نے اس سے خواہش کی کہ وہ میرے ساتھ آئیں مگر نہیں آئے میرا خیال ہے کہ وہ ہم پر ناراض رہتے ہیں۔ جس کا سبب تو جانتا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں: میں نے کہا: آپ بہتر جانتے ہیں کہا: میرا گمان ہے کہ ان کے ہاتھ سے خلافت نکل جانے کے سبب سے وہ غمگین رہتے ہیں۔ میں نے کہا: ہاں یہی بات ہے اُن کا اعتقاد ہے کہ رسول اللہؐ کا ارادہ یہی تھا کہ وہی خلیفہ ہوں۔

دوسری روایت میں حضرت عمر کہتے ہیں:

اے ابن عباس! رسول خدا مرض الموت میں چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ کی خلافت کے لیے تصریح کردیں۔ مگر میں مانع ہوا کہ مبادا فتنہ بھڑ اہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبیؐ کے طلب قرطاس و دوات کے وقت حضرت عمر نے جو عدم تعمیل حکم رسولؐ [illegible] شور برپا کیا تھا وہ فقط اسی سبب سے تھا کہ کسی طرح حضرت علیؑ کے لیے حکم خلافت کی تحریری تصریح [illegible] ہو جائے۔

چوتھا مکالمہ

شرح ابن ابی الحدید جزء ۱۲ صفحہ ۸۵ میں بذیل خطبہ مندرجہ عنوان استدلال لکھا ہے:

و روی الزبیر بن بکار فی الوفیات عن عبداللہ ابن عباس قال انی لا ماشی عمر بن الخطاب فی سکته من سکک المدینة از قال لی ما اریٰ صاحبك الا مظلوما فقلت فی نفسی و اللہ لا یسبقی بها فقلت یا امیر المؤمنین فاردالیه خلافته فانتزع یده من یدی و مضیٰ۔

بخوف طوالت بجائے عربی لکھنے کے اس مکالمہ کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مدینہ کی گلیوں میں سے ایک گلی میں حضرت عمر کے ساتھ میں دوش بدوش ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے جا رہا تھا۔ حضرت عمر فرمانے لگے: میں تیرے یار علیؑ کو مظلوم ہی سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اس بات میں یہ مجھ سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔ میں نے کہا: یا امیر المؤمنین آپ ان کی ظلم سے لی ہوئی چیز ان کو واپس کر دیں۔ یہ سن کر حضرت عمر اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے کھینچ کر روانہ ہوئے۔ کچھ وقت تیز چل کر پھر کھڑے ہو گئے اور کہا: میرا خیال ہے قوم نے اس لیے اس کو خلیفہ نہیں بنایا کہ یہ صغیر السن (کم عمر) ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا: یہ عذر پہلے سے بھی بدتر ہے۔ میں نے کہا: خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے جناب علیؑ کو کم عمر نہیں سمجھا جب کہ انھوں نے اس کو حکم دیا تھا کہ جا کر تیرے یار سے سورۂ برأت واپس لے اور احکام خدا اور رسولؐ کے لوگوں کو پہنچائے۔ ابن عباس فرماتے ہیں: یہ سنتے ہی حضرت عمر نے ہم سے منہ پھیر لیا۔ اور رفتار تیز کر لی۔ جس پر میں اس سے ہٹ کر واپس چلا آیا۔

تیسرا مکالمہ اور عمر صاحب کا اقرار عمل اعدام تعمیل ارشاد قرطاس بعینہ مثل ابن ابی الحدید کے تاریخ بغداد مصنفہ ابن ابی طاہر بغدادی مطبوعہ مصر جلد اول باب التاء صفحہ ۱۷۱، ۵۱۷ میں درج ہے۔ تاریخ بغدادی کی توثیق اسی قدر کافی ہے کہ امام نووی جیسے سنیوں کے مسلم و مقتدر محدث نے شرح صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۳ میں اس تاریخ پر اعتماد کر کے اس سے سند لی ہے۔ لکھا ہے: "ذکر هذا کله الخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد باسانیده"۔ اور اس کے علاوہ اس کی توثیق بستان المحدثین تالیف شاہ عبدالعزیز دہلوی میں ملاحظہ ہو اور توثیق شرح ابن ابی الحدیث کے لیے کتاب مذکور کی جلد ۴ صفحہ ۵۷۶ کے خاتمہ پر تقریظ مہتمم و مصحح مطبع دار التالیف العربیہ ملاحظہ ہو۔ اس کے علاوہ کتاب معجز الآداب فی معجم الالقاب دیکھیے۔ جس میں ترجمہ ابن ابی الحدید ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

ملخص حال للشیخ الامام السعید عز الدین عبد الحمید بن ابی الحسن ہبۃ اللہ ابن ابی الحدید المدائنی الحکیم الاصولی کان من اعیان العلماء الافاضل و الاکابر الصدور الخ

نیز سنیوں کی کتاب فواۃ الوفیات اور وفیات الاعیان ابن خلکان ترجمہ نصر اللہ ابن اثیر صاحب مثل السائر میں ملاحظہ ہو۔

اور استیعاب مطبوعہ مصر بر حاشیہ اصابہ جلد ا صفحہ ۵۰۲ حرف الرائے ترجمہ رفاعہ بن رافع بن مالک میں حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا:

ان اللہ عز و جل لما قبض رسول اللہ قلنا نحن اھلہ و اولیائہ لا ینازعنا سلطانہ احد فابی علینا قومنا قولوا غیرنا و ایم اللہ لو لا مخالفۃ الفرقۃ و ان یعود الکفر و یبور الدین لغیرنا قصرنا علی بعض الالم الخ

حضرت علیؑ فرماتے ہیں بعد وفاتِ نبیؐ ہم نے کہا ہم نبیؐ کے اہل بیتؑ اور وارث ہیں۔ ہمارے ساتھ کوئی ان کی بادشاہت میں جھگڑا نہ کرے گا۔ مگر ہماری قوم قریش نے اس بات کا انکار کیا اور ہمارے غیر کو سردار مقرر کر لیا خدا کی قسم اگر اختلاف پیدا ہونے اور لوگوں کے مرتد ہونے اور اسلام مٹ جانے کا خوف نہ ہوتا (تو تم دیکھتے کہ ہم کیا کرتے) پس ہم نے اس رنج والم پر صبر کیا۔ انتہٰی

ان عبارات کتب سنیہ سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ خلافت خلفاء ثلاثہ کو غاصبانہ اور ظالمانہ سمجھتے تھے۔ اور آپؑ دعویٰ خلافت ظاہر فرماتے رہے۔ اس حد تک اپنے اِستحقاق کا آپ کو یقین تھا کہ خوفِ اِختلاف و ارتداد نہ ہوتا تو جنگ بھی کرتے اور یہ کہ خلافتِ ثلاثہ کو آپ ایک دردناک مصیبت تصور فرماتے تھے۔ جس پر صبر فرمایا اور یہ کہ شیخین کو آپ کاذب، آثم وغادر، خائن سمجھتے تھے اور حضرت عمر کو اس بات کا اقرار تھا کہ حضرت علیؑ پر ظلم ہوا ہے۔ مگر عملاً اس کا تدارک نہ کیا گیا۔

جناب علی علیہ السلام کا اپنا مذہب اور ثلاثہ پر اعتراض

کتاب شیعہ روضہ کافی میں صفحہ ۵۵ تا ۵۷ مطبوعہ دار التعارف للمطبوعات بیروت میں جناب امیر المومنین علی المرتضی علیہ السلام کا ایک خطبہ مروی ہے جس سے مذہب علیؑ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

یہ خطبہ جناب نے اہل بیتؑ اور اپنے خواص شیعہ کے سامنے ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: مجھ سے پہلے حکام نے ایسے اعمال کو رواج دیا ہے جن میں انھوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کو انھوں نے عمداً توڑ

کر غلط راہ لی ہے۔ جس سے سنت نبوی کو تبدیل کر دیا۔ اب اگر میں ان لوگوں کو اُن حکام کے پیدا کردہ بدعات کے ترک کا حکم دوں اور تمام سنن نبویہ کو اصلی طرز پر جاری کروں جیسا کہ رسول اللہؐ کے وقت میں جاری تھیں تو میرے لشکر کے سب لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا، یا میرے ساتھ وہ تھوڑی جماعت شیعہ رہ جائے گی جنھوں نے میری فضیلت اور فرض امامت کو کتاب اللہ اور سنت نبوی سے بخوبی سمجھ لیا ہوا ہے"۔ (ضعیف الاعتقاد لوگوں کے شامل رکھنے کا یہ فائدہ تھا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں ظاہری جمعیّت لشکر کا رعب اور اثر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جماعت قلیلہ مؤمنین پر مخالفین ایسا حملہ کریں کہ وہ بالکل ہی مٹ جائیں۔ چنانچہ نبیؐ کے لشکر میں بھی اس قسم کے لوگ شامل رہتے تھے) (پھر فرمایا) غور کرو کہ ① اگر میں مقام ابراہیم کو اس مقام پر رکھوں جس پر رسول اکرمؐ نے رکھا ② اور فدک وارثان جناب سیدہ معصومہ صلوۃ اللہ علیہا کو واپس کروں ③ اور پیمانہ صاع رسول کریمؐ کو اسی مقدار پر کر دوں جس پر رسول خداؐ کے زمانہ پر تھا ④ اور ان جاگیرداروں کو جو رسول خداؐ نے کسی کے لیے مقرر فرمائی تھیں اس طرح واپس دلا دوں ⑤ اور حضرت جعفر طیارؓ کی حویلی مسجد سے نکال کر اس کے وارثوں کو دلا دوں ⑥ اور جو ظالمانہ طور پر فیصلے ناحق ہو چکے ہیں ان کو صحیح کر دوں ⑦ اور ان عورتوں کو جو ناحق کسی کو دلائی گئی ہیں ان کے خاوندوں کے پاس واپس کرا دوں ⑧ اور اولاد بنی تغلب کو قید کر دوں ⑨ اور زمین ناحق تقسیم شدہ کو واپس کر دوں ⑨ اور دفتر انعامات ناجائز کو مٹا دوں جیسا کہ جناب رسول اللہؐ دیتے تھے ویسے ہی برابر تقسیم کروں ⑩ اور جو دولت مند لوگ پہلے حکام کے زمانہ سے بے جا طور پر لے رہے ہیں ان کو ایسا نہ کرنے دوں ⑪ اور احکام ازدواج کو جیسا کہ چاہیے تھا درست کروں ⑫ اور خمس رسولؐ کو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس طریقہ پر جاری کروں ⑬ اور مسجد رسول اللہؐ کو اصلی بنا پر قائم کروں ⑭ اور مسجد کے دروازوں کو درست کروں ⑮ جو بند کیے گئے ہیں ان کو کھول دوں ⑯ اور جو نئے بنائے گئے ہیں ان کو بند کر دوں ⑰ اور مسح موزوں کی حرمت کا حکم جاری کر دوں ⑱ اور شراب و نبیذ پینے پر حد جاری کروں ⑲ اور مُتعہ الحج و مُتعہ النساء کو رواج دوں ⑳ اور جنازوں پر پانچ تکبیروں کا حکم جاری کروں ㉑ اور لوگوں کو نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کا ضروری حکم دوں ㉒ اور جس کو رسول خداؐ کی مسجد سے نکالا گیا ہے اس کو داخل کر لوں ㉓ اور اصلی احکام قرآنی پر چلنے کا ان لوگوں پر حکم جاری کروں ㉔ اور طلاق بطریق سنت رواج دوں ㉕ اور صدقات کو ان کے اصلی احکام پر وصول کروں ㉖ اور وضو، غسل و نماز کو ان کی اصلی صورت پر پھیر دینے کا حکم جاری کروں ㉗ اور اہل نجران کو ان کے اپنے مقامات پر

واپس کروں ۲۸ اور فارس کے قیدی غلاموں کو واپس کردوں یعنی آزاد کرادوں ۲۹ اور سب لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جبراً پھیر دوں...... تو تم دیکھو گے کہ تمام لوگ ہم سے دور ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم میں نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ ماہِ رمضان شریف میں فرائض کے بغیر مروجہ نوافل (تراویح) کی جماعت نہ کریں کیونکہ یہ بدعت ہے، میرے لشکر میں سے جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کررہے تھے۔ پکار اُٹھے کہ اے مسلمانو! دیکھو حضرت عمر کی سنت تبدیل کی جارہی ہے۔ یہ ہم کو رمضان شریف میں نماز نوافل سے منع کرتے ہیں۔ اس سے مجھے یہ خوف پیدا ہوگیا کہ یہ میرے لشکر میں اشتعال و بغاوت پیدا کرتے ہیں۔ میں خدا کی طرف اس بات کی شکایت کرتا ہوں جو لوگوں نے تفریق پیدا کردی ہے اور جو انھوں نے ایسے اماموں کی پیروی اختیار کررکھی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے والے اور دوزخ کی طرف بلانے والے ہیں۔ آخر میں فرمایا: واللہ المستعان علی من ظلمنا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

نتیجہ:

اول: اس خطبہ جناب امیر علیہ السلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعدِ وفاتِ پیغمبر خدا اکثر احکام شریعہ کو خلفاء ثلاثہ نے تبدیل کردیا تھا اور ان کے دلوں میں عرصہ دراز سے وہی بدعات واحداث بجائے سنت نبوی راسخ و مضبوط ہو چکے تھے۔ اس کے مخالف اصلی سنن نبویہ کو بدعت گمان کرتے تھے۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ مصر میں علامہ ابن ابی الحدید سنی لکھتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز حاکم ہوا اس نے حضرت علیؑ پر سب وشتم کو جو معاویہ کا دستور تھا بند کرادیا۔ اس پر لوگوں نے یہ مشہور ہوگیا کہ اس نے سنت کو تبدیل کردیا ہے۔

دوم: جناب امیر علیہ السلام کو چونکہ تسلّط تام رعایا پر حاصل نہ ہوا تھا اس لیے احکام صحیحہ کو مکمل طور پر جاری نہ فرماسکے۔ اگرچہ خواص مومنین میں جاری رکھے چنانچہ ہم نے اس کو فلک النجاۃ جلد ا صفحہ ۲۲۹، ۴۰۴ میں بحوالہ بخاری مع فتح الباری جلد ۳ ص ۳۸۷ مفصل بیان کیا ہے۔

سوم: جناب امیرؑ چند مسائل جیسے منع جماعت تراویح و جواز بیع اُم ولد میں لوگوں کو آزما چکے تھے کہ یہ برخلاف، سیرت ثلاثہ کسی شرعی حکم پر عمل نہیں کرتے۔ بلکہ مشتعل ہو کر فساد برپا کرتے ہیں۔ لہٰذا احکام صحیح حاکمانہ طرز پر جاری نہ فرماسکے۔ اگرچہ اپنے مذہب کے احکام ظاہر فرماتے رہے۔

چہارم: اس کی مثال یہ ہے جیسا رسول خداؐ نے منافقین کو اس خوف سے قتل نہ فرمایا کہ لوگ

باتیں بنائیں گے دیکھو محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآنی حکم صاف تھا: "جاهد الكفار و المنافقين و اغلظ عليهم" مذکورہ بالا وجہ عدم قتل منافقین کی حدیث بخاری مع فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۰۸ وکنز العمال جلد ۶ ص ۲۲،۴۸ میں یہ ملاحظہ ہو اور جیسا کہ آنحضرتؐ کو بناء کعبہ کی درستی پر صحابہ کے مرتد ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے اس کو اصل بناء ابراہیمی پر تعمیر نہ کر سکے۔ دیکھو بخاری مع فتح الباری جلد ۲ ص ۹۸ وصحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۲۱ وروضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۷۷ انتهى ما اردنا نقله من ابطلال استدلال۔

③ اس پر مولوی محمد اشرف سیالوی کی تنقید:

ڈھکو صاحب فضائل ثلاثہ اور اہل بیت کرامؑ کے ساتھ اس کے محبانہ مراسم اور نیازمندانہ تعلقات دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ حکیم صاحب کے نسخوں کا سہارا لیے بغیر چارہ کار نظر نہ آیا۔

ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ حقیقی نظریات ائمہ اہل بیتؑ کے معلوم کرنے کے لیے ہم اپنے مذہب کی کتب مُعتبرہ سے حوالہ پیش کریں گے مگر جب خلفاء ثلاثہ کے خلاف زہر اگلنے کی ٹھانی تھی تو اس وقت بھی یہ خیال کیا تھا کہ آیا یہ کتابیں اہل سنت کی ہیں بھی یا نہیں؟

کہیں ابن ابی الحدید مُعتزلی شیعی کی روایات درج کی ہیں کہیں مروج الذہب مسعودی کے حوالے جو پکا شیعہ تھا علاوہ بریں انہی کتب مُعتبرہ کے چند حوالے پیش کرنے کے بعد اگر ڈھکو صاحب اور اس کے ماہر طبیب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اہل سنت کی جس کتاب سے چاہیں حوالہ پیش کر سکتے ہیں تو حضرت شیخ الاسلام کو یہ حق کیوں نہیں دیتے کہ وہ کتب متداولہ مُعتبرہ سے حوالے کتاب وسنت سے استشہاد کے بعد پیش کر سکیں۔ ڈھکو صاحب اور ان کے روحانی پیشوا فرماتے ہیں کہ اس قدر متواتر اور صحیح احادیث کے برخلاف جو جو خبر واحد ملے گی وہ شاذ، مرجوح اور درجہ اعتبار سے ساقط ہوگی۔

.....مگر جو ضابطہ یہاں یاد آگیا وہ تحریف قرآن کے باب میں کیوں یاد نہ آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعی علماء کا نہ کوئی ضابطہ ہے اور نہ اصول وقواعد ...... ائمہ کرام کا بیان فرمودہ صحت روایات کا معیار...... پس تمہارے اندر کسی امر میں باہم نزاع پیدا ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹاؤ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رد کرنے کا معنی ہے اس کی کتاب کی آیات محکمات اور صریح الدلالت کی طرف لوٹانا اور رسول خداؐ کی طرف لوٹانے کا مطلب ہے آپ کی سنت کے ساتھ تمسک کرنا جو اجماع واتفاق پیدا کرنے والی ہو اور تفریق پیدا کرنے والی نہ ہو...... نیز نبی اکرمؐ نے امت کے ہدایت پر قائم رہنے اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لیے جو سامان ہدایت عطا فرمایا وہ (حدیث الثقلین) ہے۔

انی مخلف فیکم الثقلین ما ان تمسکم بھما لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی

یہ وہ روایت ہے جو فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہے اور مسلم الثبوت اور معروف الصحۃ جس سے واضح ہے کہ قرآن اور اہل بیت مجتمع اور متفق رہیں گے اور ان کی راہ ایک ہوگی۔ معیار حق کتاب اللہ اور سنت رسول جو اس کے مطابق ہو) بعد ازیں اس مضمون کی چند روایات پیش کی ہیں:

فما وافق کتاب اللہ فخذوہ و ما خالف کتاب اللہ فھو زخرف۔

جو حدیث قرآن کے موافق ہو اسے لے لو جو اس کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ (اصول کافی)

ڈھکو صاحب اور ان کے روحانی و جسمانی طبیب نے صحابہ کرام کی عداوت اور دشمنی پر مبنی روایات کو متواتر قرار دیا ہے۔ لیکن امیر المومنین حضرت علیؑ نے جماعت اور سوادِ اعظم کے عقائد و نظریات کی موافقت پر زور دیا ہے...... شیعہ صاحبان اور تحریف روایات ...... حضرت امام جعفر صادقؒ نے خلیفہ کے دربار میں شیخین کے متعلق علی الاعلان فرمایا:

ھما امامان عادلان ...... الخ اور جب باہر آگئے تو آپؒ کے خواص میں سے ایک نے پوچھا: اے فرزند رسولؐ! آج آپ نے ابوبکر و عمر کی مدح وثناء ...... کر دی ہے؟ فرمایا: تو نے میرے قول کا معنی و مفہوم نہیں سمجھا...... میں نے جو کہا وہ دونوں امام ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے بعض امام ایسے ہیں جو نارِ جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ الخ

تنبیہ

اب حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ "مذہب شیعہ" کی روایات جو کتب شیعہ سے منقول ہیں اور ڈھکو صاحب نے ان کی تاویلات و تسویلات میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور ترتیب کتاب کو ملحوظ رکھے بغیر ادھر ادھر ذکر کیا ہے ان کو اسی ترتیب سے ذکر کر کے ساتھ ہی جوابات عرض کرتا جاؤں گا...... البتہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی عظمت اور کتاب خطبات نہج البلاغہ کی اہمیت کے پیش نظر بندہ نے ان ارشادات کو دوسرے حوالہ جات پر مقدم کر دیا ہے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۱، ۳۰۳)

④ اس پر ہمارا نقد و تبصرہ:

خرد کا نام جنون رکھ دیا اور جنون کا خرد
جو چاہے آپ کا علم کرشمہ ساز کرے

ایک مشہور مقولہ ہے کہ "حب الشئی یعمی و یصم او بغض الشئی یعمی و یصم......" کہ جب

آدمی کو کسی سے حد سے زیادہ محبت ہو جائے یا کسی سے حد سے زیادہ نفرت ہو جائے تو یہ چیز آدمی کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ اس مقولہ کی صداقت کا مشاہدہ کرنا ہو تو ہمارے کرم فرما مولانا محمد اشرف سیالوی اور اُن کے رسالہ "تحفہ حسینیہ" میں موجود ہیں۔ انھیں دیکھ لیجئے۔ چنانچہ موصوف کو صحابہ کی بے پناہ محبت اور محبانِ اہل بیتؑ سے بے پناہ نفرت نے ایسا اندھا اور بہرا بنا دیا ہے کہ انھیں کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا لکھ رہے ہیں، وہ گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں:

کبھی جھکتا ہوں مینا پر کبھی گرتا ہوں ساغر پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

بات صرف اس قدر تھی کہ ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں پیر آف سیال شریف کے خیالات پریشان کو جو ان کے رسالہ "مذہب شیعہ" میں بکھرے ہوئے تھے اور مختلف مسائل کو باہم گڈ مڈ کر دیا گیا تھا عمدہ سلیقہ سے ان کو یکجا کیا تھا اور اُن کی باب بندی کی تھی اور کتاب کے چھ باب اور چھ عنوان مقرر کیے تھے۔ تا کہ افہام و تفہیم میں اور سمجھنے سمجھانے میں آسانی پیدا ہو۔ اور اب جب کہ ہم اپنی کتاب دوبارہ شائع کرنے کی غرض سے نظر ثانی کر رہے ہیں اور جناب مولانا اشرف سیالوی صاحب کی جوابی کتاب "تحفہ حسینیہ" کا جواب الجواب بھی بڑے اِختصار مگر جامع انداز میں پیش کر رہے ہیں تو ہم نے سابقہ ابواب اور فصول کی ترتیب تو وہی بحال رکھی ہے۔ مگر اس میں تھوڑی سی تبدیلی یہ کی ہے کہ سب سے پہلے پیر صاحب آف سیال شریف کے رسالہ "مذہب شیعہ" کی عبارت پیش کرتے ہیں پھر "تنزیہ الامامیہ" میں پیش کردہ اپنا جواب درج کرتے ہیں۔ بعد ازاں سیالوی کے "تحفہ حسینیہ" والی تنقید کا تذکرہ کرتے ہیں اور سب کے آخر میں اس پر اپنا نقد و تبصرہ پیش کرتے ہیں تا کہ قارئین کے سامنے تصویر کے سارے رُخ آجائیں۔ اور ان کو حق و باطل میں امتیاز کرنے اور سچ و جھوٹ میں تفریق کرنے میں آسانی ہو جائے اور انھیں آخری فیصلہ کرنے میں کوئی الجھن پیش نہ آئے۔ مگر سیالوی صاحب نے اس سے پہلے بھی کئی بار ترتیب میں کچھ رد و بدل ضرور کیا ہے۔ مگر یہاں پہنچ کر تو اس تبدیلی اور بے ترتیبی کی حد ہی کر دی ہے۔ چونکہ اس چوتھے باب کا عنوان ہی یہ ہے کہ "اہل بیتؑ نبوت اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کا بیان"۔

چنانچہ پیر صاحب آف سیال شریف نے ہاتھ پاؤں مار کر ادھر اُدھر سے کچھ ناقص اور نا مکمل حوالے کتب شیعہ سے پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی کہ ائمہ اہل بیتؑ اور اصحاب ثلاثہ باہم شیر و شکر تھے اور اُن کے باہمی تعلقات بڑے خوشگوار تھے..... تو ہم نے اپنے رسالہ "تنزیہ الامامیہ"

میں ان کے پیش کردہ حوالہ جات کا پوسٹ مارٹم کرنے سے پہلے بطورِ مقدمہ وتمہید فخر المحققین مولانا حکیم امیر الدین صاحب مرحوم ومغفور کے محققانہ رسالہ "ابطال الاستدلال لاهل الزيغ والضلال" سے ایک بڑا مگر طویل الذیل مقالہ پیش کیا تھا۔ جس کا عنوان تھا: "بحق ثلاثہ ائمہ اہل بیتؑ کے حقیقی اعتقادات"۔

چنانچہ اس طویل مقالہ میں پہلے شیعہ کتب سے بحق ثلاثہ ائمہ اہل بیتؑ کا حقیقی نظریہ پیش کیا ہے کہ وہ باہم شیر وشکر نہیں تھے۔ بلکہ باہم سیف وسنان تھے۔ پھر اُن نظریات کی کتب اہل سنت سے تائید مزید پیش کی گئی اور ثابت کیا گیا کہ ان کے باہمی تعلقات انتہائی کشیدہ تھے اور بعد ازاں پیر صاحب کے پیش کردہ حوالہ جات کا پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ جناب اشرف سیالوی صاحب اس علمی مقالہ پر کچھ نقد وتبصرہ کرتے اور اس مقالہ میں پیش کردہ دلائل کا توڑ پیش کرتے اور اپنی پوزیشن واضح کرتے مگر انھوں نے مغلوب الغضب ہو کر بھٹیاریوں کی طرح کوسنے دینے شروع کر دیئے۔ طعن وتشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیے اور سوقیانہ انداز میں سرکار حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اور ہماری توہین کرنے لگے۔ یہ حکیم صاحب وہی محقق دوران مولانا امیر الدین مرحوم ہیں جنھوں نے پورے بارہ سال تحقیق کر کے اور علماء ہند اور علماء عرب وعجم سے مباحثے کر کے اپنا آبائی مذہب اہل سنت چھوڑا اور مذہب اہل بیت سے رشتہ جوڑا اور پھر اپنی بارہ سالہ تحقیقات کا لب لباب اور نچوڑ "فلک النجاۃ" نامی کتاب مستطاب کے ترجمہ اور حواشی وتشریحات کی شکل میں پیش کیا۔ جس کا جواب آج تک برادرانِ اسلام نہیں دے سکے۔ اور نہ آئندہ دے سکیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور اشرف صاحب نے جوش وجذبات کی رو میں بہہ کر ترمیم کے ساتھ یہ شعر بھی لکھ دیا کہ

مریض بغض پر لعنت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہم اس شعر کے جواب میں صرف حافظ شیرازی کا یہ شعر پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

بدم گفتی و خور سندم نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا؟

واہ سیالوی صاحب! لعنت آپ خود کرتے ہیں اور شکوہ ہم سے کرتے ہیں کہ شیعہ گستاخ ہیں۔ لعنت کرتے ہیں۔ سچ ہے کہ: ع

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!

کو سنے ہمیں دیتے ہیں کہ کہیں متواتر ساقط الاعتبار اور کہیں اخبار ائمہ کرام بیان فرمودہ صحت روایات کا معیار، معیار حق کے مطابق کون سی روایات ہیں؟ شیعہ صاحبان اور تحریف روایات، دورخی پالیسی اور انصاف کے مختلف ترازو...... وغیرہ وغیرہ......اور سب سے عجیب بات یہ کی ہے کہ الٹا ہم پر رسالہ کی ترتیب بدلنے کا الزام عائد کیا ہے۔ چنانچہ اپنے رسالہ کے ص ۳۰۱ کے آخر میں زیر عنوان "تنبیہ" لکھتے ہیں کہ "اب حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ مذہب شیعہ کی روایات جو کہ کتب شیعہ سے منقول ہیں اور ڈھکو صاحب نے ان کی تاویلات وتسویلات میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور ترتیب کتاب کو ملحوظ رکھے بغیر ادھر اُدھر کا ذکر کیا ہے"۔......اسے کہتے ہیں: "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔ ترتیب میں ردوبدل خود کرتے ہیں اور الزام ہم پر لگاتے ہیں؟

ہمارا نظام علم رجال و درایۃ الحدیث

بفضلہ تعالیٰ ہمارا علم الرجال اور علم درایۃ الحدیث اس قدر مضبوط ہے کہ اس موضوع پر سینکڑوں علمی مجلات مارکیٹ میں موجود ہیں اور ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ چونکہ آدھا دین اصول و اعتقادات ہیں اور آدھا دین فروعات اور چونکہ مقام ایمان واعتقاد میں علم ویقین درکار ہوتا ہے اور وہ آیات محکمات سے حاصل ہوتا ہے یا اخبار متواترات سے لہٰذا اصول عقائد میں ہم صرف ان دو چیزوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ہاں البتہ فروعات میں اخبار احاد پر بھی اعتماد جائز ہے۔ مگر صحیح یا حسن یا مؤثق ومعتبر احادیث پر نہ کہ ضعاف پر......اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اصول ہوں یا فروع ان سب میں اصل الاصول کتاب اللہ ہے اور اس کے بعد سنت اور سنت کی صحت اور عدم صحت کا معیار قرآن مجید کی موافقت یا عدم موافقت ہے۔ وبس......

ہمارا اصول ایک ہی ہے

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق کہ:

احب لاخیك ما تحت لنفسك واكره لاخیك ما تكره لنفسك"۔

یعنی اپنے برادرِ اسلام کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے کرتے پسند ہو اور اپنے برادرِ ایمانی کے لیے وہی چیز ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ (نہج البلاغہ)

لہٰذا سیالوی صاحب کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ابن ابی الحدید شیعہ ہے۔ اس کی شرح نہج البلاغہ

کا خطبہ ہی اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وہ خلافت ابوبکر کا قائل ہے اور معتزلی المذہب سنی ہے۔ اس کا شیعہ سے کیا تعلق؟ ہاں ذاتی دوستی یا دشمنی چیز دیگر است ایک سنی کا دوست شیعہ ہوسکتا ہے اور ایک شیعہ کا دوست سنی۔ لہٰذا اگر اس کی ابن علقمی سے دوستی ثابت ہو جائے تو اس سے اس کا شیعہ ہونا تو لازم نہیں آتا۔ کیا سیالوی صاحب کی اِصطلاح میں اس کا نام علمی دلیل ہے۔ مزید بر آں ابن ابی الحدید کے حالات اور اُس کا سنی ہونا درج ذیل کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ① مُعجم الآداب فی معجم الالقاب، ② فواۃ الوفیات اور ③ وفیات الاعیان لابن خلکان وغیرہ۔

اور جہاں تک مورخ مسعودی کا تعلق ہے جسے سیالوی صاحب نے پکا شیعہ قرار دیا ہے۔ اسے علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" صفحہ ۸ طبع لاہور پر فن تاریخ کا امام قرار دیا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا۔ اور ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد ا صفحہ ۱۴۸ پر اس سے سند لی ہے۔ اور ابن خلکان نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "فقیہ شافعی امام فاضل ہے"۔

(وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۴۶۳ طبع بولاق مصر ۱۳۱۰ھ، طبقات الشافعیہ للسبکی)

جس شخص کو علماء اہل سنت شافعی المذہب اور سب سے بڑا مورخ اور امام قرار دیں وہ سیالوی کی نگاہ کج بین میں پکا شیعہ ہوتا ہے۔ افسوس صد افسوس

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

تنبیہ:

اگر سیالوی صاحب اپنے کسی عالم کو پکا شیعہ ثابت کرنا چاہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ سب باتوں کو چھوڑ کر یہ ثابت کریں کہ وہ حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کا قائل تھا اور ثلاثہ سے بیزار تھا۔

ہمارا موقف ہر جگہ ایک ہے خواہ تحریف قرآن کا مسئلہ ہو یا کوئی اور مسئلہ ہم حدیث متواتر کے بالمقابل خبر واحد کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے۔ مگر شرط یہ ہے کہ پہلے متواتر کا تواتر نا قابل رد دلائل سے ثابت کیا جائے اور یہ بات کتاب کے دوسرے باب یعنی "باب التحریف" میں بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ ثابت کی جاچکی ہے۔ لہٰذا اس بے جا تشنیع کا کوئی جواز نہیں ہے کہ "شیعہ علماء کا کوئی ضابطہ اور اصول نہیں ہے"۔

سیالوی صاحب نے اپنے آئینہ میں دوسروں کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ سچ ہے کہ "المرء یقیس علی نفسه"۔ یعنی آدمی دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔

حدیث ثقلین کی صحت و وثاقت کا اعتراف

مقام شکر ہے کہ سیالوی صاحب نے حدیث ثقلین کی صحت وصداقت کو متفق بین الفریقین، معلوم الصحت اور معیار حق تسلیم کیا ہے اور خدا توفیق دے تو اس موضوع پر ہماری لکھی ہوئی کتاب "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" کا مطالعہ بھی کر لیں تا کہ کئی مخفی حقائق کھل کر ان کے سامنے آ جائیں اور کئی اختلافی باتوں کا تصفیہ ہو جائے۔ ان شاء اللہ۔

شیعیانِ علیؑ ہی متمسک بالثقلین ہیں

بفضلہ تعالی یہ افتخار اور امتیاز شیعیانِ علیؑ کو ہی حاصل ہے کہ وہ قرآن اور اہل بیتؑ کے دامن سے متمسّک ہیں وہ قرآن کو نصاب اسلام اور اہل بیتؑ کو اس کا مُعلّم جانتے ہیں وہ قرآن کو قانونِ اسلام اور اہل بیتؑ کو اس قانون کا قانون دان اور اس کا نافذ کرنے والا جانتے ہیں۔ بخلاف سیالوی صاحب کے ہم پیالہ و ہم نوالہ لوگوں کے کہ وہ حسبنا کتاب اللہ کے قائل ہیں۔ ان کے خلفاء ہیں تو اور ائمہ فقہ ہیں تو اور مرشد و رہنما ہیں تو اور مُفسّر قرآن ہیں تو اور محدث و حدیث دان ہیں تو اور۔ یہ راز اب تک نہ کھل سکا کہ اہل سنت اہل بیتؑ نبوت کو جانتے کیا ہیں اور مانتے کیا ہیں؟؟؟

سوادِ اعظم کی حقیقت

سیالوی صاحب کو یہ بھی شکوہ ہے کہ ہم نے اور حضرت مولانا حکیم امیر الدین نے مذمت شیخین والی روایت کو متواتر کیوں قرار دیا ہے جبکہ حضرت علیؑ نے تو جماعت اور سواد اعظم کے عقائد میں موافقت پر زور دیا ہے۔ سیالوی صاحب کا یہ استدلال اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ سوادِ اعظم اکثریتی جماعت کو کہتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے بلکہ سوادِ اعظم کا لفظ ہو یا جماعت کا لفظ اس سے مراد اہل حق ہوتے ہیں۔ اگر چہ تعداد میں قلیل ہی ہوں۔ جیسا کہ ہم کتاب کے پہلے باب کے آخر میں اس بات کی وضاحت کر آئے ہیں، جہاں مؤلف نے سوادِ اعظم کے حق بجانب ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔
(ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۸ ص ۲۱۵ طبع حیدر آباد، اور انوار اللغۃ پ ۱۲ اور صفحہ ۱۵۸، ۱۶۱ اور طبع بنگلور)

لکھا ہے:

"سواد اعظم سے مراد وہ جماعت ہے جو حق پر ہو اگر چہ اس کی تعداد قلیل ہو"۔

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

سارا قرآن اور دفتر حدیث اکثریت کی مذمت اور اقلیت کی مدح سے چھلک رہا ہے تو پھر خلاف قرآن اکثریت کی مدح والی روایت کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے؟ مالکم کیف تحکمون؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا توریہ

سیالوی صاحب اس پر جزبز ہو رہے ہیں کہ امام جعفر صادق نے خلیفہ کے دربار میں تو شیخین کے بارے میں علی الاعلان فرمایا کہ هما امامان قاسطان......الخ......مگر جب باہر آئے تو آپؑ کے خواص میں سے کسی نے پوچھا کہ فرزند رسولؐ آج تو آپ نے شیخین کی مدح کر دی؟ (جو امامؑ کے خواص کے لیے عجیب بات تھی کیونکہ وہ تو آپ کی زبان حق ترجمان سے ان کی مذمت سننے کے عادی تھے) تو امامؑ نے فرمایا تو نے میرے قول کا معنی نہیں سمجھا۔ الخ......امام علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ میں نے حالات کی نزاکت کے تحت "توریہ" سے کام لیا ہے اور سیالوی صاحب خود اپنی کتاب کے پہلے باب میں صفحہ ۷۸ پر لکھ آئے ہیں کہ: "اہل سنت والجماعت کے ہاں حسب ضرورت توریہ درست ہوتا ہے اور توریہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو دو معانی پر دلالت کرتا ہو ایک قریب اور دوسرا بعید"۔ (یعنی متکلم معنی بعید مراد لیتا ہے اور مخاطب اس کا معنی قریب سمجھتا ہے)

الغرض توریہ میں لفظ کی اس معنی پر دلالت بھی مسلم ہوتی ہے اور متکلم اپنے ارادہ اور مقصد کے لحاظ سے بالکل سچا بھی ہوتا ہے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۷۸)

جب حسب ضرورت اسلام میں توریہ جائز ہے تو اگر امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے حسب ضرورت توریہ فرمایا ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے حاضرین نے معنائے قریب سمجھے ہیں اور امامؑ نے معنائے بعید مراد لیے ہیں اور پھر خود وضاحت بھی فرما دی ہے تو اس میں اشکال کیا ہے؟ اور جائے اعتراض کیا ہے؟ کج فہمی، کج نگہی اور کج بینی کے سوا اس ایراد کا جواز کیا ہے؟ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ:

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

سنی حاکم کے دربار میں امامؑ توریہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے؟؟

بل نضرب بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا ھو زاھق والحمد للہ

(۱) صاحب تحفہ حسینیہ کے افادات:

مخفی نہ رہے کہ اصل کتاب میں تو مذکورہ بالا بحث کے بعد پیر آف سیال شریف نے ہماری عام

کتابوں کے علاوہ بالخصوص کتاب "الشافی"، کتاب "کشف الغمۃ" اور "ناسخ التواریخ" کے حوالوں سے فضائل ثلاثہ ثابت کرنے کی سعی نافرجام فرمائی تھی اور ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں ان حوالوں کا پوسٹ مارٹم کر کے ثابت کیا تھا کہ ان حوالہ جات میں کیا کیا کتر و بیونت اور کیا کیا دجل و فریب کاری اور دسیسہ کاری کی گئی ہے؟

لہٰذا وہ حوالے بوگس ہیں مگر جناب اشرف سیالوی نے اس ترتیب کو بدل دیا ہے اور پہلے درج ذیل عنوان پر گفتگو کی ہے "فضائل صحابہ اور نہج البلاغہ" اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "حضرت علی المرتضیٰؑ...... کی عظمت اور کتاب خطبات "نہج البلاغہ" کی اہمیت کے پیش نظر بندہ نے ان ارشادات و عبارات کو دوسرے حوالہ جات پر مقدم کر دیا ہے اور اپنی طرف سے بھی چند عبارات تائید مزید کے طور پر ذکر کی ہیں"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۳۰۲)

لہٰذا ہم بھی پیر آف سیال شریف کے پیش کردہ حوالہ جات کا پوسٹ مارٹم کرنے سے پہلے اشرف سیالوی کے نہج البلاغہ کے حوالے سے پیش کردہ حوالہ جات کے جوابات دیں گے۔ ان شاء اللہ

پہلی روایت حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقد رأیت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فما اری احدا منکم یشبھھم لقد کانوا یصبحون شیعتنا غبرا قد باتوا سجدا و قیاما یراوحون بین جباھھم و خدودھم و یقفون علی مثل الجمر من ذکر معادھم کان بین اعینھم کرکب المعزی من طول سجودھم اذا ذکر اللہ ھملت اعینھم حتی تبل جیوبھم و مادوا کما عید الشجر یوم الریح العاصف خوفا من العقاب و رجاء للثواب۔ (نہج البلاغہ صفحہ ۹۶ مطبوعہ تہران)

"میں نے حضور اکرمؐ کے صحابہ کو دیکھا تم میں سے کسی کو بھی ان کے مشابہ نہیں دیکھتا وہ تمام رات سجدوں اور نمازمیں گزارتے، صبح کو اس حال میں ہوتے کہ اُن کے بال پریشان اور غبار آلود ہوتے تھے۔ شب کو ان کا آرام جبینوں اور رخساروں کے درمیان (طویل سجدوں کی وجہ سے) ہوتا تھا۔ اپنی عاقبت کی یاد سے دہکتے ہوئے کوئلوں کی طرح بھڑک اُٹھتے تھے۔ زیادہ لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے آنکھوں کے درمیان (جبینوں پر) دُنبوں کے گھٹنوں کی طرح نشان ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا نام جب ان کے سامنے لیا جاتا تو اُن کی آنکھیں بہہ پڑتیں۔ یہاں تک کہ اُن کے گریبان بھیگ جاتے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے اور اس کے ثواب کی امید میں اس طرح کانپتے تھے جیسے سخت

آندھی میں درخت کانپتے ہیں“۔

(۲) اس پر سیالوی صاحب کا تبصرہ:

اقول اس ارشاد مرتضویؑ کے مناسب قرآن مجید میں ان حضرات کے صفات اس طرح بیان فرمائے گئے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِؕ (فتح: ۲۹)

یعنی ”محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو اُن کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت آپس میں رحیم وکریم تم انھیں دیکھو گے رکوع کرتے، سجود کرتے در آں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کے طلبگار رہیں۔ ان کے علامات ان کے چہروں میں ہیں سجود کے اثرات سے“۔

اور ظاہر ہے کہ یہ علامات ان حضرات کے بیان کیے گئے ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ لہٰذا حضرت امیرؑ کا خطبہ بھی تمام صحابہ کرام کو شامل نہیں تو ان حضرات کو تو لازماً شامل ہونا چاہیے۔

دوسری روایت:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

و اعلموا عباد الله ان المتقين ذهبوا بعاجل الدنيا و آجل الآخرة فشاركوا اهل الدنيا فى دينا هم و لم يشاركهم اهل الدنيا فى آخرتهم سكنوا الدنيا بافضل ما سكنت و اكلوها بافضل ما اكلت فحضوا من الدنيا بما خطى به المترفون و اخذوا منها ما اخذه الجبابرة المتبكرون ثم انقلبوا عنها بالزاد المبلغ و المتجر الرابح احيابوا الذة زهد الدنيا فى ديناهم و يتقينوا انهم جيران الله غدا فى آخرتهم لا تردلهم دعوة و لا ينقص لهم نصيب من لذة

(نهج البلاغه خطبه نمبر ۲۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندو! اچھی طرح جان لو کہ متقی اور پرہیز گار لوگ وہی تھے جو دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کر کے گزر چکے ہیں، وہ ہستیاں اہل دنیا کے ساتھ ان کی دنیا میں شریک ہوئیں لیکن اہل دنیا ان کی آخرت میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ وہ مقدس ہستیاں دنیا میں اس طرح سکونت پذیر ہوئیں جیسا کہ سکونت اختیار کرنے کا حق تھا اور دنیا کی ہر اس نعمت سے ان ہستیوں نے حصہ پایا

جس طرح بڑے بڑے متکبّرین اہل دنیا نے حصّہ پایا اور دنیوی مال و دولت، جاہ و حشمت جس قدر بھی بڑے بڑے جابرین متکبّرین نے حاصل کی ہے اسی قدر انھوں نے حاصل کی ہے پھر یہ ہستیاں زاد آخرت لے کر اور آخرت میں نفع دینے والی تجارت کو ساتھ لے کر دنیا سے بے رغبت ہوئیں یہ لوگ دنیا سے بے رغبتی کی لذت کو اپنی دنیا میں حاصل کر چکے تھے کہ کل اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں اپنی آخرت کا حصّہ دنیاوی لذات کی وجہ سے کم نہ ہوگا۔

اقول: اس خطبہ کے اندر منقول و مذکور صفات کو بقائمی ہوش و حواس اور بقائمی ایمان و انصاف سوائے خلفاء راشدین اور اُن کے کمانڈروں اور جرنیلوں کے کسی پر منطبق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جنھوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو اپنے قبضہ و تصرف میں لیا اور ان کے تاج و تخت اپنے پاؤں تلے روندے اور ان کے اموال و خزائن اپنے سپاہیوں اور لشکریوں میں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تقسیم کیے اور ایرانی شہزادیوں کو لونڈیوں کی صورت میں مدینہ منورہ لا کر حضرت علیؑ کی مرضی کے مطابق ان کو بانٹنے اور تقسیم کرنے کا اختیار دیا...... (تحفہ حسینیہ صفحہ ۳۰۷)

تیسری روایت:

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم اپنے زمانہ خلافت میں فرماتے ہیں:

فاز اهل السبق بسبقهم و ذهب المهاجرون الاولون بفضلهم

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۷۰)

(اسلام اور ایمان کے ساتھ) سبقت لے جانے والے اپنی سبقت کے ساتھ فائز المرام ہو چکے اور مہاجرین اولین اپنی فضیلت اور برتری کے ساتھ گزر چکے۔ اس ارشاد حیدری کی تائید بلکہ تشریح ثقل اکبر اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام میں بھی موجود ہے اور ثقلین کا سابقین اولین مہاجرین و انصار کے فضائل و فواضل اور عالی درجات و منازل میں پورا پورا اتفاق ملاحظہ ہو (تحفہ حسینیہ صفحہ ۳۰۸)

(۳) اس پر ہمارا نقد و تبصرہ:

اذا لم تکن للمرء عین صحیحة
فلا غرو ان یرتاب و الصبح مسفر

یعنی آدمی کی اگر سیالوی صاحب کی طرح آنکھ درست نہ ہو تو پھر کوئی تعجب نہیں ہے کہ وہ شک کرے جبکہ صبح روشن ہو چکی ہو۔

صحابہ کہلانے والوں کی منڈی میں ہر قسم کا مال موجود تھا اگر آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتار کر اور اسلاف کی اندھی تقلید کی عینک اتار کر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ رسولؐ میں ہر قسم کے لوگ موجود تھے مثلاً:

① مؤمن بھی اور منافق بھی

② طالب دنیا بھی اور طالب دین بھی

③ مجاہد بھی اور فراری بھی

④ نبوت رسولؐ میں شک کرنے والے بھی اور آپؐ پر یقین رکھنے والے بھی

⑤ پیغمبر اسلام پر عمداً جھوٹ بولنے والے بھی اور سچ بولنے والے بھی

⑥ زنا کار بھی اور پاک دامن بھی

⑦ پاک دامن عورتوں پر تہمت زنا لگانے والے بھی اور اس سے اجتناب کرنے والے بھی

⑧ غیبت کرنے والے بھی اور اس سے دامن بچانے والے بھی

⑨ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے بھی اور اس سے احتراز کرنے والے بھی

⑩ تارک زکوۃ بھی اور ادا کرنے والے بھی

⑪ میدان جہاد میں پیغمبر اسلام کو نرغہ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگنے والے بھی اور جم کر لڑنے والے بھی

⑫ ایک دوسرے پر لعنت ملامت کرنے والے بھی اور رفق و مدارات کرنے والے بھی

⑬ ایک دوسرے کو ایذا پہنچانے والے بھی تھے اور سکھ پہنچانے والے بھی

⑭ پیغمبر اسلامؐ کے روبرو آواز بلند کرنے والے بھی تھے اور آواز دھیمی رکھنے والے بھی

⑮ پیغمبر اسلام کو جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر خرید و فروخت کی طرف جانے والے بھی تھے اور جم کر نماز پڑھنے والے بھی۔

⑯ حق پر پردہ ڈالنے والے بھی تھے اور اظہار حق کرنے والے بھی

⑰ شراب خوار اور چور و جار بھی تھے اور اس کے تارک بھی

⑱ فاسق و فاجر بھی تھے اور عادل و پرہیز گار بھی

⑲ حب دنیا میں گرفتار بھی تھے اور حب دین سے سرشار بھی

⑳ زوجہ رسولؐ پر تہمت زنا لگانے والے بھی تھے اور اس سے اجتناب کرنے والے بھی

(۲۱) پیغمبر اسلامؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد مرتد ہونے والے بھی تھے اور ثابت قدم رہنے والے بھی۔ وغیرہ

نوٹ: ان سب اقسام کی تفصیل مع قرآن وسنت کے حوالہ جات ہماری کتاب تجلیات صداقت یا حضرت مولانا حکیم امیرالدین مرحوم کی "فلک النجاۃ" میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اند کے غم دل با تو گفتم و بجاں ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

محبانِ صحابہ کی بنیادی غلطی

سیالوی صاحب ہوں یا اُن کے ہم نوالہ وہم پیالہ لوگ ان کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ وہ ان سب لوگوں کو جنھوں نے کلمۂ اسلام پڑھا اور تھوڑا یا زیادہ وقت صُحبت رسولؐ میں بیٹھنے کا موقع ملا برابر اور ایک جیسا مؤمن باصفا اور مُحب باوفا جانتے ہیں۔ حالانکہ خدائے علیم وحکیم نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے کائنات ارضی وسماوی کی کوئی بھی دو چیزیں ہر لحاظ سے برابر پیدا کی ہی نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ:

ہر کہ روئے بہبود نداشت
دیدن روئے نبی سود نداشت

مطلب یہ ہے کہ

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز دریا میں رہ کے عکس سرو کنار جو کا

آمدم برسر مطلب:

اصل حقائق سے جاہل یا متجاہل سیالوی صاحب نے پہلے بیس عدد آیات قرآنیہ پیش کیں جن میں مخلص مہاجرین وانصار اور مؤمنین مجاہدین و مُتقین کی مدح وثنا کی گئی تھی اور ان کو پیش کر کے نتیجہ یہ اخذ کیا کہ اصحابِ ثلاثہ مہاجر بھی تھے اور مؤمن ومخلص بھی اور مجاہد بھی حالانکہ ان آیات کا ان اصحاب کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا کیونکہ لا دلالۃ للعام علی الخاص ایک مُسلمہ اصول ہے جیسا کہ ہم اس موضوع پر وہاں تبصرہ کر چکے ہیں۔ جہاں موصوف نے دو آیات پیش کی تھیں اور اب

جناب موصوف نہج البلاغہ کے خطبات کے ساتھ بھی وہی سلوک کر رہے ہیں جو ان آیات کے ساتھ کیا تھا یعنی جہاں بھی حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے بعض خطبات میں اپنے بعض مُحبّ و محبوب اصحاب رسولؐ کا اچھے انداز میں تذکرہ کیا ہے یا ان کو خراج تحسین و آفرین پیش کیا ہے۔ وہاں اپنی روایتی نا سمجھی کی بنا پر سیالوی صاحب جھٹ اس سے اصحابِ ثلاثہ کو مراد لینے لگتے ہیں اور ان کو جناب امیر علیہ السلام کا ممدوح قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراب کو آب سمجھنے والی بات ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کا اصحابِ ثلاثہ کے بارے میں حقیقی اور اصلی نظریہ

اگر جناب امیر علیہ السلام کا ان لوگوں کے بارے میں اصل نظریہ معلوم کرنا ہو تو پھر یہ خطبات پیش نہ کریں جن کا اصحاب ثلاثہ کے ساتھ اتنا بھی تعلق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا اس کے چھلکے سے ہوتا ہے ان اقتباسات سے مراد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ بعض مخلص اصحاب مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات میں محبانِ علیؑ اور شیعیانِ علیؑ کہلاتے تھے۔ جیسے جناب عمارؓ بن یاسر، مقدادؓ بن اسود، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ (محمدیؑ) جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ، حذیفہؓ، بریدہؓ، ابو ایوب انصاریؓ، سہل بن حنیفؓ، عثمانؓ بن حنیف، ابوالہیثمؓ بن تیہان، ابوالفضلؓ، عامرؓ بن واثلہ اور جناب عباسؓ بن عبدالمطلبؓ وغیرہ وغیرہ (ملاحظہ ہو اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری صفحہ ۶۳ و ۶۴)

ان عبارات کا تمام صحابہ یا سیالوی کے خاص ممدوحین کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے کما لا یخفی

بلکہ مولائے کائناتؑ کا ان لوگوں (اصحابِ ثلاثہ) کے بارے میں حقیقی نظریہ و عندیہ جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کے حق خلافت پر شبخون مارا، دختر رسولؐ کا حق فدک غصب کر کے ان کو غضبناک کیا حضرات حسنینؑ شریفین کی شہادت کی زمین ہموار کی اور اہل بیتؑ نبوتؐ پر تمام ڈھائے جانے والے مصائب و آلام کا سنگ بنیاد رکھا، جس کی وجہ سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے لے کر جناب بتول سلام اللہ علیہا اور امام حسن علیہ السلام سے لے کر بارہویں لعل ولایت ہادی مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف تک سب اُن پر ناراض گئے اور قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد بھی ناراض رہیں گے معلوم کرنا ہو تو پھر:

① نہج البلاغہ کا سب سے پہلے خطبہ شقشقیہ پڑھا جائے، جو نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۱۳۶ یا صفحہ

۱۴۱ ترجمہ رئیس احمد ندوی حنفی مطبوعہ لاہور اور نہج البلاغہ طبع ایران کے صفحہ ۱۱ پر اور نیرنگ فصاحت کے صفحہ ۱۴ پر مذکور ہے۔

جس میں مولائے کائنات فرماتے ہیں:

اما و اللہ لقد تقمصها ابن ابی قحافة و انه یعلم ان محلی منها محل القطب من الرحی (الی انه قال) فرأیت ان الصبر علی هذا احجٰی فصبرت و فی العین قذی و فی الحلق شجا اریٰ تراثی نهبًا حتی مضی الاولی بسبیله فادلی بها الی ابن الخطاب بعده فیا عجبا بینا هو یستقیلها فی حیاته اذ عقدها لاخر بعد وفاته لشد ما تشطرا ضرعیها فصبرت علی طول المدة و شدة المحنة حتی اذا مضی لسبیله جعلها فی جماعة زعم انی احدهم فیا للہ و للشوریٰ الی ان قام ثالث القوم نافجا خضمة بین نثیله و معتلفه و قام معه بنو ابیه یخضمون مال اللہ فضمة الابل نبتہ الربیع الی ان انتکث فتله و اجهز علیه عمله و کبت به بطنته

لوگو! خدا کی قسم! ابو قحافہ کے فرزند نے پیراہن خلافت کو زبردستی پہن لیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں (کمالات علمی و عملی کے لحاظ سے) خلافت کے لیے اتنا ناگزیر ہوں جتنا چکی کے لیے وہ کھونٹا جس پر اس کی گردش منحصر ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ صبر کرنا ہی خردمندی سے قریب ہے، میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھ خاشاک و غبار سے اور حلقوم و گلو استخوان (اندوہ) سے سخت تکلیف میں تھا۔ میں میراث کو تاراج ہوتے دیکھتا رہا یہاں تک کہ خلیفہ اوّل اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے اور خطاب کے فرزند کو خلافت سپرد کر گئے...... کتنے تعجب کی بات ہے کہ خلیفہ اوّل اپنی زندگی میں لغزشوں سے بچنے کے لیے دوسروں کی یاوری کے طالب تھے۔ یا پھر یہ ہوا کہ اپنی وفات کے بعد وہ خلافت کی وصیت ایک دوسرے شخص کے لیے کر گئے (حکومت) کے دونوں تھن ان دونوں نے یکے بعد دیگرے دوہ لیے ...... میں نے اس طویل مدت میں شدت تکلیف پر صبر (ضبط) سے کام لیا۔ (اور خاموش رہا) حتی کہ دوسرے خلیفہ بھی دنیا سے تشریف لے گئے اور امر خلافت ایک جماعت میں محصور کر دیا جس کا ایک خود اُن کے گمان میں میں بھی رکن تھا۔ بار خدایا! بھلا مجھے اس سے کیا مطلب!...... آخر کار قوم کا تیسرا آدمی پیٹ پھیلائے اپنے گوبر اور چارے کے بیچ میں کھڑا ہوا، اس کے ساتھ اس کے جدی بھائی بند (بنو امیہ) بھی ہو گئے اور خدا کا مال اسی طرح تصرف میں لائے جس طرح اونٹ موسم بہار کی گھاس صاف کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی رسّی کے بل بھی نکل گئے، اور اس کا کام بھاری ہو گیا اور بسیار خوری کے سبب منہ کے بل گر پڑا۔ (ترجمہ نہج البلاغہ رئیس احمد ندوی حنفی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ تا صفحہ ۱۴۱)

۲ ایک خطبہ میں مولا فرماتے ہیں: "فواللہ ما زلت مدفوعا عن حقی مند قبض اللہ نبیہ" میں برابر اپنے حق سے محروم کیا جاتا رہا ہوں۔ جب سے خدا نے اپنے پیغمبر کو اپنی بارگاہ میں بلایا ہے۔
(نہج البلاغہ ترجمہ ندوی جلد ا صفحہ ۱۴۷ طبع ایران میں ۱۳)

۳ نیز ایک اور خطبہ میں فرماتے ہیں: "لیس لی معین غیر اھلبیتی" سوائے میرے اہل بیتؑ کے میرا اور کوئی معین ومددگار نہ تھا۔ (نہج البلاغہ طبع ایران صفحہ ۲۲)

۴ نیز فرماتے ہیں: "لقد علمتم انی احق بھا من غیری" تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ہوں (ایضا صفحہ ۳۹)

۵ فرماتے ہیں: "اجمعوا علی مناز عتی حقا کنت اولیٰ بھا من غیری"۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ اس حق (خلافت) کے متعلق جھگڑا کرنے پر اجماع کیا۔ جس کا میں دوسروں سے زیادہ حق دار تھا۔ (ایضاً صفحہ ۱۷۴)

اس قسم کے خطبات، کلمات اور ارشادات سے نہج البلاغہ چھلک رہی ہے۔ اب سیالوی صاحب خدا کو حاضر ناضر سمجھ کر اور تین طلاقوں کی قسم کھا کر بتائیں کہ یہ لوگ کون ہیں جن کا حضرت امیر علیہ السلام ان خطبات میں شکوہ وشکایت کر رہے ہیں اور جن کے ظلم وعداوت کا رونا رو رہے ہیں۔ ع

بس اِک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دِل کا

تحفہ حسینیہ تتمہ روایات نہج البلاغہ اوران کے مختصر جوابات

سیالوی صاحب نے اپنے رسالہ تحفہ حسینیہ جلد ا کے صفحہ ۳۰۸ سطر ۱۵ سے لے کر صفحہ ۳۱۷ سطر ۱۴ تک مزید چھ عدد اقتباسات "نہج البلاغہ" سے پیش کر کے ان کی تعداد دس کر دی ہے۔ قریباً نو صفحات مزید سیاہ کر ڈالے۔ مگر نتیجہ صفر نکلا۔ وہی عمومی الفاظ وعبارات:

۱ این القوم الذین دعوا الی الکرم فقبلوہ

۲ ابن خیارکم و صلحائکم

۳ قد مضت اصول

ان سب عمومی خطبات وکلماتِ طیبات اور ارشادات کا جواب وہی ہے جو اس موضوع کی ابتداء میں پیش کر دیا گیا ہے کہ ان خطبات کا اصحابِ ثلاثہ یا سیالوی کے دوسرے محبوب القلوب لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے وہ مخلص مہاجر وانصار اور صحابہ اخیار مراد ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے صحابہؓ ہونے کے ساتھ ساتھ محبانِ علیؑ اور شیعیانِ علیؑ بھی تھے۔ الحمد للہ علی وضوح الحق!

ایضاح:

البتہ اس سلسلہ میں اس قدر وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں سیالوی صاحب نے نہج البلاغہ سے اقتباس نمبر ۸ میں جو یہ عبارت پیش کی ہے کہ "انما الشوری للمھاجرین والانصار" اور اس سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ خلافت و امامت نصی نہیں بلکہ اجماعی و شورائی ہے۔ واضح رہے کہ مولائے متقیانؑ کا یہ کلام آپؑ کے ایک مکتوب سے ماخوذ ہے جو آپؑ نے معاویہ بن ابوسفیان کو الزامی طور پر لکھا تھا۔ جبکہ معاویہ نے آپؑ کو لکھا تھا کہ میرے لیے آپؑ کی بیعت لازمی نہیں ہے۔ کیونکہ میں آپؑ کے انتخاب میں شامل نہیں تھا تو امام عالی مقامؑ نے اس کے اسی نظریہ کے مطابق الزامی جواب دیتے ہوئے لکھا: "ان بیعتی بالمدینۃ لزمتک وانت بالشام" تو اگرچہ شام میں مقیم ہے مگر میری بیعت جو مدینہ میں ہوتی ہے تم پر لازم ہے۔ کیونکہ تیرا نظریہ ہے کہ انتخاب کا حق مہاجرین وانصار کو ہے تو اُن سب لوگوں نے میری بیعت کر لی ہے۔ جنھوں نے ابوبکر و عمر کی کی تھی تو ان کی خلافتوں کا تو اقرار کرتا ہے اور میری خلافت کا انکار۔ اس تفریق کا جواز کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیرؑ کے اس جوابی الزام کا معاویہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ سوائے قتل عثمان کا الزام لگانے کے جس سے حضرت امیر علیہ السلام کا دامن پاک و صاف تھا۔ کما لا یخفی

افادہ:

بعد ازاں سیالوی صاحب نے کچھ پیر آف سیال شریف کے رسالہ مذہب شیعہ اور کچھ اپنی طرف سے رطب ویابس کی بھرتی کر کے اپنے تحفہ کے صفحہ ۳۱۷ سطر ۱۵ سے لے کر صفحہ ۳۴۴ سطر اول تک طول مِمل اور طول لاطائل دے کر قریباً ۲۷ صفحات سیاہ کیے ہیں اور اپنا اور قارئین کا وقت ضائع کیا ہے اور بالکل بے کار باتوں سے کتاب کا حجم بڑھا کر جہلاء پر اپنے علم کا رعب داب ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اس ساری طویل و عریض بحث میں قابل جواب صرف پیر آف سیال شریف کا نہج البلاغہ سے پیش کردہ حضرت امیر علیہ السلام کے ایک خطبے سے ایک اقتباس ہے اگرچہ اس میں بظاہر ممدوح کے نام کی تصریح نہیں ہے۔ مگر بعض شارحین نہج البلاغہ نے چونکہ لکھا ہے کہ اس سے مراد جناب عمر بن الخطاب ہیں اس لیے یہ حضرات یہ حوالہ دیکھ کر پھولے ہوئے کپڑوں میں نہیں سما

رہے اور اس طرح خوشی کا جشن منا رہے ہیں جس طرح خواجہ سراؤں کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے۔ حالانکہ یہ خوشی بھی بالکل عارضی ہے۔ جب ہم اس حوالے کا پوسٹ مارٹم کریں گے تو ان کی مسرت و شادمانی خاک میں مل جائے گی۔ انشاء اللہ۔ بہرحال پیر آف سیال شریف اپنے رسالہ مذہب شیعہ میں رقمطراز ہیں۔

① چوتھی روایت:

(جبکہ سابقہ اوراق میں تین روایات کا جواب پیش کیا جا چکا ہے۔)

للہ بلاد فلان فلقد قوم الاود وداوی العمد اقام السنۃ و خلف الفتنۃ و ذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا و سبق شرھا ادی الی اللہ سبحانہ طاعتہ و اتقاۃ بحقہ رحل و ترکھم فی طرق متشعبۃ لایھتدی فیھا الضال و لا یستقین فیھا المھتدی (کتاب نہج البلاغہ)

یعنی "اللہ تعالیٰ ہی جزائے خیر عطا کرے فلانے کو جس نے کج روی کو قطعی طور پر درست کیا اور جہالت کی مرض کی دوا کی۔ جس نے سنت کو قائم کیا اور فتنہ کو پیچھے دھکیلا۔ دنیا سے پاک دامن ہو کر اور بے عیب ہو کر گیا۔ بھلائی اور خیر کو حاصل کیا اور فتنہ وشر سے پہلے چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی عبادت کا حق کی۔ وہ رخصت ہو گیا اور لوگوں کو اس طرح پریشان حالت میں چھوڑ گیا کہ گمراہ ہدایت نہیں پاسکتا اور ہدایت یافتہ یقین نہیں کر سکتا حضرت امام الائمہ سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام کے اس خطبہ کی شرح میں صاحب بجۃ الحقائق اور ابن ابی الحدید اور منہاج البراعۃ لاہجی اور ابن میثم تصریح کرتے ہیں کہ فلاں سے مراد عمر ہیں...... بہر حال ہم نے مولا علی کرم اللہ وجہہ کا کلام پاک اور ارشاد گرامی پیش کر دیا ہے ان کا مافی الضمیر کے متعلق خدا جانے اور وہ جانیں"۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۳۶)

② اس پر ہمارا نقد و تبصرہ:

① اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مسلم نہیں ہے کہ "للہ بلاد فلان" سے مراد عمر بن الخطاب ہے ہوسکتا ہے کوئی اور صحابی رسول مراد ہو، کیونکہ نام کی صراحت تو نہیں ہے۔ و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

② اور دوسری بات یہ ہے کہ بظاہر یہ مدح ہے مگر در اصل ہجو اور قدح ہے کیونکہ اس اقتباس میں الفاظ استعمال کیے گئے وہ توریہ کی واضح مثال ہیں۔ کیونکہ خود سیالوی صاحب اپنے رسالہ کے پہلے باب کے صفحہ ۷۸ پر خود توریہ کی ان الفاظ کے ساتھ تشریح بھی کر چکے ہیں اور توریہ کے جواز کا اقرار بھی کر چکے ہیں۔ "اہل السنۃ والجماعۃ" کے ہاں حسب ضرورت توریہ درست ہوتا ہے اور توریہ کا

مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ لفظ استعمال کیا جائے جو دو معانی پر دلالت کرتا ہو۔ایک قریب اور دوسرا بعید
......یعنی" متکلم مضائے بعید مراد لیتا ہے اور مخاطب مضائے قریب سمجھتا ہے"۔الغرض توریہ میں لفظ کی
اس معنی پر دلالت بھی مسلم ہوتی ہے اور متکلم اپنے ارادہ ومقصد کے لحاظ سے بالکل سچا بھی ہوتا ہے"۔
بعد ازاں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے اس قول بل فعله کبیرهم (الآیه) کو اسی توریہ پر محمول کیا ہے۔
تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبی حسب ضرورت توریہ کر سکتا ہے تو پھر خاتم الانبیاءؐ کا برحق وصی
حالات کے تحت کیوں توریہ نہیں کرسکتا؟؟

چنانچہ اس اقتباس میں استعمال شدہ تمام الفاظ دو دو معنوں کا احتمال رکھتے ہیں ایک قریب اور
دوسرا بعید اگر قریب معنی کو دیکھا جائے تو مدح ملیح ہے۔اور اگر بعید کو مدنظر رکھا جائے تو یہ ہجو قبیح ہے اور
اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ قوم الدود، اود کے معنی کجی کے ہیں۔لہٰذا اگر کجی سے کفر و
شرک والی کجی مراد لی جائے کہ فلاں نے کفروشرک والی کجی کو درست کیا تو یہ مدح بن جائے گی اور اگر
اس کجی سے سیاسی بدنظمی اور افراتفری مراد لی جائے یہ ہجو قرار پائے گی۔اسی طرح داوی العمد عمد کے
معنی بیماری کے ہیں۔پس اگر اس بیماری سے کفروشرک اور جہالت والی بیماری مراد لی جائے تو یہ مدح
ہے اور اگر اس بیماری سے سیاسی بدنظمی مراد لی جائے تو پھر یہ قدح ہے السنّۃ کے معنی ہیں" طریقۃ" لہٰذا
اگر سنت سے سنت نبویہ مراد لی جائے تو یہ مدح ہے کہ سنت رسول کو قائم کیا اور اگر سنت سے مراد اپنا
خود ساختہ طریقہ مراد لیا جائے جیسے نماز تراویح وغیرہ تو یہ قدح ہے۔اسی طرح خلف الفتنة میں خلف
کے معنی مؤخر کرنا دھکیلنا بھی ہیں اور پیچھے چھوڑنا بھی اس کے معنی ہیں۔لہٰذا یہ پہلے معنی کے اعتبار سے
مدح ہے کہ فتنہ وفساد کو دھکیلا مگر دوسرے معنی کے لحاظ سے قدح ہے کہ اپنے پیچھے فتنہ وفساد چھوڑ گیا۔
اگر نقی الثوب اور قلیل العیب (کم عیب والا) سے فی حدذاتہ قلیل العیب مراد لیا جائے تو یہ مدح ہے۔
اور اگر تیسرے خلیفہ صاحب کے بالمقابل قلیل العیب مراد لیا جائے تو ہجو وقدح ہے۔اگلے جملہ
مطلب واضح ہے کہ لیلائے خلافت کے وصال کا لطف حاصل کیا اور تیسرے دور میں جو شر و فساد کھڑا
ہوا اس سے پہلے رخصت ہو گیا۔یہ صرف حقیقت حال کا اظہار ہے نہ مدح ہے اور نہ قدح ہے۔اور
یہ جو ہے کہ اللہ کی اطاعت کی، اگر اس سے مراد وہ اطاعت ہے، جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو یہ مدح ہے
اور اگر خود ساختہ اطاعت مراد ہے۔جیسے نماز تراویح وغیرہ پڑھ کر تو یہ قدح ہے۔اور یہی مفہوم
"اتقاه بحقه" کا۔اگر اس سے حقیقی تقویٰ مراد لیا جائے تو یہ مدح ہے۔اور اگر خود ساختہ تقویٰ مراد لیا
جائے تو پھر یہ قدح ہے۔اس کے بعد جو فقرے ہیں کہ خود تو چلا گیا مگر اپنے بعد لوگوں کو ایسے مختلف

(کج مج) راستوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ کے گیا کہ گمراہ راہِ راست نہیں پا سکتا اور ہدایت یافتہ یقین حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ کھلّم کھلّا ہجو قبیح ہے اور یہ قرینۂ قویہ ہے کہ اس سے پہلے متشابہہ جملوں کے بھی وہی معنی صحیح ہیں جو قدح اور ہجو پر دلالت کرتے ہیں"۔

اب ہم سیالوی صاحب سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ آپ کو مولائے متقیان کے خطبہ کا یہ اقتباس پیش کر کے سوائے زحمت اور ناکامی کے حاصل کیا ہوا؟...... جب تک مولا علیؑ کا کلام مُفید مطلب نہ ہو اور آپ کے مدعا پر واضح دلالت نہ کرے اس وقت تک صرف یہ کہہ کر اس کے پیش کرنے کا کیا فائدہ کہ" بہر حال ہم نے مولا علی کرم اللہ وجہہ کا کلام پاک اور ان کا ارشاد گرامی پیش کرنا ہے۔ ان کے مافی الضمیر کے متعلق خدا جانے اور وہ جانیں"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۸)

افسوس ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

اور بھلا ع

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے ؟

ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ سیالوی صاحب نے رطب و یابس جمع کر کے جو جال بنا تھا آپ خود اس میں پھنس گئے ہیں۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

والحمد للہ علی احسانہ

فصل دوم

فضائل ثلاثہ کے سلسلہ میں

کتب شیعہ سے پیش کردہ روایات کے جوابات

① تنزیہ الامامیہ

سطور بالا میں اصحاب ثلاثہ کے متعلق اہل بیتؑ کے حقیقی نظریات کے سلسلہ میں کتب فریقین سے جو حقائق پیش کیے گئے ہیں وہ اہل عقل وانصاف کے لیے اصل حقیقت کے سمجھنے کے لیے کافی و وافی ہیں۔ اور اسی بیان سے ان روایات کی اصلیّت بھی واضح ہو جاتی ہے جو ان ذوات مقدسہ کی طرف منسوب ہیں۔ جن سے بظاہر اصحاب ثلاثہ کی مدح وثناء مترشح ہوتی ہے۔ وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ وضعی اور جعلی ہیں یا ان کے نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ یعنی ان کے سیاق وسباق کو نظر انداز کر کے صرف درمیان سے بعض فقروں کو لے لیا گیا ہے جس سے مطلب کچھ کا کچھ بن گیا ہے۔ یا ان میں لفظی ومعنوی تحریف وتغییر کی گئی ہے جس سے اصلی حقیقت مسخ ہو کر رہ گئی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ائمہ اطہارؑ کے کلام معجز نظام میں اختلاف نہیں ہو سکتا یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا منصف مزاج علماء اہل سنت نے بھی اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ فاضل سندھی نے دراسات اللبیب ص ۳۳ طبع لاہور میں لکھا ہے: "قول واحد منھم قول باقیھم" یعنی ائمہ اہل بیتؑ میں سے جو نظریہ ایک امام کا ہو وہی سب کا ہوتا ہے۔

ایسا ہی امام شعرانی نے لواقع الانوار فی طبقات الاخیار میں لکھا ہے کہ "ومذھب بعضھم مذھب الکل" کما لا یخفی علی من احاط ببعض خصائص احوالھم" یعنی ائمہ اہل بیتؑ میں سے جو نظریہ اور مذہب ومسلک ایک کا ہو وہی سب کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ان حضرات کے خصوصی حالات پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۹ پر لکھا ہے: "مذھب واحدمنھم مذھب باقیھم" بالخصوص کسی چیز کے بارے میں جو نظریہ حضرت امیر المومنینؑ کا ہو دوسرے ائمہ طاہرینؑ

کے متعلق اس کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اسی فاضل شعرانی نے مواقع الانوار صفحہ ۲۴۹ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ: "سئل فی مسئلۃ ھل یوافقہ علی بن ابی طالب۔ قال لا یصدر عن اھلبیتہ الاعن رائہ"۔ یعنی آنجناب سے کسی مسئلہ کے متعلق یہ دریافت کیا گیا کہ آیا اس مسئلہ میں جناب امیر علیہ السلام آپ کے موافق ہیں۔ فرمایا: خانوادہ علویہ سے ان کی رائے گرامی کے مطابق ہی احکام صادر ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا طویل مقالہ میں ناقابل انکار شہادتوں سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ آنجنابؑ اصحاب ثلاثہ کو خائن، ظالم، آثم اور کاذب و غاصب جانتے تھے۔ تو کیا کوئی صاحب عقل سلیم دوسرے ائمہ طاہرینؑ کے متعلق یہ تصور بھی کرسکتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو امین، منصف، نیکوکار اور صالح اور وفادار سمجھتے تھے۔ ان ھذا الا اختلاق۔

اگرچہ اس بیان حقیقت ترجمان سے موف کی تمام پیش کردہ روایات کا اجمالی جواب معلوم ہوجاتا ہے۔ تاہم ذیل میں ان کے تفصیلی و تحقیقی جوابات سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔ مگر اصلی مقصد میں وارد ہونے سے پہلے ایک اہم راز کا انکشاف ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ایک اہم انکشاف

قارئین کرام پر مخفی نہ رہے کہ پیر سیالوی نے اس سلسلہ میں اپنی پیش کردہ روایات اور اپنے استدلالات کا زیادہ تر سنگ بنیاد ہماری تین کتابوں پر رکھا ہے۔

① الشافی السیّد مرتضی علم الہدیٰؒ
② کشف الغمہ الشیخ علی بن عیسٰی اربلیؒ
③ ناسخ التواریخ شاہزادہ محمد قلی خانؒ

(ہاں بعض مقامات پر بعض اور کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ بن پر مناسب مقام پر تبصرہ کیا جائے گا) پھر انھوں نے ہمارے جس مؤلف کی جس تالیف سے کوئی روایت لی ہے اپنے قارئین کو یہ تاثر دینے کی ضرور کوشش کی ہے کہ وہ مؤلف "شیعوں کا مجتہد اعظم" ہے۔ اگرچہ وہ حاطب اللیل قسم کا مؤلف ہو اور اس کا شمار علماء شیعہ کی قطار میں بھی نہ ہو۔ تا مجتہد اعظم چہ رسد؟ اور وہ کتاب شیعہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اگرچہ علماء محقّقین کے نزدیک وہ ہر قسم کے رطب و یابس کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے درجہ اعتبار سے ہی ساقط ہو۔ بہرکیف بطور انکشاف حقیقت ذیل میں ان کُتبِ ثلاثہ کے متعلق چند حقائق پیش کیے جاتے ہیں تاکہ مؤلف کی فریب کاری کا پردہ چاک ہوجائے اور اصل حقیقت بے نقاب ہوجائے۔

کچھ کتاب "الشافی" کے متعلق

یہ کتاب فن مناظرہ اور مسئلہ امامت پر ہے۔ مسئلہ امامت میں قاضی عبدالجبار کی معرکۃ الآراء کتاب "المغنی" کا محققانہ اور شافی وکافی جواب ہے۔ اس کے مصنف علامۃ العلماء جناب السید مرتضیٰ علم الھدیٰ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ چونکہ یہ کتاب غیر معمولی طور پر طویل تھی۔ اس لیے جناب سید کے تلمیذ رشید شیخ الطائفہ علامہ الشیخ محمد بن الحسن الطوسی نے اس کی تلخیص کی جو تلخیص شافی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ قواعد مناظرہ کے مطابق مصنف علام نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر ہر مسئلہ پر قلم فرسائی فرمانے سے پہلے قاضی عبدالجبار سنی کی کتاب "مغنی" کی من وعن عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس پر جرح وقدح کر کے اس کا تار و پود بکھیرتے ہیں۔ جناب سید نے اپنے کلام حق ترجمان کو قاضی کے کلام باطل الیتام سے ممتاز و جدا کرنے کی خاطر "قال، اقول" کی علامت مقرر کی ہے۔ یعنی جہاں سے قاضی کا کلام شروع ہوتا ہے وہاں بخط جلی "قال" (اس (قاضی) نے کہا) لکھتے ہیں۔ اور جہاں اس کا کلام ختم ہوتا ہے اور اپنا جواب باصواب شروع کرتے ہیں۔ "تو بخط جلی "اقول" (میں کہتا ہوں) تحریر فرماتے ہیں۔ مگر باایں ہمہ تمام مناظرین اہل سنت کی بالعموم اور ہدایت خلق اور شیخ الاسلامی کے دعویدار اور پیر سیالوی کی بالخصوص یہ عادت شریفہ ہے کہ کتاب الشافی میں بذیل عنوان "قال" جہاں قاضی عبدالجبار کی عبارت درج ہوتی ہے۔ اُسے بعینہ نقل کر دیتے ہیں اور پھر ڈھنڈورا یہ پیٹتے ہیں کہ شیعوں کی معتبر ترین کتاب الشافی شیعہ کے مجتہد اعظم کی لکھی ہوئی، ایران کی چھپی ہوئی کے فلاں صفحہ پر فلاں روایت درج ہے۔ جو اصحاب ثلاثہ کی مدح پر دلالت کرتی ہے۔ یہ ڈھٹائی و بے حیائی ہے۔ یا چالاکی و بے باکی، عیاری و مکاری ہے یا ابلہ فریبی یا خود فریبی؟

ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے؟

کچھ "کشف الغمہ فی مناقب الائمہ" کے متعلق

یہ کتاب ائمہ اہل بیتؑ کے مناقب کی ہے۔ جس کے مؤلف الشیخ الفاضل علی بن عیسیٰ اربلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (جن کا تشیع محتاج بیان نہیں ہے) نہ معلوم پیر سیالوی نے اپنے رسالہ کے چار صفحے (از صفحہ ۱۶ تا صفحہ ۱۹) اُن کی شیعیت ثابت کرنے کے لیے کیوں سیاہ کیے ہیں۔ کیونکہ ع

آنجا کہ عیان است چہ حاجت بیان است

وزیر سعید کا طریقہ تالیف یہ ہے کہ وہ اپنے موضوع (ائمہ اطہارؑ کے حالات اور اُن کے فضائل ومناقب بیان کرنے میں) زیادہ تر اہل سنت کی ہی کتب مُعتبرہ کی روایات وعبارات پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں سے شاذ ونادر ہی اِستفادہ کرتے ہیں۔ ان کی دیانت وامانت کا یہ عالم ہے کہ جہاں کسی سنی عالم کا کلام نقل کرتے ہیں تو "قال فلاں" کہہ کر اس کی ابتداء اور "ہذا آخر کلام فلاں" کہہ کر اس کی اِنتہا کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ کیا مجال کہ نقل عبارت میں ایک حرف کا بھی فرق واقع ہو جائے۔ ان حقائق کے چہرہ سے خود مؤلف نے اپنی کتاب کے مقدمہ صفحہ ۳ پر نقاب کشائی فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

و اعتمدت فی الغالب النقل من کتب الجمہور لیکون ادعیٰ الی تلقیہ بالقبول وافق رائی الجمیع متی رجعوا الی الاصول و لان متی قام الخصم لتشیدہ ولتفضیلہ و متی نہض المخالف باثباتہا و تقییدہا کانت اقویٰ یداً (الی ان قال) و نقلت من کتب اصحابنا مالم یتعرض الجمہور لذکرہ۔

یعنی میں نے زیادہ تر اہل سنت کی کتابوں سے (فضائل ومناقب) نقل کرنے پر اعتماد کیا ہے تاکہ زیادہ قابل قبول ہو اور سب لوگوں کی رائے کے مطابق ہو۔ کیونکہ جب خود مخالف کسی دلیل کی مضبوطی اور کسی فضیلت کے ثابت کرنے کے درپے ہو جائے تو یقیناً وہ دلیل وفضیلت نہایت قوی اور مضبوط ہوتی ہے۔ ہاں جو فضیلت اہل سنت کی کتابوں میں نہیں ملتی اسے اپنی کتابوں کے حوالے سے درج کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ برادرانِ اسلامی ائمہ اطہارؑ کے ہزار مناقب ومحامد بیان کریں لیکن وہ اپنے مذہبی اصول کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے لہٰذا وہ اثناء کلام میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور درج کر دیتے ہیں۔ جن سے ان کے مسلک ومذہب کی تائید ہو جاتی ہے۔ یہ ہمارے علماء کرام کی دیانتداری کی بین دلیل ہے کہ وہ مخالف کا کلام نقل کرنے میں کسی قسم کی کتر وبیونت اور کمی وبیشی نہیں کرتے بلکہ پوری عبارت جوں کی توں نقل کر دیتے ہیں۔ ہاں علم کلام کی کتابوں میں ایسی چیزوں پر تنقید وتبصرہ کر دیا جاتا ہے مگر صاحب کشف الغمہ نے ایسا بھی نہیں کیا۔ کیونکہ یہ علم کلام یا مناظرہ کی کتاب نہیں ہے۔ جیسا کہ انہوں نے اس مطلب کی خود وضاحت فرمائی ہے۔ "فاذا ہذا لیس بکتاب جدال فاذکر فیہ الخلاف و الوفاق" صفحہ ۳ یعنی میری یہ کتاب (کشف الغمہ) مناظرہ کی تھوڑی ہے کہ اس میں اختلافی باتوں کا ذکر کروں۔

اس کتاب کے حوالہ جات میں پیر سیالوی نے یہ چابکدستی دکھائی ہے کہ اس کتاب میں اہل سنت سے باحوالہ بعض روایات مندرج ہیں۔ ان کو اپنے رسالہ میں درج کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ

شیعوں کی معتبر ترین کتاب کشف الغمہ میں یہ روایت درج ہے: "حالانکہ وہ روایت اہل سنت کی ہے۔ نہ شیعوں کی اس لیے اصولاً اُسے ہمارے خلاف پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کیا یہ کُھلم کھلا دھوکہ دہی و فریب کاری نہیں ہے؟ کوئی مسلمان تو کجا کوئی شریف انسان بھی ایسی گھٹیا حرکت کرنا گوارا نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ وہ شخص اس کا ارتکاب کرے جو پیر طریقت و راہبر حقیقت ہونے کا دعویدار ہو۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

اگر ایسے لوگ "پیر طریقت" اور "شیخ الاسلام" ہوئے تو علی الاسلام السلام

کچھ "ناسخ التواریخ" کے متعلق

یہ کتاب (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) تاریخ کی ہے اور جس طرح عام تاریخی کتابوں میں ہر قسم کا رطب و یابس موجود ہوتا ہے اس کتاب میں بھی اس قسم کا مواد ہے۔ بلکہ سب سے زیادہ موجود ہے۔ کیونکہ یہ ہے: "ناسخ التواریخ"۔

اس کے مؤلف جناب شہزادہ محمد قلی خان قاچار ہیں۔ جو عربی و فارسی کے اچھے ادیب و قلمکار ہیں۔ لیکن ان کا علماء کبار میں بھی شمار نہیں ہوتا تا بہ مجتہدین چہ رسد؟

یہ مؤلف رسالہ کی ستم ظریفی ہے کہ "ناسخ التواریخ" کو بھی شیعوں کی معتبر ترین کتاب اور اس کے مؤلف کو ہمارا مجتہد اعظم ظاہر کر کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ ادھر ہماری "ناسخ التواریخ" مُعتبر ترین کتاب اور اُدھر اپنی "بخاری شریف" کی صحت کا انکار۔ (ملاحظہ ہو رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۱۰۴)

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا؟

بایں ہمہ ابلہ فریبی، دھوکا دہی، اپنی پاک دامنی اور نیک نیتی کا یوں اظہار کرتے ہیں۔ "میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں تعصب مذہبی کی بنا پر نہیں، بلکہ واقعات کی روشنی میں اور حق و صداقت پر مبنی یہ معروضات ہیں"۔ (مذہب شیعہ صفحہ ۹۰)

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

بہر حال "ناسخ التواریخ" تفسیر یا حدیث کی کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ ایک عام تاریخی کتاب ہے۔ اور اس میں تمام اسلامی فرقوں کی روایات درج ہیں۔ مؤلف رسالہ نے اس کتاب سے

حوالہ جات نقل کرنے میں وہی دھاندلی روا رکھی ہے۔ جو " کشف الغمہ " وغیرہ میں روا رکھی تھی۔ اس تمہید مفید کے بعد ہم بفضلہ تعالیٰ مؤلف کے دامِ تزویر کو تار تار کر کے ان کے دجل و فریب کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین کرام پر حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں سہولت ہو۔

وما توفیقی الا باللہ

گر نیاید بگوش حقیقت کس بر رسولاں بلاغ باشد و بس

(۱) رسالہ "مذہب شیعہ" (از پیر آف سیال شریف)

حضرت پیر صاحب آف سیال شریف رقمطراز ہیں: اہل تشیّع کی معتبر ترین حدیث کی کتاب الشافی مصنفہ علم الہدیٰ سید مرتضیٰ و تلخیص الشافی مصنفہ محقق طوسی امام الطائفہ صفحہ ۴۲۸ کی روایات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔ اور اہل تشیّع کی محبت و تولّیٰ کا جائزہ لیتا ہوں:

و روی عن جعفر بن محمد عن ابیه ان رجلا من قریش جاء الی امیر المومنین علیه السلام قال سمعته یقول فی الخطبة آنفا۔ اللهم اصلحنا بما اصلحت به الخلفاء الراشدین فمن هما؟ قال جیبای و عماك ابوبکر و عمر اماما الهدیٰ و شیخیا الاسلام و رجلا قریش و المقتدی بهما بعد رسول الله صلی الله علیه و آله من اقتدی بهما عصم و من اتبع اثارهما هدی الی صراط مستقیم

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قریش کا جوان امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا حضرت میں نے ابھی آپ سے خطبہ فرماتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے کہ میرے پروردگار ہم پر اس طرح مہربانی کے ساتھ کرم فرما جو مہربانی و کرم تو نے خلفاء راشدین پر فرمایا ہے۔ تو وہ خلفاء راشدین کون ہیں؟

حضرت علی المرتضیٰؑ نے فرمایا کہ وہ میرے پیارے اور تیرے چچا ہیں۔ ابوبکر و عمر وہ دونوں ہدایت کے امام ہیں، وہ دونوں اسلام کے پیشوا ہیں۔ اور دونوں جوان قریش سے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کے مقتداء اور پیشوا ہیں، جس نے ان کی پیروی کی تو (جہنم سے) بچ گیا اور جس شخص نے ان کی اقتداء کی اس نے صراطِ مستقیم کی ہدایت پالی۔ شافی لعلم الہدیٰ و تلخیص الشافی المحقق الطوسی جلد ۳ صفحہ ۴۲۸ علم الصدق وا لصفا سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صریح اور واضح وغیر مبہم ارشاد کی شان دیکھیے اور روایت بھی تمام تر ائمہ صادقین طاہرین معصومین" سے ہے۔ انتظار میں ہوں کہ محبت و تولّیٰ کے دم بھرنے والے اس فرمان پر کہاں تک ایمان لانے کے لیے تیار ہیں"۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۲۹)

فصل سیوم

۲ تنزیہ الامامیہ:

ان روایات کے جوابات جو مؤلف نے کتاب الشافی سے پیش کی ہیں:

الجواب بعون اللہ الوہاب:

افسوس کہ پیر صاحب کو بہت انتظار کرنا پڑا یہ ہے۔ الامور مرہونۃ باوقاتھا۔ لیجیے آج آپ کی خلش اِنتظار کو ختم کیا جاتا ہے۔ شیعیانِ حیدر کرارؑ وموالیانِ ائمہ اطہارؑ اپنے پیشواؤں کے فرمان کو واجب الاذعان جانتے ہیں، بشرطیکہ وہ ثابت ہو جائے اور اس کے نقل کرنے میں دجل وفریب سے کام نہ لیا جائے۔ جیسا کہ یہاں لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ درست ہے کہ یہ روایت مذکور جلد مذکور کے صفحہ مذکور میں مذکور ہے۔ لیکن اہل سنت کے استدلال کے ضمن میں۔ چنانچہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ نے اسی صفحہ ۴۲۸ کی سطر ۱۷ پر بخط جلی یہ عنوان قائم کیا ہے "واما ما استدلوا من جھۃ الخبر فاشیاء"۔ یعنی حضرات اہل سنت اصحابِ ثلاثہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے چند اخبار وآثار سے استدلال کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ اس عنوان کے ذیل میں ان حضرات کی بعض روایات پیش کی ہیں۔ جیسے: لو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا اور ابوبکر و عمر سیدا کھول اھل الجنۃ۔ بعد ازاں مندرجہ بالا روایت ذکر کی ہے اس کے بعد اسی قسم کی چند اور روایتیں درج کی ہیں۔ پھر اسی صفحہ کی آخری سطر سے ایک سطر پہلے یہ عنوان قائم کر کے۔ "والکلام علی ھذہ الاخبار من وجوہ"۔ ان روایات کے تحقیقی جوابات پیش فرمائے ہیں۔ اور قواعد ودرایت کی روشنی میں ان کا بے اصل وبے بنیاد ہونا واضح وآشکار کیا ہے۔ اور تین چار مشترکہ جوابات کے بعد ہر ایک روایت کے متعلق خصوصی جوابات سپرد قلم فرمائے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۴۲۹ کی سطر ۲۷ پر مؤلف کی اس پیش کردہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فضائے بسیط میں اس کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ فرماتے ہیں:

واما الخبر الذی یروی عن جعفر بن محمد علیہ السلام عن ابیہ عن امیر المومنین علیہ السلام قال ما حکاہ السائل فمن العجائب ان یرونی ذلک من محل ھذا الطریق الذی

ما عهد منه قط الا ما يضاد هذه الرواية و ليس يجوز ان يقول ذلك من كان يتظلم تظلما ظاهرا فی مقام بعد آخر و تبصریح بعد تلویح و یقول فیما قد رواه ثقات الاثار و لم یرد من حاص الطرق دون عامها اللهم انی استعدیك علی قریش فانهم ظلمونی بعد د الحجر و المدر و یقول لم ازل مظلوما ما منذ قبض رسول الله صلی الله علیه و آله و یقول فیما رواه زید بن علی بن الحسین قال کان علی علیه السلام یقول بایع الناس ابابکر و انا اولی بهم من قمیصی هذا کظمت غیظی و انتظرت الری ؎

یعنی وہ روایت جسے اہل سنت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آباء کرامؑ کے سلسلہ سے روایت کی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے وہ ارشاد فرمایا جسے سائل نے نقل کیا ہے..... تو یہ بات عجائباتِ روزگار میں سے ہے کہ یہ بات وہ جناب امیر المومنین علیہ السلام بیان فرمائیں جو ہمیشہ اس کے خلاف ارشاد فرماتے رہے ہیں۔ بھلا وہ ان لوگوں کی مدح سرائی فرمائیں۔ جن کے ظلم وستم اور اپنی مظلومی کا ہمیشہ کھُلّم کھُلّا شکوہ وشکایت فرماتے رہے ہیں۔

چنانچہ ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ جناب نے بارگاہ ایزدی میں ان لوگوں کا شکوہ و شکایت کرتے ہوئے کہا: یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں قریش کی زیادتی کی شکایت کرتا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے مجھ پر بہت ظلم وستم کیا ہے۔ نیز فرمایا: جب سے جناب رسولؐ خدا کا انتقال ہوا ہے میں برابر مظلوم رہا ہوں۔ نیز بروایت زید بن علیؑ بن الحسین علیہ السلام آپ سے مروی ہے۔ فرمایا: "لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی حالانکہ جس قدر مجھے اپنی قمیص میں تصرف کا حق ہے اس سے زیادہ میں سب سے زیادہ حقدار خلافت تھا لیکن (بوجوہ) میں نے اپنا غصہ پیا"۔

بعد ازاں جناب علم الہدیٰ نے اور بھی بہت سے دلائل وشواہد اس روایت کے جعلی و وضعی ہونے پر پیش کیے ہیں۔ اور یہ سلسلہ صفحہ ۴۳۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ ان شواہد کا ایک شمہ اعتقاد ائمہ در حق ثلاثہ کے زیر عنوان ذکر کیا جا چکا ہے۔ بہر حال اس بیان سے ناظرین کرام پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہوگئی کہ یہ روایت بطریق اہل سنت مروی ہے۔ اور وہ بھی بنا برقواعد درایت، موضوع ومجہول ہے۔ جسے جناب سید نے بڑے شدومد کے ساتھ باطل ثابت کیا ہے۔ بایں ہمہ کس قدر دیدہ دلیری اور دھوکا دہی ہے کہ اس روایت کو پیش کر کے یہ ظاہر کیا جائے کہ شیعوں کی معتبر ترین اور ان کے مجتہد اعظم کی روایت ہے اور پھر بنا الفاسد علی الفاسد رکھتے ہوئے اس کے ذریعہ شیعیانِ علیؑ کی محبت کا امتحان لیا جائے؟ البتہ ہم منتظر ہیں کہ پیر صاحب کا پردہ چاک ہو جانے کے بعد آیا وہ

اس فعل قبیح سے توبہ کرتے ہیں یا نہ؟ اور اگر وہ تائب نہیں ہوتے تو ان کے مریدانِ باصفا ان کی مریدی سے کنارہ کش ہوتے ہیں یا نہ؟

③ اس پر مولانا اشرف سیالوی کی تنقید:

الجواب و ھو الملھم للصدق و الصواب۔

جواب اوّل: علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے پیش کردہ دلائل جن کا تعلق نہج البلاغہ یا شرح ابن میثم وغیرہ سے تھا۔ ان کے جوابات تو سرے سے دیئے ہی نہیں۔ اور اپنی ساری توانائیاں زیادہ تر ان تینوں کتابوں کے حوالہ جات کے جوابات پر صرف کی ہیں۔ ناسخ التواریخ، کشف الغمہ اور شافی و تلخیص الشافی۔ جن کا لب لباب یہ ہے کہ یہ اہل سنت کی روایات ہیں اور ان میں دھوکا کیا گیا ہے۔ جعل سازی کی گئی ہے۔ حالانکہ کشف الغمہ کے مؤلف نے واضح کر دیا کہ میں وہی روایات ذکر کروں گا جو فریقین کے نزدیک مُسلّم ہوں گی...... اور صاحب ناسخ التواریخ نے بھی تصریح کی ہے کہ میں فریقین کی متفق علیہ روایات ذکر کروں گا...... لیکن ڈھکو صاحب نے لاعلمی یا دھوکا دینے کے لیے وہاں بھی بار بار یہی رٹ لگائی ہے کہ روایات سنی کتب سے لی گئی ہیں...... لیکن یہ نہ سوچا کہ آخر ان روایات کے ذکر کرنے کا مقصد کیا تھا اور خود مصنفین نے بھی اس کی کوئی وجہ بیان کی ہے۔ یا نہ؟...... لیکن شیعہ صاحبان اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے الفاظ (مدح شیخین) تو صرف کیے۔ مگر آپ ان کے معانی و مفاہیم کے قائل نہ تھے۔ آپ نے بطور مکر و کید اور ضیاع کے ان کو استعمال کیا...... کیونکہ معاویہ نے شام میں ایسے لوگوں کو پھیلا رکھا تھا جو حضرت علیؑ کی طرف سے لوگوں کو یہ خبر دیتے تھے کہ یہ مُتقدمین خلفاء سے برائت کا اظہار کرتے ہیں۔ اہل سنت اور اہل تشیّع میں فرق صرف یہ رہ گیا کہ اہل السنۃ کے نزدیک جو کچھ آپ زبان سے فرماتے تھے۔ وہی آپ کا نظریہ بھی تھا...... لیکن شیعہ صاحبان کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ صرف رعایا اور لشکریوں کو بے وقوف بنانے اور معاویہ کے افشاء راز سے گھبرا کر...... محض زبانی اس طرح کے خطبے دیا کرتے تھے...... کیا اس صورت میں ائمہ کرام کی مذمت یا مدح ثنا کا کوئی اعتبار ہو سکتا ہے...... اور کیا ہادیانِ ملت اور مُقتدایانِ انام...... کا یہی حال ہوا کرتا ہے؟؟...... مدحِ شیخین بزبان معدن ولایت۔ سیالوی نے یہاں کسی یحییٰ بن حمزہ کی کتاب "اطواق الحمایہ فی مباحث الامامۃ" سے بروایت سوید بن غفلہ حضرت امیر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے شیخین کی مدح ظاہر ہوتی ہے...... اس روایت سے جو زیدی شیعہ کے حوالے سے منقول ہے۔ ان حضرات کی عظمت شان کو

اور ان کے حق میں حضرت علیؑ کے عقیدہ کو مہر نیم روز کی طرح واضح کر دیا...... اور شافی و تلخیص شافی سے نقل کردہ روایات کی تائید حضرت علیؑ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے...... لعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم...... اور معاویہ کے اس نظریہ کی (کہ اسلام میں سب سے افضل ابوبکر ہیں اور پھر عمر) تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: "وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت"...... لہٰذا شافی و تلخیص الشافی کی ان روایات کے متعلق دعویٰ کہ یہ محض اہل السُّنّت کی روایات ہیں بالکل غلط ہے......

(تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۴۱۴)

④ اس پر ہمارا نقد و تبصرہ:

اس دور میں ظالم ہیں سارے جو انصاف کا وعظ سناتے ہیں
ہر بات یہاں کی الٹی ہے یہاں الٹی گنگا بہتی ہے

شیخ الاسلامی کے دعویدار پیر صاحب نے چوری کرنی تھی وہ تو کرلی جو بد دیانتی اور خیانت مجرمانہ کرنی تھی وہ کرلی کہ شیعوں کی سب سے زیادہ معتبر کتاب اور شیعوں کے مُجتہد اعظم نے کتاب شافی میں یہ لکھا ہے جبکہ وہ روایت مخالف کی ہے اور ہمارے مُجتہد اعظم نے ذرا آگے اس کی پر زور تردید بھی کردی ہے۔ افسوس و صد افسوس کہ ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مگر اس سے زیادہ تعجب ان کے مرید خاص اشرف سیالوی صاحب پر ہے جو پیر صاحب کی چوری پر معذرت کی بجائے الٹا سینہ زوری بھی کر رہے ہیں اور بموجب "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔ اپنی چوری، فریب کاری اور دھوکا دہی اور ابلہ فریبی کا اقرار کرنے اور اس شغل قبیح سے توبہ کرنے کی بجائے نہ صرف ہمیں بلکہ پوری شیعہ قوم پر دھوکا دہی کا الزام لگا رہے ہیں۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ: ع

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں کتاب شافی اور تلخیص الشافی کی اور ان کے طریقہ کار کی جو وضاحت کی تھی کہ جناب السید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب الشافی اور ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ طوسی کی تلخیص الشافی قاضی عبدالجبار مُعتزلی کی کتاب مغنی کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اور اُن کا طریقہ کار عام کتب مناظرہ کی طرح یہ ہے کہ پہلے مخالف اور اس کا استدلال پیش کرتے ہیں اور پھر اس کی دھجیاں فضاء میں بکھیرتے ہیں۔ اب کوئی شخص اس کتاب سے مخالف کی پیش کردہ کوئی روایت لے کر اس پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھے اور ظاہر کرے کہ شیعوں کی معتبر ترین کتاب کے فلاں صفحہ

پر یہ روایت درج ہے۔اس سے یہ ثابت ہوا اور وہ ثابت ہوا جب کہ اس کتاب میں اس روایت کی پرزور تردید کی گئی ہو۔تو ایسا کرنے والے کے دھوکا باز اور فراڈ اعظم ہونے میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟اور جو شخص اس فریب کار اور دھوکا باز کی حمایت کرے اور تاویلوں کے جال بچھائے آیا اس سے اس کے دین ودیانت کا بھانڈا چوراہے پرنہیں پھوٹ جاتا۔آیا کسی مسلک میں اس دھاندلی کا کوئی جواز ہے؟ کیا پیر آف سیال شریف ساری دنیا کو جاہل یا اندھا جانتے ہیں؟ انھوں نے کبھی نہیں سوچا کہ جب کوئی محقّق اہل علم ان کی اس چوری بلکہ سینہ زوری کا راز فاش کرے گا تو ان کا کیا حشر ہوگا۔

و ھبنی قلت ھذا الصبح لیل
ایعمی العالمون عن الضیاء

سیالوی صاحب کی پرانی عادت ہے کہ وہ ایک معمولی بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں اور پھر اُسے اتنا طول دیتے ہیں کہ ایک قاری ان بھول بھلیوں میں پڑ کر اصل مدعا و مقصد کو ہی بھول جاتا ہے۔

بہر حال اگر "تنزیہ الامامیہ" میں "نہج البلاغہ" کے کسی خطبہ کے ساتھ کسی غلط استدلال کا جواب رہ گیا تھا تو اب تو اس جوابی کتاب میں وہ قرضہ بھی چکا دیا گیا ہے......اور اب پیر صاحب کی چوری پر سیالوی صاحب نے جو سینہ زوری دکھائی ہے،اس کا بھی پردہ چاک کر دیا گیا ہے۔اور ہم سطور بالا میں پوری تفصیل جمیل کے ساتھ حضرت امیرؑ اور دوسرے ائمہ اہل بیتؑ کا اصحابِ ثلاثہ کے بارے میں حقیقی عقیدہ ونظریہ بڑی تفصیل کے ساتھ واضح کر آئے ہیں۔لہٰذا اس کے خلاف اگر کسی بھی معصوم کی طرف کوئی روایت منسوب نظر آئے گی تو وہ بالیقین جعلی اور وضعی تصور کی جائے گی۔یا حالات کے مطابق توریہ پر محمول سمجھی جائے گی۔بھلا وہ اصحابِ ثلاثہ حضرت امیر علیہ السلام کے محب باوفا اور پیغمبر اسلامؐ کے اصحابِ باصفا ہو سکتے ہیں، جن کو حضرت امیر علیہ السلام حضرت خاتونِ قیامت کی وفات کی اطلاع تک نہ دیں۔(بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ طبع مصر، بخاری مع فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ طبع دہلی، جذب القلوب) اور دوسرے دن ان کے شکوہ کرنے پر یہ جواب دیں کہ: من بر وصیت او چنین کر دم (روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۴۳۴ مطبع تیغ بہادر لکھنؤ کذافی مدارج النبوۃ) میں نے بی بیؑ کی وصیت پر تھیں ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے کی اطلاع نہیں دی......انا للہ وانا الیہ راجعون

ہمیں کسی زیدی المذہب کی کسی کتاب اطواق الحمایہ کی روایت سے کوئی تعلق وواسطہ نہیں ہے کیونکہ ہم شیعہ اثنا عشریہ کی تحریروں کے ذمہ دار ہیں۔

معاویہ کے مکتوب کا جواب اور اصل حقیقت کا اِنکشاف

بموجب "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" سیالوی صاحب نے طائرِ بسمل کی طرح ادھر ادھر ہاتھ پیر مار کے معاویہ کے ایک مکتوب بنام حضرت علیؑ کے جواب میں حضرت امیر علیہ السلام نے جو جوابی خط لکھا تھا اس سے اگرچہ سیالوی صاحب اور ان کے دوسرے ابناء مذہب کی اس سے تکذیب و تردید ہوتی ہے۔ مگر سیالوی کی کج نگاہ اس تردید کو تائید دیکھ رہی ہے کہ معاویہ کا نظریہ تھا کہ اسلام میں سب سے افضل ابوبکر اور پھر عمر ہے...... اور حضرت امیر علیہ السلام نے اس کی تائید کی...... (العیاذ باللہ)

حالانکہ اصل بات صرف یہ ہے کہ معاویہ نے قتل عُثمان کی ذمہ داری حضرت امیر علیہ السلام پر ڈالتے ہوئے ایک لمبا چوڑا مکتوب حضرت امیر علیہ السلام کو ارسال کیا تھا۔ جس میں بزعم خود بعض اصحاب کے بعض فضائل درج کیے تھے اور آخر میں لکھا تھا کہ:

و کان افضلهم فی الاسلام و انصحهم لله و رسوله الخليفة و من بعده خليفة خليفته فكلهم حسدت و علی كلهم بغيت۔

کہ ان سب سے افضل اور انصح خلیفہ اول اور اس کا خلیفہ دوم تھا۔ اور آپ نے ان سب کے ساتھ حسد کیا اور اُن کے خلاف بغاوت کی۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس مکتوب کا دندان شکن و ہمت شکن معاویہ کو جو جواب ارسال کیا تھا وہ قابل دید و داد ہے۔ جس کے بعد معاویہ کو لب کشائی کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اس مکتوب میں آپؑ فرماتے ہیں: "تیرا گمان فاسد ہے کہ فلاں سب سے افضل و انصح تھا اور اس کے بعد فلاں تجھے یہ مراتب مقرر کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟ تم نے ایک ایسی بات بیان کی ہے کہ اگر وہ درست ہو تو اس میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اگر غلط ہے تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے اور تو نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ میں ان لوگوں پر حسد کرتا رہا۔ اور اُن کے خلاف بغاوت پھیلاتا رہا...... سو جہاں تک بغاوت کا تعلق ہے تو خدا کی پناہ کہ میں نے کبھی کی ہو...... اور جہاں تک ان لوگوں کو ناپسند کرنے کا تعلق ہے تو بخدا میں اس پر معذرت طلب کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں (نہج البلاغہ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی، شرح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی اور العقد الفرید وغیرہ)

سیالوی صاحب اگر خدا پر ایمان رکھتے ہیں تو اسے حاضر و ناظر سمجھ کر بتائیں کہ مولائے متقیان کے اس مکتوب سے معاویہ کے نظریۂ فاسدہ کی تائید ہوتی ہے۔ یا پرزور تردید؟؟ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

کیا سیالوی صاحب نے "کمازعمت" نہیں دیکھا اور آخری جملہ "اما الکراھۃ" نہیں دیکھا اور اگر دیکھا ہے تو اسے شیر مادر سمجھ کر ھضم کر گیا یہ بد دیانتی کی انتہا نہیں ہے؟ بوگس حوالوں سے سیالوی صاحب حاصل کیا کرنا چاہتے ہیں؟...... یہی رسوائی...... جگ ہنسائی......اور اپنی بے حیائی؟؟

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

① رسالہ مذہب شیعہ:

پیر صاحب فرماتے ہیں۔ کتاب الشافی ج ۲ ص ۴۲۸ مطبوعہ نجف اشرف میں موجود ہے کہ

ان علیا علیہ السلام قال فی خطبۃ خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر و فی بعض الاخبار انہ علیہ السلام خطب بذلک بعد ما انھی الیہ ان رجلا تناول ابابکر و عمر بالشتیمۃ فدعی بہ و تقدم بعقوبۃ بعد ان شھد علیہ بذلک

یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ نبی کریمؐ کے بعد حضورؐ کی تمام امت سے افضل ابوبکر و عمر ہیں۔ بعض روایتوں میں واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ حضرت شیر خدا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اطلاع پہنچی کہ ایک شخص نے (غالباً کسی شیعہ نے) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں سب بکا ہے۔ جس پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بلایا اور اس کے سب بکنے پر شہادت طلب فرمائی (یعنی باقاعدہ مقدمہ چلایا) اور شہادت گزرنے کے بعد اپنے دستِ حیدری کے ساتھ اس کو واصل جہنم کیا اور مبتلا عقوبت گردانا۔

(رسالہ مذہبِ شیعہ صفحہ ۳۰)

② تنزیہ الامامیہ: الجواب و باللہ الثقۃ لنیل الصواب:

مؤلف رسالہ نے اس روایت کے نقل کرنے میں بھی اسی ہوشیاری بلکہ مکاری وعیاری سے کام لیا ہے جس طرح سابقہ روایت میں لیا تھا۔ جس کا پردہ چاک کیا جا چکا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس روایت کو بھی جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اہل سنت کے استدلال کے ضمن میں درج کیا ہے۔ اور پھر ص ۴۳۰ پر نا قابل رد زبردست عقلی و نقلی شہادتوں سے اس روایت کا موضوع و من گھڑت ہونا ثابت فرمایا ہے۔ بایں ہمہ اسے شیعوں کی روایت قرار دے کر کسی مطلب کی تائید میں پیش کرنا خیانت مجرمانہ کی بدترین مثال ہے۔ جس کا کوئی معمولی عقل و انصاف رکھنے والا انسان بھی ارتکاب نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ لوگوں کی راہنمائی اور پیشوائی کا دعویدار؟ آہ

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

نوٹ: اس پر سیالوی صاحب نے "تحفہ حسینیہ" میں کوئی تنقید نہیں کی۔ واللہ العالم بحقیقۃ الحال

① رسالہ مذہب شیعہ:

ابوسفیان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کی پیش کش اور آپ کا جواب:

مؤلف صاحب رقمطراز ہیں:

روی جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام قال لما استخلف ابوبکر جاء ابو سفیان فاستاذن علیا علیہ السلام قال ابسط یدك ابا یعك فواللہ لاحلاتھا علی ابی فصیل خیلا و رجلا فائزوی عنہ علیہ السلام و قال و یحك یا ابا سفیان ھذہ من دواھیك و قد اجتمع الناس علی ابی بکر ما زلت تبتغی الاسلام عوجا فی الجاھلیۃ و الاسلام و دلالۃ ماضر الاسلام ذلك شیئا ما زلت صاحب فتنۃ

امام جعفر صادقؑ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں۔ اور وہ اپنے والد (زین العابدین) سے روایت فرماتے ہیں کہ (حضرت) ابوبکر (صدیق) خلیفہ بنے تو ابوسفیان نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی (اور حاضر ہوا) اور عرض کی کہ آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ خدا کی قسم اس علاقہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں گا۔ (اگر حضور خوف کی وجہ سے خلافت کا اعلان نہیں فرما رہے اور یقیناً خاموش ہیں) یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس سے روگردانی کی اور فرمایا: ابوسفیان! تیرے لیے سخت افسوس ہے۔ یہ خیالات تیری تباہ کاریوں کی دلیل ہیں۔ حالانکہ ابوبکر (صدیق) کی خلافت پر صحابہ کا متفقہ اور اجماعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو تو ہمیشہ کفر اور اسلام کی حالت میں فتنہ اور کجروی ہی تلاش کرتا رہا ہے۔ خدا کی قسم) صدیق اکبر (ابوبکر کی خلافت کسی طرح بھی اسلام کے لیے غیر مفید نہیں ہو سکتی اور تو تو ہمیشہ فتنہ ساز رہا ہے۔ لیجئے جناب! یہ حدیث بھی امام عن ابن امام۔ غرضیکہ اس حدیث کی سند بھی تمام تر ائمہ معصومینؑ صادقین پر مشتمل ہے۔ الخ

(رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۳۲۔۳۱)

② تنزیہ الامامیہ:

الجواب و باللہ الاستعانۃ لرد کل مرتاب

یہ استدلال بھی سابقہ تلبیس وتدلیس کی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ یہ روایت کتاب مذکور کے اسی صفحہ سے نقل کی گئی ہے۔ جس سے سابقہ دو جعلی روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ سید علم الہدیٰ نے کتا

الشافی (کے صفحہ ۴۳۱۔ ۴۳۰ پر) اس کا مکمل جواب باصواب پیش کیا ہے۔ الغرض مؤلف رسالہ کی یہ ایسی تلبیس مبین ہے کہ علم نقد ونظر میں اس کے لیے کوئی نام ہی ہنوز وضع نہیں ہوا، بایں ہمہ دعویٰ تحقیق بھی ہے اور دعائے پیشوائی وراہنمائی خلق بھی...... آہ ع

اب آبروئے شیوۂ اہل ہنر گئی

اس تدلیس کو چھپانے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ پیر صاحب سوائے اپنے نسخہ کے اس کتاب کے تمام نسخے دریا برد یا نذر آتش کرا دیں۔ مگر ایسا کرنا ان کے بس کا روگ نہیں۔ لہٰذا جب تک دنیا میں اس کتاب کے ہزاروں نسخے موجود ہیں اور صاحبانِ تحقیق بھی موجود ہیں، اس وقت تک یہ مکاری اور فریب وفسوں کاری کارگر نہیں ہو سکتی۔ ع

نہاں کئے ماندآن رازے کزد سازند محفلہا

جب عام اہل حق نے بالعموم اور سید مرتضیٰؒ نے بالخصوص اہل سنت کی ان پیش کردہ روایات کی دھجیاں اڑا کے رکھ دی تھیں تو اگر ان لوگوں میں کچھ بھی انصاف اور علمی دم خم ہوتا تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اہل حق کے تحقیقی جوابات کے جواب الجواب لکھ کر ان روایات کو سہارا دیتے اور اہل تحقیق سے داد وتحسین حاصل کرتے۔ مگر یہ کیا روباہی روش ہے کہ انہی کئی بار کی مردودہ وفرسودہ جعلی روایات و استدلالات کو لباس نو پہنا کر پیش کیا جائے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ان کو شیعی روایات بھی ظاہر کیا جائے؟ سچ ہے:

اذا القیت جلباب الحیاء فاضع ماشئت یعنی

بی حیا باش و ہر چہ خواہی کن

پیر صاحب! "یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا؟"...... جس پر آپ پھولے نہیں سماتے؟

تنبیہ

مخفی نہ رہے کہ مؤلف نے روایت کے آخری جملہ "ما ضر ذلک الاسلام شیئا" کا جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ "اور ابوبکر (صدیق) کی خلافت اسلام کے لیے غیر مفید بھی نہیں ہے"۔ وہ سراسر غلط ہے۔ عربی زبان کی معمولی شد بد اور اس کلام کے سیاق وسباق پر نگاہ رکھنے والوں پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ "ذلک" کا اشارہ ابوسفیان کی کج روی اور فتنہ سامانی کی طرف ہے۔ مقصد یہ کہ حضرت امیر علیہ السلام ابوسفیان کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تو کفر واسلام کی حالت میں کج روی اور فتنہ

سامانی کرتا رہا ہے۔ مگر تیری ان کارستانیوں نے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ وہ برابر پھیلتا رہا ہے اور پھیلتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اس بیان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ اگر جان بوجھ کر یہ ترجمہ کیا گیا ہے تو یہ محض ذلالت ہے اور اگر جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ کھلم کھلا جہالت ہے۔ ع

پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

بہر کیف بنا بر تسلیم اس واقعہ سے ابوبکر صاحب کی خلافت تو ثابت ہونے سے رہی البتہ اس سے جناب امیر علیہ السلام کی حکمت و دانائی اور اسلام کی سچی خیر خواہی ضرور ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے اسلام کے بہت بڑے دشمن (ابوسفیان) (جو نہ ابوبکر کا دشمن تھا اور نہ علیؑ کا دوست) کی بہت بڑی سازش کو جو اس نے اسلام کے دار الخلافہ میں خانہ جنگی کر کے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے تیار کی تھی ناکام کر کے اسلام کو تباہی و بربادی سے بچا لیا۔

ابن ابی الحدید نے کیا خوب کہا ہے:

و لو لا ابو طالب ابنه
لما مثل الدين شخصا فقاما

یعنی اگر ابو طالبؑ اور ان کے فرزند حضرت علی علیہ السلام نہ ہوتے تو اسلام کبھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکتا۔

چه خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(۳) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

علامہ ڈھکو صاحب نے یہاں بھی ساری شاعری صرف اس نکتہ پر صرف کر دی ہے کہ یہ روایت قاضی عبدالجبار نے مغنی میں نقل کی ہے اور صاحب شافی نے تو اس کا جواب دیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ روایت متعدد شیعی کتب میں موجود ہے یہ کہہ کر اس روایت کی اہمیت کم کرنا کہ یہ صرف ابوسفیان کا خیال تھا۔ اور وہ دشمن اسلام تھا......

یہ بھی واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس مشورہ میں حضرت عباس بھی شامل تھے۔ اور حضرت زبیر بھی اور دیگر مہاجرین کی ایک جماعت بھی...... حضرت علیؑ نے سب کو منافرت کی راہ پر

چلنے سے منع کیا......

علاوہ ازیں کونسا محفوظ اسلام تھا جس کو ابوسفیان کی سازش ناکام کر کے حضرت علیؑ نے بچالیا۔ جبکہ تمہارا مذہب ہی ارتد الناس الا الثلاثہ ہے......

نیز جناب کا نظریہ ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ عظیم اکثریت ان لوگوں کی تھی جو شیخین کی خلافت کو برحق جانتے تھے......قابل غور بات یہ ہے کہ جو خلافت نہیں دیتے وہ بھی مجرم اور جو ہر طرح کا تعاون کریں......

وہ بھی مجرم تو یہ خلافت بلا فصل کسی کو جرم سے پاک بھی رہنے دیتی ہے۔یا سبھی کو......

علامہ صاحب اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ کبھی تحت اللفظ ترجمہ کیا جاتا ہے اور کبھی مقصد بیان کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے......طوسی صاحب کے جواب کے وجوہ اختلاف......

④ اس پر ہمارا تبصرہ:

ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ

لا حول و لا قوۃ الا باللہ

کلام اس میں نہیں ہے کہ یہ ابوسفیان والی روایت صرف کتب اہل سنت میں پائی جاتی ہے یا کتب شیعہ میں بھی اس کا وجود ہے......بلکہ تمام تر بحث اس میں ہے کہ پیر آف سیال شریف نے اپنے رسالہ "مذہب شیعہ" میں کتاب شافی و تلخیص الشافی کے حوالے سے یہ روایت پیش کر کے جو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت ہے۔سید مرتضیٰؒ اور شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔لہٰذا یہ شیعوں کے خلاف حجت ہے۔ہمارا مدعا یہ ہے کہ یہ جعل سازی ہے۔خیانت مجرمانہ ہے اور ابلہ فریبی ہے۔یہ استدلال قاضی عبد الجبار کا ہے جس کا سید اور شیخ نے جواب باصواب پیش کر کے رد کیا ہے۔لہٰذا شیعوں کی رد کردہ روایت کو ان کی روایت قرار دے کر ان کے خلاف پیش کرنا بددیانتی کی بدترین مثال ہے۔

نیز اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ حضرت امیر علیہ السلام کو پہلے دورِ خلافت میں جنگ کا مشورہ دینے والا صرف ابوسفیان نہیں تھا۔بلکہ اس میں جناب زبیر بھی شامل تھے اور مہاجرین کی ایک جماعت بھی۔ابوسفیان کی اسلام و علیؑ دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔باقی رہے زبیر تو ان کی علیؑ دوستی بھی جنگ جمل میں سامنے آگئی تھی......اور باقی مہاجرین سے بھی وہی ہوں گے۔جو جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؑ کے خلاف صف آراء تھے......بہر حال ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ یہ

جنگ کا مشورہ دینے والے کون تھے اور ان کی نیت کیا تھی؟ ہمیں تو صرف امام معصوم کے کام و اقدام سے غرض ہے نہ کہ دوسروں کے مشورہ سے...... اور اس دور میں جنگ نہ کرنے اور بساط صبر و ضبط بچھا کر اس پر بیٹھنے کی وہی حکمت و مصلحت تھی جو حضرت امیر علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ میں بیان فرمائی ہے کہ اگر اس وقت اسلام کے دارالحکومت میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی تو خیبر کے یہودیوں کو اور مکہ کے مشرکین کو اپنا بدلہ چکانے اور انتقام لینے کا موقع مل جاتا اور جب وہ اسلامی دارالحکومت پر حملہ کر دیتے تو اسلام مٹ جاتا۔ لہٰذا اس وقت ان مشکل حالات و سانحات پر صبر کرنا اور جنگ نہ کرنا ہی حکیم الامت امامؑ کی نظر میں قرین صواب اور مطابق حکمت تھا۔ لہٰذا جناب امیر علیہ السّلام نے وہی کام کیا جو ان کے منصب و مقام کا تقاضا تھا۔ اور یہ حقیقت بھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ حضرت امیر علیہ السّلام اسی اسلام کو پھیلانا اور بچانا چاہتے تھے۔ جو خدا نے بنایا تھا اور پیغمبر اسلامؐ نے پہنچایا تھا۔ اور اس کا ابوبکر صاحب کی خلافت کی صحت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا...... اور ہمیں اس بات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ اکثریت ان لوگوں کی تھی جو خلافت شیخین کو برحق جانتے تھے...... کیونکہ یہ بات تو حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت کی تھی۔ جب کہ آپ معاویہ سے برسرپیکار تھے۔ پہلے دور خلافت میں تو آپ یکہ و تنہا تھے۔ یا معدودے چند مخلص یار و انصار ساتھ تھے۔

کما لا یخفی علی اولی الابصار

باقی سیالوی صاحب نے حضرت شیخ طوسیؒ کے جواب باصواب پر تنقید کرنے کا جو شوق فرمایا ہے ہم ان کو مشورہ دیں گے کہ "ایاز قدر خود بشناس!" مروی ہے کہ کسی شخص نے میر باقر داماد جیسے فیلسوف اسلام کی کتاب پر کچھ اعتراضات کر کے انہیں بھیجے جس کے جواب میں میر صاحب نے اُسے لکھا:

"اے عزیز من! فہمیدن کلام ماھنر است نہ کہ برما ایراد نمودن"۔

لہٰذا اگر سیالوی صاحب ایسے بزرگوں کے کلام کا مطلب سمجھ لیں تو یہ اُن کے لیے باعث فخر ہے نہ کہ ان کے کلام حق ترجمان پر اعتراض کرنا کہ اس سے آپ کی جہالت کا بھانڈہ پھوٹ جائے گا۔ و نعم ما قال المتنبی۔

و کم من عائب قولا صحیحاً
و آفته من الفھم السقیم

یہ درست ہے کہ ترجمہ تحت اللفظی بھی ہوتا ہے جیسے شاہ رفیع الدین کا ترجمہ قرآن اور با محاورہ بھی جیسے مولانا ابو الکلام آزاد کی ترجمان القرآن...... مگر ہر دو میں متکلم کے دلی مقصد کی ادائیگی تو

لازم ہوتی ہے۔نہ کہ پیر آف سیال شریف کی طرح کہ متکلم کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔اور بات کچھ کی کچھ ہو جائے۔الغرض اس وضاحت یا عذر و معذرت سے پیر صاحب کی پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔اور نہ ہی اس سے جہالت کا دھبا دور ہوتا ہے۔

باآبِ کوثر و زمزم سفید نتوان کرد

وھو المقصود

① رسالہ مذہب شیعہ:

قابل رشک اعمال نامہ

ایک اور روایت بھی ملاحظہ فرماتے جائیے:

روی جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر بن عبداللہ لما غسل عمرو کفن دخل علی علیہ السلام فقال صلی اللہ علیہ ما علی الارض احب الی من ان القی اللہ بصحیفۃ ھذا المسبجی بین اظھرکم۔

امام جعفر صادقؑ امام محمد باقرؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ جب امیر المومنین (عمر) شہید ہوئے اور اُن کو کفن پہنایا گیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ تشریف لائے اور فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (رحمتیں برکتیں) ہوں تمام روئے زمین پر میرے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ مجھے پسند نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے ملوں اور میرا نامہ اعمال بھی اس کفن پوش کے اعمال نامہ کی طرح ہو۔جو اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے۔

سبحان اللہ! مولا مرتضیٰؓ تو ان کے اعمال نامہ کے ساتھ رشک فرما رہے ہیں۔اور مدعیان تولیٰ ان کو غاصب اور ظالم کہہ رہے ہیں۔اب سوال یہ کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔مولا مُشکل کشا کو پہچانیں یا ان مدعیان محبّت و تولا کو۔؟ اس سے زیادہ بھی کوئی تعجب انگیز صورت پیدا ہو سکتی ہے کہ کتابیں بھی اہل تشیّع کی نہایت مُعتبر۔روایات بھی شروع سے آخر تک ائمہ صادقین طاہرین معصومینؑ کی۔ان کتابوں کی کتابت و طباعت بھی تہران یا نجف اشرف میں مشہور غالی شیعوں کی زیر نگرانی میں (کذا) اور پھر روایات پر اہل تشیّع ایمان نہ لائیں۔تو کہنا پڑتا ہے۔فبای حدیث بعدہ یومنون

(رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۳۳۔۳۲)

(۲) تنزیہ الامامیہ: الجواب بتائید اللہ الوہاب

بارہا گفتہ ام و بار دگر نمی گویم

کہ یہ خانہ ساز روایت اسی سابقہ زنجیر کی کڑی ہے۔ یعنی سید مرحوم نے ص ۴۲۸ پر اسے اہل سنت کے استدلال کے ضمن میں درج کیا ہے اور پھر ۴۳۱ پر اس کا شافی وکافی جواب پیش کر کے اُسے باطل وعاطل ثابت کیا ہے الغرض یہ سنیوں کی روایت ہے۔ نہ شیعوں کی۔ لہٰذا بنا بر قواعدِ مناظرہ اسے شیعوں کے خلاف بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ روایتی اسقام کے یہ روایت از روئے قانون درایت بھی بالکل غلط وبے بنیاد ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ رشک وہ شخص کرتا ہے جس میں کوئی علمی یا عملی کمزوری ہو اور کرتا اس پر ہے جسے علمی یا عملی برتری حاصل ہو مگر یہاں تو معاملہ ہر لحاظ سے برعکس ہے۔ اسلام وایمان ہو یا ایقان واطمینان علم وفضل ہو یا سخاوبذل، شجاعت وشہامت ہو یا بزرگی و کرامت، عمل وکردار ہو یا روش ورفتار۔ الغرض کسی اعتبار سے بھی پیغمبر اسلامؐ کے بعد جناب حیدر کرارؑ کا کوئی ہمسر وہم پلہ نہیں ہے۔ ؎

خیر البریۃ بعد احمد حیدر

الناس ارض و الوصی سماء

بھلا جس جناب امیرؑ کے ایمان کا یہ عالم ہو کہ ما ینطق عن الھویٰ کا مصداق پیغمبرؐ فرمائے برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ (آج پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے) حیوۃ الحیوان (دمیری) اور ایقان واطمینان کی یہ کیفیت ہو کہ خود اعلان فرمائیں لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ اگر خالق ومخلوق کا درمیانی پردہ (بالفرض) اٹھا بھی دیا جائے تب بھی میرے یقین میں مزید اضافہ نہیں ہوگا۔ (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۱۶۵) علم وکمال کا یہ عالم ہو کہ برسر منبر سلونی سلونی کا دعویٰ فرمائیں اور پیغمبر اسلامؐ انھیں اپنے شہر علم کا دروازہ قرار دیں۔ (انا مدینۃ العلم و علی بابھا) اور اعمالِ صالحہ کی کثرت کا یہ عالم ہو کہ ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہو (تفسیر کبیر جلد ۸) شجاعت کی کیفیت یہ ہو کہ آسمان کے قدسی یہ ترانے پڑھیں۔

لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

(تذکرہ خواص الامہ)

الغرض جس بزرگوار کے علمی فضائل و فواضل کی کثرت کا یہ عالم ہو کہ پیغمبر اسلامؐ اپنی زبان وحی ترجمان سے اعلان فرمائیں: "جعل اللہ لاخی علی فضائل لا تحصی کثرۃ" خداوند عالم نے میرے بھائی

علیؑ کو اس قدر بکثرت فضائل عطا فرمائے ہیں۔ جن کا احصاء و شمار نہیں ہو سکتا۔ (کفایۃ الطالب وغیرہ)

ایسا جامع الکمالات انسانِ کامل عمر صاحبؓ کے کس ایمانی و علمی یا عملی کارنامے پر رشک کر سکتا ہے؟ آیا ان کے ایمان پر رشک کرے گا؟ جس کی حالت یہ ہے کہ خود حلفیہ بیان میں فرماتے ہیں۔

واللہ یا حذیفہ انا من المنافقین اے حذیفہ..... خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں۔

(میزان الاعتدال جلد..... صفحہ ۳۶۵)

سبحان اللہ حضرت عمر صاحب تو اپنے تئیں منافق سمجھتے ہیں۔ مگر ان کی محبت کے دعویدار ان کو نہ صرف مومن کامل بلکہ امیر المومنین قرار دے رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں؟ فتدبر

یا ان کے یقین پر رشک کرے گا؟ جس کی کمزوری کا عالم یہ ہے کہ رسولؐ خدا کی رسالت میں شک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ جب سے ایمان لایا ہوں اس دن (صلح حدیبیہ) کے سوا کبھی شک نہیں کیا۔ (در منثور جلد ۶ صفحہ ۷۷)

یا ان کے علم و فضل پر رشک کرے گا جس کی حالت یہ ہے کہ خود ان کے اقرار کے مطابق نہ صرف عام لوگ بلکہ بوڑھی عورتیں بھی ان سے زیادہ احکام شریعت جانتی ہیں: "کل الناس افقہ من عمر حتی العجائز فی الخدور"۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۹۵، کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۵، حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۴۷، ازالۃ الخفاء جلد..... صفحہ ۷۷، ۱۵۹)

یا ان کی زندگی پر رشک کرے گا۔ جس کا اکثر و بیشتر حصہ کفر و شرک کی وادیوں میں چکر لگانے میں کٹ گیا۔ ان حالات میں کوئی دشمن عقل و ایمان ہی یہ باور کر سکتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام عمر کے اعمال نامہ پر رشک کر رہے ہیں، ورنہ کوئی صاحبِ عقل و انصاف تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

تا بتصدیق چہ رسد؟

حقیقت یہ ہے کہ عمر صاحب کے اعمال نامہ میں کسی بھی آدمی کے لیے کوئی قابل رشک کارنامہ نہیں ہے۔ چہ جائیکہ حضرت امیر علیہ السلام رشک کریں، جن کا نامۂ اعمال اس طرح انسانی بلند کردار سے مالا مال ہے کہ عام لوگ تو بجائے خود انبیائے ماسلف بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امید ہے کہ ان حقائق کی روشنی میں قارئین کرام پر مولف کے اس تعجب و سوال کا بے محل ہونا

واضح وآشکار ہوگیا ہوگا کہ ''مولائے مرتضیٰ'' توان کے اعمال نامہ کے ساتھ رشک فرمارہے ہیں اور مدعیانِ تولا ان کو غاصب اور ظالم کہہ رہے ہیں۔ ''کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں''۔

اگر شیعیانِ علیؑ ان کو غاصب وظالم کہتے ہیں تو صرف اس لیے کہ حضرت علیؑ ان کو ایسا سمجھتے تھے۔ جیسا کہ مسلم شریف مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۹۰ مطبوعہ دہلی پر باقرار عمر مروی ہے کہ انھوں نے حضرت علی علیہ السلام و عباسؓ کو خطاب کر کے کہا: ''رأیتمانی کاذبا، آثما، خائنا، غادرا'' تم دونوں مجھے جھوٹا، گنہگار، خیانت کار اور غدار جانتے ہو۔ کیا ایسے ہی شخص کے اعمال نامہ پر رشک کیا جاتا ہے۔ جس کو جھوٹا گنہگار اور خیانت کار سمجھا جائے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

(۳) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

جواب اوّل: ڈھکو صاحب نے سب سے پہلا جواب حسب سابق شور وشر اور واویلا کے ساتھ دیا کہ یہ روایت اہل سنت کی ہے ''مغنی'' میں مرقوم ہے۔ قاضی عبد الجبار نے اس کو نقل کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے اس کا کافی وشافی جواب دیا ہے...... ہماری کسی کتاب میں یہ روایت اور اس کے معنی و مفہوم مذکور نہیں ہے۔

یہ روایت واقعی اہل تشیّع نے بھی نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو معانی الاخبار صفحہ ۱۱۷ مُصنّفہ ابو جعفر القمی۔ عن محمد بن سفیان عن مفضل بن عمر قال سئلت ابا عبداللہ علیہ السلام عن معنی قول ...... ابن ابی الحدید شیعی مُعتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں یہی روایت نقل کی ہے...... تفسیر امام کے راویوں کا حال...... مُفضل بن عمر کا حال...... حماد بن عُثمان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام ابو عبداللہ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ مُفضل بن عمر کو فرمارہے تھے: یا کافر یا مشرک...... لکَ...... محمد بن سنان کا حال...... شیعی درایت کی حقیقت۔ اب ذرا ڈھکو صاحب سے لے کر طوسی اور مرتضیٰ شیعی وغیرہ کی درایت سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ جیسے جامع الکمالات اور صاحب مفاخر ومناقب کو اس تمنا وآرزو کی ضرورت کیا ہو سکتی ہے جب کہ رشک وہ کرتا ہے جس میں عملی یا علمی کمزوری ہو اور اس پر کرتا ہے جس میں علمی یا عملی برتری ہو اور یہاں معاملہ برعکس ہے...... الجواب: رشک کرنے کے لیے صرف ذاتی علم وعمل میں کمزوری کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً فتوحاتِ کثیرہ اور اشاعت اِسلام...... حضرت علیؓ کے

ارشادات سے جو نہج البلاغہ کہ میں میثم اور دیگر کتب امامیہ شیعہ میں مذکور ہیں۔ اُن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ ان دونوں بزگواروں کے متعلق اور خُصوصاً حضرت عمر کے متعلق کس قدر فضیلت اور فوقیت کے قائل تھے۔

جواب ثانی......ڈھکو صاحب نے کہا ہے کہ وہ رشک کس چیز پر کریں گے؟ ان کے ایمان پر جو قسم کھا کر کہتے ہیں اے حذیفہ میں منافقین میں سے ہوں۔ حضرت عمر کے اس یقین پر حضرت علیؑ رشک کریں گے جن کی کمزوری کا عالم یہ تھا کہ رسول خدا کی نبوت ورسالت میں شک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ڈھکو صاحب کا ارشاد ہے کہ حضرت علیؑ ان کے علم پر رشک کریں گے جو خود کہتے ہیں کہ مجھ سے مدینہ کی بوڑھی عورتیں احکام شرعیہ سے زیادہ واقف ہیں؟۔(تحفہ حسینیہ جلد ۱۱ از ص ۴۴۳۔۴۲۷)

(۴) اس پر ہمارا تبصرہ:

تہی دستان قسمت را چہ سود از راہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

سیالوی صاحب اصحاب ثلاثہ کے وکیل تو برے نہیں ہیں کیونکہ آج کے دور میں اچھا وکیل اسے سمجھا جاتا ہے جو ہیرا پھیری کر کے جھوٹ کو سچ ثابت کرے اور سچ کو جھوٹ۔ لیکن اگر کیس ہی بالکل کچا ہو تو پھر بے چارہ وکیل جس قدر چاہے ہاتھ پاؤں مارے وہ کبھی مقدمہ جیت نہیں سکتا۔ بقول سیالوی کے ہمارا شور وشر یہی ہے اور ہم اس میں حق بجانب بھی ہیں کہ اگر یہ رشک والی روایت کتب شیعہ میں مذکور ہے اور ہے بھی قابل اعتبار تو پھر پیر آف سیال شریف نے ان شیعی کتابوں کے حوالہ سے پیش کیوں نہ کی اور شافی اور تلخیص الشافی کے حوالے سے اور وہ بھی شیعہ کی روایت قرار دے کر کیوں نقل کی جبکہ یہ روایت قاضی عبدالجبار نے پیش کی ہے۔ اور سید مرتضیٰؒ اور شیخ طوسیؒ نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔ اس فراڈ اور ابلہ فریبی کا کیا جواز ہے؟ یہ تو بلا تشبیہ وہی بات ہوئی کہ جیسے کوئی یہودی یا نصرانی مُسلمانوں سے یہ کہے کہ جناب عزیر علیہ السلام اور جناب عیسٰی علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا تمہارے قرآن سے ثابت ہے۔ اور پھر وہ ثبوت میں یہ آیت پیش کردے۔ عزیر بن اللہ۔ المسیح ابن اللہ۔ اور جب مُسلمان اس سے کہیں کہ بھائی یہ تو تمہارا قول خدا نے نقل کیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا ہے کہ لقد کفر الذین قالوا..... وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور یہود ونصاریٰ شرمسار ہونے کے بجائے یہی کہیں کہ جو کچھ بھی ہے آخر تمہارے قرآن میں مذکور تو ہے کہ عزیرؑ اور عیسٰیؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ ع "شرم تم کو مگر نہیں آتی"۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت نہ ہماری کتابوں میں ہے اور نہ ہی قابل اعتبار ہے۔ سیالوی صاحب نے خود ہی معانی الاخبار سے اسے نقل کیا، اور پھر خود ہی اس کی تاویل کی وجہ سے اس کے راویوں مُفضل بن عمر اور محمد بن سنان پر تنقید کر کے اسے نا قابل اعتبار ثابت کر دیا۔ تو جب یہ روایت قانونِ درایت کے مطابق نا قابل اعتبار ہے تو پھر اس سے تمسک کرنے کے کیا معنی ہیں؟ ے

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

حضرت علیؑ شیخین کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے تھے؟

سیالوی صاحب نے جواب ثانی میں ہمارے درایتی ایراد کا جواب دینے کی نا کام کوشش کی ہے۔ ہمارا درایتی ایراد یہ تھا کہ جو ہستی ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہو۔ بھلا وہ اس شخص پر کس طرح رشک کرے گی۔ جو ہر لحاظ سے ادنیٰ اور مفضول ہو پھر ہم نے تنزیہ الامامیہ میں ہر ہر فضیلت کا نام بنام تذکرہ کیا کہ حضرت علی علیہ السلام عمر پر ایمان میں رشک کریں گے یا علم میں یا عمل میں یا...... یا...... مقام شکر ہے۔ اور یہ حق کے حق ہونے کی بڑی دلیل ہے کہ سیالوی صاحب نے کسی بات کا بھی انکار نہیں کیا۔ صرف لکھتے ہیں کہ حضرت کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شیخین اور خصوصاً حضرت عمر کے متعلق کس قدر فضیلت اور فوقیت کے قائل تھے یہ معلوم کرنے کے لیے نہج البلاغہ کا خطبہ شقشقیہ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد شدہ اقرار عمر ہی کافی ہے کہ جناب ان دونوں کو گنہگار، غدار، جھوٹا اور دغاباز سمجھتے تھے۔

سیالوی صاحب نے زیادہ سے زیادہ عمر صاحب کی علمی و عملی اور ایمانی و یقینی کمزوریوں کے اعتراف واقرار کو ان کی کسرِ نفسی پر محمول کیا ہے۔ آخر کسرِ نفسی بھی تو کسی معقول طریقہ پر ہونی چاہیے۔ جناب ابوبکر کی طرح نہیں۔

علمی لطیفہ

ابن اثیر نے اپنی کتاب "النہایہ فی غریب الحدیث والاثر" جلد ا صفحہ ۳۵۰ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۱۸ھ میں "خلیفہ" اور "خالفہ" کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا کہ: "خلیفة من یقوم مقام الذاهب و یسد مسده"۔ "خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو کسی کی جگہ پر بیٹھے اور اس کے خلا کو اس طرح پُر کرے کہ کمی

محسوس نہ ہو"...... اور "خالفہ" کے معنی یہ بیان کیے کہ وہ احمق جس میں دنیا کی کوئی خیر و خوبی نہ ہو اور پھر یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ: کسی شخص نے جناب ابوبکر سے پوچھا: انت خلیفة رسول اللّٰه؟ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: میں خلیفہ نہیں ہوں۔ اس نے پوچھا پھر آپ کیا ہیں۔ فرمایا: "انا الخالفة" میں تو "خالفہ" ہوں۔ ابن اثیر کہتے ہیں: قاله هضما لنفسه: کہ آپ نے یہ جواب کسر نفسی کے طور پر دیا۔ اگر یہ کسر نفسی ہے تو پھر حماقت کیا ہوتی ہے؟ یہی کسر نفسی جناب عمر نے کی ہے کہ آپ نے فرمایا: اے حذیفہ! خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں، مجھے شک ہے کہ پیغمبر اسلامؐ رسول ہیں یا دنیوی بادشاہ ہیں۔ سب لوگ مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ حتی کہ مدینہ کی بوڑھی عورتیں بھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ملکی فتوحات کا تذکرہ

سیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ رشک کرنے کے لیے صرف ذاتی علم و عمل میں کمزوری کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دوسرے پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً فتوحات کثیرہ اور اشاعت اسلام و ترویج دین وغیرہ۔

اے کاش کہ حضرت ثانی یہ فتوحات نہ کرتے اور نہ ہی دشمنانِ اسلام کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا یہ موقع ملتا کہ اسلام اپنی صداقت و حقانیت کی بنا پر نہیں پھیلا بلکہ سیف و سنان سے پھیلا ہے۔ ان فتوحات نے قیامت تک اسلام کو بدنام کر دیا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ فتوحات کوئی قابل فخر کارنامہ ہے تو پھر آپ لوگ زمانہ رسالت میں حضرت امیر علیہ السلام کے جنگی کارناموں کو کیوں بھول جاتے ہیں جن کے جنگی کارناموں اور جن کے عدیم المثال جہادوں نے اسلام کے جھنڈے گاڑے اور کفر و شرک کے جھنڈے اکھیڑے اور جن کے کارناموں پر آسمان کے قدسیوں نے ترانے پڑھے۔

لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار

ملکی فتوحات کسی شخص کے مومن ہونے کی دلیل نہیں ہیں

احادیث نبویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ: ان اللّٰه یوید هذا الدین بالذین لا خلاق لهم۔ یعنی بعض اوقات خدا اپنے دین کی نصرت ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ طبع دہلی، کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۸، تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۳۵ وغیرہ)

الغرض کسی پہلو کے لحاظ سے بھی جب حضرت امیر علیہ السلام کے ہاں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے اور کسی بھی دوسرے شخص کے ہاں کسی قسم کی کوئی بیشی نہیں ہے تو آپؑ کے رشک کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ ع

یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

خیر البریہ بعد احمد حیدر

الناس ارض و الوصی سماء

مزید برآں مخفی نہ رہے کہ بیعت عثمان کے وقت جب عبد الرحمن بن عوف نے خلافت اس شرط پر حضرت امیر علیہ السلام کو پیش کی تھی کہ آپ کتاب خدا، سنت رسول اور سیرت شیخین پر عمل کریں گے تو حضرت علی علیہ السلام نے خلافت کو ٹھکرا دیا تھا۔ مگر سیرت شیخین پر چلنا گوارا نہیں کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو صواعق محرقہ صفحہ ۶۳ روضۃ الاحباب صفحہ ۱۶۹، الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۲۵، صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۶۲۱، ۶۲۲ وغیرہ)

جواب ثالث: اس کے ضمن میں سیالوی نے جس مینگی اور اپنی خاندانی خباثت ورذالت کا ثبوت دیا ہے اور ایک فرعون صفت ملعون کی بکواس کا سہارا لے کر جس طرح بھونکا ہے اس طرح تو کتے بھی نہیں بھونکتے۔

ہم اس پر کوئی تبصرہ کرنا اور اسی ردیف وقافیہ میں جواب دینا اپنی ذاتی اور خاندانی شرافت اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تعلیمات کے منافی سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کبھی کوئی کتا کسی شریف آدمی کو بھونکے تو شریف آدمی تو نہیں بھونک سکتا۔ سیالوی صاحب بھی کسی حد تک مجبور ہیں۔ ہر شخص دوسروں کو اپنے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ البتہ ان کے اضافہ معلومات کی خاطر صرف اتنی گزارش ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغض صحابہ رکھنے والوں کے بارے میں کبھی نہیں فرمایا کہ ان کا نسب مشکوک ہے۔ ہاں حضرت علیؑ سے بغض رکھنے والوں کے بارے میں ضرور فرمایا ہے کہ:

حضرت علی علیہ السلام کا دشمن تین میں سے ایک ہوتا ہے

① یا تو وہ ولد الحرام یعنی حرام زادہ ہوتا ہے۔

② یا ولد الحیض ہوتا ہے۔

③ یا پھر منافق ہوتا ہے۔ (کنز العمال اور الخصال وغیرہ)

حضرت علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا یحبہم الا سعید

الجد طیب المولد و لا یبغضھم الا شقی الجد ردیء الولادۃ (الریاض النضرۃ جلد ۳ صفحہ ۱۵۴ الفصل السادس جواھر المطالب جلد ۱ صفحہ ۱۷۴ باب ۲۳ ، تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۴۲ صفحہ ۲۲۵ حدیث نمبر ۸۳۸۷ طبع دار الفکر بیروت)

سیالوی صاحب کو صحابہ سے جو اندھی محبت ہے۔ اور آل محمد علیہم السلام سے جو کینہ و عداوت ہے۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ دشمنی والی حدیث نبوی کا مصداق ہیں اور وہ بھی پہلی قسم سے سچ ہے کہ: ؎

محبتِ شہ مرداں مجوز بے پدرے
کہ دست غیر گرفت است پائے مادر او

لہٰذا وہ جہاں اپنے نسب نامہ پر غور کریں وہاں اپنے خلیفہ دوم کے نسب نامہ پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں جو کہ کتاب کنز المطاعن اور انوار نعمانیہ وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ ع

کردم اشارے و مکرر نمی کنم

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

فصل چہارم

ان روایات کے تحقیقی جوابات جو مؤلف نے کشف الغمہ سے پیش کیے ہیں۔

پیر صاحب سیالوی نے اپنے رسالہ کے قریبا تین صفحے از صفحہ ۱۶ تا صفحہ ۱۸ کشف الغمہ کے مؤلف جلیل جناب شیخ علی بن عیسٰی بن ابوالفتح الاربلی رحمۃ اللہ علیہ کا تشیع ثابت کرنے کے لیے عبث و بے فائدہ سیاہ کیے ہیں۔ کیونکہ ان کا تشیع محتاج اثبات نہیں ہے۔

آنجا که عیان است چه حاجت بیان است

بعد ازاں اس کتاب سے چند روایات پیش کی ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے جس تدلیس و تلبیس اور دسیسہ کاری وفریب کاری سے کام لیا ہے اس کا فیصلہ قارئین کرام کے خداداد انصاف پر چھوڑا جاتا ہے۔ ع

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

① رسالہ مذہب شیعہ:

پیر صاحب آف سیال شریف اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں اس موقع پر اسی کتاب کے چند حوالے جو حضرت امام عالی مقام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور ان کے صاجزادے امام عالی مقام محمد باقرؑ سے مروی ہیں، اس توقع کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ مدعیانِ محبت وولا تو کسی صورت میں بھی ان کی روایات کو رد نہ فرمائیں گے اور نہ پھینکیں گے اور نہ ہی ان سے روگردانی فرمائیں گے بلکہ سنیں گے اور سن کر ایمان لائیں گے۔ ذرا باادب ہو کر سنیے:

و قدم علیه نفر من اهل العراق فقالوا فی ابی بکر و عمر و عثمان رضی الله عنهم فلما فرغوا من کلامهم قال لهم لا تکبرونی انتم المهاجرون الا ولون الذین اخرجوا من دیارهم و اموالهم یتیغون فضلا من الله رضوانا و ینصرون الله و رسوله اولئك هم ا لصادقون قالوا لا قال فانتم الذین تبوؤا الدار و الایمان من فبلهم یحبون من هاجر الیهم و لا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا یوثرون علی انفسهم و لو کان بهم خصاصة؟ قالو لا قال اما انتم

قد تبوأتم من احدهذين الفريقين و انا اشهد انكم لستم من الذين قال الله فيهم الذين جائرا من بعد هم يقولون ربنا اغفرلنا و لا خوائنا الذين سبقونا بالايمان و لا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا اخرجوا عنى فعل الله بكم (كشف الغمه صفحه ۱۹۹ مطبوعه ايران)

اور امام زین العابدینؑ کی خدمت اقدس میں عراقیوں کا ایک گروہ حاضر ہوا۔ آتے ہی (حضرت) ابوبکر (حضرت) عمر (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں بکواس بکنا شروع کردیا۔ جب چپ ہوئے تو امام عالی مقام نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم وہ مہاجرین اولین ہو جو اپنے گھروں اور مالوں سے ایسی حالت میں نکالے گئے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا چاہنے والے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول کی مدد و اعانت کرتے تھے اور وہی سچے تھے تو عراقی کہنے لگے کہ ہم وہ نہیں امام عالی مقام نے فرمایا کہ پھر تم وہ لوگ ہو جنھوں نے اپنے گھربار اور ایمان ان مہاجروں کے آنے سے پہلے تیار کیا ہوا تھا۔ ایسی حالت میں کہ وہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کو دل سے چاہتے تھے۔ اور جو کچھ مال و متاع مہاجرین کو دیا گیا تھا اس کے متعلق اپنے دلوں میں کسی قسم کا حسد یا بغض و کینہ محسوس نہ کرتے تھے۔ اور اگرچہ وہ خود حاجتمند تھے۔ مگر پھر بھی مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے تو اہل عراق کہنے لگے کہ ہم وہ بھی نہیں ہیں۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ تم اپنے اقرار سے ان دونوں جماعتوں سے (مہاجرین و انصار) میں سے ہونے کی برائت کر چکے ہو اور میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تم ان مُسلمانوں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور وہ مُسلمان لوگ جو مہاجرین و انصار کے بعد آئیں گے وہ یہ کہیں گے کہ ہمارے پروردگار ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ سبقت لے چکے ہیں اور ایمان والوں کے متعلق ہمارے دلوں میں کسی قسم کا کھوٹ، بغض اور کینہ حسد یا عداوت نہ ڈال۔ یہ فرما کر امام عالی مقام نے فرمایا کہ میرے یہاں سے نکل جاؤ، اللہ تمھیں ہلاک کرے۔ (آمین ثم آمین) (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۲۰-۱۹)

(۲) تنزیہ الامامیہ:

الجواب و بالله الاستعانة لقمع كل مرتاب:

جیسا کہ قبل ازیں واضح کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب سے بھی روایات نقل کرنے میں انتہائی عیاری و دسیسہ کاری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ چونکہ مؤلف کشف الغمہ کی روش یہ ہے کہ وہ ائمہ اہل بیتؑ کے حالات و کوائف اور فضائل و مناقب کتب اہل سنت سے نقل کرتے ہیں اور اگر اس منقولہ عبارت

میں کوئی جملہ ان کے موقف و مسلک کے خلاف بھی آجائے تو وہ اپنی دیانتداری کی وجہ سے عبارت میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کرتے بلکہ من وعن نقل کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب بھی نہیں دیتے تاکہ سیرت اور فضائل کی بجائے مناظرہ کی کتاب نہ بن جائے۔

مخالفین کی اس چوری یا سینہ زوری کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے کہ وہ اہل سنت کی اپنی عبارات کو شیعہ کتاب اور شیعہ قلم کا نتیجہ قرار دے کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں اور پیر صاحب سیالوی نے تو معلوم ہوتا ہے کسی ایسے مدرسہ سے اس ابلہ فریبی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے اور ڈگری حاصل کی ہے۔ کیونکہ انہیں اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے آمدم برسر مطلب یہ عبارت جس پر مؤلف نے اپنے قصر استدلال کی بنیاد قائم کی ہے۔ شیخ کمال الدین بن طلحہ شافعی کی ہے۔ (جو کہ ان کی کتاب "مطالب السئول" میں مذکور ہے) جس کی ابتداء اور انتہاء کی نشاندہی بھی کشف الغمہ میں کر دی گئی ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۹۸ سطر ۷ پر مذکور ہے۔ قال کمال الدین رحمہ اللہ اور صفحہ ۲۰۰ سطر ۲۰ پر جہاں یہ طویل کلام ختم ہوتا ہے مذکور ہے: آخر کلام کمال الدین۔ اس بیان حقیقت ترجمان سے کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ یہ کلام شیعوں کا نہیں بلکہ اہل سنت کا ہے۔ اس لیے اسے ہمارے خلاف بطور حجت ہرگز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسا کرنا اصولِ مناظرہ کے سراسر خلاف ہے۔

ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا

(۳) اس پر سیالوی صاحب کی تنقید:

(۱) علامہ ڈھکو صاحب نے کشف الغمہ میں مندرجہ روایات اور حضرت شیخ الاسلام کی پیش کردہ عبارات سے گلوخلاصی کا یہ اہتمام فرمایا کہ اس میں زیادہ تر روایات ہی اہل سنت کی کتب معتبرہ سے لئے گئے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کے جواب دہ ہی نہیں ہیں۔ لیکن جواب طلب امر یہ ہے کہ اگر وزیر باتدبیر نے اس کتاب کو جمیع کی رائے کے مطابق بنانے کی سعی فرمائی ہے...... تو اگر اس کتاب میں ایسی روایات درج ہیں جو شیعہ صاحبان کے نزدیک بالعموم اور اربلی صاحب کے نزدیک بالخصوص قابل قبول نہیں تھیں تو کتاب کے تالیف کرنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ یہ شیعی روایات اہل سنت کے نزدیک قابل قبول نہیں اور ان کی کتب سے منقولہ اہل تشیع کے لیے قابل قبول نہیں تو یہ کتاب نہ شیعہ کے لیے قابل قبول ٹھہری اور نہ ہی خود اہل سنت کے لیے۔

(۲) اربلی صاحب کی عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ کتب اہل سنت سے روایات نقل کرنے کا یہ مقصد نہیں تھا کہ کتب اہل تشیع میں وہ روایات نہ تھیں بلکہ یہ مقصد تھا کہ ان کے فضائل اور مناقب

کی پختگی اور واقعیت ثابت ہو جائے...... کہ جب مخالف خود تسلیم کرتا ہے تو اپنوں کے لیے تسلیم کرنے میں تردد و تذبذب کیوں کر ہو سکتا ہے؟ لیکن ڈھکو صاحب کہتے ہیں ہمیں ان روایات سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ تو اربلی صاحب کس کی تقویت اور پختگی بیان کرنا چاہتے تھے۔ مذہب اہل سنت کی یا مذہب روافض کی؟

(۳) اربلی صاحب کہتے ہیں من کتب اصحابنا...... میں نے اپنی مذہبی کتابوں سے صرف وہ فضیلت نقل کی ہے جس کو جمہور نے نقل نہیں کیا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ شیعہ کتب سے صرف وہ روایات لی گئی ہیں۔ جس کے ساتھ شیعہ مُنفرد ہیں۔ اور جس میں منفرد نہیں وہ کتب جمہور سے نقل کی گئی ہیں۔ تاکہ یہ کتاب سب کے نزدیک مقبول ہو۔ لہٰذا اگر اربلی سچے ہیں تو ڈھکو صاحب نے جھوٹ فرمایا اور اگر یہ سچے ہیں تو اربلی صاحب کا دروغ بے فروغ اور بے تدبیری ظاہر ہو گئی ہے...... اپنے مدعا پر دلائل قائم کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ برہانی اور جدلی...... جب اربلی صاحب نے ہماری روایات بیان کی ہیں تو برہانی انداز میں یا جدلی انداز میں اور اُن سے حاصل کیا کیا؟ کیا صرف اپنی رسوائی اور تمام شیعہ برادری کی رسوائی؟ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ از صفحہ ۳۴۸ تا ۳۵۰)

(۴) اس پر ہمارا تبصرہ:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

وزیر با تدبیر جناب اربلی مرحوم کا اس کتاب کے تالیف سے مقصد یہ تھا کہ ائمہ اہل بیتؑ کا تمام عالم اسلام اور تمام اسلامی فرق و مسالک کے نزدیک قابل صد احترام و اکرام اور لائق تحسین و آفرین ہونا ثابت کیا جائے اور وہ بفضلہ تعالیٰ اپنے اس نیک مقصد میں صد فی صد کامیاب و کامران ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اہل تشیّع کی جن کتب مُعتبرہ سے ان کے فضائل و مناقب نقل کیے ہیں۔ شیعہ ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ اور ان کے جو مناقب و محامد اہل سنت کی کتب مُعتمدہ سے پیش کیے ہیں۔ اہل سنت ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ عند الکل مکرم و محترم اور محتشم ہیں۔ والحمد للہ۔

سیالوی صاحب کی تنقیحات کا جواب

جناب اربلی صاحب کی روایات پر سیالوی صاحب نے تین تنقیحات کی صورت میں تنقید کے

جو تیر برسائے ہیں وہ ان کی سخن ناشناسی کا شاہکار ہیں۔ مثلاً ان کا پہلی تنقیح میں یہ کہنا کہ "شیعی روایات اہل سنت کے لیے قابل قبول نہیں ہیں اور ان کی کتب سے منقولہ اہل تشیع کے لیے قابل قبول نہیں تو یہ کتاب نہ شیعہ کے لیے قابل قبول ٹھہری اور نہ خود اہل سنت کے لیے"۔

کس قدر حقیقت کے خلاف ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ اس طرح یہ کتاب دونوں مسالک کے لوگوں کے نزدیک قابل قبول اور موافق اعتقاد ہے۔ یعنی شیعی روایات شیعوں کے لیے اور سنی روایات اہل سنت کے لیے۔

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

اسی طرح ان کا دوسری تنقیح میں یہ کہنا کس قدر حق کے خلاف ہے اور صریح جھوٹ ہے کہ" اربلی صاحب کا مقصد تو یہ تھا کہ جو روایات کتب اہل سنت سے لی گئی ہیں۔ وہ پختگی اور مضبوطی پیدا کرنے کے لیے لی گئی ہیں، مگر ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں ان روایات سے کوئی واسطہ ہی نہیں"۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ

ہم نے کہاں اور کس جگہ یہ لکھا ہے کہ "ہمارا ان روایات سے کوئی واسطہ ہی نہیں"۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں (اور یہ کہنے میں حق بجانب بھی ہیں) کہ کسی مذہب میں یہ دھاندلی جائز نہیں ہے کہ اہل سنت کی روایات اور عبارات کو شیعہ قلم کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ (تنزیہ الامامیہ صفحہ ۹۶) بلکہ شیعی روایات کو شیعی اور سنی روایات و عبارات کو سنی قرار دیا جائے اور اگر ان میں کوئی بات دوسرے مسلک کے خلاف ہو تو اسے اس کے سر پر منڈھا جائے۔ اسی طرح موصوف کا تیسری تنقیح میں یہ کہنا بھی بالکل بے جا ہے کہ "اگر اربلی صاحب سچے ہیں تو ڈھکو صاحب نے جھوٹ فرمایا ہے اور اگر یہ سچے ہیں تو اربلی صاحب کا دروغ بے فروغ ظاہر ہے"۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات سچے ہیں کیونکہ صادقین کے ماننے والے ہیں البتہ جھوٹ وہ نتیجہ ہے جو سیالوی صاحب نے ان کی عبارات سے اخذ کیا ہے۔

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

علامہ ڈھکو صاحب نے بے ہوشی اور مدہوشی میں نہیں بلکہ جو کچھ لکھا ہے وہ پوری ہوشمندی اور دانشمندی کے عالم میں لکھا ہے اور سرکار اربلی صاحب نے جو کاروائی کی ہے وہ بھی بڑی عقلمندی اور حسن تدبیر سے جوابی انداز میں کی ہے۔ تا کہ سیالوی صاحب جیسے متعصب لوگوں کے لیے نہ پائے رفتن رہے اور نہ جائے ماندن۔ بلکہ پوری طرح پا در گل ہو جائیں اور ان کے لیے اپنے بزرگوں کی طرح جائے فرار باقی نہ رہے۔ والحمد للہ۔

(۱) رسالہ مذہب شیعہ:

پھر پیر صاحب آف سیال شریف افادہ فرماتے ہیں:

عن عروۃ عن عبداللہ قال سئلت محمد بن علی علیہ السلام عن حلیۃ السیوف فقال لا بأس قد حلی ابوبکر الصدیق سیفہ قلت فتقول الصدیق۔ قال فوثب و ثبۃ و استقبل القبلہ فقال نعم الصدیق نعم الصدیق۔ نعم الصدیق۔ فمن لہ یقل الصدیق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا و الآخرۃ

"امام عالی مقام محمد باقرؒ سے ایک شیعہ نے مسئلہ دریافت کیا کہ یا حضرت تلواروں کو زیور لگانا جائز ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جبکہ ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تلوار کو زیور لگایا ہوا تھا۔ شیعہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں۔ اس پر امام عالی مقام اچھل پڑے اور قبلہ شریف کی طرف رُخ کر کے فرمایا: ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں جو ان کو صدیق نہیں کہتا اللہ اُس کے کسی قول کو نہ دنیا میں سچا کرے نہ آخرت میں" (کشف الغمہ صفحہ ۲۰۰)

اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ امام عالی مقامؑ کے ارشادِ گرامی پر کس کا ایمان ہے۔ اور کون ان کے ارشاد کو نہیں مانتا۔ اہل سنت غریب تو امام عالی مقام کے ایک دفعہ فرمانے پر آمنا و صدقنا کا نعرہ لگاتے ہیں۔ مدعیانِ محبت و تولی کے انتظار میں ہیں کہ پانچ دفعہ فرمانے کے باوجود بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۲۵۔۲۶)

(۲) تنزیہ الامامیہ: الجواب و اللہ الموفق للصواب:

بزعم خویش صدیق کے ماننے والے نے اس عبارت میں چند غلط بیانیاں ایسی کی ہیں جن کے چہرے سے نقاب الٹا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے دین و دیانت کا بڑے دھوم دھڑکے سے جنازہ نکل جائے۔

(ا) یہ روایت جسے مؤلف رسالہ نے شیعی روایت ظاہر کیا ہے۔ ابن جوزی ایسے مُتعصب سنی عالم کی کتاب صلوۃ الصفوہ سے منقول ہے۔ صاحب کشف الغمہ نے اس کی ابتدا و انتہا معین کر دی ہے۔ چنانچہ کشف الغمہ صفحہ ۲۲۰ سطر ۱۴ پر لکھا ہے۔ "قال الشیخ ابولفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بن الجوزی رحمہ اللہ فی کتابہ صفوۃ الصفوۃ"۔ اور اس صفحہ کی سطر ۳۱ پر جہاں ابن جوزی کا کلام ختم ہوا ہے۔ لکھا ہے: "آخر کلام ابن جوزی فی ھذا الباب" بایں ہمہ صراحت و وضاحت اس روایت کو شیعہ روایت قرار دینا اور اس پر اپنے استدلال کی دیوار استوار کرنا

وقاحت وسینہ زوری کی بدترین مثال ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ابن جوزی کے اس کلام کو ابن صباغ مالکی نے بھی اپنی کتاب فصول مُہمہ میں نقل کیا ہے۔ فراجع۔

(ب) اس روایت کے راوی عروہ بن عبداللہ کو شیعہ ظاہر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ سنی العقیدہ ہے۔ ملاحظہ ہو خلاصہ تذہیب الکمال جلد ا صفحہ ۲۲۳ طبع مصر۔

(ج) اس کلام باطل نظام میں امام عالی مقام کے فرمان پر آمنا وصدقنا کا نعرہ مستانہ لگانے کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو کہ سراسر واقع کے خلاف ہے۔

کیا ہم پیر سیالوی سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ آپ کی صحاح ستہ میں اہل بیتؑ سے کس قدر روایات لیے گئے ہیں؟ نیز اہل سنت کی فقہ کا کہاں تک اہل بیتؑ کے ارشادات پر دارومدار ہے؟ کیا فقہی کتب میں ائمہ اہل بیتؑ کا ڈھونڈنے سے نام مل سکتا ہے؟ اسی طرح کتب تفاسیر میں کہاں تک تفسیر اہل بیتؑ پر انحصار کیا گیا ہے؟ کتب تفسیر تو سدی اور قتادہ وغیرہ کے اقوال سے چھلک رہے ہیں۔ کتب حدیث ابو ہریرہ اور انس بن مالک وغیرہ کی روایات سے لبریز ہیں۔ کتب فقہ تو امام ابو حنیفہ اور مالک وغیرہ کے آراء سے پُر ہیں۔ پھر یہ چیز سمجھ سے بالاتر ہے کہ حضرت صاحب! ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو مانتے کیا ہیں؟۔ اگر وہ اس نعرہ لگانے میں صادق ہیں تو ہم نے اس باب کی ابتداء میں فریقین کے ناقابل انکار حوالہ جات سے نہ صرف حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بلکہ پورے ائمہ اثنا عشر کے ارشادات کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ اصحاب ثلاثہ کو خائن، آثم، کاذب، غادر، ظالم وجابر اور غاصب جانتے تھے۔ ہم انتظار کرتے ہیں۔ کہ امام کے ایک دفعہ فرمانے پر آمنا و صدقنا کا نعرہ لگانے کے دعویدار اُن کے بیسیوں مستند فرامین پر ایمان لاتے ہوئے خلافت ثلاثہ سے دست بردار ہو کر کب ولایت اہل بیتؑ کا اقرار کرتے ہیں؟۔

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

(۱) رسالہ مذہب شیعہ:

بعد ازاں مؤلف اپنے رسالہ میں یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں: "ایک شخص نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میں آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ جواباً شیر خدا فرماتے ہیں کہ "لیس ذلك الیکم انما ذلك لاهل بدر فمن رضوا به فهو خلیفه"۔

(کشف الغمہ صفحہ ۲۳ مطبوع ایران)

اس روایت نے بھی کئی مشکلیں حل کر دیں جو کسی صاحب بصیرت پر پوشیدہ نہیں۔

اول: یہ کہ اگر حضرت علی المرتضیٰؑ کے حق میں وصیت ہوتی تو شیر خدا اس وصیت کے خلاف نہ خود عمل کرتے اور نہ ہی دوسروں کو اس وصیت کی مخالفت پر مجبور کرتے۔

دوم: خلافت کے انعقاد کے لیے اہل بدر کی رائے پر انحصار نہ قرار دیتے۔ بلکہ وصیت کا ذکر اور اس سے عمل ضروری اور لازمی یقین فرماتے۔ وغیرہ ذلک کما لا یخفی علی اھل البصیرۃ

(مذہب شیعہ صفحہ ۵۲)

(۲) تنزیہ الامامیہ:

شیعیانِ حیدرِ کرار کا یہ عقیدہ ہے کہ نبیؐ کی طرح امامؑ کا مقرر کرنا بھی خداوند عالم کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس طرح تمام دنیا مل کر نبیؐ منتخب نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ساری کائنات مل کر امام بھی نہیں بنا سکتی۔ "ربك یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ"۔ اور اس عقیدہ کی صحت پر بیسیوں عقلی و سمعی ادلہ و براہین قائم ہیں۔ جن کے یہاں درج کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت۔ کیونکہ یہاں تو صرف یہ دکھانا مطلوب ہے کہ مؤلف نے کشف الغمہ سے مذکورہ بالا واقعہ نقل کر کے چونکہ ہمارے اس مُسلمہ عقیدہ کی رد کرنا چاہی ہے وہ درست نہیں ہے۔ اور قواعد مناظرہ کی رو سے اس واقعہ کو ہمارے خلاف پیش کرنا غلط ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ کشف الغمہ صفحہ ۲۳ سطر ۵ پر یہ عنوان قائم ہے۔ "قال الخطیب ابو المؤید الخوارزمی" اور یہ کلام مسلسل سطر ۳۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ جس کے ضمن میں یہ قصہ مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس سنی روایت جو سعید بن مُسیّب سے مروی ہے، کو از روئے قانونِ درایت شیعوں کے خلاف پیش نہیں کیا جا سکتا۔ وھو المقصود۔

نیز پیر سیالوی کو اس قصہ پر اتنا خوش نہیں ہونا چاہیے کہ اس نے کئی مُشکلیں حل کر دیں۔ بلکہ اس نے تو ان کے لیے نئی مشکلات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ وہ اگر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خلیفہ سازی کا حق صرف تمام اہل بدر کو ہے تو اس سے ان کو خلفاء ثلاثہ کی خلافت سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ ابوبکر صاحب کی بیعت صرف عمر صاحب کی بیعت کرنے سے (جیسا کہ شرح مواقف صفحہ ۷۳۳ طبع نولکشور میں مذکور ہے) یا ان کی دھینگا مشتی سے اور بعض لوگوں کی بیعت کرنے سے عمل میں آئی اور پھر دوسرے صاحب کی بیعت پہلے صاحب کی وصیّت سے اور تیسرے صاحب کی دوسرے صاحب کی مقرر کردہ شوریٰ کمیٹی کے رکن اعظم عبد الرحمٰن بن عوف کی بیعت کرنے سے وجود میں آئی۔ تفصیلی واقعات دیکھنے کے شائقین شرح مواقف صفحہ ۷۳۳ الامامۃ والسیاسۃ جلد ا صفحہ

۱۴-۶، تاریخ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۲ واز صفحہ ۲۰۷ تا ۲۱۳ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ بنابریں جب پہلی خلافت ہی غلط ثابت ہوگئی تو اس سے دوسری اور تیسری خلافت کا بطلان روزِ روشن کی طرح واضح و عیاں ہو جاتا ہے۔ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (فرقان: ۲۳)

① رسالہ مذہب شیعہ:

بعد ازاں پیر سیالوی تحریر فرماتے ہیں:

کشف الغمہ صفحہ ۱۸۷ پر اہل کوفہ کے دعوت ناموں کی بعینہٖ عبارت کی نقل موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

بسم الله الرحمن الرحیم للحسینؑ بن علیؑ امیر المومنینؑ من شیعته و شیعة ابیه امیرالمومنین سلام الله علیك اما بعد فان الناس ینتظرونك و لا رائی لهم غیرك فالعجل العجل یابن رسول الله و السلام علیك۔

یعنی حضرت حسینؑ بن علیؑ امیر المومنینؑ کی طرف ان کے شیعوں کی جانب سے یہ دعوت نامے ہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو، اس کے بعد گزارش ہے کہ لوگ آپ کے انتظار میں ہیں۔ آپ کے بغیر ان کی نگاہ کسی پر نہیں پڑ رہی۔ اے اللہ کے رسولؐ کا خانوادہ جلد از جلد تشریف لائیے تاکہ یہ انتظار بھی ختم ہو...... (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۲۸)

② تنزیہ الامامیہ: الجواب بفضل اللہ التواب:

پیر سیالوی نے بھی یہاں اپنے دوسرے متعصب بھائیوں کی طرح یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش فرمائی ہے کہ جناب سید الشہداءؑ کے قاتل شیعہ تھے۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا یہ خواب قیامت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا، اور وہ اور ان کے چہیتے خلفاء شہادتِ امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داری سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

یہاں اس موضوع پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں کیونکہ ہم اپنی کتاب "سعادۃ الدارین" اور "تجلیات صداقت" میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر تبصرہ کر کے قاتلان سید الشہداءؑ کا پیر صاحب سیالوی کا ہم مسلک و ہم مشرب ہونا ناقابلِ انکار تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں۔ یہاں تو صرف ناظرین کرام کو یہ دکھلانا مطلوب ہے کہ موصوف نے کشف الغمہ سے اہل کوفہ کے جس دعوت نامے اور اس کی جس عبارت کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کمال الدین بن طلحہ شافعی کی ہے جو کہ صفحہ...... سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۱۸۸ سطر ۷ پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس بیان سے واضح و عیاں ہے کہ یہ

عبارت اہل سنت والجماعت کی ہے۔ جو بموجب: ع

کلام العدیٰ ضرب من الھذیان

درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اس کو ہمارے خلاف پیش کر کے اس سے کوئی مطلب ثابت کرنا اصول مناظرہ کے سراسر خلاف ہے۔ قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

(۳) ان ایرادات اور جوابات پر اشرف سیالوی کی تنقید:

بموجب "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" جناب مولوی اشرف سیالوی صاحب سے کوئی بات تو بن سکتی نہیں ہے۔ کیونکہ ع

"بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی"

مگر جب تعصّب، عناد اور بغض اہل بیتؑ کی رگ پھڑکتی ہے۔ تو اس کی تسکین کے لیے کچھ نہ کچھ تو واہی تباہی بیان دینا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ یہاں پھر وہی باتیں دہرائی ہیں۔ جن کا تذکرہ صفحات بالا میں کتاب کشف الغمہ کے مندرجات پر تبصرہ میں بیان کی جا چکی ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں:

"دریافت طلب امر یہ ہے کہ وزیر با تدبیر اربلی صاحب نے یہ کتاب کس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے تالیف کی ہے۔ اہل سنت تو اس کے ذریعے سے ہدایت اور راہنمائی حاصل کرنے سے رہے...... تو آخر اوراق سیاہ کرنے کا فائدہ کیا رہا؟...... امام عالی مقامؑ نے قرآن سے استدلال کیا ہے۔ مہاجرین کا شانِ اخلاص، اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کرنے...... پھر انصار کی خدمات اور امتیازی علامات گنوا کر دریافت کیا کہ تم ان میں سے ہو؟...... اہل اسلام کے تیسرے گروہ کی علامت بہر حال یہی ہے کہ وہ پہلے گزرے ہوئے بھائیوں کے حق میں دعا کریں...... اور تصریح مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نظر نواز ہو چکی کہ خلفاء سابقین اور شیخین رضی اللہ عنہما مہاجرین اولین میں سے ہیں......

(تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۶)

(۴) اس پر ہمارا تبصرہ:

ظاہر ہے کہ یہ کتاب مُستطاب ان خوش قسمت لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے لکھی گئی ہے جو دیدہ بینا اور گوش شنوا رکھتے ہیں۔ اور کانوں اور آنکھوں کے دریچے کھلے رکھتے ہیں اور تعصب کی پٹی اتار کر اور اندھی تقلید کا دامن چھوڑ کر ہر سنی اور ہر دیکھی ہوئی بات کو عقل سلیم کی میزان پر تولتے ہیں۔ اور پھر عمدہ بات کو قبول کرتے ہیں اور غلط بات کو دور پھینک دیتے ہیں۔ "اولئك الذين هداهم الله و اولئك هم اولو الالباب"۔ مگر سیالوی صاحب جیسے وہ مورکھ لوگ جو آنکھوں اور کانوں پر تعصب

کی پٹی باندھ لیتے ہیں اور عقل وخرد پر مخالف کی بات پر غور وفکر کرنا حرام قرار دیتے ہیں۔ ایسے مورکھوں کو خدا بھی ہدایت نہیں کرتا اور رسول بھی راہنمائی نہیں کرتے: "ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین"۔ ارشاد قدرت ہے: "لا تغنی الایات و النذر عن قوم لا یومنون" بے ایمان قوم کو نہ آیات الٰہیہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ اور نہ ہی ڈرانے والے (انبیاء ورسل) کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ بارگاہِ رسالت میں رہ کر بھی ابوجہل اور ابولہب۔ ابوجہل اور ابولہب ہی رہتے ہیں۔ سچ ہے کہ

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنوارتے
ہوا نہ سرسبز دریا میں رہ کے عکس سروکنار جو کا

شیعیان حیدر کرارؑ نہ صحابہ کرام کی عظمت کے منکر ہیں نہ انصار کی جلالت کے اور نہ ہی تابعین کی جزالت کے...... ہاں البتہ ان سب میں اسلام، ایمان اور اخلاص کا ہونا لازم ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: "و من یعمل من الصالحات من ذکر او انثی و ھو مؤمن" (القرآن) یعنی جو بھی خواہ مرد ہو یا عورت نیک عمل بجا لائے بشرطیکہ وہ مومن ہو اور بموجب ارشاد قدرت مخلصین لہ الدین...... مخلص بھی ہو...... تو اس کو ضرور جزائے خیر عطا کی جائے گی۔ ہاں البتہ محل بحث یہ ہے کہ آیا سیالوی صاحب کے محبوب القلوب اصحابِ ثلاثہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہ؟ ہم اس تلخ حقیقت کا کئی بار اظہار کر چکے ہیں کہ ان کا دامن ان صفاتِ جلیلہ وجمیلہ سے خالی نظر آتا ہے۔ اور اس روایت باقریؑ سے بھی (جو اگرچہ سنی روایت ہے) یہ بات ثابت نہیں ہوتی...... اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ موقع ومحل کی مناسبت کو نظر انداز کر کے عام لوگوں کی پسندیدہ شخصیات پر تنقید کے تیر برسا کر اپنے ائمہ حق کو لوگوں کی تنقید کا نشانہ بنوانا پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: "لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم" (القرآن) یعنی جو لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہیں، ان کو بھی گالی مت دو۔ ورنہ وہ تمہارے سچے خدا کو گالی دیں گے...... پھر خدا تم سے پوچھے گا کہ ان کے جھوٹے خدا کو برا بھلا کہہ کر اپنے سچے اور برحق خدا کو برا بھلا کیوں کہلوایا تھا؟

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ان فی ذلک لآیات لقوم یومنون

فصل پنجم

ان روایات کے جوابات کے بیان میں جو ناسخ التواریخ سے لی گئی ہیں

① تنزیہ الامامیہ کا ابتدائیہ:

قبل ازیں ناسخ التواریخ کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ کتاب ایک عام قسم کی تاریخی کتاب ہے۔ جس میں ہر قسم کا رطب ویابس اور غث وثمین مواد موجود ہے۔ اسی لیے علماء اعلام کی نظر کیمیا اثر میں اس کو چنداں وقعت حاصل نہیں ہے۔ اور اس کے مؤلف محترم ایران کے سابق شاہی خاندان قاچار کے ایک فرد اور عربی وفارسی زبان کے اچھے ادیب ہیں۔ مگر ان کا شمار شیعہ علماء کبار میں نہیں ہوتا۔ تا بہ مجتہدین کبار چہ رسد؟ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور یا اس کے بعد علماء شیعہ کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے روضات الجنات یا فوائد رضویہ وغیرہ ان میں شہزادۂ موصوف کے حالات درج نہیں ہیں۔ مگر پیر سیالوی ہیں کہ ان کو نہ صرف مُجتہد بلکہ مُجتہد اعظم قرار دے کر پیش کر رہے ہیں تاکہ اس طرح کتاب کی اہمیت بڑھ جائے۔

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ ناسخ کی پہلی چند جلدیں لسان الملک شہزادہ مرزا محمد تقی مرحوم کی تالیف ہیں اور اس کی باقی مُجلدات ان کے صاحبزادہ مرزا عباس قلی خان (مُتخلّص بہ سپہر) کی تالیف ہیں۔ جو علم وفضل میں اپنے والد کے ہم پلہ بھی نہیں ہیں۔ بہر حال یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ شیعہ علماء محقّقین اپنی کتب اربعہ کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ان کے تمام مندرجات صحیح ہیں۔ اور قابل قبول ہیں۔ تا بہ ناسخ التواریخ چہ رسد؟

بایں ہمہ پیر سیالوی نے جو کچھ ناسخ سے نقل کیا ہے وہ صاحب کتاب کا ذاتی نظریہ یا عقیدہ ہے۔ جناب پیر سیالوی نے بڑی چابکدستی کے ساتھ اس کتاب کے حوالہ جات میں بھی وہی کاروائی فرمائی ہے جس کا مظاہرہ وہ کتاب شافی اور کشف الغمہ میں فرما چکے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب ہمارے علمی محاسبہ وتجزیہ سے ظاہر ہوگا۔ انشاء اللہ۔

① رسالہ مذہب شیعہ:
پیر صاحب سیالوی نے ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۵۹۰ سطر ۳ سے یہ عبارت نقل کی ہے:
روایت نمبر ۱: طائفه از معارف کوفه باز ید بیعت کرده بودند در خد متش حضور یافته گفتند رحمك الله در حق ابی بکر (الصدیق) و عمر چه می گوئی؟" فرموده در بارهٔ ایشان جز خیر سخن نگویم و از اهل خود نیز در حق ایشان جز سخن خیر نشنیده ام و این سخنان منافیٔ آل روایتے است که از عبدالله بن العلاسطور افتاده بالجمله زید فرمود ایشان بر کسے ظلم و ستم نه کردند و بکتاب خدا و سنت رسول۔ کار کردند"۔

یعنی کوفہ سے مشہور ترین لوگوں کے ایک گروہ نے جس نے زید بن زین العابدینؑ سے بیعت کی ہوئی تھی۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ آپ پر رحمت کرے ابوبکر (صدیق) اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ کہنے کے لیے تیار نہیں۔ اور اپنے خاندان سے بھی ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے میں نے کچھ نہیں سنا۔ صاحب ناسخ التواریخ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن علا سے جو روایت لی جاتی ہے۔ امام کا یہ فرمان اس روایت کے سراسر خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت زید بن علیؑ نے فرمایا کہ ابوبکر اور عمر نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا۔ اور اللہ کی کتاب اور سنت رسولؐ پر کاربند رہے...... (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۲۰)

② تنزیہ الامامیہ: الجواب واللہ الموفق للصواب:
ناسخ التواریخ طبع دارالخلافہ تہران ۱۳۱۵ھ ہمارے پیش نظر ہے۔ تفحص وتلاش بسیار کے بعد یہ عبارت بجائے صفحہ ۵۹۰ کے صفحہ ۲۳۷ پر ملی ہے۔ یہی کیفیت دوسرے حوالہ جات کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب پیر صاحب کے پیش نگاہ نہیں ہے۔ بلکہ بعض مناظرانہ کتب و رسائل سے نقل در نقل سے کام لیا گیا ہے۔ بہر حال یہ استدلال بچند وجوہ باطل ہے۔

اولاً: اس لیے کہ صاحب ناسخ التواریخ نے یہ کلام تاریخ طبری سے نقل کیا ہے، اور یہ سلسلہ صفحہ ۲۳۷ سے لے کر صفحہ ۲۳۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ لہٰذا ایک سنی مورخ کا کلام کس طرح ہمارے خلاف بطور حجت پیش کیا جاسکتا ہے؟ اور سنی بھی ایسا کہ جس کے متعلق ابن العربی جیسا یزید پرست "العواصم من القواصم" صفحہ ۲۴۸ طبع مکتبہ اسامہ بن زید بیروت ۱۹۷۹ھ میں لکھتا ہے: "لا تسمعوا

لمؤرخ کلاماً الاللطبری" یعنی سوائے طبری کے اور کسی مورخ کا کلام نہ سنو۔

ثانیاً: خود اسی عبارت میں ایک ایسا قطعی قرینہ موجود ہے جو اس روایت میں درج جناب زید کے اس نظریہ کے خلاف ہے یعنی ابن علا والی روایت سے واضح ہے کہ جناب زید کا نظریہ بھی اصحاب ثلاثہ کے متعلق وہی تھا جو آپ کے آباؤ اجداد کا تھا۔ جس کی وضاحت ہم اس سے پہلے بعنوان "حقیقی اعتقادات ائمہ درحق اصحاب ثلاثہ" کر چکے ہیں۔ لہٰذا بنا پر قواعد درایت عبداللہ بن العلا والی روایت مقدم سمجھی جائے گی۔ کیونکہ اسے دوسری بہت سی روایات کی تائید حاصل ہے۔ اور دیگر خارجہ دلائل وشواہد بھی اس کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔

ثالثاً: یہ روایت سراسر درایت کے خلاف ہے مثلاً اس میں ایک جگہ وارد ہے کہ جناب زید نے کہا کہ میں نے اپنے اہل خاندان سے بھی اصحاب ثلاثہ کے حق میں بجز کلمۂ خیر کچھ نہیں سنا ہے۔ حالانکہ ہم قبل ازیں "حقیقی اعتقادات ائمہ درحق اصحاب ثلاثہ" کتب فریقین کی ناقابل رد شہادتوں کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ اس خانوادۂ عصمت وطہارتؑ سے ان لوگوں کے بارے میں بجز مذمت و منقصت کے کبھی کلمۂ خیر نہیں سنا گیا۔ اس روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ "ابوبکر وعمر نے کسی پر کوئی ظلم و ستم نہیں کیا"۔ یہ بات بھی تاریخی مسلمات کے خلاف ہے۔ قطع نظر ان کے دیگر مظالم کے اگر صرف انہی مظالم کو دیکھا جائے جو ان لوگوں نے جناب زید کی جدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا پر کیے تو وہ اس دعویٰ کے بطلان کے لیے کافی ہیں۔ ان دردناک واقعات کی تفصیلات بیان کرنے کی نہ حالات اجازت دیتے ہیں اور نہ ہی ضرورت ہے۔ کیونکہ

آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیاں است

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے نا گفتہ رہ گئے

الغرض قواعد روایت ودرایت کے مخالف ہونے کی وجہ سے یہ روایت ناقابل استدلال ہے۔

کما لایخفی

① رسالہ مذہب شیعہ:

روایت نمبر ۲: پیر صاحب آف سیال شریف لکھتے ہیں (ترجمہ فارسی عبارت) "حاصل یہ ہے کہ جب عراقیوں نے حضرت امام زین العابدینؑ کے صاحبزادے حضرت زید کی زبان فیض ترجمان

سے حضرت ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف سنی تو کہنے لگے۔ یقیناً آپ ہمارے امام نہیں ہیں۔ اور امام بھی آج کے دن سے ہمارے ہاتھ سے گیا۔ ان کا مقصود تھا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس وقت زید کی طرفداری سے اور ان کی حاضری سے الگ ہو گئے ہیں۔ جس پر حضرت زید نے فرمایا "رفضونا الیوم" آج کے دن یہ لوگ رافضی بن چکے ہیں۔ یعنی ہمیں آج کے دن سے ان لوگوں نے چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں"۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۲۰)

② تنزیہ الامامیہ: الجواب و اللہ الموفق للصواب:

اگرچہ مؤلف نے روایات کی تعداد بڑھانے کے لیے اس روایت کو علیحدہ درج کیا ہے۔ اور اس کا حوالہ بھی الگ دیا ہے۔ یعنی ناسخ جلد ۳ صفحہ ۵۶۱ سطر ۱۱، حالانکہ یہ سابقہ روایت کا تتمہ ہے اور ناسخ کی اسی جلد ۳ صفحہ ۷۳۸ پر مذکور ہے۔ لہٰذا جن حقائق کی بنا پر وہ روایت نا قابل استدلال ہے۔ انہی وجوہ کی بنا پر یہ تتمہ بھی نا قابل اعتبار ہے۔ ہاں اس تتمہ کے بارے میں مزید دو چیزوں کے متعلق کچھ عرض ہے۔

امر اوّل: یہ کہ مؤلف رسالہ نے ہمارا رفض ثابت کرنے کے لیے روضۂ کافی ص ۱۶ سے ایک روایت کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ جس کا ترجمہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

"ابوبصیر نے (جو حضرت امام جعفر صادقؑ کا خاص الخاص شیعہ ہے) حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا: میں آپ پر قربان جاؤں ہمیں ایک ایسا لقب دیا گیا ہے جس لقب کی وجہ سے ہماری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔ اور جس لقب کی وجہ سے ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے حاکموں نے ہمیں قتل کرنا مباح اور جائز قرار دیا ہے۔ وہ لقب ایک حدیث میں ہے۔ جس حدیث کو ان کے فقہاء نے روایت کیا ہے۔ ابوبصیر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: رافضہ کے متعلق حدیث؟ ابوبصیر کہتے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا خدا کی قسم ان لوگوں نے تمہارا نام رافضی نہیں رکھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے......

(رسالہ مذہب شیعہ ص ۲۳، ۲۴)

جواباً عرض ہے کہ جس روایت کا مؤلف نے حوالہ دیا ہے اس کا ایک تتمہ بھی ہے۔ جسے انھوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر اسے بھی دیانت داری سے نقل کر دیتے تو ہمیں جواب پیش کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ یا اگر وہ اسے ملحوظ رکھتے تو پھر کوئی اعتراض نہ کرتے۔ لیجیے وہ تتمہ ہم نقل کیے دیتے ہیں امام عالی مقام نے اس نام (رافضہ) کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرمائی ہے کہ جب فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ کر

ایمان لے آئے تو خداوند نے ان کا نام رافضہ رکھا یعنی فرعون اور اس کے انصار و اعوان کو ترک کرنے والے۔ اور پھر یہ لقب باقی رہ گیا۔ یعنی جو بھی اچھے لوگ برے لوگوں کو چھوڑ دیں، ان کو رافضی کہا جاتا ہے"۔

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

اوّل: یہ کہ رفض کے لغوی معنی چونکہ ترک کرنے کے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ فی نفسہ نہ اچھا ہے نہ برا۔ بلکہ اس کی اچھائی یا برائی اضافی ہے۔ لہٰذا اگر کسی اچھی چیز کو ترک کیا گیا تو یہ لفظ برا تصور ہوگا۔ اور اگر بری چیز کو ترک کیا گیا تو اچھا سمجھا جائے گا۔

دوم: یہ کہ پہلے یہ لقب خداوند عالم کی طرف سے ساحران فرعون کو دیا گیا جو اعجازِ موسوی دیکھ کر بلا خوف لومۂ لائم ایمان لائے اور ان کے بعد یہ لقب قیامت تک باقی ہے۔ یعنی جو بھی گروہ فرعون صفت افراد سے بیزاری اختیار کر کے موسیٰ صفت ذواتِ مقدسہ کے دامن سے متمسک ہو جائے اسے رافضی کہا جاتا ہے۔ شکر کا مقام ہے کہ یہ سعادت شیعیانِ علیؑ کو حاصل ہے۔ سچ ہے کہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امر دوم: پیر صاحب نے اپنی مذہبی کتاب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۸۱ سے ایک مجہولہ بلکہ مجعولہ روایت جو حضرت امیر علیہ السّلام کی طرف منسوب ہے نقل کی ہے۔ جس کا ترجمہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

" حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ آخر زمان میں ایک فرقہ نکلے گا جس کا خاص لقب ہوگا۔ جس کو لوگ رافضی کہیں گے۔ اسی لقب کے ساتھ ان کی پہچان ہوگی۔ وہ لوگ ہمارے شیعہ ہونے کا دعویٰ کریں گے اور در حقیقت ان کے ہماری جماعت سے نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے حق میں سب بکیں گے تو ان کو قتل کر دینا۔ کیونکہ وہ مشرک ہوں گے"۔

جواباً عرض ہے کہ پیر صاحب نے جس روایت پر اعتماد کر کے مظلوم شیعوں کے قتل کا جواز پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہ اصول روایت و درایت کے مطابق ناقابل اعتماد ہے۔ روایت کے لحاظ سے اس طرح کہ یہ ان کی اپنی مذہبی کتاب کی روایت ہے۔ جو بموجب "کلام العدیٰ ضرب من الھذیان" جسے ہمارے خلاف بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ علم مناظرہ و کلام کا یہ مُسلمہ قاعدہ ہے کہ استدلال میں مد مقابل کے مُسلمات پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر مولف نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے: "شروع سے لے کر تمام کی تمام روایات صرف اہل تشیّع کی معتبر ترین و مسلم ترین کتابوں سے لکھ رہا ہوں"۔

ان سے کوئی پوچھے کہ آیا کنز العمال بھی شیعوں کی معتبر ترین کتاب ہے۔ کون نہیں جانتا کہ کنز العمال اہل سنت کے مسلم الثبوت محدث شیخ علی متقی کی تالیف و ترتیب اور اصل کتاب جمع الجوامع امام اہل سنت جلال الدین سیوطی کی لکھی ہوئی ہے۔ اور درایت کے اعتبار سے اس طرح کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ ابوبکر و عمر کو برا بھلا کہنے والے رافضی آخر الزمان میں پیدا ہوں گے۔

مگر خود پیر صاحب بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ زید کو چھوڑ گئے تھے وہ "رافضی" تھے۔ اور وہ شیخین کو برا سمجھتے تھے اور یہ بھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ لقب عہد موسویؑ سے چلا آرہا ہے کہ باطل کو خیر باد کہہ کر حق سے وابستہ ہونے والے لوگوں کو رافضی کہا جاتا ہے۔

اور محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز نے "تحفہ اثنا عشریہ" میں لکھا ہے کہ: یہ فرقہ جناب امیر علیہ السلام کے حین حیات میں ۳۵ھ میں پیدا ہو گیا تھا۔ علاوہ بریں اگر مؤلف کی مراد رافضیوں سے شیعیانِ علیؑ ہے تو پھر یہ بات بھی واقع کے خلاف ہے کہ رافضی ابوبکر و عمر صاحبان کو سب بکتے ہیں۔ کیونکہ مذہب شیعہ میں تو بموجب حکم پروردگار "لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ" کفار کو بھی سب کرنا (گالی دینا) روا نہیں ہے۔ نیز یہ بات بھی حقائق کے سراسر خلاف ہے کہ شیعہ مشرک ہیں۔ حالانکہ وہ خداوند عالم کو ذات و صفات، افعال اور عبادات میں واحد و یکتا مانتے ہیں۔ ویسے اگر پیر صاحب کو اپنے اسلاف کی تقلید و تاسی میں بلا وجہ صرف ولایت اہل بیتؑ کے جرم میں ہمارے خونِ ناحق میں ہاتھ رنگین کرنے کا شوق ہے تو ہم عرض کریں گے۔ ع

تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

(۱) رسالہ مذہب شیعہ:

روایت نمبر ۳: بعد ازاں پیر صاحب نے ناسخ التواریخ جلد ۵ کتاب نمبر ۲ ص ۱۴۳، ۱۴۴ سے اصحابِ ثلاثہ کی مدح میں جناب عبداللہ بن عباس کا ایک قول نقل کیا ہے۔ جس کے چند ابتدائی جملے یہاں درج کیے جاتے ہیں اور بنا برا اختصار مؤلف کے ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

"اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ابوبکر (صدیق) پر اللہ کی قسم وہ فقیروں کے لیے رحیم تھے۔ قرآن کریم کی تلاوت ہمیشہ کرنے والے تھے۔ بری باتوں سے منع کرنے والے تھے۔ اپنے دین کے عالم تھے۔ اور اللہ سے ڈرنے والے تھے......الخ"۔

پھر عثمان کے متعلق ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"اللہ کی رحمتیں ہوں عثمانؓ پر اللہ کی قسم وہ رسول اللہؐ کے شریف ترین داماد تھے۔ اور مقدس

لوگوں سے افضل تھے۔ بہت تہجّد پڑھنے (نماز) والے تھے۔ نار جہنم کی یاد کرتے وقت بہت رونے والے تھے...... الخ" (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۳۳، ۳۴)

۴ تنزیہ الامامیہ: الجواب و اللہ الموفق للصواب:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب شدہ اس روایت کے ساتھ بچند وجہ تمسّک کرنا درست نہیں۔

اولاً: اس لیے کہ صاحب ناسخ نے یہ روایت مسعودی کی مروج الذہب سے نقل کی ہے (ملاحظہ ہو ناسخ جلد ۵ نمبر ۲ صفحہ ۱۴۳) اور مسعودی نہ صرف یہ کہ اہل سنت کا جلیل القدر عالم ہے۔ بلکہ ابن خلکان کی تصریح کے مطابق ان کا فاضل امام ہے۔ (ملاحظہ ہو وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ ابذیل ترجمہ مسعودی) یہی وجہ ہے کہ ابن حجر مکی جیسا مُتعصب سنی عالم بھی اس سے سند لیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ دراصل اہل سنت کی روایت ہے جو ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً: اس لیے کہ عقلائی قاعدہ یہ ہے کہ کسی شخص کا ظاہری کلام اس وقت اس کے عقیدہ ونظریہ کا عکاس وغماز ہوتا ہے۔ جب اس بات پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو کہ وہ کلام اس کے مافی الضمیر کے خلاف ہے۔ ورنہ اس کے کلام کو اس کے حقیقی نظریہ کا ترجمان نہیں قرار دیا جا سکتا اور یہاں یہی صورت حال درپیش ہے۔ یعنی یہاں قطعی قرینہ قائم ہے کہ بنا پر ثبوت جناب ابن عباسؓ نے جان کے خوف سے یہ جملے اصحاب ثلاثہ کے حق میں استعمال کیے ہیں۔ اور وہ قطعی قرینہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ کلام معاویہ بن ابی سفیان کے دربار میں کہا ہے۔ جیسا کہ پیش کردہ روایت میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ "مسعودی در مروج الذہب می نویسد کہ عبداللہ بن عباس بر معاویہ در آمد الخ" (ملاحظہ ہو ناسخ جلد ۵ نمبر ۲ صفحہ ۱۴۴)

ظاہر ہے کہ معاویہ کے دربار میں اگر ابن عباسؓ اصحاب ثلاثہ کے متعلق اپنا وہ حقیقی نظریہ بیان کرتے جو انھوں نے اپنے استاذ گرامی حضرت امیرؑ اور خاندان نبوت کے دیگر افراد کاملہ سے حاصل کیا تھا تو یقیناً جان عزیز سے ہاتھ دھونے پڑتے کیونکہ ع

بات پر واں زبان کٹتی ہے

اور ہم قبل ازیں تقیّہ کے بیان میں ناقابل رد دلائل وشواہد سے ثابت کر آئے ہیں کہ خوف جان کے وقت (مقام تقیّہ میں) حسب ظاہر کفار ومشرکین کی تعریف اور خاصانِ خدا (بلکہ خود خدا) کی تنقیص جائز ہے۔ روایت کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ معاویہ تو جناب ابن عباسؓ کی جان

لینے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ جبھی تو بھرے دربار میں ان سے پوچھا تھا کہ آپ ابوبکر، عمر اور عثمان کے حق میں کیا کہتے ہیں؟ ابن عباسؓ بھی اس کے شرارت آمیز سوال کا اصلی مقصد سمجھ گئے تھے۔ اس لیے تقیہ کو سپر بنا کر اپنی جان بچائی۔ ان حالات میں اس کلام کو ابن عباسؓ کے عقیدہ کا کیونکر ترجمان سمجھا جاسکتا ہے؟

ثالثاً: اس لیے کہ ابن عباسؓ کی طرف منسوب شدہ یہ کلام جناب موصوف کے مُسلمہ نظریات کے خلاف ہے۔ اس لیے یا تو یہ غلط محض سمجھا جائے گا، یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی (ایک تاویل ہم نے اوپر پیش کر دی ہے) کیونکہ ابن عباسؓ کا مقام اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ وہ متضاد عقائد کے حامل ہوں۔ یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ ابن عباسؓ اپنے عظیم المرتبت استاذ حضرت امیر علیہ السلام کی طرح اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کو غاصبانہ و ناجائز جانتے تھے۔ جیسا کہ علاوہ دوسرے شواہد کے خود ان کے ان گرانقدر مکالمات سے بھی روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہے۔ جو انھوں نے وقتاً فوقتاً جناب عمر بن الخطاب سے کیے۔ جن کا ایک شمہ "الفاروق" شبلی نعمانی جلد ا صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰ طبع لاہور میں مذکور ہے۔ اور تفصیل تاریخ طبری اور محاضرات راغب اصفہانی وغیرہ میں مذکور ہے بطور نمونہ ایک مختصر سا مکالمہ "الفاروق" سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کیے ہیں ہم ان کو اس موقع پر اس لیے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہو گا۔ مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہوا تھا۔ جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرف دار تھے۔

حضرت عمر: کیوں عبداللہ بن عباسؓ علیؑ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے۔

عبداللہ بن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: تمھارے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اور تم رسول اللہؐ کے چچیرے بھائی ہو پھر تمھاری قوم تمھاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: لیکن میں جانتا ہوں، تمھاری قوم تمھارا امیر ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباسؓ: کیوں؟

حضرت عمر: وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت آجائے۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم

یہ بات نہیں۔ابوبکر نے وہ کیا۔جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہوسکتی۔
اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ایسا تمھارے حق میں کچھ بھی مُفید نہ ہوتا۔
دوسرا مکالمہ اس سے بھی زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزری ہیں اور اور کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت عمر: کیوں عبداللہ بن عباسؓ تمھاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا۔لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمھاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ: وہ کیا باتیں ہیں۔

حضرت عمر: میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباسؓ: ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے۔لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے۔ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں۔پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر: افسوس! بنی ہاشم کے دل سے پرانے رنج و کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ: ایسی بات نہ کہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر: اس تذکرے کو جانے دو

عبداللہ بن عباس: بہت مناسب

(دیکھو تاریخ طبری ص ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۲ بحوالہ الفاروق جلد ا صفحہ ۱۳۰ طبع لاہور)

رابعا: اس لیے کہ سابقہ مناقشات سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر چند لمحوں کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ ابن عباس کا قول ہے۔تو جب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ حقیقت عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کہ مذہب شیعہ خیر البریہ میں سند اور حجّت کا درجہ صرف نبی یا امام معصوم کو حاصل ہے۔لہٰذا اگر کسی بھی شخص کا قول یا فعل نبی یا امام کے قول و فعل کے خلاف ہے۔تو وہ پر کاہ کے برابر وزن نہیں رکھتا۔

لان المدار علی قول النبی و الامام کما لا یخفی علی العوام فضلا عن العلماء الاعلام

① رسالہ مذہب شیعہ:
روایت نمبر ۴: پیر صاحب نے ادھر اُدھر ہاتھ پیر مار کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

جناب امیر علیہ السلام نے ابوبکر کی بیعت کرلی تھی (معاذ اللہ) اور اس سلسلہ میں ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۲ صفحہ ۴۳ سے ایک عبارت کا یہ ٹکڑا بھی پیش کیا ہے کہ: "پس از ھفتاد شب با ابو بکر بیعت کرد۔ بروایتے پس از شش ماہ با ابو بکر بیعت کرد"۔ یعنی "ستر دنوں کے بعد حضرت علی المرتضیٰؑ نے حضرت ابوبکر کے ساتھ بیعت کی۔ اور ایک روایت میں چھ ماہ کے بعد بیعت کی"۔ (رسالہ مذہب شیعہ ص ۳۹)

(۲) تنزیہ الامامیہ: الجواب و اللہ المعین علی نیل الصواب:

اس موضوع پر ہم تفصیلی گفتگو تو وہاں کریں گے جہاں بیعت کے موضوع پر بحث کی جائے گی۔ جس میں رسالہ "القول الجلی" کا جواب باصواب بھی آجائے گا۔ ان شاء اللہ

یہاں سردست ناسخ کی اس پیش کردہ روایت پر تھوڑا سا تبصرہ کیا جاتا ہے۔ سو واضح ہو کہ پیر صاحب سیالوی نے اپنی عادت کے مطابق اس روایت کے نقل کرنے میں بھی خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے۔ اور اصل روایات میں قطع برید کرکے اصل مطلب کو مسخ کردیا ہے۔

ناسخ التواریخ کے مؤلف نے اس بیعت کے موضوع کو کئی صفحات پر پھیلا کر لکھا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام دربار میں تشریف لے گئے اور اپنے احق بالخلافت ہونے کے دلائل و شواہد پیش کیے۔ جنھیں قبول نہ کیا گیا۔ بالآخر آپ بیعت کیے بغیر اپنے بیت الشرف واپس تشریف لے گئے۔ آخر میں اجمالاً لکھا ہے: "مع القصد علی المرتضی بیعت ناکردہ باز بسرائے شد" (مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے) یہ ہے صاحب ناسخ کی ذاتی تحقیق جسے انھوں نے دوسرے شیعہ اہل علم کی طرح بلاکم و کاست پیش کردیا ہے۔

اس کے بعد وہ عبارت موجود ہے۔ جس کا ایک ٹکڑا مؤلف نے پیش کیا ہے۔

گویند چوں فاطمہ علیہا السلام وداع جہاں گفت پس از ھفتاد شب با ابو بکر بیعت کرد۔ و بروایتے پس از شش ماہ آنحضرت باابو بکر بیعت کردہ

(اس کا ترجمہ مؤلف کے کلام میں گزر چکا ہے)

بیعت کے متعلق شیعہ نظریہ لکھنے کے بعد یہ کہنا کہ گویند (لوگ کہتے ہیں) غماز ہے کہ یہ نظریہ کسی اور فرقہ کا ہے اور وہ فرقہ جمہور اہل سنت کا ہے۔ ان کی کتابوں میں ستر دن یا چھ ماہ کے بعد آنجنابؑ کا بیعت کرنا مذکور ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۱ طبع دہلی) موجودہ دور کے

اہل سنت کے مشہور اہل قلم جناب عمر ابوالنصر اپنی کتاب "علیؑ وعائشہ" (ترجمہ اُردو صفحہ ۳۹) میں لکھتے ہیں: "ان (حضرت علیؑ) کے لیے اس (خلافت ابوبکر) سے بڑھ کر صدمہ اور کوئی نہ تھا۔ انھوں نے اس "ظلم" کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور بیعت سے کنارہ کش رہے۔ گو بعد میں ایسے واقعات پیش آئے کہ انھیں بھی بیعت کرنی پڑی"۔

اس عبارت میں ان واقعات کے چہرے سے نقاب کشائی کی گئی ہے جن کے ماتحت جنابؑ کو بیعت کرنی پڑی۔ اس اجمال کی تفصیل اسی مؤلف کی ایک دوسری تالیف "آلِ محمد کربلا میں" ترجمہ اُردو طبع مقبول اکیڈمی لاہور کے صفحہ ۳۳ پر مذکور ہے۔ لکھتے ہیں:

"حضرت فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد صرف چھ ماہ اس جہانِ فانی سے رُخصت ہوگئی تھیں۔ ان کی وفات سے حضرت علیؑ کی پوزیشن بہت کمزور ہوگئی تھی۔ ان کے اکثر اعوان وانصار انھیں چھوڑ کر حضرت ابوبکر کی بیعت میں داخل ہوگئے تھے۔ صحابہ وغیر صحابہ میں کوئی ذی اثر شخص ایسا نہ رہا تھا جسے اپنے ساتھ ملا کروہ حصولِ خلافت کی کوشش کرسکتے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت ابوبکر نے محض حضرت فاطمہؑ کی وجہ سے ان سے چشم پوشی کی ہوئی تھی۔ اب یہ ذریعہ بھی باقی نہ رہا تھا۔ اور حضرت علیؑ بالکل اکیلے رہ گئے تھے اور انھیں کسی شخص کی عملی تائید حاصل ہونے کی توقع نہ رہی تھی۔ اس لیے انھوں نے حضرت ابوبکر کے پاس جا کر ان کی بیعت کرلی"۔

نیز یہی مؤلف اسی کتاب کے صفحہ ۷ پر خلافت ابوبکر کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

"حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت خلافت مُسلمانوں میں سیاسی اختلاف کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن گئی۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ان کی خلافت کو خوشی کی نظروں سے نہ دیکھا"۔

قارئین کرام اس عبارت کو مکرر بنظر غائر پڑھیں اور پھر جناب امیر علیہ السلام کے بیعت کرنے کی حقیقت کا فیصلہ کریں۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

(۱) رسالہ مذہب شیعہ:

روایت نمبر ۵: پیر آف سیال شریف نے اپنے رسالہ کے ص ۴۸ پر ناسخ التواریخ جلد سوم کتاب نمبر ۲ ص ۵۲۱ سطر ۱۵ تا ۱۹ سے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب شدہ ایک مختصر سا خطبہ نقل کیا ہے۔ جس میں جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اسلامی برادری کے پہلے خلیفہ کی بظاہر تعریف کے چند جملے موجود ہیں۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۴۸)

(۲) تنزیہ الامامیہ: الجواب واللہ المؤید لحصول الثواب

ناسخ التواریخ مطبوعہ تہران ہمارے پیش نظر ہے۔ انتہائی تتبع وتلاش کے باوجود ہمیں اس میں یہ روایت نہیں مل سکی۔ نشان دادہ صفحات کے علاوہ ہم نے کئی دوسرے مقامات متعلقہ بھی کھنگال ڈالے ہیں۔ مگر اس محولہ خطبہ کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ملا۔ اس لیے سردست ہم اصل حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کرنے سے قاصر ہیں۔ ویسے مؤلف کی روش ورفتار کے پیش نظر یقین کامل ہے کہ اگر یہ خطبہ مل جاتا تو اس کی کیفیت بھی دجل وفریب میں دوسرے حوالہ جات سے مختلف نہ ہوتی۔ کیونکہ ؎

ہر بات یہاں کی الٹی ہے
یاں الٹی گنگا بہتی ہے

(۱) رسالہ مذہب شیعہ:

روایت نمبر ۶: پیر صاحب آف سیال شریف تحریر فرماتے ہیں: "اب سیدنا علی المرتضیٰؓ کا تعامل ملاحظہ ہو۔ کتاب ناسخ التواریخ جلد ۲ حصہ ۲ صفحہ ۳۹۴: در کارہا و لشکر کشی ہا اور اعانت می فرمود و رائے نیکو می داد۔ یعنی امیر المومنین عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ امداد واعانت فرماتے تھے۔ اور نیک مشورے دیتے تھے۔ اب منطق کی جس شکل سے بھی نتیجہ نکالا جائے یہی ثابت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقدس نظریہ اور مذہب میں امیر المومنین عمرؓ برحق خلیفہ تھے۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۵۷)

(۲) تنزیہ الامامیہ: الجواب واللہ الملہم للصواب:

پیر صاحب نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق اس حوالہ میں جس طرح قطع وبرید کی ہے۔ دجل وفریب کی دنیا میں اس کی مثال شاذ ونادر ہی ملے گی۔ ناسخ کے مذکورہ صفحات پر جو کچھ مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو جنگ قادسیہ کی مہم پیش آئی تو معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر عمر صاحب نے ارباب بست وکشاد کی اہم میٹنگ بلائی۔ جس میں حضرت امیر علیہ السلام کو بھی شمولیت کی دعوت دی۔ چنانچہ آنجناب اسلامی مفاد کی خاطر تشریف لے گئے۔ میٹنگ شروع ہوئی حاضرین نے اپنی اپنی عقل وفکر کے مطابق مشورے دیے۔ مگر جناب امیر خاموش بیٹھے رہے۔ جناب عمر ان کی طویل خاموشی دیکھ کر ان سے یوں مخاطب ہوئے (ناسخ کے الفاظ میں سنیں)

"روئے با علی مرتضیٰ کرد و گفت یا ابا الحسنؑ چرا سخن نمی فرمائی و

از خطبه چنین هائل بطریق نجات دلالتے نمی کئی علی علیه السلام بعقیدت مردم شیعی اگرچه خلافت عمر را از راه غصب می دانست لکن در کار ها لشکر کشی ها ......"الخ۔

اے ابوالحسنؑ! آپ کیوں لب کشائی نہیں فرماتے اور اس ہوش ربا ہم میں طریق نجات کی طرف کیوں راہنمائی نہیں فرماتے؟ (صاحب ناسخ فرماتے ہیں) اگرچہ شیعیان حیدر کرار کے عقیدہ کے مطابق حضرت علی علیہ السلام عمر کی خلافت کو غاصبانہ سمجھتے تھے۔ لیکن (اپنی روایتی بلند حوصلگی اور قوت ایمانی کی بنا پر اسلام اور مُسلمانوں کی بھلائی کے) کاموں اور لشکر کشیوں میں ان کی اعانت کرتے اور مُفید مشوروں سے نوازتے تھے"۔ چنانچہ اس موقع پر جناب امیر علیہ السلام نے وہ صائب مشورہ دیا جس کا تفصیلی تذکرہ نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۱۴۶ میں موجود ہے۔ جسے مؤلف نے نقل بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنجنابؑ نے عمر صاحب سے فرمایا۔ تم خود یہیں مدینہ میں رہو اور کسی تجربہ کار جرنیل کی سرکردگی میں لشکر بھیج دو۔

چنانچہ اس مشورہ کے مطابق عمل کیا گیا اور مُسلمان مُظفّر و منصور ہوئے۔ اربابِ عقل و انصاف فرمائیں کہ اگر اس پس منظر میں ناسخ کی پوری عبارت پڑھی جائے۔ تو اس سے خلافت عمریہ کا بطلان واضح و عیاں ہوتا ہے۔ یا اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

اب رہا اس عبارت کا ابتدائی جملہ: "علی علیه السلام بعقیدت مردم شیعی اگرچه خلافت عمر را از راه غصب می دانست" کو چھوڑ کر صرف "لکن در کار ها و لشکر کشی ها اورا اعانت می فرمود و رائے نیکو می داد" سے استدلال کرنا اور یہ کہنا کہ اگر حضرت امیر علیہ السلام خلافت عمر کو صحیح نہیں سمجھتے تھے تو صحیح مشورہ کیوں دیا۔ یہ کیوں نہ کہا کہ تم میدان جنگ میں جاؤ تاکہ جناب عمر وہاں مارے جاتے اور جناب امیر علیہ السلام کے لیے خلافت کا راستہ ہموار ہو جاتا۔ تو یہ استدلال بچند وجہ درست نہیں ہے۔

اولاً: جناب رسول خدا کا ارشاد ہے کہ "المتشار موتمن" یعنی جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے کہ خداداد عقل و خرد کے مطابق صحیح مشورہ دے۔ ان حالات میں جناب امیر علیہ السلام ایسے بلند نظر اور اعلیٰ ظرف امام معصومؑ کے متعلق کوئی شخص اس بات کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ وہ کسی کو غلط مشورہ دیں گے۔ ایسا سوچنا کہ امیر علیہ السلام غلط مشورہ دے کر اس طرح خلافت حاصل کر لیتے۔ ملاؤں

کی روایتی کوتاہ اندیشی اور تنگ نظری کی دلیل ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر

گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

ثانیاً: اس وقت جب کہ عمر صاحب نے جناب امیر علیہ السلام سے مشورہ طلب کیا سوال صرف عمر صاحب کی موت وحیات کا نہ تھا۔ بلکہ اسلام کی بقاو فنا کا مسئلہ درپیش تھا۔ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ جناب امیر علیہ السلام ایسا اہل اسلام کا حقیقی خیر خواہ وہ مشورہ دیتا جس سے اسلام کو کوئی گزند پہنچتا۔ اس لیے آنجنابؑ نے وہ مشورہ دیا جس سے نہ صرف اسلام اور مسلمان فنا ہونے سے بچ گئے۔ بلکہ اسلام کے حدود اور وسیع ہو گئے۔ اور اگرچہ ان لوگوں نے اس وقت جناب امیر علیہ السلام کی ولایت کا اقرار نہیں کیا۔ مگر کفر اور شرک کی وادی سے نکل کر خدا کی توحید اور رسولؐ اسلام کی رسالت کا اقرار کر کے اسلام کی چار دیواری میں داخل تو ہو گئے۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے۔

چه در غلبۂ اسلام ازیں کم نبود که کافراں بو حدانیت خدا و نبوتِ پیغمبرؐ اقرار می دادند و راہ بکوچۂ سلامت نزدیک میگردند۔

ثالثاً: عمر کے جناب امیر علیہ السلام سے مشورہ طلب کرنے سے ان کے باہمی تعلقات کے خوشگوار ہونے پر استدلال کرنا خوش فہمی ہے۔ ورنہ اربابِ نظر پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح عزیز مصر کا قید خانہ میں ڈالے ہوئے جناب یوسفؑ کی طرف رجوع کرنا۔ ان کے تعلقات کے خوشگوار ہونے کی نہیں بلکہ جناب یوسفؑ کے برحق نبی ہونے کی دلیل ہے۔ بلا تشبیہ اسی طرح حضرت عمر کا گھر میں بٹھائے ہوئے جناب امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کرنا ان کے تعلقات کے اچھا ہونے کی نہیں بلکہ جناب امیر علیہ السلام کے امام برحق ہونے کی دلیل ہے۔

رابعاً: چونکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام غزواتِ نبویہ میں جناب عمر کے جنگی کارنامے بچشم خود دیکھ چکے تھے۔ اس لیے آنجنابؑ کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ حضرت خود میدان میں چلے گئے اور پھر راہِ فرار اختیار کی تو اسلام اور مسلمانوں کی توہین ہوگی۔ اس لیے فرمایا: تم یہیں رہو اور کسی تجربہ کار جرنیل کو بھیج دو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جناب عمر ان صفات سے عاری تھے۔

خامساً: اگر عمر یا ابوبکر و عثمان صاحبان جناب امیر علیہ السلام کی نظر اقدس میں برحق خلیفے تھے تو جب ان حضرات کے عہد ہائے خلافت میں بڑی بڑی فوج کشیاں ہوئیں۔ بڑے بڑے علاقے فتح ہوئے۔ تو جناب امیر علیہ السلام ایسا آزمودہ کار اسلامی جرنیل ان میں کیوں شامل نہیں ہوا۔ یا انھیں

کیوں شامل نہیں کیا گیا؟؟

اب منطق کی جس شکل سے بھی نتیجہ نکالا جائے یہی ثابت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے مقدس نظریہ اور مذہب میں اصحابِ ثلاثہ برحق خلفاء رسول نہیں تھے۔

وھو المطلوب الحق مع علی و علی مع الحق

① رسالہ مذہب شیعہ:

روایت نمبر ۷: مؤلف رسالہ پیر سیالوی نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۶۱ پر ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۵۱۹ سے جناب امیر علیہ السلام اور عثمان کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے۔ جس میں عثمان صاحب نے جناب امیر علیہ السلام کو تفرقہ بازی سے باز رہنے اور اپنی اطاعت کرانے کا تذکرہ ہے اور اس کے جواب میں جناب امیر علیہ السلام کا یہ فرمان مذکور ہے کہ "تفرقہ اندازی تو اللہ مجھے اس سے بچائے میں تفرقہ اندازی کا دروازہ کھولوں۔ باقی رہی خلافت تو وہ اگر سب مسلمانوں کی مشترکہ تھی تو پہلے دونوں صاحبان اپنے حصے کو لے گئے اور اگر خالص میرا حق تھی تو میں اس سے دست بردار ہو چکا ہوں"۔ (رسالہ مذہب شیعہ ص ۶۱)

② تنزیہ الامامیہ: الجواب واللہ الهادی الی الصواب:

یہ مکالمہ تفحص و تلاشِ بسیار کے بعد ہمیں ناسخ جلد ۲ کے صفحہ ۵۱۹ کی بجائے صفحہ ۴۱۹ پر ملا ہے۔ جو صاحب ناسخ نے مشہور سنی مورخ واقدی) متوفی ۲۳۰ھ کی کتاب شوریٰ سے لیا ہے۔ چنانچہ صاحب ناسخ رقمطراز ہیں:

واقدی در کتاب شوری از ابن عباس حدیث کند که عثمان علی علیه السلام را حاضر ساخت فقال نشدتك الله ان تفتح للفرقة باباً الخ

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دراصل اہل سنت کی روایت ہے جو ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتی اس روایتی سقم کے علاوہ اس میں یہ درایتی نقص بھی ہے کہ اس میں حق امامت سے دست برداری کا تذکرہ ہے۔ جو کہ ناممکن ہے۔ کیونکہ نبوت کی طرح امامت بھی ایک عہدۂ خداوندی ہے۔ جسے خدائے تعالیٰ عطا کر دے وہ شخص نہ اُس سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ نہ کسی اور شخص کو دے سکتا ہے۔ الغرض یہ روایت انمل بے جوڑ ہے اور اس کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں ہے۔

① رسالہ مذہب شیعہ:

روایت ۸: پیر صاحب سیالوی نے اپنے رسالہ کے ص ۹۱، ۹۲ پر بحوالہ ناسخ التواریخ جلد

۲ ص ۵۲۴ حصہ ۳ سے چند سطری عبارت نقل کر کے ہمارے مشہور مذہبی عقیدۂ حقہ "رجعت" کی رد کرنا چاہی ہے۔ اور بزعم خود اس عقیدہ کے ایجاد کا سہرا عبداللہ بن سبا کے سر باندھنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جیسا کہ تھوڑا سا آگے چل کر (دیگر متعصب حضرات کی طرح) خود اصل مذہب شیعہ کو ابن سبا کی اختراع قرار دے کر حق سے اپنی عداوت کا ثبوت دیا ہے۔ (رسالہ مذہب شیعہ ص ۹۱، ۹۲)

(۲) تنزیہ الامامیہ: الجواب بعون اللہ التواب:

ہم نے نہ صرف محوّلہ مقام بلکہ وہ تمام مقامات و صفحات چھان مارے ہیں جہاں جہاں اس عبارت کے ملنے کا امکان تھا۔ مگر اس محوّلہ بالا عبارت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملا۔ اس لیے اس حوالہ کی اصل حقیقت پردۂ خفا میں ہے کہ آیا یہ عبارت کسی مخالف کی کتاب کی ہے۔ یا مؤلف ناسخ التواریخ کی ذاتی رائے ہے؟ اگرچہ ظن غالب یہی ہے کہ سابقہ حوالہ جات کی طرح یہ حوالہ بھی کسی مخالف کی کتاب سے ماخوذ ہوگا۔ جسے کسی خاص مقصد کے ماتحت صاحب ناسخ نے نقل کیا ہے اور پیر صاحب نے ہاتھ کی صفائی سے اسے صاحب کتاب کے سر منڈھ کر شیعوں پر اعتراض جڑ دیا ہے۔ ع

چوں ندیدند رہ حقیقت افسانہ زدند

رجعت کا مفہوم

عقیدۂ رجعت کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جب اقلیم امامت کے بارہویں تاجدار ظہور فرمائیں گے۔ تو اس وقت جناب رسول خداؐ اور تمام یا بعض ائمہ ہدیٰ دوبارہ دار دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اور مدت تک بادشاہی فرمائیں گے۔ نیز امم سابقہ اور اس امت کے کامل الایمان مومنین اور بڑے بڑے سرکش و کفار و ظالمین کو بھی زندہ کیا جائے گا۔ تاکہ قیامت کبریٰ سے پہلے ان لوگوں سے انتقام لیا جائے اور مظلوم مومنین کی آنکھیں اس منظر کو دیکھ کر سرمگین ہوں۔

اس موضوع پر ضمنی مباحث کے علاوہ متعدد مستقل کتب و رسائل لکھے جا چکے ہیں۔ جیسے "الشیعة والرجعة" (دو جلد عربی) رہبر گمشدگان (ایک جلد فارسی) رجعت اور اسلام (اردو ایک جلد) ہم نے بھی احسن الفوائد میں اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر دیا ہے۔ شائقین تفصیل ان کتب کی طرف رجوع کر کے اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ اس مختصر رسالہ میں اس سلسلہ کے تفصیلی دلائل و براہین پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ صرف دو چار مختصر سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ لیھلك من هلك عن بينة ويحي من حي عن بينة۔

پہلی آیت:

ارشادِ قدرت ہے: "انا لننصر رسلنا و الذین آمنو فی الحیوۃ الدنیا" کہ ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی دارِ دنیا میں مدد و نصرت کرتے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے انبیاء و مرسلین اور مومنین کاملین پر دارِ دنیا میں مصائب و شدائد کے کوہائے گراں گرائے گئے۔ بڑی مظلومیت کے ساتھ شہید کیے گئے۔ (تقتلون فریقا و تاسرون فریقا) اور ظالم زندگی بھر دندناتے رہے۔ اور بالآخر اپنی طبعی موت مر کر دنیا سے اٹھ گئے۔ پس اگر وعدۂ خداوندی سچا ہے۔ (اور یقینا سچا ہے: فان اللہ لا یخلف المیعاد) تو ماننا پڑتا ہے کہ ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ اسی دارِ دنیا میں ان مظلوم رسولوں اور مومنوں کی مدد اور دادرسی کی جائے گی۔ اور ظالموں سے انتقام لیا جائے گا اسی کا نام "رجعت" ہے۔

دوسری آیت:

ارشادِ رب العزت ہے: "و حرام علی قریۃ اھلکنا ھا انھم لا یرجعون"۔ (پ ۱۷ س انبیاء ع ۷) یعنی جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا ہے۔ اس پر رجعت حرام ہے۔ اس آیت مبارکہ کا قیامت کے ساتھ ہرگز کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قیامت کے متعلق تو یہ وارد ہے: وحشرنا ھم فلم نغادر منھم احداً۔ ہم اس طرح تمام لوگوں کو محشور کریں گے کہ کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ پس ماننا پڑے گا کہ یہ آیت مبارکہ رجعت کے متعلق ہے۔ جس میں وہ لوگ نہیں لوٹائے جائیں گے۔ جن پر دارِ دنیا میں عذاب نازل ہو چکا۔

تیسری دلیل از حدیث:

آیت مبارکہ: "لترکبن طبقا عن طبق" کی تفسیر میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ جو کچھ نبی اسرائیل میں واقع ہوا ہے۔ وہ سب کچھ میری امت میں ٹھیک اسی طرح واقع ہوگا۔ جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے یا ایک تیر دوسرے تیر کے برابر ہوتا ہے۔ (تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۴، نہایہ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۲۲۴، بخاری مع فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۵۲ طبع مصر وغیرہ) اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسی رجعت ایک بار نہیں کئی بار واقع ہو چکی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منتخب کردہ ستر آدمیوں کا مرنا اور دوبارہ زندہ ہونا قرآن مجید میں بالصراحت مذکور ہے۔ اسی طرح

جناب عزیرؑ کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ (قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مأۃ عام) پس امم سابقہ میں ان واقعات کا وقوع پذیر ہونا امت مرحومہ میں بھی ایسے واقعات کے واقع ہونے کی دلیل ہے۔ اسی چیز کا دوسرا نام "رجعت" ہے۔

چوتھی دلیل از عقل:

یہ چیز عقلاً ممکن ہے۔ (اگر ممکن نہ ہوتی تو پھر قیامت کو بھی مردے زندہ نہ ہو سکتے) اور مخبر صادقؐ نے اس کے واقع ہونے کی خبر دی ہے۔ تو اس پر ایمان لانا لازم ہے۔ اور انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ان مختصر حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت واضح وعیاں ہوگئی کہ عقیدہ رجعت قرآن کریم اور احادیث سید المرسلینؐ اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔ والحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقۃ

③ تنزیہ الامامیہ کے ان جوابات پر اشرف سیالوی کی تنقید:

ناسخ التواریخ میں متفق علیہ روایات ہیں۔ (وہ کتاب مُعتبر ہے) جب اپنی باری آئی تو پتا چلا کہ تاریخی کتابوں میں ہر قسم کا رطب ویابس ہوتا ہے۔ مگر جب اہلسنّت کے خلاف بلکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف باطنی غیظ وغضب اور بغض وعناد کا اِظہار کرنا تھا تو کیوں نہ یہ خیال آیا کہ یہ تاریخی کتابیں ہیں۔ اور ان میں ہر قسم کے رطب ویابس ہوتے ہیں۔ پھر بد دیانتی یہ ہے کہ مسعودی شیعہ سے اس کی کتاب کا حوالہ بھی دے دیا، ابن ابی الحدید مُعتزلی شیعی ہے۔ اس کا حوالہ بھی دیا......

ناسخ التواریخ کی پہلی روایت کے جواب پر تنقید

موصوف نے پہلا جواب یہی دیا ہے کہ یہ روایت اہل سنت سے لی گئی ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ حضرت زید بن علی سے ایک دوسری روایت بھی منقول ہے۔ جو حضرت ابوبکر و عمر کے متعلق ان کے اس عقیدہ کے خلاف ہے...... مگر امام موصوف (زید) نے اہل تشیّع پر اہل سنت کو اور شیخین پر تبرا کی بجائے ان کی مدح وثناء کو اختیار کر کے "ہر چہ باداباد" کا مظاہرہ کیا......

دوسری روایت کے جوابات پر تبصرہ

روایت کا ماحصل یہ کہ شیعہ نے جب اپنی مرضی اور خواہش کے برعکس حضرت زید کی طرف سے اظہار برأت کے بجائے تعریفی کلمات سنے تو ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور امام موصوف نے فرمایا۔ رفضونا الیوم۔ اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں...... (بعد ازاں رافضہ کی مذمت میں

چند صفحات بے مقصد سیاہ کیے ہیں کہ وہ غالی ہیں وہ مشرک ہیں اور حق کو چھوڑنے والے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ جبکہ ان کا اصل مقصد سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے......)
(تحفۂ حسینیہ جلد اول از صفحہ ۳۶۵ تا صفحہ ۳۸۶ ملخصاً)

④ اس پر ہمارا تبصرہ:

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

جس طرح مکڑی ایک جال بنتی ہے اور پھر اس میں خود اس طرح پھنس جاتی ہے کہ اس سے باہر نکلنے کا کوئی راہ نہیں پاتی...... بالکل اسی طرح جناب پیر آف سیال شریف ہوں یا ان کے مرید خاص جناب اشرف سیالوی صاحب ہاتھ پاؤں تو بہت مارتے ہیں۔ مگر بات بنائے نہیں بنتی۔ ان کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ شیعہ مذہب معصومینؑ کا مذہب ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے لے کر مہدیؑ دوران تک سب کے سب معصوم عن الخطاء ہیں۔ ان میں کوئی بھی غیر معصوم نہیں ہے۔ اور اس مذہب میں اگر کوئی اتھارٹی ہے تو وہ صرف معصوم کی ذات ہے۔ اور اگر سند ہے تو صرف معصوم کی ہستی ہے۔ ان کے علاوہ کوئی بڑے سے بڑا شخص بذاتِ خود نہ حجت ہے اور نہ سند، اگرچہ نبی زادہ ہو یا امام زادہ۔ اور ہم سطورِ بالا میں حضرت علیؑ سے لے کر امام ہادی و مہدیؑ تک تاریخی، حدیثی اور تفسیری حقائق کی روشنی میں ثابت کر آئے ہیں کہ وہ سب کے سب اصحابِ ثلاثہ کو برا جانتے تھے اور ہرگز اچھا نہیں جانتے تھے۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے...... لہذا جناب زید ہوں یا کوئی اور بزرگ اُن کے کسی قول و فعل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ جب تک وہ اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فرمان کے مطابق نہ ہو......

اینہا ھمہ راز است کہ معلوم عوام است

اس بیانِ صداقت التزام سے ثابت ہوا کہ ناسخ التواریخ ہو یا کوئی اور تاریخی کتاب، وہ رطب و یابس وغث وثمین سے پاک نہیں ہوتی۔ لہذا اس کے کسی بیان پر اعتقاد کی دیوار استوار نہیں کی جاسکتی اور باقی رہا ہم پر یہ الزام کہ ہم نے مؤرخ مسعودی اور ابن ابی الحدید معتزلی کو سنی ظاہر کر کے اور ان کی کتابوں کے حوالے پیش کر کے کوئی بد دیانتی کی ہے۔ (العیاذ باللہ) تو واضح رہے کہ یہ دونوں بزرگ مسلم الثبوت سنی عالم و مؤرخ ہیں۔ وفیات الاعیان اور ابن خلکان وغیرہ نے مسعودی کو فقیہ شافعی اور امام فاضل لکھا ہے۔ اور شبلی نعمانی نے الفاروق میں مسعودی کو فن تاریخ کا امام لکھا ہے۔ ملاحظہ ہوں وہ کتب اہل سنت جو ان کے علماء کے حالات میں لکھی گئی ہیں۔ یا جو کتابیں علماء

اہل سنت کی کتابوں کے تعارف میں لکھی گئی ہیں جیسے کشف الظنون وغیرہ۔ اور ہم ان کا تسنّن قبل ازیں ثابت کر آئے ہیں۔ بہر حال ابن ابی الحدید کا تسنّن اس سے ظاہر ہے کہ وہ مُعتزلی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عقائد میں اہل سنت کے دو مکتب فکر ہیں۔

① اشاعرہ: جن کا میر کارواں ابوالحسن اشعری ہے۔

② مُعتزلہ: جن کا بزرگ وراہنما واصل بن عطا ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کو عادل جانتے ہیں اور مقام فضیلت میں پیغمبر اسلامؐ کے بعد سب سے افضل حضرت علیؑ کو جانتے ہیں۔ مگر خلیفہ اول جناب ابوبکر کو مانتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی شرح نہج البلاغہ اس پر شاہد عادل موجود ہے۔ اگر سیالوی صاحب یا کوئی اور صاحب ان حضرات کو شیعہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان پر لازم ہے کہ وہ نا قابل تردید حوالوں سے ثابت کریں کہ یہ حضرات حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کے قائل تھے اور اصحابِ ثلاثہ سے بیزار تھے۔ جو کہ اہل تشیّع اور اہل تسنّن کا بنیادی اور محوری اِختلاف ہے۔ ورنہ کسی منصف مزاج عالم کے اہل بیتؑ کی کوئی فضیلت بیان کر دینے سے اس کا شیعہ ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ہر سنی مُسلمان اہل بیتؑ سے محبّت رکھنا جزء ایمان سمجھتا ہے مگر یہ کہ بقول علامہ وحید الزمان: "سنی ہونے کے لیے بغض علیؑ ضروری ہو؟"۔

اور جہاں تک رافضہ کی مذمت کا تعلّق ہے کہ وہ غالی ہیں، مشرک ہیں، افراط کرنے والے ہیں اور حق کے تارک ہیں۔ یہ سب خرافات اشرف سیالوی کے ہیں۔ رافضی کی وہی تعریف صحیح ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمائی ہے کہ پہلے پہل یہ لقب خداوند عالم کی طرف سے ساحران فرعون کو دیا گیا۔ جو اعجازِ موسویؑ دیکھ کر بلا خوف لومۃ لائم ایمان لائے اور اُن کے بعد یہ لقب قیامت تک باقی ہے۔ یعنی جو گروہ فرعون صفت افراد سے بیزاری اِختیار کر کے مولیٰ صفت ذواتِ مقدسہ کے دامن سے مُتمسّک ہو جائے، اُسے رافضی کہا جاتا ہے۔ شکر کا مقام ہے کہ یہ سعادت شیعیانِ حیدر کرارؑ کو حاصل ہے۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

فصل ششم

ان روایات کے جوابات جو مؤلف رسالہ نے مختلف کتابوں سے پیش کی ہیں

① رسالہ مذہب شیعہ

② تنزیہ الامامیہ

پیر صاحب نے کشف الغمہ، الشافی اور ناسخ التواریخ کے حوالہ جات پر اکتفاء نہیں کی۔ بلکہ ادھر اُدھر ہاتھ پیر مار کر بعض اور کتابوں سے بھی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بعض روایات پیش کی ہیں۔ مثلاً نہج البلاغہ کا خطبہ ۹۶ طبع ایران سے یہ اقتباس پیش کیا ہے۔ "لقد رأیت بعض اصحاب محمدؐ فما اریٰ احدا منکم یشبھم ...... الخ" جو حضرت رسولؐ اللہ کے بعض مخلص اصحاب باصفا جیسے سلمان، ابو ذر اور مقداد و امثالھم کی مدح وثنا میں وارد ہے۔ جس کا تمام اصحاب اور بالخصوص پیر صاحب کے ممدوحین کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں"۔ (تنزیہ الامامیہ صفحہ ۱۲۷)

③ اس پر سیالوی صاحب کی تنقید:

اس ارشادِ مرتضویؑ کے مناسب قرآن مجید میں ان حضرات کے صفات اس طرح بیان فرمائے گئے ہیں: "محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم" ...... (الآیہ) ......کون کہہ سکتا ہے کہ حضرات شیخین بلکہ خلفاء ثلاثہ ان میں شامل نہیں تھے...... ڈھکو صاحب نے ......اس عبارت کا جواب یوں دیا ہے...... کہ نہج البلاغہ کا یہ اقتباس جو جناب رسولؐ خدا کے بعض مخلص اصحاب کے بارے میں ہے مثلاً سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ و امثالھم کی مدح وثناء میں وارد ہے جس کا تمام اصحاب اور بالخصوص پیر صاحب کے ممدوحین کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ (تنزیہ الامامیہ صفحہ ۱۲۷) لیکن ارباب عقل و دانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ ڈھکو صاحب کا محض یہ دعویٰ ہے، اس پر دلیل پیش کرنا تو دور کی بات ہے، کوئی قرینہ بھی قائم نہیں کر سکتے ہیں...... جن

کا ذکر کرڈھکو صاحب نے کیا ہے۔ وہ حضرت عمر کے عامل، نائب کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں کیا یہ انتہائی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہوگی کہ جو نائب اور ماتحت رہے ہوں وہ تو ان فضائل کے مصداق ہوں اور جو ان کے امیر اور امام ہیں وہ ان اوصاف سے دور کا بھی تعلق نہ رکھتے ہوں؟
(تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۳۰۵)

۴ اس پر ہمارا تبصرہ:
ہم تو محض اس لیے تفصیل میں نہیں گئے تھے اور محض اجمال سے کام لیا تھا کہ کہیں ..... ع
ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
ورنہ ہم بڑی آسانی کے ساتھ تاریخ اسلام کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح و آشکار کر سکتے تھے کہ پیر صاحب کے پیش کردہ اقتباس نہج البلاغہ اور مولانا اشرف صاحب کی پیش کردہ آیت میں ان مخصوص اصحاب کے جن مخصوص صفات و علامات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان صفات کا آپ کے ممدوحین میں نہ کہیں نام نظر آتا ہے اور نہ نشان۔ لہٰذا
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی
جناب سیالوی صاحب!
ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں
ورنہ آپ کے لیے نہ "جائے ماندن" رہے گی اور "نہ پائے رفتن"...... بھلا اس سے بڑا قرینہ کیا ہوسکتا ہے کہ اس سے آپ کے ممدوح صحابہ کرام مراد نہیں ہیں کہ ان میں ان صفاتِ کمالیہ کا فقدان ہے...... ہمیں رہ رہ کر سیالوی کے تعجب سے تعجب ہوتا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ "یہ انتہائی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہوگی کہ جو نائب اور ماتحت رہے ہوں ان کے تو یہ فضائل ہوں اور جو ان کے امیر...... ہیں۔ وہ ان اوصاف سے دور کا بھی تعلق نہ رکھتے ہوں"۔
کیا قرآن وسنت کی کوئی نص موجود ہے کہ اگر امیر مومن ہو تو رعایا بھی مومن ہوگی اور اگر امیر بے ایمان ہو تو ماتحتوں کو بھی بے ایمان ہی ہونا چاہیے؟ جب کہ ہم قرآن اور تاریخ اسلام میں پڑھتے ہیں کہ امیر سید المرسلین ہیں اور رعایا میں عبداللہ بن ابی بن ابی سلول جیسا رئیس المنافقین ہے...... یا اس کے برعکس امیر فرعون جیسا بے ایمان ہے اور ماتحت مومن آل فرعون جیسا صاحبِ ایمان ہے۔
امیر عزیز مصر ہے جو کافر ہے اور ماتحت جناب یوسفؑ ہیں جو نبی ہیں۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

یاد رہے کہ ہم اس ایراد کا وہاں جواب پیش کر چکے ہیں۔ جہاں سیالوی صاحب نے نہج البلاغہ کے اقتباسات اور خطبات سے استدلال کیا تھا۔ فراجع

افادۂ عام:

جس طرح ساون کے اندھے کو ہر چیز سبز نظر آتی ہے بالکل اسی طرح اشرف سیالوی بھی اصحابِ ثلاثہ کی اندھی عقیدت و محبّت میں اس طرح اندھے ہوئے ہیں کہ انھیں قرآن کی آیات اور نہج البلاغہ کے خطبات اور کتابوں کی روایات میں ہر جگہ اصحابِ ثلاثہ کی مدح ہی مدح نظر آتی ہے۔ حالانکہ عند التحقیق ان آیاتِ مبارکہ اور خطباتِ عالیہ اور روایاتِ متعالیہ کا ان اصحاب سے کوئی ربط و ارتباط ہی نہیں ہوتا۔

......جیسا کہ جناب سیالوی نے تحفۂ حسینیہ کے کئی صفحات اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیے اور نہج البالغہ کے مختلف خطبات سے مختلف اقتباسات پیش کر کے ہر جگہ یہی راگ الاپا ہے کہ: "ان کلمات صداقت نشان سے خلفاء راشدین اور مہاجرین و انصار کی عمومی اور خصوصی مدح سرائی ظاہر ہے"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۱)

سچ ہے: ؎

آنکھوں والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

① رسالہ مذہب شیعہ:

حضرت ابوبکر صدیق کی شانِ اقدس اور امام حسن عسکریؑ کا بیان۔ چونکہ اہل تشیّع ائمہ طاہرینؑ کی اس قسم کی تصریحات کا ہمیشہ سرے سے انکار کرنے کے عادی ہیں اور جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ ائمہ طاہرینؑ سے یہ روایت ثابت نہیں ہے...... کتاب بھی امام صاحب کی اپنی تفسیر حسن عسکریؑ مطبوعہ ایران صفحہ ۱۶۴، ۱۶۵:

هذا روضة رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم هل اصحابه امته حین صبارا الی انصار ان الله ادخلی الیه یا محمد ان العلی الاعلی یقرئك السلام و یقول لك ان ابا جهل و الملأ من قریش برزوا علیك یریدون قتلك و اهلك ان تبیت علیا و امرك ان نستعصب ابابکر، فانه ان آنسك و اسعدك ﷺ

بہر صورت اہل تشیّع کی معتبر ترین کتب بھی خلفاء راشدین کے فضائل و علوم مرتبت کو اپنے اوراق میں جگہ دینے پر مجبور نظر آتی ہیں...... (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۷۰ تا ۷۲)

(۲) تنزیہ الامامیہ:

اس طویل روایت میں دو جملے ایسے ہیں جن سے بظاہر مؤلف کی مطلب براری ہوتی ہے۔ لیکن اگر تھوڑا سا بھی غور و فکر کیا جائے تو ان سے ان کے دعویٰ پر...... ضرب کاری لگتی ہے۔

جملۂ اُولیٰ:

وامرك ان تستصحب ابابكر فانه ان آنسك و سعدك و آزرك و ثبت علی ما یتعهد و بما یعاقدك كان فی الجنة من رفقائك و فی غرفاتها من خلصائك۔

ترجمۂ پیر صاحب:

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ (ہجرت میں) ابوبکر صدیق کو اپنا ساتھی مقرر فرمائیں۔ کیونکہ اگر وہ حضورؐ کی رفاقت اختیار کرلیں اور حضورؐ کے عہد و پیمان پر پختہ کار ہو کر ساتھ دیں تو آپ کے رفقاء جنت میں سے ہوں گے اور جنت کی نعمتوں میں (کذا) آپ کے مخلصین سے ہوں گے؟ ارباب عقل انصاف فرمائیں۔ اس مشروطی کلام میں پیر صاحب کے چہیتے خلیفہ کی کون سی مدح وثناء کی گئی ہے؟ بلکہ اس سے تو سراسر خلیفہ صاحب کی قدح ظاہر ہوتی ہے اور ان کے ایمان و ایقان، ان کی نصرت و اعانت اور عہد و پیمان پر بقاوثبات کو بالکل مشکوک و مشتبہ کر دیا گیا ہے۔ اگر بلا کسی شرط وقید کے اس میں جنت کے اندر ابوبکر کے رفیق رسولؐ ہونے کا تذکرہ ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ مگر جملہ شرطیہ اور اگر مگر کی تکرار۔ اگر وہ حضور کی رفاقت اختیار فرمائیں۔ اگر حضور کے عہد پر پختہ کار ہو کر ساتھ دیں...... نے تو تمام گھروندا ہی گرا دیا ہے۔ کما لا یخفی۔ اس میں کیا شک ہے کہ جس شخص میں مذکورہ اوصاف جلیلہ پائے جائیں۔ وہ یقیناً اہل جنت میں سے ہے۔ مگر اس روایت میں ان صفاتِ جمیلہ کے ابوبکر صاحب کے اندر پائے جانے کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ بطورِ جملۂ شرطیہ مذکور ہے کہ اگر وہ یہ کام سرانجام دیں تو جنت میں آپ کے رفیق ہوں گے۔ لیکن بموجب "اذا فات الشرط فات المشروط" جناب ابوبکر میں ان صفات کا نہ پایا جانا اہل علم و انصاف کے لیے اظہر من الشّمس حقیقت ہے۔ کیونکہ اگر ان میں یہ شرائط پائے جاتے تو پھر یہ اگر مگر کی تکرار نہ ہوتی۔ بلکہ صاف اور صریح الفاظ میں ان کو ان کے جنتی ہونے کا مژدہ جانفزا سنایا جاتا۔ مگر جب ایسا نہیں کیا گیا تو اس سے ان کے جنتی ہونے کا مفروضہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

جملۂ ثانیہ:

ان اطلع الله علی قلبك و وجدہ موافقا لما جریٰ علی لسانك جعلك منی بمنزلة الرأس و البصر و الرأس من الجسد و بمنزله الروح من البدن کعلی الذی ھو منی کذلك

اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر خداوند عالم تیری دلی کیفیت پر مطلع ہوا اور اسے تیرے زبانی اظہار (عقیدت) کے موافق پایا تو تجھے بمنزلہ میرے کان، آنکھ، سر اور روح کے قرار دے گا۔ جس طرح حضرت علیؑ کو مجھ سے یہی منزلت حاصل ہے۔

اس جملہ میں بھی مثل سابق حرفِ شرط (ان) موجود ہے۔ جس سے خلیفہ صاحب کی وفاداری اور اظہار ارادت و عقیدت مُشتبہ و مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کلام کا یہ ترجمہ کرنا کہ "یقیناً اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہے۔ اور جو کچھ تو نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو تیرے دلی کیفیت اور وجدان کے مطابق پایا ہے"۔ مترجم کی جہالت یا تجاہل کی کُھلّم کُھلّا دلیل ہے۔ ورنہ "اِنَّ" حرفِ تحقیق اور "اِنْ" حرفِ شرط میں جو نمایاں فرق ہے، وہ عربی کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں۔ اور ان کے مواردِ استعمال میں جو اختلاف ہے۔ وہ عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔ عربی گرائمر (صرف و نحو) کا کوئی ایسا طالب علم ہے جو یہ نہیں جانتا کہ اِنَّ (حرفِ تحقیق) افعال پر داخل نہیں ہوتا، بلکہ صرف اسماء پر داخل ہوتا ہے۔ بایں ہمہ شیعیانِ حیدر کرار کو طعنے دیے جا رہے ہیں کہ انھوں نے روایت میں تحریف کی ہے؟

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

تحقیقِ مزید:

علاوہ بریں ارباب تحقیق پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ تفسیر منسوب بامام حسن عسکریؑ کی نسبت کی صحت میں ہمارے علماء کرام کے درمیان ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ محقّقین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا جب تک اس کتاب کے مندرجات کی دوسری روایات معتمدہ سے تائید نہ ہو جائے اس وقت تک وہ قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ مزید تحقیق کے شائقین تفسیر آلاء الرحمٰن علامہ بلاغی نجفی کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۳) اس پر سیالوی صاحب کی تنقید اور ہمارا تمہیدی بیان:

ادباء اور عقلاء کا مقولہ ہے کہ "خیر الکلام ما قلّ و دلّ" کہ بہترین کلام وہ ہوتا ہے کہ جو باوجود مُختصر ہونے کے مُفید ہو۔ مگر اشرف سیالوی نے یاوہ گوئی اور کلام کو طول لا طائل دینے پر شاید

"پی-ایچ ڈی" کی ڈگری حاصل کر رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیر آف سیال شریف کا رسالہ ایک سو بیس ۱۲۰ صفحات پر مشتمل تھا...... اور ہمارا جوابی رسالہ تنزیہ الامامیہ کل ایک سو اسی ۱۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مگر اس یاوہ گو اور سفلہ فطرت آدمی نے پورے چودہ سو سولہ صفحات پر مشتمل تحفۂ حسینیہ نامی کتاب نامستطاب کی تین جلدیں لکھ ماریں اور پھر بے حیائی اور ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ اپنی اس یاوہ گوئی، بکواس بازی اور تشنیع طرازی پر ہر جگہ اتراتے بھی پھرتے ہیں کہ ان کی ان خرافات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ اس دورِ پُر فتن ومحن میں کسی باکار آدمی کے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ اُکتا دینے والی طویل وعریض اور پُر از تکرار کتاب کا مطالعہ کرے اور پھر ان خرافات کا جواب سپردِ قلم وقرطاس کرے۔ مگر ہم نے حالات کی سنگینی اور ستم ظریفی بالخصوص سیالوی کی بے جا تعلّیوں کو سامنے رکھ کر اس یاوہ گوئی کی جوابدہی کا بیڑا اٹھایا ہے۔ تاکہ یہ کم ظرف یہ ڈھنڈورا نہ پیٹے کہ اس کی خرافات لاجواب ہیں۔ ورنہ خدا لگی بات تو یہ ہے کہ ہماری "تنزیہ الامامیہ" اب بھی لاجواب ہے۔ بہر حال اب جبکہ ہم نے بامر مجبوری جواب دہی کا بیڑا اٹھایا ہے تو ہماری جوابی کتاب مُستطاب صرف چار پانچ سو صفحات پر مشتمل ہوگی۔ اور اس میں ان کی چودہ سو سولہ صفحات پر مشتمل ہفوات کا مکمل جواب باصواب آجائے گا۔ اور پنجابی زبان کی وہ ضرب المثل صادق آئے گی کہ "سنار کی ٹھک ٹھک اور لوہار کی ایک ہی سٹ" ان شاء اللہ...... جس طرح سیالوی نے بدزبانی، بدکلامی، کج گوئی اور یاوہ گوئی سے کام لیا ہے ہماری خاندانی شرافت، ذاتی نجابت اور مذہبی نزاکت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ ورنہ اینٹ کا جواب اس طرح پتھر سے دیا جاتا کہ سیالوی کی نسلیں یاد رکھتیں۔ مگر ہم ارشادِ خداوندی: وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين، خاموشی اور پردہ پوشی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ارشادِ قدرت ہے کہ:

"اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً"۔

پہلا سوال: یہ جملہ شرطیہ اور مشروطیہ کلام میں حضرت ابوبکر کے لیے کوئی وجہ فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی۔ جواب طلب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ میں آپ کی خوبیاں مشکوک کیوں کر ہوئیں۔

① کیا اللہ تعالی نے جو انہیں ساتھ رکھنے اور رفیق سفر بنانے کا حکم دیا وہ بھی مشروط تھا......اور جب وہ حکم مشروط نہیں تھا تو واضح ہو گیا کہ اللہ تعالی کے نزدیک آپ میں شرائط موجود اور متحقق تھے......

② بیوی بچیوں اور بچوں کو اہل مکہ کے پاس چھوڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے والا ابوبکر دیکھ رہا تھا کہ میری اولاد اور عزت کے لیے کیا کیا خطرات ہیں۔ اور خود میرے لیے کیا کیا خطرات ہیں۔

③ صاحب ناسخ التواریخ اور کاشانی نے منہج الصادقین میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ ابوبکر کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے اکٹھے نکلے......

④ دوسرا جملہ علامہ ڈھکو صاحب کو دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ابوبکر صدیق کے مخلصانہ اور نیازمندانہ جواب میں سرور عالم نے فرمایا: ان اطلع اللہ علی قلبك ۔ اگر اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہوا۔ اور تیرے زبانی اظہار عقیدت کو دل کے مطابق پایا تو تیرا میرے ساتھ وہ تعلق قائم کردے گا جو کان اور آنکھ اور روح کو میرے بدن کے ساتھ ہے......ڈھکو صاحب کو سوچنا چاہیے تھا کہ "ان" شرطیہ کا یہاں کونسا موقع اور محل ہے۔ کیونکہ لاجرم کے بعد قطعی حکم بیان کیا جاتا ہے۔ نہ کہ مشروط و مشکوک......"لا جرم انهم فی الآخرہ هم الاخسرون"......اس لیے یہاں یہ "اِنْ" شرطیہ نہیں ہے۔ بلکہ اَنْ ہے۔ جو دراصل اَنّ تھا......(تحفہ حسینیہ ج ۲ ص ۱۴۸)

④ اس پر ہمارا تبصرہ:

نالۂ بلبل شیدا تو ہنس ہنس کے سنا

اب جگر تھام کے بیٹھو کہ ہماری باری آئی

اس سلسلہ میں سب سے پہلے بنیادی اور اصولی بات جو ہم کہنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس سے اس استدلال کی پوری عمارت ہی منہدم ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ تفسیر منسوب با امام حسن عسکری علیہ السلام کی نسبت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف قطعاً بے بنیاد ہے۔ جس کے لیے میں سیالوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو تفسیر کم نظیر الآء الرحمٰن فی تفسیر القرآن از علامہ محقق جناب شیخ جواد بلاغی نجفی اعلی اللہ مقامہ اور آیۃ اللہ سید ابوالقاسم الخوئی قدس سرہ کی معجم رجال الحدیث کے مطالعہ کی زحمت دوں گا کہ وہ ان کتابوں کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ انھوں نے یہاں کس قدر مضبوط اور ناقابل رد دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ اس کتاب کی نسبت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ کتاب نہ امام علیہ السلام نے خود لکھی ہے اور نہ ہی لکھوائی ہے اور نہ ہی ایسا ہے کہ امامؑ کے کسی قابل اعتماد صحابی نے لکھی ہو، اور امامؑ نے اس کی تصدیق و تائید فرمائی ہو......یار لوگوں نے پیسے کمانے کی خاطر اس کتاب کے تراجم بھی کر ڈالے اور اصل کتاب کو چھاپ کر بھی دولت کمائی۔ مگر اس کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے......اس طرح اس کتاب کی پیش کردہ جس عبارت پر ابوبکر صاحب کی فضیلت کی عمارت تعمیر کی گئی تھی وہ اصل بنیاد کے گر جانے سے ساری عمارت ہی دھڑام سے زمین بوس ہو گئی۔ بنابریں۔ ع

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

لہٰذا پیر آف سیال شریف اور اشرف سیالوی صاحب کا استدلال پادر ہوا ہوگیا......

الحمد للہ علی وضوح الحق

(نوٹ: ہم نے اپنی کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" میں بھی جو کہ ۱۹۶۵ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی اس تفسیر پر یہی تبصرہ کیا تھا۔)

علاوہ بریں خود اس عبارت کے اندر بھی کوئی فضیلت نہیں ہے جسے پیر صاحب نے پیش کیا ہے ابوبکر صاحب کو ہمراہ لے جانے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اگر ان کو چھوڑ جاتے اور وہ کفار کے ہتھے چڑھ جاتے تو کیا معلوم کہ وہ کیا کیا گل کھلاتے لہٰذا مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو ہمراہ لے جائیں تا کہ ہر قسم کے فتنہ وفساد کا سد باب ہو جائے۔ لہٰذا یہ سب افسانے ہیں کہ ابوبکر کے گھر گئے اور اُن کو ہمراہ لے کر ہجرت فرمائی اور غار ثور میں تین دن تک ابوبکر کے گھر سے خور د ونوش کا اہتمام ہوتا رہا۔ بلکہ آپ تنہا اپنے گھر سے روانہ ہوئے تھے اور جب ابوبکر کو کسی طرح آپ کی ہجرت کا پتا چلا تو آپ پیچھے سے پہنچے اور جب آنحضرتؐ نے ان کے پاؤں کی آہٹ محسوس کی تو خیال فرمایا کہ کوئی کافر آپہنچا ہے۔ لہٰذا آپ تیز تیز چلے جس سے آپؐ کے پاؤں کا انگوٹھا زخمی ہوگیا۔ تب ابوبکر صاحب کھانسے اور آنحضرتؐ رُکے اور اُن کو ہمراہ لے لیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۴، ۲۴۵ در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۴۰)

چونکہ ہمراہ لے جانے میں فی حد ذاتہ کوئی فضیلت نہ تھی اس لیے اسے تو بلا شرط رکھا...... ہاں اگر کوئی فضیلت تھی تو دو چیزوں میں تھی۔ ایک ان کو جنت میں حضرت رسول خداؐ کا رفیق بنانے میں اور دوسرا ان کو آنحضرتؐ سے بمنزلہ آنکھ، کان اور روح ہونے میں۔ اور آنحضرتؐ نے ان دونوں مقامات پر حرف شرط (اِن) لگا کر ان دونوں کو مشکوک بنا دیا۔

اِن آنسك واسعدك وآزرك وثبت علی ما یتعهد ویعاقدك كان فی الجنة من رفقائك

یعنی اگر وہ آپ کو مانوس رکھیں، آپ کی کمک کریں۔ پشت پناہی اور زبانی کیے ہوئے عہد و پیمان پر ثابت قدم رہیں تو پھر وہ جنت میں آپ کے رفیق ہوں گے۔ ان شرائط نے جنت میں ان کی رفاقت کو مشکوک بنا دیا۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ وہ ان شرائط پر عمل نہیں کر سکے۔ لہٰذا بموجب "اذا فات الشرط فات المشروط" جب شرط گئی تو مشروط بھی رُخصت ہوگیا۔

دوسری شرط: جب جناب ابوبکر نے زبانی کلامی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ وفاداری، اطاعت شعاری اور جان و مال اور اولاد کے ساتھ فداکاری کا عہد و پیمان باندھا۔ تو آنحضرتؐ

نے فرمایا:

لا جرم ان اطلع اللہ علی قلبك و وجدہ موافقا لما جری علی لسانك جعلك منی بمنزلة السمع و البصر و الرأس من الجسد لخ

یعنی یہ یقینی بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تیرے دل ودماغ پر مطلع ہوا اور اسے تیرے زبانی دعویٰ کے موافق پایا۔ تو وہ تجھے مجھ سے وہی نسبت دے گا۔ جو آنکھ اور سر کو بدن کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہاں پھر حکیم الامۃ رسولؐ خدا نے ساری فضیلت کو شرط لگا کر مشکوک بنا دیا اور فضیلت ابوبکری کو خاک میں ملا دیا۔ سچ ہے:

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از راہبرِ کامل
کہ خضرؑ از آبِ حیوان تشنہ می آید سکندر را

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اشرف سیالوی نے نحونگاری کرتے ہوئے نحو میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے...... کہ "لا جرم" کے بعد قطعی حکم بیان کیا جاتا ہے نہ کہ مشروط اور مشکوک...... اس لیے یہ اِنْ شرطیہ نہیں ہے بلکہ اَنْ ہے۔ جو دراصل اَنَّ تھا اور بعد میں ضمیر شان منصوب مُتصل تھی تخفیفاً اس کو حذف کر دیا گیا۔ اور اَنَّ کو اَنْ پڑھا گیا (تحفہ حسینیہ) یہ درست ہے کہ "لا جرم" تحقیقی معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر یہ غلط ہے کہ اس کے بعد مشروط و مشکوک حکم نہیں آسکتا۔ لہٰذا اس تفسیر کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ تحقیقی بات ہے کہ اگر خداوند عالم تیری قلبی کیفیت پر مطلع ہوا اور اسے تیرے زبانی اظہار (حقیقت) کے موافق پایا تو تجھے بمنزلہ میرے، کان، آنکھ، سر اور روح کے قرار دے گا۔ پس معلوم ہو گیا کہ یہ اَنْ مُخففہ از مُثقلہ نہیں ہے۔ بلکہ اِنْ شرطیہ ہی ہے۔ اس طرح دو مقامات پر عبارت میں توافق پیدا ہو جائے گا۔ اور دونوں فضیلتیں مشکوک ہو جائیں گی۔

ہر شخص دوسرے کو اپنے آئینہ میں دیکھتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ "المرء یقیس علی نفسہ" کہ ہر شخص دوسرے آدمی کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے اور اسے اپنے آئینے میں دیکھتا ہے اور چونکہ اشرف سیالوی ہوں یا ان کے پیرو مرشد وہ حقیقی خائن و کاذب ہیں۔ جیسا کہ ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں ان کی مُتعدد خیانت کاریوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ لہٰذا ان کو ہر شریف ونجیب آدمی خائن نظر آتا ہے۔ تفسیر کی جو عبارت کتاب میں چھپی ہوئی موجود ہے۔ ہم نے اسے نہ گھٹایا ہے اور نہ بڑھایا ہے۔ لہٰذا ہم پر خیانت کا الزام لگانے والوں کی یہ خود خیانت کاری اور نا تجربہ کاری ہے۔

بہر حال آنحضرت کا غار میں تین دن تک قیام رہا اور طعام کا انتظام حضرت علی علیہ السلام نے کیا اور بالآخر سواری اور رہنمائی کا اہتمام بھی جناب امیر علیہ السلام نے ہی کیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ اطبع مصر) اور ابوبکر صاحب نے سفر میں حق رفاقت یوں ادا کیا کہ بے محل رو رو کر آنحضور کو پریشان کیا۔ (القرآن)

بس کن حدیث غار کہ عار است نزد عقل
آن حزن و بے قرارئ شیخ معمرم

① رسالہ مذہب شیعہ:

بعد ازاں مؤلف محترم نے فروع کافی کی ایک روایت کے بعض فقروں کو توڑ مروڑ کر اصحاب ثلاثہ کی مدح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

"اب ہم اہل نظر و فکر کی خدمت میں فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۴ کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت سلمان فارسی کے فرق مرتبت کے متعلق وارد ہے۔

لم من قد علمتم بعده فی فضله و زهده سلمان و ابوذر رضی الله عنهما الخ

یعنی پھر وہ شخص جس کے متعلق تمہیں علم ہے کہ ابوبکر صدیق کے بعد جن کا مرتبہ فضل و زہد میں ہے۔ تو وہ سلمان فارسی اور ابوذر ہیں۔ رضی اللہ عنہما...... الخ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۹۴)

② تنزیہ الامامیہ: الجواب واللہ الموفق للسداد:

پیر صاحب سیالوی نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق اس روایت میں بھی بہت کچھ قطع و برید سے کام لیا ہے۔

اگر وہ اس کے سیاق و سباق اور داخلی اور خارجی قرائن و شواہد کو مدنظر رکھتے اور شرم و حیا کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیتے تو اس روایت کیساتھ ہرگز استدلال نہ کرتے۔ مگر وہ بھی مجبور ہیں اگر ایسے ہتھکنڈے استعمال نہ کریں تو اپنے پادر ہوا مذہب کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا کس طرح دیں؟

فرقہ صوفیہ کی ایجاد کا سہرا بنی امیہ کے سر پر ہے

اس روایت کا پس منظر یہ ہے کہ سلاطین بنی امیہ نے خاندانِ نبوت سے مادی اقتدار چھیننے کے بعد ان سے ان کے روحانی اقتدار کے سلب کرنے کے لیے یہ شاطرانہ چال چلی کہ اُن کے مقابلے میں "صوفیہ" کے نام سے ایک جماعت کی تشکیل کی جس کا طرۂ امتیاز صوف کا لباس پہننا اور

ترک لذائذ کرنا تھا۔ پھر لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول کرنے کی خاطر اُن کے کشف و کرامات کا دل کھول کر ڈھنڈورا پٹوایا۔ یہ لوگوں کو ترکِ لذائذ کا وعظ کرتے اور باطن۔

چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

کا مظاہرہ کرتے۔ پہلے تو ان لوگوں کی سرگرمیاں صرف عامۃ الناس تک محدود رہیں مگر حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کا دائرہ کار نہ صرف دوسرے خواص تک پھیل گیا۔ بلکہ ائمہ اہل بیتؑ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور ان کی مجالس و محافل میں شامل ہو کر کھلے بندوں ان ہادیانِ خلائق و مُعلمانِ اخلاق کی روش و رفتار سیرت و کردار اور طرزِ بود و ماند پر بے جا اعتراضات کے چھینٹے ڈالنے لگے۔ لیکن بموجب "چاہ کُن را چاہ در پیش" دوسروں کو رسوا کرنے کے منصوبے بنانے والے ہمیشہ خود رسوا ہوئے۔ اور ائمہ اطہارؑ نے حلی والزامی جوابات شافیہ دے کر ان کے ناطقے بند کر دیے۔ سچ ہے: ؎

چراغ را کہ ایزد برفروزد
اگر کس پف کند ریشش بسوزد

اس قسم کے مُتعدد و متنوع واقعات ہیں سے ایک واقعہ وہ ہے جس کا تذکرہ فروع کافی کی اس روایت میں موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس جماعت کے بعض ارکان حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب کہ امام عالی مقامؑ لباس فاخرہ زیب تن کیے ہوئے تھے۔ سفیان ثوری نے امامؑ کے لباس پر زبان اعتراض دراز کی۔ امام علیہ السلام نے شافی جواب دے کر اس کی زبان بندی کر دی۔ سفیان تو خاموش ہو گیا مگر اس کے بعض ساتھی مُطمئن نہ ہوئے اور یہ کہہ کر کہ سفیان اچھی طرح اظہار مافی الضمیر نہیں کر سکا۔ خود اپنا مدعا بیان کرنے کی امام علیہ السلام سے اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر انھوں نے مختلف دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انسان کے پاس جو کچھ مال و منال ہو۔ وہ سب کچھ راہ خدا میں خرچ کر دینا چاہیے۔ امام علیہ السلام نے اصول مناظرہ کے مطابق مُسلماتِ خصم پیش کر کے ان پر اُن کے موقف کی غلطی واضح کرتے ہوئے فرمایا:

تمھارے نزدیک رسولؐ خدا کے بعد سب سے بڑا عابد و زاہد ابوبکر ہے۔ اُن کے بعد تم حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ کو سب سے بڑا زاہد سمجھتے ہو۔ مگر ان کی حالت بھی یہ تھی کہ ابوبکر نے وفات کے وقت اپنے مال کے صرف پانچویں حصّے کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی وصیّت کی تھی۔ اور جناب سلمانؓ و ابوذرؓ بھی سال بھر کا خرچ و خوراک رکھ لینے کے بعد باقی ماندہ روپیہ راہِ خدا میں خرچ کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ جب تم ان حضرات پر اعتراض نہیں کرتے تو ہمیں ہم پر زبان اعتراض دراز کرنے

کا کیا حق ہے؟ یہ ایسا مسکتِ خصم اور دندان شکن جواب تھا کہ مُعترضین لاجواب ہو کر اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ امام علیہ السلام نے مُعترض کو خاموش کرنے کے لیے اس کے عقیدہ کے مطابق کلام کیا ہے۔ اپنا عندیہ ظاہر نہیں فرمایا۔ جس کی تائید مزید جملہ "ثم من قد علمتم بعدہ" سے بھی ہوتی ہے کہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبر کے بعد سب سے بڑا زاہد ابوبکر اور اس کے بعد سلمانؓ و ابوذرؓ ہیں یہی وجہ تھی کہ مخالفین کو خاموشی کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اس وقت گویا امام علیہ السلام زبان حال سے اعلان فرما رہے تھے۔

میری رسوائی جو چاہی آپ رسوا ہو گئے

جوابِ دیگر:

مذکورہ بالا جواب اس بات پر مبنی ہے کہ اس روایت کو معتبر تسلیم کیا جائے اور اگر اس کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے۔ جس کی عقلائی وجہ بھی موجود ہے کیونکہ اس کے راوی سنی ہیں۔ چنانچہ اس کا پہلا راوی ہارون بن مسلم ہے۔ جو جبری العقیدہ تھا۔ (ملاحظہ ہو رجال نجاشی ص ۳۰۷ و نقد الرجال ص ۳۹۹) بنابریں اس کی جواب دہی کا فریضہ ہم پر عائد ہی نہیں ہوتا بلکہ ہمارے لیے صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ:

فقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ هباءً منثوراً

(۴) اس پر جناب اشرف سیالوی کی معاندانہ تنقید:

علامہ ڈھکو صاحب نے بلا وجہ صوفیاء کرام کو بنوامیہ کا تیار کردہ گروہ قرار دے دیا اور انھیں اہل بیتؑ کے روحانی اقتدار کے لیے خطرہ قرار دے دیا۔ گروہ صوفیا بنوامیہ کا نہیں حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کا تیار کردہ ہے۔ اور آپ کے علوم باطنیہ اور اسرار کا امین ہے......

اور قاضی نور اللہ شوستری نے تمام اکابر صوفیاء کرام کو اپنی جماعت یعنی اثنا عشری شیعہ میں داخل کرنے کی مقدور بھر سعی نا مشکور فرمائی ہے...... اور حضرت علیؑ سے فیض پانے والوں میں حضرت حسن بصری کو بھی شمار کیا ہے...... اور نقشبندیہ سلسلہ کے علاوہ سب کے منبع فیوض اور سرچشمہ کمالات حضرت علیؑ کو تسلیم کیا ہے...... رہا روحانی اقتدار کے چھیننے کا معاملہ تو یہ چھیننے سے نہ چھینا جا سکتا ہے اور نہ اس پر کوئی قابض ہو سکتا ہے...... ان حضرات کا سوال امام ابوعبداللہ سے یہ تھا کہ جو لباس آپ کا ہے اس طرح کا لباس آپ کے آباء واجداد بالخصوص حضرت علیؑ نے استعمال نہیں فرمایا، اور امام وقت کو ائمہ

سابقین کی روش پر رہنا چاہیے......یہ ایک خالص علمی سوال تھا......اس پر امام کو تحقیقی جواب عطا فرمانا چاہیے تھا......نہ کہ محض ٹالنے اور چپ کرانے تک محدود رہنا چاہیے تھا......نہ ہی ثم من قد علمتم بعدہ فی فضلہ و زھدہ کا جملہ الزامی جواب ہونے کی تائید کرتا ہے۔ بلکہ حقیقت اور واقعیت کے مطابق اعتقادِ جازم پر دلالت کرتا ہے......(تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۸، ۲۵۶) ہے۔

④ اس پر ہمارا نقد و تبصرہ:

ہم نے بلا وجہ صوفیاء کرام کو بنی امیہ کا تیار کردہ گروہ قرار نہیں دیا بلکہ ہمارے بڑے بڑے اکابر علماء کی یہی تحقیق ہے۔ ملاحظہ ہو جناب مقدس اردبیلی کی کتاب حدیقۃ الشیعہ اور شیخ حر عاملی صاحب وسائل کی اثنا عشریہ اور محدث جزائری کی انوارِ نعمانیہ وغیرہ وغیرہ اور یہی بات ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ارشادات سے ثابت ہے۔ جیسے حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"الصوفیۃ کلھم من اعدائنا و طریقتھم مبالیۃ طریقتنا"۔ (حدیقۃ الشیعہ و بحار الانوار)

سب کے سب صوفی ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ و نظریہ ہمارے طریقہ کے مباین و منافی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ روحانی اقتدار پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا......مگر کوئی نا اہل اور جاہل یہ سعی نا فرجام کر تو سکتا ہے۔ جیسے توحید و رسالت اور امامت پر کوئی قابض ابد الآباد تک قبضہ نہیں کر سکتا۔ مگر فرعون و نمرود وغیرہ نے توحید پر اور مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ نے رسالت پر اور تمہارے چہیتے خلفاء نے حضرت علیؑ کی امامت و خلافت پر اور معاویہ نے امام حسنؑ کی خلافت پر ناحق اور ناجائز قبضہ کرنے کی کوشش تو کی تھی۔ علاوہ بریں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر کسی ہستی کے روحانی اقتدار پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ نہ نبی کی نبوت پر اور نہ کسی وصی کی وصایت پر تو پھر سیالوی صاحب نے چند صفحے پہلے کیوں لکھا تھا کہ صلح امام حسن علیہ السلام کے بعد معاویہ امیر المؤمنین بن گیا تھا؟ ان ھذا الا اختلاق!!

اور اگر جناب قاضی نور اللہ شوستری مرحوم نے تمام اکابر صوفیہ کو شیعہ بنانے کی کوشش کی ہے جسے آپ نے بھی "سعی نا مشکور" قرار دیا ہے۔ تو ہم بھی اسے سعی مشکور قرار نہیں دے سکتے۔ ھو اعلم بما قال و بما فعل۔ لہٰذا صوفیہ کو حضرت علیؑ کا "تیار کردہ گروہ" قرار دینا اور پھر حضرت علیؑ سے فیض پانے والوں میں حسن بصری کو شمار کرنا اور سفیان ثوری وغیرہ کو محبانِ اہل بیتؑ قرار دینا، جیسا کہ سیالوی صاحب نے سعی نا فرجام کی ہے۔ حقیقت حال کے بالکل خلاف ہے اور بہتان عظیم ہے۔ و انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون۔

حضرت علیؑ حسن بصری کو کیا اور کیسا سمجھتے تھے؟ اس کے لیے جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کی

کتاب عین الحیوۃ میں حضرت علیؑ اور حسن بصری کا باہمی مکالمہ پڑھیں......اور سفیان ثوری وغیرہ کس طرح محبانِ اہل بیتؑ تھے؟ یہ معلوم کرنے کے لیے ائمہ اہل بیتؑ کے ساتھ ان کی روش ورفتار کا جائزہ لیں۔ جس کا ایک نمونہ خود اسی واقعہ میں موجود ہے۔ جو اس وقت محل گفتگو ہے۔ بھلا کوئی عقیدت مند ماموم اپنے امام پر اور کوئی مخلص مرید اپنے پیر پر اس طرح کے گستاخانہ اور بے رحمانہ ایرادات کرسکتا ہے؟ اور کیا خالص علمی سوال کا انداز بیان یہی ہوتا ہے؟

بہرحال اشرف سیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ امام ابوعبداللہ کو تحقیقی جواب عطا فرمانا چاہیے تھا۔ امام علیہ السلام نے ایسا ہی تحقیقی اور منقح جواب عطا فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ کا دور تنگی اور عسرت کا دور تھا، اور اب دنیا نے مال و دولت کے دہانے کھول رکھے ہیں۔ اس لیے وہ (ہمارے آباء واجداد) سادہ لباس زیب بدن فرماتے تھے۔ اور ہم عمدہ لباس پہنتے ہیں۔ (رجال کشی) اور امام علیہ السلام کے اس جواب باصواب سے سفیان ثوری خاموش ہوگیا۔ مگر اس کے بعض ساتھیوں نے دوسرا سوال کر دیا۔ جن کا کام ہی ائمہ اہل بیتؑ پر اعتراض کرنا تھا کہ ایک مسلمان کو اپنا سارا مال اور اثاثۃ البیت راہِ خدا میں خرچ کر دینا چاہیے؟

اس سوال پر امام علیہ السلام نے اصول مناظرہ کے مطابق مسلماتِ خصم پیش کر کے ان پر ان کے نظریہ کی غلطی واضح فرمائی۔ جس کے بعد ان کو خاموشی میں ہی اپنی سلامتی نظر آئی۔ اور فرمایا تمہارے علم و دانش کے مطابق حضرت رسولؐ خدا کے بعد سب سے بڑا عابد و زاہد ابوبکر ہے اور اس کے بعد تم سلمانؓ اور ابوذرؓ کو سب سے بڑا عابد و زاہد سمجھتے ہو مگر ان کی حالت یہ تھی کہ ابوبکر نے وفات کے وقت اپنے مال کے صرف پانچویں حصےّ کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی وصیت کی۔ اور جناب سلمانؓ و ابوذرؓ بھی سال بھر کا خرچ و خوراک رکھ لینے کے بعد باقی ماندہ مال راہِ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ اب اہل عقل و انصاف سے گزارش کی جاتی ہے کہ اس جواب میں امامؑ نے مخاطبین کے عندیہ اور نظریہ کو سامنے رکھ کر گفتگو فرمائی ہے۔ (جسے الزامی جواب کہا جاتا ہے) جس پر امام علیہ السلام کا یہ جملہ ثم من قد علمتم دلالت کرتا ہے یا اپنا عندیہ و نظریہ بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہے۔ اور پھر سلمانؓ و ابوذرؓ ہے۔

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

مگر یاد رہے کہ سخن شناس لوگ ہی گفتگو کی ان باریکیوں کو سمجھ سکتے ہیں اور جن کوڑھ مغزوں کے مقدر میں صرف کج بحثی، ہٹ دھرمی اور میں نہ مانوں کی رٹ لگانا ہی لکھا ہو۔ ان کے کثیف ذہن

کس طرح ان لطافتوں کو سمجھنے کے متحمل ہو سکتے ہیں؟
الغرض ہم اس مقام پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ سیالوی صاحب! ع
سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا ست

دامادیٔ عمر کا افسانہ

① رسالہ مذہب شیعہ:
"خلیفہ ثانی سیدنا امیر المومنین حضرت عمر کو حضرت سیدنا امیر المومنین علیؓ کا رشتہ دینا اور اُن کو شرفِ دامادی بخشنا کوئی کم مرتبہ دلیل نہیں ہے۔ اعتبار کریں ورنہ کتاب فروغ کافی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ کی یہ عبارت امام ابوعبداللہ جعفر الصادقؒ پڑھیں:

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال سئلتہ عن المراۃ المتوفی عنہا زوجہا تعتد فی بیتہا او حیث شائت؟ قال بل حیث شائت ان علیا صلوات اللہ علیہ لما توفی عمراتی ام کلثوم فانطلق بہا الی بیتہ۔

یعنی" حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اپنے گھر (خاوند کے گھر) عدت بیٹھے یا جہاں مناسب خیال کرے وہاں بیٹھے؟ امام عالی مقامؑ نے جواب دیا کہ جہاں چاہے بیٹھے۔ کیونکہ جب عمرؓ فوت ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام اپنی بچی کو ان کے گھر سے اپنے گھر لے گئے؟"۔ (رسالہ مذہب شیعہ ص ۷۵)

② تنزیہ الامامیہ: الجواب بتوفیق ملہم الحق و الصواب:
عقد ام کلثوم کا مسئلہ قدیم الایام سے شیعہ وسنی میں معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے۔ اس موضوع پر سیکڑوں مناظرے ومباحثے ہو چکے ہیں اور بیسیوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ جن میں روایتی ودرایتی، عقلی وسمعی ناقابل انکار دلائل وبراہین کے تیز حربوں سے اس من گھڑت فضیلت عمریہ کی دھجیاں فضائے محیط میں بکھیر دی گئی ہیں۔ اور روزِ روشن کی طرح واضح وآشکار کر دیا گیا ہے کہ اس عقد کی ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اب انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر مخالفین میں کچھ علمی دم خم ہوتا تو ہمارے ان دلائل وبراہین کے جوابات پیش کرتے یا پھر کچھ بھی شرم وحیا کا رمق ہوتا تو تقریر وتحریر میں ہرگز اس مسئلہ کو نہ چھیڑتے۔ مگر افسوس یہ لوگ اپنے مزعومہ خلفاء کی غلط محبت میں کچھ ایسے اندھے اور بہرے ہو گئے

ہیں کہ عدل وانصاف اور شرم وحیاء کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر برابر انہی تقریروں اور تحریروں میں اپنے انہی فرسودہ اور کئی بار کے مردودہ دلائل وشواہد کا اعادہ وتکرار کر کے اپنی علمی بے مائگی اور تہی دامنی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ سچ ہے کہ

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کُن

چونکہ پیر سیالوی نے اپنے اسلاف کی سنت پر چلتے ہوئے یہاں اس مسئلہ کو چھیڑا ہے۔ (حالانکہ اگر ان کے دل ودماغ میں خاندان نبوت کا کچھ بھی احترام ہوتا تو اس بے ہودہ اور شرمناک واقعہ کو نہ چھیڑتے) تو ہم بھی جواب میں اختصار کے ساتھ اس موضوع پر کچھ تبصرہ کرتے ہیں تفصیل کے خواہش مند حضرات کتاب کنز مکتوم، السر المختوم، ابطال الاستدلال وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ الغرض بچند وجہ اس مفروضہ عقد سے عمر کی فضیلت یا علیؑ و عمر کے تعلقات کے خوشگوار ہونے پر استدلال درست نہیں ہے۔

وجہ اول: اس قسم کی جس قدر روایات کتب اہل سنت میں مذکور ہیں وہ یا تو مرسل و مقطوع السند ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں یا اس وجہ سے کہ جن میں سلسلۂ سند مذکور ہے ان کے راوی مشہور کذاب، وضاع اور دشمن اہل بیتؑ یا مجہول الحال ہیں۔ جیسے سفیان زبیر بن بکار، عطا خراسانی، ابن اسحاق اور لیث بن سعد وغیرہم (ملاحظہ ہوں کتب رجال مثل میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب وغیرہ) اس لیے ایسی روایات لائق اعتماد نہیں ہیں۔ اور اس سلسلہ کی جو روایات کتب شیعہ میں مذکور ہیں۔ بتصریح علماء محدثین محققین ان میں کوئی ایک روایت بھی صحیح السند نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو مرآۃ العقول شرح کافی از علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ) اس بیان سے یہ بات واضح وعیاں ہوتی ہے کہ اس قسم کا کوئی عقد واقع نہیں ہوا۔ یہ محض بہی خواہانِ خلیفہ کا طبع زاد افسانہ ہے۔

وجہ دوم: مشکوۃ المصابیح ص ۵۵۷ طبع بمبئی میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر وعمر نے جناب رسول خدا ﷺ سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا رشتہ طلب کیا تو آنحضرتؐ نے یہ فرما کر ان کی درخواست مسترد فرما دی کہ "انہا صغیرۃ" وہ چھوٹی بچی ہے۔ کیا کوئی صاحبِ عقل سلیم ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور کرسکتا ہے کہ اس صغیرۃ السن شہزادی کو نینؑ کی بڑے ہو کر حضرت علیؑ سے شادی ہوئی ہو اور ان کے بطن اقدس سے ایک بچی پیدا ہوئی اور وہ بھی چوتھے نمبر پر اور بڑے ہونے کے بعد ایک قریباً ساٹھ سالہ بوڑھے شخص (عمر) سے شادی ہو جو نسبی رشتے میں ان کا پڑنانا ہوتا ہے؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

وجہ سوم: اہل سنت کی جن کتابوں میں اس عقد کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں یہ بھی مرقوم ہے کہ اس ام کلثوم سے عمر کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام زید رکھا گیا۔ اور یہ کہ ہر دو ماں بیٹے کا عہد معاویہ میں مدینہ کے اندر انتقال ہوا اور امام حسنؑ نے ان پر نماز جنازہ پڑھائی (ملاحظہ ہو استیعاب ابن عبدالبر، اصابہ اور اسد الغابہ وغیرہا) حالانکہ جناب ام کلثوم بنت امیر المومنین کا بعہد یزید اور واقعہ کربلا میں موجود ہونا ایک مُسلمہ تاریخی حقیقت ہے۔ (ملاحظہ ہو نور العین فی مشہد الحسین اسفرائینی۔ تحریر الشہادتین، روضۃ الاحباب، حبیب السیر، روضۃ الشہداء وغیرہا)

وجہ چہارم: تمام شیعی کتب مُعتبرہ اور بعض سنی کتب مُعتمدہ میں مذکور ہے کہ جناب ام کلثوم دختر جناب امیر علیہ السلام کا پہلا عقد نکاح اپنے چچازاد بھائی عون بن جعفر سے ہوا۔ اُدھر جناب عون اور اِدھر جناب زینب عالیہ (زوجہ جناب عبداللہ بن جعفر) کی وفات کے بعد ان کا عقد ثانی جناب عبداللہ مذکور سے ہوا اور انہی کے حبالہ عقد میں انتقال کیا۔ (ملاحظہ ہو الاصابہ فی تمیز الصحابۃ از علامہ ابن حجر عسقلانی جلد ۲ جز ۸ صفحہ ۲۷۵ طبع مصر) مخفی نہ رہے کہ جناب عبداللہ بن جعفر کا انتقال ۸۰ھ میں بعہد عبد الملک بن مروان ہوا (ملاحظہ ہو اصابہ جز ۴ صفحہ ۴۹)

وجہ پنجم: پیغمبر اسلامؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد دوسرے خاندانِ نبوت کو بالعموم اور علیؑ و بتولؑ کو بالخصوص جس طرح ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور اُن پر مصائب و آلام کے جس طرح کوہ ہائے گراں گرائے گئے (جن کا تصور ہی انسان کو لرزہ براندام کرنے کے لیے کافی ہے) حتی کہ انہی مصائب و نوائب کی تاب نہ لا کر خاتونِ قیامت وفات پیغمبر کے پچھتر یا پچانوے دن کے بعد یہ مرثیہ پڑھتی ہوئی:

صُبّت علیّ مصائب لو انّھا

صُبّت علی الایام صِرن لیالیا

انتقال فرما گئیں اور اپنے عظیم شوہر اور نامور بیٹوں اور بیٹیوں کو ہمیشہ کے لیے سوگوار چھوڑ کر اپنے عظیم باپؐ کی بارگاہ میں پہنچ گئیں، یہ بات محتاجِ بیان نہیں ہے، اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ان تمام مظالم و مصائب ڈھانے میں عمر بن الخطاب پیش پیش تھے۔ ان حالات میں وہ شخص جس کے پہلو میں حساس دل، سر میں انصاف پسند دماغ اور جسم میں زندہ ضمیر موجود ہے۔ اس بات کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اپنی اور اپنی مظلومہ و مرحومہ عصمت و جنت مآب بیوی کی لخت جگر کا رشتہ اس عمر بن الخطاب کو دیں؟ لا واللہ ما لکم کیف تحکمون۔ ان ناقابل انکار حقائق اور ناقابل رد دلائل و شواہد کی روشنی میں یہ بات مہر نیمروز کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ اگر جناب عمر بن

الخطاب کی کسی ام کلثوم نامی عورت سے شادی ہوئی ہے۔ تو وہ ام کلثوم یقیناً علیؑ و بتولؑ کی نورِ نظر و لختِ جگر نہ تھیں۔ بلکہ وہ دخترِ ابو بکر (جناب عائشہ کی سوتیلی بہن) تھیں۔ جو اپنی بیوہ ماں اسماء بنت عمیس کے ہمراہ جناب امیر علیہ السلام سے شادی کرنے کے بعد اپنے بھائی محمد بن ابی بکرؓ سمیت جناب امیر علیہ السلام کے بیت الشرف میں آ گئی تھیں۔ اور وہیں نشو و نما پانے کی وجہ سے دستورِ عرب کے مطابق (ربیب کو مجازاً ابن اور ربیبہ کو مجازاً بنت کہتے ہیں) بنت علیؑ کہلائیں۔ اگرچہ حضرت علیؑ اس انمل بے جوڑ ازدواج پر رضا مند نہ تھے۔ مگر بہر حال ہو گیا (ملاحظہ ہو ہدایۃ السعداء از فاضل دولت آبادی و ذخائر العقبیٰ) یہی وہ ام کلثوم تھیں جن کو جناب امیر علیہ السلام وفاتِ عمر کے بعد اپنے گھر لائے تھے۔ (کیونکہ ان کی والدہ جناب امیر علیہ السلام کے گھر میں تھیں) بعض مورخین حقیقت و مجاز میں فرق نہ کرتے ہوئے غلطی سے انھیں جناب امیر علیہ السلام کی صُلبی بیٹی سمجھ بیٹھے۔ جو اصولِ روایت و درایت کے سراسر خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی روایت میں ام کلثوم کے نام کے ساتھ من بطن فاطمۃ مذکور نہیں ہے۔ "اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا"۔ ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ اس بے سروپا قصے پر بنیاد قائم کر کے جناب علیؑ اور عمر کے تعلقات کے خوشگوار اور عمر صاحب کے جنتی ہونے پر استدلال کرنا "بنا الفاسد علی الفاسد" کی بدترین مثال ہے۔ پیر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اخروی فوز و فلاح اور نجات کا دار و مدار ایمان داری اور نیکو کاری پر ہے نہ رشتہ داری پر۔ والحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقۃ

باقی رہی فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ طبع نولکشور والی روایت میں وارد شدہ وہ لفظ (فرج) جس کی بنا پر مؤلف صاحب نعل در آتش نظر آتے ہیں۔ اور اسے شیعوں کی بکواس اور سب و شتم قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ کوئی بدبخت خارجی بھی ایسے کلمات لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۷۶) تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ پیر صاحب اگر اسے بفتح راء پڑھتے تو ان کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا اور اگر ان کو سکون راء کے ساتھ پڑھنے پر ہی اصرار ہے تو ہم ان کی ضیافت طبع کے لیے عرض کریں گے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بطور مفرد اور جمع استعمال ہوا ہے۔ تو آپ جو فتویٰ ہم پر لگا رہے ہیں۔ پہلے خداوند عالم کی ذات پر بھی صادر فرمائیں؟ اے کاش پیر صاحب بیچارے شیعیانِ علیؑ پر غیظ و غضب کا اظہار فرمانے سے پہلے عمر کے ساتھ ام کلثوم کے عقد و ازدواج کی جو تفصیلات استیعاب ابن عبد البر جلد ۲ صفحہ ۷۷۲ طبع حیدر آباد دکن، اصابہ جلد ۲ جزء ۸ صفحہ ۲۷۵ طبع مصر وغیرہ میں مذکور ہیں۔ ان پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیتے اور پھر فیصلہ کرتے کہ ایسے ننگ اسلام بلکہ ننگ انسانیت شرمناک قصص و حکایات کوئی شقی و بدبخت خارجی بھی بزرگانِ اسلام کی

طرف منسوب کرنے کی جرأت و جسارت کرسکتا ہے؟

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسے سنے

"ان فی ذلك لبلاغا لقوم یعقلون"

③ اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

یہ مسئلہ قدیم الایام سے محل نزاع اور معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خوشی و رضامندی سے اس نکاح کا انجام پذیر ہونا شیعہ مذہب کو بیخ و بن سے اکھیڑنے والا ہے...... اس لیے شیعہ حضرات اس میں ہزار تاویل کریں گے...... ان کی عام کتابوں سے لے کر صحاحِ اربعہ تک اس کا اعتراف موجود ہے...... حضرت ابو عبداللہ جعفر صادقؒ سے مروی ہے کہ جناب سیدنا عمر فاروق نے حضرت علی مرتضیٰؑ کے پاس نکاح کا پیغام بھجوایا تو انھوں نے فرمایا ام کلثوم ابھی بچی ہے...... (کذافی الانوار النعمانیہ وکذافی الشافی لعلم الہدیٰ) جب حضرت عمر کا وصال ہو گیا تو حضرت علیؑ تشریف لائے اور ام کلثوم کو اپنے گھر لے گئے...... (فروع کافی)...... حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ جب حضرت ام کلثوم بنت علیؑ اور ان کے صاحبزادے زید بن عمر بن خطاب کا ایک ہی وقت میں انتقال ہو گیا......

نکاح ام کلثوم بنت علیؑ کے متعلق شیعی تاویلات

تاویل اول: "یہ نکاح جبر و اکراہ کے ساتھ ہوا۔ لہٰذا کسی فضیلت اور رفعت مرتبت کا موجب نہیں ہے۔ (انوار نعمانیہ جزائری) ایسا ہی سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی نے شافی اور تلخیص شافی میں افادہ فرمایا ہے۔

تاویل دوم: بامر مجبوری ہوا جس طرح حضرت لوطؑ اپنی مسلمان بیٹیوں کا نکاح کافر قوم سے کر دینے پر تیار تھے...... تو اس واقعہ پر کیا ایراد ہے؟

تاویل سوم: یہ ہے کہ عمر بن الخطاب کے ساتھ اصلی ام کلثوم کا نکاح نہیں ہوا بلکہ ایک جن عورت ان کی شکل میں ڈھل کر عمر بن خطاب کی دلہن بنی (انوار مضیئہ)

شیعی علماء کا اضطراب دیکھ کر آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ اگر یہ ام کلثوم حضرت علی مرتضیٰ کی لخت جگر اور نور نظر نہ ہوتیں تو شیعی علماء پر مصائب و متاعب...... کے پہاڑ نہ ٹوٹتے۔

تنزیہ الامامیہ کے جوابات کے جواب الجواب

جواب اول: علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت عمرؓ کے دامادِ علیؑ پر پیش کردہ روایات کا پہلا جواب یہ دیا ہے کہ اس مضمون کی کوئی روایت صحیح السند نہیں ہے...... علامہ موصوف کو اہل سنت کی کتابوں کا نام لینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ ان کی صحت کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ ڈھکو صاحب کو صرف اپنا دامن صاف کرنا چاہیے تھے۔ لیکن انہوں نے ان روایات کا یہ جواب دیا...... کہ اس مضمون کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے...... ملا باقر مجلسی کی کتاب مرآۃ العقول کے نام کا حوالہ دیا اور اس کی عبارت نقل کیے بغیر اس فریضہ سے سبکدوش ہو گئے...... اہل سنت تو بہی خواہان خلیفہ بلکہ بہی خواہانِ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام ہیں...... لہٰذا تمہاری کتابوں میں یہ افسانے کیسے اور کیونکر مذکور ہو گئے......

جواب ثانی: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت زہراؑ کا رشتہ اس لیے نہ ملا کہ ان کی عمر شریف چھوٹی تھی۔ تو ان کی لخت جگر ام کلثوم کا رشتہ کیسے مل گیا۔ جبکہ خاوند ساٹھ سالہ بوڑھا بھی ہو اور رشتہ سببی میں حضرت کلثوم کا پڑنانا بھی...... ماشاء اللہ یہاں حضرت عمر کو کسی نہ کسی پہلو سے حضرت ام کلثوم کا پڑنانا تو تسلیم کر لیا گیا...... کیا عمر کا تفاوت نکاح کے جائز ہونے میں مانع ہے؟؟

بحوالہ مشکوۃ شریف حضرت زہراؑ کے صغیر السن ہونے کا جو تذکرہ کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری نسبت بہت چھوٹی ہیں۔ نہ یہ کہ ابھی آپ بالغ نہیں ہوئیں۔

جواب ثالث: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ تمام شیعی کتب میں ہے کہ پہلا عقد حضرت ام کلثوم کا حضرت عون بن جعفر طیارؓ سے ہوا تھا۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون سی کتابیں ہیں۔ اور نہ ہی علامہ موصوف نے ان کا نام لینے کی زحمت گوارا کی ہے؟...... نیز اس پر کیا دلیل ہے کہ ان فرضی معتبر کتابوں میں عقد اول کے الفاظ سے مراد اولیت حقیقیہ ہے، یا اولیت اضافی کیونکر مراد نہیں ہو سکتی......

جواب رابع: علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ اور حضرت بتولؑ پر بے شمار ظلم و ستم ڈھائے گئے جن میں عمر بن الخطاب پیش پیش تھے۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی زہراؑ کی لختِ جگر کا رشتہ حضرت عمر سے کر دیں...... تو جواباً گزارش ہے کہ ہم اس عقد نکاح...... کو پیش ہی اس لیے کرتے ہیں کہ تمہارے ظلم و ستم...... کے متعلق تراشے ہوئے افسانے...... بے بنیاد ثابت ہوں۔

نیز علامہ ڈھکو صاحب کا اس عقد نکاح کو اس دلیل و برہان سے رد کرنا ان کی درایت ہے۔ جب کہ شیعی علماء نے اپنی درایت کے مطابق اس عقدِ نکاح کو بھی ظلم و استبداء کی رسّی و لڑی میں پرو دیا

ہے اور اسے بھی غصب خلافت پر قیاس کرایا......

جواب خامس: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ جس ام کلثوم نامی عورت کے ساتھ نکاح ہوا وہ حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں جو کہ اسماء بنت عمیس کے بطن سے پیدا ہوئیں اور حضرت علی علیہ السلام کی ربیبہ تھیں۔ اور اُن کے زیر تربیت رہیں۔ اس لیے مجازی طور پر اُن کی بیٹی کہلائیں ...... نیز حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس کے بطن سے حضرت ابوبکر کی کوئی بیٹی پیدا ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ صرف ایک بیٹا محمد بن ابوبکر پیدا ہوا تھا...... جب اسماء کے بطن سے کوئی بیٹی پیدا ہی نہیں ہوئی تو حضرت اسماء کے حضرت علیؑ کے ساتھ نکاح کے بعد ان کے ربیبہ کیسے بن گئیں؟

جواب سادس: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ پیر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اخروی فوز و فلاح اور نجات کا دارومدار ایمان داری (اور نیکوکاری) پر ہے۔ نہ کہ رشتہ داری پر......

یہ جواب مغالطہ دینے کی کوشش ہے...... پیر صاحب کو تو معلوم تھا اور ان کے مریدین کو بھی ...... مگر تھیں اور تمہاری قوم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مجوسی اور یہودی مذہب کے احکام اب لاگو نہیں ہو سکتے۔ اسلام میں جنگ بدر کے بعد سے کفار کے ساتھ باہمی نکاح کو ناجائز قرار دے دیا گیا تھا۔

کما قال اللہ تعالی لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن

جواب سابع: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ پیر صاحب کو فروع کافی میں منقول لفظ "فرج" پر بہت غصہ آیا ہے...... علامہ مجلسی تو بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ اخبار و آثار کے مطابق یہ عقد واقع ہوا ہے۔ اور ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ علامہ مجلسی نے ان روایات کو موضوع اور جعلی کہا ہے۔ (مرآۃ العقول) لہٰذا ڈھکو صاحب کا کذب ثابت ہو گیا...... الغرض اس ام کلثوم حضرت علی المرتضیٰ کی ربیبہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے...... چونکہ حضرت ابوبکر کی چار بیویوں میں سے چوتھی بیوی حبیبہ بنت حارثہ بن زید انصاری تھی جو کہ حضرت ابوبکر کی موت کے وقت حاملہ تھیں اور بعد از وصال آپ کی ان سے ام کلثوم نامی صاحبزادی پیدا ہوئی (...... ناسخ التواریخ) اس سے واضح ہو گیا کہ علامہ ڈھکو صاحب نے بالکل سفید جھوٹ بولا ہے...... (تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۶)

④ اس پر ہمارا مُحقّقانہ تبصرہ:

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دامن میں صیاد آگیا

برادرانِ اسلام کے لیے دامادیٔ عمر کا افسانہ ان کے گلے کی وہ ہڈی بن کر رہ گیا ہے جسے نہ نگلا جا سکتا

ہے نہ اُگلا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں باانصاف قارئین کرام کی خدمت میں چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔ انھیں پڑھیں اور پھر اپنے خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر اس داستان کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں۔

① پہلی گزارش: ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں ثابت کیا تھا کہ چند وجوہ کی بنا پر اس مفروضہ عقد و ازدواج سے عمر کی فضیلت یا علیؑ و عمر کے تعلقات کے خوشگوار ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ پھر اس سلسلہ میں پہلی وجہ یہ لکھی تھی کہ اس سلسلہ میں کوئی روایت صحیح السند نہیں ہے۔ خواہ کتب شیعہ میں ہو یا کتب اہل سنت میں (تنزیہ الامامیہ صفحہ ۱۲۴)

جس پر اشرف سیالوی صاحب رقمطراز ہیں۔ علامہ موصوف کو یہاں اہل سنت کی کتابوں کے نام لینے کا کوئی حق نہیں تھا...... ڈھکو صاحب کو صرف اپنا دامن صاف کرنا چاہیے تھے...... (تحفہ حسینیہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۲، ۲۹۳) بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے تو اپنے دامن صاف کر دیا اور مرآۃ العقول شرح اصول و فروع کافی از علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کی روشنی میں ثابت کر دیا کہ فروع کافی میں جناب ام کلثوم کے عقد با عمر روایت ہو یا بیوہ کی عدت والی روایت۔ ان میں سے کوئی بھی روایت صحیح السند نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے اس مفروضہ عقد وازدواج کی صحت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے...... باقی رہی روایات اہل سنت کی صحت جن کے بقول سیالوی وہ خود ذمہ دار ہیں...... تاہم اگر اس امر کو دخل در معقولات نہ سمجھا جائے تو ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ وہ ان روایات کے راوی مشہور کذاب وضاع اور دشمن اہل بیتؑ ہیں یا پھر مجہول الحال۔ جیسے سفیان، زبیر بن بکار، عطا خراسانی، ابن اسحاق اور لیث بن سعد وغیرہ۔ اس لیے یہ روایات بھی لائق اعتماد نہیں ہیں......

ہی تھے وہ حساب سو یوں پاک ہو گئے

اس سلسلہ میں ننگ انسانیت روایات اہل سنت کا خلاصہ

ان راویان اخبار کی طبع زاد روایات کا جو خلاصہ ہے وہ ہم بامر مجبوری نقل کفر کفر نباشد سمجھ کر یہاں پیش کر کے اہل انصاف ناظرین سے انصاف کے نام پر سوال کریں گے کہ وہ بتائیں کہ ایسے ننگ اسلام، بلکہ ننگ انسانیت اور شرمناک قصص و حکایات کو کوئی شقی و بدبخت خارجی و ناصبی بھی بزرگانِ اسلام کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ جو یہ نادان دوست کر رہے ہیں۔ ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے حضرت ام کلثوم کا رشتہ حضرت علیؑ سے طلب کیا۔ تو آنجناب نے اپنی لخت جگر کو بنا سنوار کر عمر کے پاس بھیج دیا (العیاذ باللہ) عمر نے ان کو گود میں بٹھایا۔

پیار کیا۔ اور جب پنڈلی سے کپڑا ہٹا کر اسے دبایا۔ تو بچی کو تاب ضبط نہ رہی اور انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں بولیں اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھ پھوڑ دیتی۔ اور پھر اٹھ کر واپس گھر چلی آئیں (ملاحظہ ہو الاستیعاب ابن عبدالبر جلد ۲ صفحہ ۷۷۲ طبع حیدر آباد دکن، اصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر عسقلانی جلد ۲ جز ۸ صفحہ ۲۷۵ طبع مصر وغیرہ وغیرہ) کیا حضرت علیؑ کی عصمت و حمیت اور جناب عمر کی مزعومہ بزرگی اس بے غیرتی کی اجازت دیتی ہے۔ (العیاذ باللہ) ان حالات میں برادرانِ اسلام کے خلیفہ کی عزت کی سلامتی اس بات میں مضمر ہے کہ وہ اس قصہ عقد و ازدواج کو ایک افسانہ سے زیادہ کوئی وقعت نہ دیں۔ ورنہ ان کی غیرت و حمیت اور دین و دیانت کا جنازہ نکل جائے گا۔

(۲) دوسری گزارش: جب ابوبکر و عمر نے جناب ام کلثوم کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا رشتہ حضرت رسول خداؐ سے طلب کیا تھا تو آپؐ نے یہ فرما کر ان کی درخواست مسترد کر دی تھی کہ "انہا صغیرۃ" کہ وہ چھوٹی ہیں (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۵۷ طبع بمبئی) یعنی سن و سال کا اس قدر تفاوت ہے کہ وہ تم سے شادی کے قابل نہیں ہیں۔ لہٰذا کوئی صاحبِ عقل سلیم ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بات تسلیم کر سکتا ہے کہ اسی صغیرۃ السن بچی کی اپنے وقت پر حضرت علیؑ سے شادی خانہ آبادی ہو اور ان کے بچے پیدا ہوں۔ اور ان کی سب سے چھوٹی بچی کے ساتھ قریباً ساٹھ سالہ بوڑھے آدمی کی شادی کی جائے۔ جو سببی طور پر ان کا پڑنانا بنتا ہے۔ اور یہ بچی اس کی پڑھوتی بنتی ہیں۔

ہمارے عمر کو بی بی کا پڑنانا کہنے پر سیالوی صاحب پھولے ہوئے کپڑوں میں نہیں سماتے کہ ماشاء اللہ۔ یہاں حضرت عمر کو کسی نہ کسی پہلو سے حضرت ام کلثوم کا پڑنانا تو تسلیم کر لیا گیا۔ اور وہ پڑنانا اس صورت میں ہیں کہ جب ان کو حضرت زہراءؑ کا نانا تسلیم کر لیا جائے اور ان کے نانے تب بن سکتے ہیں کہ جب انھیں حضرت حفصہ کی بیٹی تسلیم کیا جائے...... الخ (تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۴)

ہم یہ سب تسلیم کرتے ہیں کیونکہ بموجب ارشادِ قدرت و ازواجہ امہاتھم کہ پیغمبر اسلامؐ کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں۔ اور انہی ماؤں میں جناب حفصہ بنت عمر بن الخطاب بھی داخل ہیں اس کا کوئی مُسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اس تقریر سے سیالوی کو فائدہ کیا پہنچا؟ نسبی یا سببی طور پر ماں یا نانا ہونا الگ بات ہے۔ اور اُن کا مومنہ یا مومن ہونا الگ بات ہے۔ ان کے درمیان کوئی عقلی یا شرعی تلازم نہیں ہے۔ کما لا یخفیٰ

واضح رہے کہ ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ عمر کے اس تفاوت کی وجہ سے یہ عقد جائز نہیں ہے یا محال ہے۔ تاکہ پیغمبر اسلام اور جناب عائشہ کے عقد کی نظیر پیش کر کے اس کا جواز

ثابت کیا جائے۔ یا اس کا عقلی امکان پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ عرفِ عام میں ایسی بے جوڑ اور بے ہنگم شادیاں کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے اور ایسی شادیوں کے اکثر نتائج بھی خوشگوار نہیں نکلتے۔ البتہ میاں بیوی میں عمر کا معمولی تفاوت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ روزانہ اخبارات میں اس قسم کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ بے غیرت باپ نے رقم لے کر اپنی نوخیز لڑکی کی شادی ایک پچپن ساٹھ سالہ شخص سے کردی اور لڑکی بھاگ کر دارالامان میں پہنچ گئی۔

③ تیسری گزارش: اسلام میں نجات دارین کا دارومدار اور فلاح کونین کا انحصار ایمان داری اور نیکوکاری پر ہے۔ "ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم اصحاب الجنۃ ھم فیھا خالدون"...... نہ کہ رشتہ داری پر۔ فرعون کافر ہے، بیوی مومنہ۔ نوحؑ اور لوطؑ دو نبی ہیں۔ اور بیویاں کافرہ، نوحؑ کا بیٹا کافر ہے اور پیغمبر اسلامؐ کا چچا ابولہب کافر ہے۔ پھر نہ معلوم برادرانِ اسلام ان مزعومہ رشتہ داریوں پر اس قدر زور کیوں دیتے ہیں؟ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین و دنیا کی سعادت مندی کا دارومدار ایمانداری اور نیکوکاری پر ہے۔ رشتہ داری پر نہیں ہے۔ لہٰذا اگر دامن میں ایمان اور نیک کام کی کوئی دولت ہے تو وہ پیش کریں۔ یہاں کسی بزرگ شخصیت سے رشتہ داری کام نہیں آتی۔ و ذلک اوضح من ان یخفی۔

اس سلسلہ میں سیالوی صاحب کی وہ تحریر بالکل موضوع سے خارج ہے۔ جو انھوں نے تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۴ پر سپرد قلم کی ہے۔ جنگ بدر کے بعد کفار کے ساتھ باہمی نکاح کو ناجائز قرار دے دیا گیا ہے۔ کیونکہ شیعہ حضرات اصحابِ ثلاثہ کو جو کچھ کہیں اور جو کچھ بھی جانیں کم از کم ان کو کافر نہیں جانتے۔

④ چوتھی گزارش: اہل سنت کی جن کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ یہ عقد ہوا۔ ان میں یہ بھی مرقوم ہے کہ اس ام کلثوم کے بطن سے عمر صاحب کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام زید تھا۔ اور پھر ان دونوں ماں بیٹے کا بعہد معاویہ مدینہ میں انتقال ہو گیا۔ اور امام حسن علیہ السلام نے ان پر اکٹھی نماز جنازہ پڑھائی۔

(استیعاب، اصابہ، اسد الغابہ وغیرہ)

حالانکہ ام کلثوم بنت امیر المومنین علیہ السلام واقعہ کربلا کے وقت بلکہ اس کے بعد بھی زندہ تھیں اور عہد یزید پلید میں قید و بند کی صعوبتیں بھی سہیں۔ مخفی نہ رہے کہ اس سلسلہ میں سیالوی صاحب نے طراز المذہب نامی کتاب سے جو کچھ نقل کیا ہے۔ وہ ناقابل اعتبار بھی ہے اور دوسرے سب مورخین کے بیان کے خلاف بھی...... اُن کو تو یہ تک معلوم نہیں ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں کا نام زینب اور کنیت ام کلثوم تھی یا ایک کی؟ اور پھر بڑی کون تھیں اور چھوٹی کون؟ ع

آں خویشتن گم است کرا زھبری کند

⑤ پانچویں گزارش: تمام شیعی کتب معتبرہ میں اور بعض سنی کتب معتمدہ میں مذکور ہے کہ جناب ام کلثوم دختر جناب امیر علیہ السلام کا پہلا نکاح اپنے چچازاد عون بن جعفر طیار سے ہوا۔ اور اُدھر جناب عون کی وفات اور ادھر جناب زینب کی وفات کے بعد ان کا عقد ثانی جناب عبداللہ بن جعفر طیار کے ساتھ ہوا۔ اور انہی کے حبالہ عقد میں اُن کا انتقال ہوا۔ (ملاحظہ ہو اصابہ جلد ۲ جز ۸ صفحہ ۲۷۵ طبع مصر)...... سیالوی صاحب نے تاریخی کتابوں کا حوالہ طلب کیا ہے۔ تو ان کے اضافہ معلومات کی غرض سے عرض ہے کہ یہ واقعات درج ذیل کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

① ارشاد از شیخ مفیدؒ
② عاشر بحار الانوار از علامہ مجلسیؒ
③ منتہی الآمال فی تاریخ النبی والآل شیخ عباس قمیؒ
④ منتخب التواریخ از شیخ ہاشم خراسانیؒ
⑤ سیرت زینب الکبریٰ از شیخ جعفر نقدی نجفیؒ وغیرہ۔

⑥ چھٹی گزارش: جناب ابوبکر کی وفات کے بعد ان کی بیوہ اسما بنت عمیس سے حضرت علی علیہ السلام نے عقد کیا تھا۔ عقد کے وقت وہ ایک بیٹا محمد اور ایک بیٹی اپنے ہمراہ لائی تھیں۔ جن کا نام ام کلثوم تھا اور ان کی پرورش اور نشوونما حضرت امیر علیہ السلام کے ہاں ہوئی۔ تو دستور عرب کے مطابق بوجہ ربیب اور ربیبہ ہونے کے مجازاً جناب امیر علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹی کہلائے۔ بنابریں اگر بالفرض جناب عمر کی کسی ام کلثوم نامی لڑکی سے شادی ہوئی ہے اور عمر کی وفات کے بعد جناب امیر علیہ السلام اس لڑکی کو گھر لائے ہیں تو وہ یہی ام کلثوم بنت ابوبکر ہوسکتی ہیں۔ جن پر ربیبہ علیؑ ہونے کی وجہ سے بنت علیؑ کا لفظ تو بولا گیا ہے۔ مگر کہیں بھی ام کلثوم بنت فاطمہؑ مذکور نہیں ہے نہ کہ جناب ام کلثوم بنت علیؑ و فاطمہؑ (العیاذ باللہ)

جناب اشرف سیالوی کا استیعاب کے حوالہ سے لکھنا کہ جناب اسماء کے بطن سے ابوبکر کے ہاں صرف ایک بیٹا محمد نامی پیدا ہوا تھا۔ کوئی بیٹی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ تو جواباً عرض ہے کہ اگر اُدھر صاحب استیعاب نے ایسا لکھا ہے تو اِدھر ملک العلماء دولت آبادی نے اپنی کتاب ہدیۃ السعداء میں اس ام کلثوم بنت ابوبکر کا ربیبہ علیؑ ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ والحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقۃ۔ بس ان حقائق کی روشنی میں آفتاب نصف النہار کی طرح یہ حقیقت واضح و آشکار ہوگئی کہ نہ جناب ام کلثوم بنت امیر علیہ السلام کا جناب عمر سے کوئی عقد نکاح ہوا ہے...... اور نہ ہی اس سے موصوف کی کوئی سببی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی اس مزعومہ عقد و ازدواج سے اہل بیتؑ اور اصحاب ثلاثہ کے تعلقات کے خوشگوار ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی اس فرضی نکاح سے عمر اور اس کے ہمنواؤں کے حضرت زہراؑ سلام اللہ علیہا پر ڈھائے گئے مظالم و مصائب پر پردہ ڈالا جاسکتا ہے۔ جن

سے وہ مظلومہ کائنات کڑھ کڑھ کر اور یہ مرثیہ پڑھ پڑھ کر دنیا سے کوچ کر گئیں۔ ے

صُبّت علی مصائب لو انھا

صُبّت علی الایام صرن لیالیا

اور یہ حقیقت مہر نیمروز کی طرح واضح و آشکار ہے کہ دختر رسولؐ اللہ ان لوگوں پر ناراض دنیا سے رُخصت ہوئیں۔ (بخاری و مسلم وغیرہ) راتوں رات جناب امیر علیہ السلام نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کیا اور شیخین کو نہ اطلاع دی اور نہ جنازہ میں شرکت کرنے کی اجازت دی۔ ہاں البتہ جب دوسرے دن انھوں نے شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ "من بر وصیت او چنین کردم" (کہ میں نے مخدومہ کائناتؑ کی وصیت پر ایسا کیا ہے) (روضہ الاحباب وغیرہ)

ایضاح

سیالوی صاحب کی عادت ہے کہ وہ بات بات پر کبھی ہم پر خیانت کا الزام لگاتے ہیں اور کبھی جھوٹ بولنے کا۔ تو گزارش ہے کہ وہ ہمیں اپنے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم حقیقی صادقین کے ماننے والے صادق اور امین ہیں۔ جھوٹوں پر لعنت کرنا ہمارا شعار ہے۔ اور دیانت داری سے سچ بولنا ہمارا دثار ہے...... جس دن کوئی مائی کا لعل ہماری کوئی خیانت کاری یا غلط بیانی ثابت کر دے گا تو ہم اس کو منہ مانگا انعام دیں گے۔ **ہل من رجل رشید** ع

کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

امید ہے کہ اگر سیالوی صاحب کی آنکھ میں شرم و حیا کا کوئی رمق بھی ہوا تو وہ ہماری یہ تحریر پڑھ کر ضرور کہیں گے۔ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

باب پنجم

حضرت امیر علیہ السلام کے بعض نصوص خلافت حقہ پر بعض بے جا اعتراضات کے جوابات اور اس میں چند فصلیں ہیں

تمہید:

پیر صاحب آف سیال شریف نے سابقہ تحقیقات سے فارغ ہونے کے بعد (جن کی ہم قلعی کھول چکے ہیں) جناب امیر المومنینؑ کی نصوصِ خلافت کی طرف توجہ مبذول فرمائی ہے۔ اور ان پر بے جا ایرادات کرتے ہوئے ان کا انکار کر کے اپنے مذہب کی کمزور دیوار کو سہارا دینے کی نا کام کوشش کی ہے۔ کیونکہ مذہب اہل سنت کا سنگ بنیاد ہی جناب امیر علیہ السلام کی خلافت بلا فصل کے انکار پر رکھا گیا ہے۔ اس لیے مؤلف کو قاعدہ کے مطابق تو سب سے پہلے اسی موضوع کی طرف توجہ کرنا چاہیے تھی۔ اس قدر تاخیر بھی نا قابل فہم ہے۔ مگر یہاں بھی حسب سابق خلط ملط سے کام لیتے ہوئے پہلے ایک غیر متعلق بحث چھیڑ دی ہے۔

فصل اوّل

قضیۂ قرطاس کی تحقیق

اور وہ ہے قضیۂ قرطاس۔ لہٰذا ہم اس سلسلہ میں پہلے ان کی تحقیق پیش کرتے ہیں پھر اس پر اپنا مختصر سا تبصرہ پیش کریں گے۔

① رسالہ مذہب شیعہ:

جناب موصوف رقمطراز ہیں:

"بے خبر اور نا واقف لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کبھی قرطاس کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ

حضورِ اقدس ﷺ نے اپنی ظاہری حیات طیبہ کے آخری خمیس کو اپنے حرم سرا میں اہل بیت کے مردوں سے کہا کہ لکھنے کے لیے کوئی چیز لاؤ (دوات قلم کاغذ) میں تمہارے لیے کچھ وصیت لکھوں تاکہ میرے بعد تم صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہو۔ جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے مسجد میں جا کر قلم دوات طلب فرمائی تو امیر المومنین عمر نے کہا کہ ہمیں قرآن کریم کافی ہے۔ اور کہا آنحضرتؐ ہمیں داغِ مفارقت تو نہیں دینا چاہتے۔ اس بات کو سمجھو! یہ روایت اہل سنت کی کتابوں میں ہو یا اہل تشیّع کی کتابوں میں، بہر صورت قرآن کریم کی آیتِ کریمہ "ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون"۔ یعنی آپؐ اپنے ہاتھ مبارک سے کبھی اس کو نہ لکھنا تاکہ گمراہ کرنے والے لوگ شک پیدا نہ کرسکیں۔ (کہ حضورؐ خود لکھ سکتے تھے) اور قرآنِ کریم بھی خود لکھا ہے، خدا کی طرف سے نہیں۔ اب یہ نفی ہو یا نہی۔ بہر صورت آنحضرتؐ کا اپنے ہاتھ سے لکھنا ممنوع اور محال ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں لکھوں۔ دوسرا بالفرض تسلیم اس روایت میں خلافت کا ذکر تک نہیں۔ حضرت علیؑ کی خلافت اور وہ بھی بلا فصل اس سے کیسے ثابت ہوگئی؟ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۷۹)

(۲) تنزیہ الامامیہ: الجواب بتوفیق الملک الوھاب:

قرطاس کا قضیۂ نامرضیہ اسلام کا وہ المیہ ہے کہ جس پر جس قدر رنج والم کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ برادرانِ اسلامی اس سے گلو خلاصی کرانے کے لیے جس قدر ہاتھ پیر مارتے ہیں سب بے سود ہے۔ ان کے گلے سے یہ پھندا نہیں نکلتا اور وہ اپنے خلیفہ ثانی کو اس دلدل سے نکالنے کے لیے جس قدر زور لگاتے ہیں وہ الٹا اس میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ سچ ہے۔ ؎

گلیمِ بخت کسے کہ ساختہ اند سیاہ

بآبِ کوثر و تسنیم سفید نتواں کرد

ہم اس موضوع پر بڑی تفصیل کے ساتھ تجلیات صداقت میں گفتگو کر چکے ہیں یہاں بڑے اجمال و اختصار کے ساتھ مؤلف کے چار اعتراضات کے جوابات پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ مقام شکر ہے کہ پیر صاحب نے اس روایت کے وجود کا انکار تو نہیں کیا۔ بلکہ اشارۃً یہ تسلیم کرلیا ہے کہ شیعہ و سنی ہر دو کتابوں میں موجود ہے۔ ہاں بزعم خویش چار درایتی ایراد وارد کرکے اُسے غلط ثابت کرنے کی ناکام کاوش کی ہے۔

(۱) پہلے ایراد کا جواب:

یہ کہنا کہ بطابق آیت مبارکہ "لا تخطه بيمينك" (جسے مؤلف نے ہر جگہ "لا تخطوه" لکھا ہے۔

جو ان کی قرآن دانی پر تیز روشنی ڈالتی ہے) آنحضرت ﷺ کا اپنے ہاتھ سے خود لکھنا ممنوع ومحال ہے اور روایت میں ہے: "میں لکھوں"۔

خلاصہ یہ کہ امت تو عالم وفاضل اور ایم اے اور پی ایچ ڈی اور نبی، اور نبی بھی وہ جو خواجہ کائنات، سرور موجودات اور علت غائی ممکنات ہے۔ وہ اَن پڑھ محض کہ جس کے لیے لکھنا محال ہے۔

ہزار لعنت بریں عقیدہ باد

بہر نوع یہ ایراد بنا الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے۔ پیر صاحب نے پہلے آیت کی غلط املاء لکھی ہے۔ پھر ترجمہ غلط کیا ہے۔ اب نتیجہ تو لامحالہ غلط ہی ہوگا۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ شیخ الاسلامی کے دعویدار کو "لائے نافیہ" اور "لائے نہی" اور کسی کام کے نہ کرنے اور نہ کر سکنے میں جو نمایاں فرق ہے۔ وہ بھی معلوم نہیں ہے۔ آیت مبارکہ: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (عنکبوت:۴۸) کا مفہوم یہ ہے کہ اعلان نبوت سے قبل پیغمبر اسلام لکھتے بڑھتے نہ تھے، ورنہ باطل پرستوں کو شک کرنے کا موقع مل جاتا کہ پیغمبر اسلام نے یہ کتاب قرآن سابقہ کتب سماویہ سے اخذ کی ہے۔ یہ ایک جملہ خبریہ ہے۔ جملہ انشائیہ نہیں ہے۔ لاتخطہ بیمینک کا یہ ترجمہ کرنا کہ اپنے ہاتھ مبارک سے کبھی نہ لکھنا۔ پیر صاحب سیالوی کا وہ علمی شاہکار ہے۔ جو رہتی دُنیا تک یادگار رہے گا۔ یہ ترجمہ آج تک کسی سنی شیعہ مترجم کو نہ سوجھا تھا۔ اطمینانِ قلب کے لیے یہاں دو سنی شیعہ ترجمے پیش کیے جاتے ہیں۔

① سنی ترجمہ: "اور نہیں تھا تو پڑھتا پہلے اس سے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تو اس کو اپنے ہاتھ داہنے سے۔ اس وقت البتہ دھوکا کرتے جھوٹے" (ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی)

② شیعہ ترجمہ: "اور اے رسولؐ! قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے تم لکھا کرتے تھے۔ ایسا ہوتا تو یہ جھوٹے ضرور (تمھاری نبوت میں) شک کرتے" (ترجمہ مولانا فرمان علیؒ)

ظاہر ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد یہ کُھلّم کُھلّا نہ لکھنے پڑھنے والی مصلحت بھی ختم ہوگئی تھی۔ کیونکہ اگر کوئی کافر یہ اعتراض کرتا تو یہ کہہ کر ان کا ناطقہ بند کیا جا سکتا تھا کہ جس خدائے قدیر نے آنحضرت ﷺ کو نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے۔ اسی نے آپ کو ملکہ قرائت وکتابت بھی بخشا ہے۔ خاندانِ نبوت سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ تہتر زبانوں میں گفتگو کر سکتے تھے اور اتنی ہی زبانوں میں لکھ سکتے تھے۔ (معانی الاخبار از شیخ صدوق") اس طرح اہل سنت کی کتابوں سے بھی آنحضرت کا اپنے

دست مبارک سے لکھنا ثابت ہے۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کفار نے "محمد رسول اللہ" لکھنے کا انکار اور "محمد بن عبداللہ" لکھنے پر اصرار کیا تو تاریخ خمیس جز ثانی صفحہ ۲۳۔۲۲ طبع مصر پر لکھا ہے کہ "فاخذ رسول اللہ الکتاب بیدہ الکریمۃ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و محا رسول اللہ فکتب مکانہ ابن عبداللہ" یعنی جناب نے وہ عہد نامہ اپنے دست مبارک میں لے کر "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ کر اس کی جگہ "ابن عبداللہ" لکھ دیا۔

خدا تعصب و عناد کو برباد کرے کہ یہ آدمی کو نہ دین کا چھوڑتا ہے، نہ دنیا کا۔ کس قدر تعجب و افسوس کا مقام ہے۔ کہ جناب عمر کی پوزیشن بچانے کے لیے پیغمبر خدا ﷺ کی توہین کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور نہ غیروں میں اپنی رسوائی و جگ ہنسائی کا خیال کیا جاتا ہے۔ سچ ہے۔

حب الشئ یعمی و یصم

اسی شانِ رسولؐ گھٹانے کا نتیجہ تھا کہ ہر کس و ناکس کو اِدّعائے نبوت کرنے اور کفار کو "رنگیلا رسول" جیسی رسوائے زمانہ کتابیں لکھنے کی جرأت ہوئی۔

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

(۲) دوسرے ایراد کا جواب:

پیر صاحب کا یہ کہنا کہ بغرض تسلیم اس روایت میں خلافت کا ذکر تک نہیں ہے۔ الخ۔ تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی پر مبنی ہے۔ ورنہ معمولی سی دینی و سیاسی بصیرت اور سوجھ بوجھ رکھنے والے حضرات بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ رؤف و رحیم اور رحمۃ للعالمین نبی اپنی امت کو ابدی ضلالت و گمراہی سے بچانے کے لیے اپنے آخری لمحات حیات میں وہی چیز تحریر فرمانا چاہتے تھے جو بذریعہ تقریر اور بعثت سے لے کر قلم و دوات طلب فرمانے تک مختلف اوقات میں مختلف اسالیب و عناوین سے برابر بیان کرتے رہے تھے، تاکہ اس کے بعد اتمام حجت کی آخری منزل طے ہو جائے اور کسی کو یارائے اباو انکار نہ رہے اور وہ سوائے خلافت و امامت مُطلقہ حضرت علیؑ کے اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ "سرِ دلبراں در حدیث دیگراں" کی خوشگواری کے پیش نظر یہاں پیر صاحب سیالوی کے ہم مسلک بعض علماء کرام کی تصریحات گوش گزار کی جاتی ہیں، تاکہ ہمارے نظریہ کی صداقت ظاہر ہو جائے۔

علامہ خفاجی تحریر فرماتے ہیں: "الخلافۃ لئلا یختلفوا فیھا" یعنی آنحضرتؐ کا مقصد یہ تھا کہ خلافت کا مسئلہ واضح کر دیں تاکہ اس میں لوگ باہم اختلاف نہ کریں۔

(نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۴ صفحہ ۳۰۷ طبع مصر)

اسی طرح علامہ عسقلانی نے لکھا ہے: "ھو تعیین الخلیفة بعدہ" یعنی آنحضرتؐ اپنے بعد اپنا خلیفہ معین کرنا چاہتے تھے۔ (فتح الباری شرح البخاری کذا فی شرح المسلم للنووی و شرح المشکوۃ للمحدث الدھلوی بادنیٰ تفاوت)

علامہ غزالی نے روایت قرطاس کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے اس نے تو اس اجمال کا پردہ ہی چاک کر دیا ہے۔ چنانچہ سر العالمین صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی ۱۸۹۶ء میں لکھتے ہیں: "ولما مات رسول اللہ قال قبل وفاته ایتونی بدوات و بیاض لا زیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لها بعدی فقال عمر دعوا الرجل فانه لیھجر" یعنی رسولؐ خدا نے اپنی وفات کے وقت فرمایا۔ مجھے کاغذ اور دوات لا کر دو تا کہ میں ہر قسم کے اجمال و اشکال کو دور کر کے تمھیں بتا دوں کہ میرے بعد خلافت کا حقدار کون ہے؟ اس پر عمر نے کہا ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو کہ وہ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) ان حقائق کے بعد بھی اس حقیقت میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ رحمت اللعالمین ہر قسم کے قیل و قال قتل و قتال اور جنگ و جدال کا خاتمہ کرنے کے لیے اپنے حقیقی جانشین کے نام کو ضبط تحریر میں لے آنا چاہتے تھے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

لیکن تاڑنے والے تاڑ گئے کہ نام انہی کا لکھیں گے۔ جن کا بیسیوں بار زبانی نام بتا چکے ہیں۔ اس لیے اپنی دیرینہ امیدوں پر پانی پھرتا دیکھ کر دماغ رسولؐ پر بھی حملہ کرنے میں جھجک محسوس نہ کی اور وہ تحریر نہ لکھنے دی۔ اور خلق عظیم کے مالک نے ناراض ہو کر ان کو اپنی بزم نبوت سے نکال دیا۔ (بخاری وغیرہ)

(۳) تیسرے ایراد کا جواب:

پیر صاحب کے تیسرے ایراد کا خلاصہ یہ ہے کہ ایتونی کا صیغہ جمع مذکر کا ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض عمر نے قلم دوات پیش نہیں کی تو حضرت علیؑ نے تعمیل حکم کر کے قلم و دوات کیوں نہ پیش کر کے وہ تحریر لکھوائی؟ ہم اس کے جواب میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

یہ مانا کہ روایت میں "ایتونی" جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ خطاب انہی لوگوں سے متعلق ہے جن کے گمراہ ہو جانے کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدشہ تھا۔ (جیسا کہ لن تضلوا بعدی) کے الفاظ سے واضح ہے۔ لیکن وہ بزرگوار جو بنصِ آیۂ مباہلہ "نفس رسول" ہو اور بشہادۃ آیت تطہیر معصوم عن الخطا ہو اور بمطابق فرمانِ رسالتؐ ہادی و مہدی اور کائنات کو صراط مستقیم پر چلانے والا ہو۔ اسے یہ تحریر لکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟

علاوہ بریں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں کہ جب بقول برادرانِ اسلام شمع رسالتؐ کے سب سے بڑے پروانے نے آنحضرتؐ پر ہذیان کی تہمت لگادی تھی۔ اور اکثریت نے اس کی ہاں میں ہاں ملادی تھی تو بعد ازاں حضرت امیرؑ یا کوئی اور شخص وہ تحریر لکھوا بھی لیتا تو اس کا وزن کیا ہوتا؟ ع

تفو بر تو اے چرخِ گردوں تفو

④ چوتھے ایراد کا جواب:

پیر صاحب آف سیال شریف کا یہ کہنا کہ فرض کریں حضورؐ خلافت ہی لکھتے ہیں۔ مگر جب حضورؐ فرمارہے ہیں کہ میرے بعد خلیفہ ابو بکر ہوگا، اس کے بعد عمر...... کیا اللہ تعالیٰ کا رسولؐ اللہ کے حکم اور اپنے ارشاد کے خلاف دوسری خلافت لکھتے؟ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پیغمبر اسلام کا کوئی قول و فعل منشائے خداوندی کے خلاف نہیں ہوتا اور نہ ہی اُن کے قول و فعل میں تضاد اور اختلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ وہی لکھوائیں گے جس کا انھیں خدا حکم دے گا اور جس کا خود بھی زبانی اظہار کر چکے ہوں گے۔ یہ برحق ہے۔ اور ہر مُسلمان کا اس پر پختہ ایمان ہے۔ ہم خود پیر صاحب کے دوسرے ایراد کے جواب میں اس بات کا اظہار و اقرار کر چکے ہیں لیکن بموجب کلمة حق یراد بها الباطل۔ پیر صاحب اس سے جو نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں یعنی شیخین کی خلافت کا اثبات، وہ قیامت تک درست نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صافی اور دیگر کتب شیعہ کے حوالہ سے پیر صاحب نے جس روایت کا سہارا لیا ہے۔ وہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے (وان اوهن البيوت لبيت العنكبوت) بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح پیغمبر خاتم نے باعلام اللہ اپنے بعد واقع ہونے والے بعض فتن اور ملاحم کی خبریں دیں۔ اسی طرح اپنی بعض ازواج (عائشہ) کو بطور راز یہ خبر بھی دی کہ "ان اباك يلي الخلافة بعدی" میرے بعد تمہارا باپ خود بخود خلافت و بادشاہی حاصل کرے گا۔ پھر ایک اور زوجہ (حفصہ) کو خطاب کرکے فرمایا: "ثم ابوك" پھر تمہارا باپ۔ مگر ان کو یہ تاکید کردی کہ اس راز کو افشا نہ کریں اور جب ان ازواج نے اس راز کو اپنے اپنے باپ کے سامنے افشاء کردیا۔ تو خدا نے فرمایا: تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ اس لیے توبہ کرو۔ چنانچہ یہ تمام واقعہ سورہ تحریم کی ان آیات میں مذکور ہے:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ ۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (۳) اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ الآية (سورة التحريم: ۳-۴)

اور جب پیغمبرؐ نے اپنی بیبیوں میں سے کسی سے بات کہی تو (اتفاق سے بات کا تبنگڑ بن گیا۔ کہ اس بی بی نے دوسری بی بی کو اس کی خبر کردی) اور جب انھوں نے اس کی خبر کردی اور خدا نے پیغمبرؐ پر اس راز کو ظاہر کر دیا۔ تو پیغمبر نے کچھ تو (ان بی بی کو) جتایا اور کچھ ٹال دیا۔ پس جب پیغمبرؐ نے جس قدر جتانا منظور تھا۔ ان بی بی کو بتایا تو ان بی بی نے حیران ہو کر پیغمبرؐ سے (پوچھا کہ آپ کو یہ (سب خبر کس نے دی پیغمبرؐ نے جواب دیا کہ مجھ کو خبر دی اس (خدا) نے جو سب کچھ جانتا اور ہر طرح کی خبر رکھتا ہے۔ سو پیغمبر کی دونوں بیبیو! اس حرکت سے خدا کی جناب میں توبہ کرو (تو تمھارے حق میں بہتر ہے۔ کیونکہ) تم دونوں نے کج روی اختیار کی ہے۔ (ترجمہ نذیر احمد دہلوی)

دل اہل خرد سے انصاف طلب ہے

کیا اس چیز کا نام خلافت کا اعلان ہے کیا قرآن وحدیث میں کہیں اس بات کا تذکرہ ہے کہ خدا نے ابوبکر وعمر کو میری خلافت کے لیے مقرر کیا ہے، یا میں ان کو خلافت کے لیے نامزد کرتا ہوں۔ یا یہ میرے برحق جانشین ہیں۔ بلکہ یہاں تو صرف یہ پیش گوئی فرمائی گئی ہے کہ یہ حضرات میرے بعد خود بخود خلیفہ اور بادشاہ بن بیٹھیں گے۔ وبس

اگر یہ ان حضرات کی خلافت کی نص تھی تو اس کا امت کے سامنے اظہار کیوں نہ کیا؟ جن کو خلیفہ کی ضرورت تھی۔ اور عائشہ وحفصہ کو کیوں اطلاع دی۔ اور پھر انھیں بھی اس بات کے صیغہ راز میں رکھنے کی تاکید کیوں کی۔ نیز اگر ان حضرات کی خلافت پر کوئی نص موجود تھی۔ تو انھوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اسے پیش کیوں نہ کیا؟ اور پھر اہل سنت ان کی خلافتوں کو اجماعی وشورائی کی بجائے نصی کیوں نہیں سمجھتے؟ اعلانِ خلافت تو اس قدر ضروری تھا کہ ارشادِ خداوندی "ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ" تمام کارِ نبوت کے اکارت ہونے کا اندیشہ تھا۔ مگر یہاں اس راز کے افشا پر دل ٹیڑھے ہو رہے ہیں۔ اور توبہ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ہے ان سوالات کا کسی معقول آدمی کے پاس کوئی معقول جواب؟

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

ان ناقابل رد حقائق کی روشنی میں واضح وعیاں ہو گیا کہ آنحضرتؐ کا یہ رازدارانہ فرمان ان حضرات کی خلافت کا اعلان نہ تھا بلکہ دجال کے خروج جیسے فتن کو ملاحم کے ظہور کی طرح صرف ایک پیش گوئی تھی۔ جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

سکوتی کلام عندھا وبیان

③ اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:
بخاری شریف و مسلم کی متفق علیہ روایات سے چند امور واضح ہو جاتے ہیں۔
① یہ واقعہ خمیس کا ہے۔ اور سید عالم کا وصال سوموار کو ہوا۔ گویا مکمل تین دن رات درمیان میں گزرے...... مگر آپ نے پھر اس حکم کا اعادہ نہ فرمایا۔
② جب صحابہ کرام نے...... تحقیق کے لیے دوبارہ عرض کیا تو فرمایا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو...... اگر اس امر کا تعلق فرائض رسالت سے تھا تو اس کا بیان نہ فرمانا...... فرائض رسالت میں کوتاہی ہو گا......
③ حضرت عمر نے خالص ہمدردی پر مشتمل مشورہ دیا کہ آپ پر شدید دورہ ہے۔ اور تمہارے پاس قرآن حکیم ہے...... اس میں آپؐ کی طرف کس طرح بے ادبی...... کی نسبت دی جا سکتی ہے؟
④ اگر قرآنِ مجید میں خلافت اور امامت کا مسئلہ حل کیا جا چکا تھا...... تو حضرت عمر پر خلافت مرتضویؑ میں روڑے اٹکانے والا الزام غلط ہو گیا۔
⑤ اگر حضور سرور عالمؐ مسئلہ خلافت کے متعلق اپنا فیصلہ لکھنا چاہتے تھے تو وہ کس کی خلافت تھی؟ اس پر کیا دلیل ہے؟
⑥ جس علی مرتضیٰؑ کی خلافت بلافصل کے لیے سب صحابہ کرام کو مورد الزام ٹھرایا جاتا ہے۔ خود ان سے حضرت عباس نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کا وقت وصال قریب آ چکا ہے۔ لہٰذا دریافت کر لو کہ آپ کے بعد امر خلافت کس کے لیے ہے۔ ہمارے لیے یا دوسروں کے لیے؟؟...... یہ روایت بھی بخاری شریف میں موجود ہے......

علامہ ڈھکو صاحب کے اعتراضات آپ نے ملاحظہ فرمائے اور حضرت شیخ الاسلام کے جوابات پر تنقید اور جرح و قدح کا آپ نے مطالعہ فرما لیا۔ لیکن ایک دفعہ پھر رسالہ مذہب شیعہ کا مُتعلقہ مقام پڑھنے کی تکلیف فرمائیں...... اب ہم ڈھکو صاحب کے ذکر کردہ جوابات کی حقیقت قارئین پر واضح کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے حدیث قرطاس کے متعلق قابل غور امر یہ پیش کیا تھا کہ اس میں سرورِ عالمؐ...... کے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا ذکر ہے۔ اور آپؐ کے لیے بذاتِ خود لکھنا محال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "لا تخطہ بیمینك" فرما کر آپؐ کے نہ لکھنے کی خبر دی ہے...... اس تقریر پر شیعی فاضل نے تین طرح سے مؤاخذہ کی سعی لاحاصل فرمائی ہے۔ جو آپ ملاحظہ فرما چکے...... مگر ساری کاوش میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ انھوں نے ذاتِ رسولؐ کے لحاظ سے لکھنا محال سمجھ لیا

ہے...... حالانکہ اگر وہ غور کرتے...... تو بات بالکل واضح تھی کہ اللہ تعالیٰ کی خبر کے خلاف کرنا...... نبی مکرم کے لیے ممکن نہیں تھا...... یعنی آنحضرتؐ کے لیے لکھنے کو محال بالذات نہیں کہا گیا۔ بلکہ محال بالغیر کہا گیا ہے...... لہٰذا آخرت تک آپ کا وصف اُمّی پر رہنا ہی سراسر مصلحت اور عین حکمت ہے...... نیز تہتر زبانوں میں آپ کا لکھ سکنا بطورِ محل بحث نہیں ہے۔ لیکن بطورِ عادت جاریہ ایک سطر کا لکھنا بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا...... علامہ ڈھکو صاحب نے اپنا عقیدہ اور نظریہ بیان کیا تھا کہ آپ کو ستر علوم پر کامل دسترس تھی اور ان میں آپ لکھ پڑھ سکتے تھے۔ لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا دراصل وہ روایت بصائر الدرجات کی ہے جو خود بھی ضعیف کتاب ہے اور اس کی یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

حدیث قرطاس کی دوسری توجیہ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ بفرض تسلیم اس روایت میں خلافت کا ذکر تک نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت اور وہ بھی بلا فصل اس سے کیسے ثابت ہوگئی؟ اس کے جواب میں ڈھکو صاحب نے جو مبسوط تحریر سپردِ قرطاس فرمائی۔ بتلاؤ اسے کوئی مناسبت حضرت شیخ الاسلام کے فرمان سے ہے؟؟

حدیث قرطاس کی تیسری توجیہ کے جواب میں علامہ ڈھکو صاحب کی عیاری و مکاری...... تیسری توجیہ حضرت شیخ الاسلام نے شیعی استدلال کے ابطلال میں یہ ذکر فرمائی تھی کہ حدیث قرطاس میں "ایتونی" جمع کا صیغہ ہے۔ جس میں گھر کے اندر موجود تمام افراد کو مخاطب ٹھہرایا گیا ہے۔ اس میں حضرت علی مرتضیٰؓ بھی شامل ہیں...... تو حضرت علیؓ نے کس کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے کاغذ اور قلم دوات پیش نہ کیے...... جس طرح حضور سرورِ عالم لوگوں کی ہدایت کے لیے لکھوانا چاہتے تھے...... اسی طرح حضرت علیؓ بھی لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے اس کو لکھوا لیتے؟...... دعویٰ ہذیان درحقیقت ہذیان ہی ہے۔

یاد رہے کہ اہل سنت کی کسی کتاب میں قطعاً یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت عمر نے آپؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دی تھی۔ آپ نے صرف خالص ہمدردی کی بنا پر مشورہ دیا تھا۔ قد غلب علیه الوجع و عندکم کتاب الله۔ حضور نبی کریمؐ پر درد کا غلبہ ہے۔ اور تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے۔ لہٰذا اس وقت آپؐ کو تکلیف نہ دی جائے...... چوتھی توجیہ کے جواب میں ڈھکو صاحب کی حقائق پر پردہ پوشی۔ حدیث قرطاس سے شیعی استدلال کے ابطلال میں چوتھی وجہ حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمائی تھی کہ فرض کر لیتے ہیں کہ حضورؐ...... خلافت ہی لکھنا چاہتے تھے...... مگر جب آپ فرما رہے ہیں کہ میرے بعد خلیفہ بلا فصل ابوبکر ہوگا، اور اُن کے بعد عمرؓ...... دیکھو تفسیر صافی وقمی وغیرہ۔ تو کیا

آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف اور اپنے ارشادات کے خلاف کوئی دوسری خلافت لکھ سکتے تھے؟...... پیغمبر اسلامؐ نے حفصہؓ کو بتلایا تھا کہ: "ان ابابکر یلی الخلافہ من بعدی ثم ابوك"......

(تفسیر قمی، صافی، مجمع البیان وغیرہ)

④ اس پر ہمارا تبصرہ:

سیالوی صاحب! ؎

جائیں گے آپ کس طرف شیعوں کو چھیڑ کے
رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

جیسا کہ کئی بار اس تلخ حقیقت کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ طول لاطائل دینے۔ بات کا بتنگڑ بنانے اور رائی کا پہاڑ بنانے میں اشرف سیالوی صاحب کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے نامہ اعمال کی طرح تحفۂ حسینیہ جلد ۲ کے سرسٹھ (۶۷) صفحات تو سیاہ کر دیے۔ مگر کام کی بات ایک بھی نہ کر سکے۔ کیونکہ ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

① قضیۂ نامرضیہ "قرطاس" اہل سنت کے گلے کا وہ پھندہ ہے جس سے وہ قیامت تک گلوخلاصی نہیں کرا سکتے

اور یہ تاریخ اسلام کا وہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ جس پر جس قدر بھی رنج و غم کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ بھلا یہ سانحہ کوئی قیامت سے کم ہے کہ بانیٔ اسلام کے آخری لمحات حیات ہیں اور شمع رسالت کے پروانے ہونے کے دعویداروں سے حجرہ کھچا کھچ بھرا ہوا ہے کہ اچانک آنحضرتؐ کی زبان وحی ترجمان سے یہ جملے نکلتے ہیں کہ "قلم اور دوات لاؤ تا کہ میں تمھارے لیے ایسی چیز لکھ کر چھوڑ جاؤں کہ اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو سکو"۔ اور تعمیل ارشاد کی بجائے انھیں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ: "یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے"...... اور پھر شور بلند ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ لاؤ...... اور کوئی کہتا کہ کوئی ضرورت نہیں...... حتی کہ خلق عظیم کے مالک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کہنا پڑتا ہے کہ: "قوموا عنی"۔ "میری بارگاہ سے نکل جاؤ"۔

(بخاری شریف کتاب المرضی باب قول المریض قوموا عنی جلد ۲ صفحہ ۸۴۶)

② رسولِ خدا کو ہذیان کی نسبت دینے والا عمر تھا

اگر چہ اشرف سیالوی صاحب کہتے ہیں کہ "یاد رہے اہل سنت کی کسی کتاب میں قطعاً یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آپؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دی تھی"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۳)......اسی طرح اہل سنت کے محدثین نے بھی "قالوا" وغیرہ کے جمع کے صیغے استعمال کر کے کہ پیغمبر اسلامؐ کے حکم پر لوگوں نے کہا: اصل قائل کو پردہ میں بٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر بموجب ع

تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

وہ اس پردہ نشین کو تاڑ ہی گئے کہ اس قول کے قائل جناب عمر ہی تھے، کوئی اور نہیں تھا۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ پردہ دری بھی خدائے قدیر نے علماء اہل سنت کے ہاتھوں کرائی ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

① شرح دیوان متنبی لابی البقاء العکبری جلد ۱ صفحہ ۹ مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۹۷۱ء میں دیوان متنبی کے اس شعر کی شرح کرتے ہوئے کہ:

انطق فیك هجرا بعد علمی　　　بانك خیر من تحت السماء

لکھا ہے: "هجر اذا هذیٰ و هو ما یقوله المحموم عند الحمی و منه قول عمر بن الخطاب عند مرض رسول الله ﷺ ان الرجل لیهجر علی عادة العرب"۔ یعنی "ہجر" کے معنی ہذیان کے ہیں اور ہذیان اس کلام کو کہا جاتا ہے جو تپ زدہ آدمی شدتِ بخار کے وقت کرتا ہے اور اسی سے عادتِ عرب کے مطابق عمر بن الخطاب کا یہ جملہ ہے کہ اس مرد کو ہذیان ہو گیا ہے"۔

② نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ پر لکھا ہے: "فقال عمران الرجل لیهجر حسبنا کتاب الله"۔ "عمر نے کہا کہ اس مرد کو ہذیان ہو گیا ہے۔ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے"۔

③ نہایہ ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۵۵ طبع مصر میں صراحت موجود ہے کہ: "القائل کان عمر" یعنی "پیغمبر اسلامؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دینے والا عمر بن الخطاب تھا"۔

④ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۴ صفحہ ۳۰۸ طبع استامبول میں لکھا ہے: "و فی بعض طرقه ای طرق هذا الحدیث المرویة عنه فقال عمران النبی یهجر بفتح اوله و ضم ثالثه ای یهجر هجر من القول"۔ یعنی "بعض طرق میں اس حدیث کے یہ وارد ہے کہ عمر نے کہا کہ: "نبی ہذیان بول رہے ہیں (لفظ یہجر بفتح اول و ضمہ ثالث ہے) یعنی جو بری بات کہے"۔

حوالے تو اور بھی بہت موجود ہیں۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ چار معتبر شہادتوں سے تو "زنا" جیسا سنگین جرم بھی ثابت ہو جاتا ہے، تو کیا ان چار مستند شہادتوں سے عمر کا پیغمبر اسلامؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دینا ثابت نہیں ہو سکتا؟

بس اِک نگاہ پہ ٹھرا ہے فیصلہ دل کا

ہم سیالوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ "سر العالمین" کو چھوڑیے کہ وہ غزالی کی تصنیف ہے یا نہ؟ یہ تو آپ لوگوں کی پرانی عادت ہے کہ جب اپنے مدعا پر زد پڑتی ہے تو "صحیح بخاری" بھی "غلط بخاری" بن جاتی ہے، اور جس سے مدعا حاصل ہو جائے وہ "کچی" بھی ہو تو "پکی روٹی" بن جاتی ہے۔ مگر یہ بتائیں کہ یہ چار کتابیں جن کے حوالے اوپر پیش کیے گئے ہیں وہ اہلسنّت کی کتابیں ہیں یا نہ؟ اور اگر ہیں اور یقیناً ہیں۔ تو پھر آپ کا عمر کا دفاع کرنا کہ انھوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف یہ نسبت نہیں دی، خود آپ کا ہذیان نہیں ہے؟

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

آپ علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی متوفی ۸۴۰ھ سے زیادہ عالم نہیں ہیں۔ انھوں نے "سر العالمین" کو غزالی کی ہی تصنیف تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۱ صفحہ ۵۰۰، تذکرہ حسن بن صباح طبع مصر، لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ طبع حیدر آباد دکن، اور الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم جلد ۱ صفحہ ۱۵ مطبوعہ الافتاء والدعوۃ والارشاد الریاض ۱۹۸۳ء۔

سیالوی صاحب کا تاویلات کا جال بچھانا کہ عمر صاحب پیغمبر اسلام کے مشیر تھے اور انھوں نے آنحضرت کو زحمت سے بچانے کے لیے یہ مشورہ دیا تھا۔ اور باوجودیکہ خمیس اور سوموار میں مکمل تین شب و روز کا فاصلہ ہے۔ مگر دوبارہ لکھنے کی خواہش نہ فرمائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمر کا مشورہ پسند آگیا تھا...... ہاں یہ مشورہ اس قدر پسند آیا تھا کہ اس گستاخ کو بزم رسالت سے ہی نکال دیا تھا۔

اہل سنت کے بودے ایرادات کے محققانہ جوابات

پیر سیالوی ہوں یا اشرف سیالوی یا دوسرے مناظرین اہل سنت وہ بموجب "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" اپنے مذہب و مسلک کی گرتی ہوئی دیوار کو کچی پکی اینٹوں کا سہارا تو بہت دیتے ہیں۔ مگر

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

① مثلاً کبھی کہتے ہیں کہ اس روایت میں پیغمبر اسلام ﷺ کا اپنے ہاتھ سے لکھنے کا تذکرہ ہے مگر بطابق نص قرآنی: "ما کنت تتلو من قبلہ من کتاب و لا تخطہ بیمینك اذا لا رتاب المبطلون" اے رسولؐ! آپؐ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ ہی اپنے داہنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ ورنہ باطل نوازوں کو شک وشبہ کرنے کا موقع مل جاتا (کہ اِدھر اُدھر سے نقل مار کر قرآن مرتب کر ڈالا ہے) اس آیت میں صرف اعلانِ نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کے لکھنے پڑھنے سے اِجتناب کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ آپ نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کسی خاص مصلحت کے تحت حسب ظاہر نہ لکھنا اور نہ پڑھنا اور ہے۔ اور لکھ پڑھ نہ سکنا اور! ۔ لہٰذا پیر آف سیال کا یہ کہنا "بہرصورت آنحضرتؐ کا اپنے ہاتھ مبارک سے لکھنا ممنوع اور محال ہے"۔ (رسالہ مذہب شیعہ ص ۷۹) اور اشرف سیالوی کا اس کی یہ تاویل کرنا کہ یہاں "محال" سے "محال عقلی" مراد نہیں ہے۔ بلکہ "محال بالغیر" مراد ہے...... یہ تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل کی بدترین مثال ہے۔ اور اگر بفرض محال اس "لا تخطہ" کو نہی پر بھی محمول کیا جائے۔ تو بھی یہ آپؐ کی عصمت اختیاری کے خلاف ہے۔ اور ہم نے جو "تنزیہ الامامیہ" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق یہ لکھا تھا کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ تہتر زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اس پر اشرف سیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ "علامہ ڈھکو صاحب نے اس کا حوالہ نہیں دیا"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۹) حالانکہ اس حدیث کا حوالہ "تنزیہ الامامیہ" میں موجود ہے (یعنی "معانی الاخبار" للصدوقؒ)

علاوہ بریں کتاب الخصال شیخ صدوق اور سادس بحار الانوار وغیرہ میں بھی مرقوم ہے۔ لہٰذا خود بصائر الدرجات کا حوالہ دینا اور پھر خود کتاب اور روایت کو ضعیف قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے...... باقی رہا پیغمبر اسلام کو اُمّی کہنا تو وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اس لیے اُمّی تھے کہ وہ "ام القریٰ" یعنی "مکہ مکرمہ" کے رہنے والے تھے۔ (تنزیہ الانبیاء سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ وغیرہ)

② حضرت علی علیہ السلام نے وہ تحریر کیوں نہ لکھوائی۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ اگر عمر نے قلم دوات اور کاغذ پیش کرنے سے انکار کیا تھا تو حضرت علیؑ بھی وہاں موجود تھے۔ اور صیغہ بھی جمع کا تھا۔ (ایتونی) تو انھوں نے وہ تحریر کیوں نہ لکھوائی؟......

تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جب کوئی طبیب کہے کہ نسخۂ شفا لکھوالو۔ تو مریضوں کو نسخہ لکھوانا

چاہیے۔ نہ کہ تندرست وتوانا کو۔ یہ تحریر تو انھیں لکھوانی چاہیے تھی جن کو اپنی گمراہی کا اندیشہ تھا۔ بھلا امام معصوم کو لکھوانے کی کیا ضرورت؟

اور اگر بقول اشرف سیالوی صاحب جو کہتے ہیں کہ جس طرح خود حضورِ سرورِ عالم وہ تحریر لکھوانا چاہتے تھے۔ مگر اپنے فائدے کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے اسی طرح حضرت علیؑ بھی لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے اس کو لکھوا لیتے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۰) تو جواباً گزارش ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ تحریر اس وقت تک پرتاثیر ہو سکتی تھی جب تک حضرت ثانی آپؐ کے دماغ پر حملے کر کے اسے ہذیان کی نسبت نہ دیتے...... مگر اب جب کہ انھوں نے یہ جرأت و جسارت کر ڈالی تو اس تحریر کی افادیت ختم ہو کر رہ گئی۔

بر گردن او بماند و برما بگذشت

حدیثِ قرطاس کو باملاء رسول ﷺ حضرت علیؑ کا لکھنا

جب پیغمبر اسلام ﷺ نے جسارت کرنے والوں کو اپنی بزم سے باہر نکالا تو بعد ازاں وہ تحریر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو لکھوائی۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سے روایت ہے: ثم دعا بالصحیفة فاملی علی ما اراد ان یکتب فی الکتف و اشهد علی ذلک ثلاثة رهط سلمان و اباذر و المقداد و سمی من یکون من الائمة الهدی الذین امر الله بطاعتهم الی یوم القیامة فیسمانی اولهم ثم ابنی هذا و اشار بیده الی الحسن و الحسین ثم تسعة من ولد ابنی الحسین کذلک کان یا اباذر و یا مقداد فقاما قالا نشهد بذلک علی رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم۔ "نبی کریم ﷺ نے ایک صحیفہ منگوایا جو شانے ہیں لکھوانا چاہتے تھے، مجھے آپؐ نے لکھوا دیا۔ (آپ بولتے گئے میں لکھتا گیا) اس پر تین صحابہ کرامؓ حضرت سلمانؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت مقدادؓ رضی اللہ عنہم کو گواہ بنایا۔ ائمہ ہدیٰ کے نام لکھوائے، قیامت تک جن کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے ان میں پہلا نام میرا لیا، پھر میرے بیٹے حسنؑ کا پھر حسینؑ کا پھر میرے بیٹے حسینؑ کی نسل سے نو (۹) امام لکھوائے۔ اسی طرح اس پر حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت مقداد رضی اللہ عنہم نے اٹھ اٹھ کر گواہی دی......"۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۷۶ طبع ایران) اب اس وصیت پر منکرین اور ان کے پیروکاروں نے عمل کیا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ انصاف پسند قارئین پر چھوڑا جاتا ہے۔

④ اور کبھی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ ظاہر ہے جو بات آپؐ اعلانِ نبوت سے

لے کر میدانِ خم غدیر تک برابر زبانی کہتے چلے آرہے تھے۔ اسے ہی اب آخری لمحاتِ حیات میں ضبط تحریر میں لانا چاہتے تھے، تاکہ اس کے بعد کسی کو بھی یارائے انکار نہ ہو سکے...... اور کوئی خودغرض کسی قسم کی تاویل کا جال نہ بچھا سکے۔ مگر یار لوگ آنحضرتؐ کا مقصد بھانپ گئے تھے۔ اس لیے انھوں نے اس ارادۂ مبارک کو عملی جامہ نہ پہنانے دیا...... یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس کا اقرار بعض منصف مزاج سنی علماء کرام نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ کتاب نسیم الریاض خفاجی شرح شفا جلد ۴ صفحہ ۳۰۷ طبع مصر پر لکھا ہے: "قال سفیان اراد ان یبین امر الخلافه بعده حتی لا یختلفوا فیها" سفیان کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ چاہتے تھے کہ اپنے بعد امر خلافت کی وضاحت کر دیں تاکہ اس کے بعد لوگ اس میں اختلاف نہ کریں۔ والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ۔

حضرت ابوبکر کے بارے میں شیعی حوالوں کی حقیقت

اس مقام پر سیالوی صاحب نے شیعہ تفاسیر کے حوالے دے کر یہ ثابت کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ اذا اسر النبی الی بعض ازواجہ الآیہ کی تفسیر میں بی بی حفصہ کو خبر دے گئے تھے کہ میرے بعد پہلے ابوبکر خلیفہ بنے گا اور اس کے بعد تیرا باپ بنے گا۔ (تفسیر قمی وصافی وغیرہ)

یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ یہ بات آپؐ کے بعد پیدا ہونے والے فتن وملاحم میں سے ایک خبر تھی۔ جیسے خروج دجال وخروج لشکر سفیانی وغیرہ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ بات ان حضرات کی خلافت کی دلیل تھی تو پھر آپؐ کو اس کا اعلان کرنا چاہیے تھا، نہ کہ صرف جناب حفصہ کو بطور راز بتاتے اور انھیں بھی تاکید کرتے کہ اسے راز رکھنا اور کسی کو نہ بتانا۔ یہ بات تو ظاہر کرتی ہے کہ صرف دال میں کچھ کالا کالا ہی نہیں، بلکہ پورا ریچھ مرا پڑا ہے۔

سیالوی صاحب! ایسی بودہ اور کمزور دلیلیں پیش کر کے اپنے خلفاء کی خلافت کا اظہار کرتے وقت

شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

کسی کی خلافت اور امامت کا اعلان اس طرح ہوتا ہے۔ جس طرح پیغمبر اسلام ﷺ نے میدانِ خم غدیر میں ایک لاکھ سے زائد مجمع عام میں پتھروں اور پالانوں کے بنے ہوئے منبر پر جا کر اور حضرت علی علیہ السلام کا بازو تھام کر اور لوگوں کو دکھا کر بآوازِ بلند فرمایا:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ......" (حدیث متواتر)

والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقہ وزھوق الباطل والفریۃ

فصل دوم

حدیثِ غدیر کے متعلق بعض شبہات کے جوابات

تمہید:

اس کے بعد مؤلف صاحب اپنے اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوئے ہیں یعنی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بعض نصوصِ خلافت کو بے جا ہدف تنقید بنایا ہے۔ بعض کے سلسلۂ سند اور بعض کی دلالت پر بعض رکیک اور بودے قسم کے ایرادات وارد کیے ہیں۔ آئیے ملاحظہ کیجیے:

① رسالہ مذہبِ شیعہ:

چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حدیثِ غدیر کی دلالت بر خلافت جنابِ امیرؑ پر خدشہ وارد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی طرح یہ بھی ابلہ فریبی ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی دلیل میں خم غدیر کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضور اقدسؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (یعنی جن کا میں دوست ہوں علیؑ بھی ان کے دوست ہیں) ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں مولیٰ بمعنی دوست ہے۔ دیکھو آیت کریمہ: "فان اللہ ہو مولاہ و جبریل و صالح المومنین" یعنی "اللہ کے محبوب کا دوست اللہ جل شانہ ہے۔ اور جبریل اور نیک بندے ہیں"۔ "و الملائکۃ بعد ذلک ظہیر" اس کے بعد فرشتے حضورؐ کے امداد کنندہ ہیں (القرآن) اب مولیٰ معنی امام یا امیر کرنا صراحۃً قرآن کی مخالفت ہے۔ اور تفسیر بالرائے ہے۔ اور کون مسلمان نہیں جانتا کہ حضرت علی المرتضیٰؑ رسول اللہؐ کے دوستوں کے دوست ہیں"۔ ...... الخ (رسالہ مذہب شیعہ ص ۷۸)

② تنزیہ الامامیہ:

پیر صاحب کا حدیث غدیر کی صرف دلالت میں خدشہ ظاہر کرنا، اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انھیں اس حدیث کی صحت و صداقت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور یہ امر اس حدیث کے نہ صرف صحیح بلکہ متفق علیہ اور متواتر ہونے کی دلیل ہے۔ اور سردست یہ بھی غنیمت ہے۔ ورنہ اگر بیک جنبش قلم

وہ اس کی صحت کا انکار کر دیتے تو ہمیں اثبات کے لیے حوالہ جات کا انبار لگانا پڑتا۔

بہر نوع چونکہ انھوں نے صرف اس کی دلالت پر اعتراض کیا ہے، اس لیے ہم بھی اسی طرف عنان بیان پھیرتے ہوئے اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ سو مخفی نہ رہے کہ پیر صاحب کا یہ ایراد بچند وجہ مردود و مدفوع ہے۔

اولا: پیر صاحب کا یہ کہنا کہ مولیٰ بمعنی دوست ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ مولیٰ کے صرف یہی ایک معنی ہیں۔ جو مدعی کے علوم عربیہ سے نابلد ہونے کی بین دلیل ہے۔ کیونکہ ادب عربی پر معمولی عبور و عثور رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ام الالسنہ وسیع و عریض عربی زبان میں لفظ "مولیٰ" اور "ولی" پورے چوبیس عدد معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لیے لغت عرب کی مبسوط کتب مثل لسان العرب، تاج العروس اور القاموس وغیرہا سب دیکھی جا سکتی ہیں۔

ثانیا: ان کا یہ کہنا بھی خلافِ حقیقت ہے کہ لفظ مولیٰ قرآن میں صرف بمعنی دوست استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں دوست کے علاوہ بمعنی اولیٰ۔ سید و سردار اور ناصر و مددگار بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "ما واکم النار ھی مولاکم" تمھارا ٹھکانا آتش جہنم ہے اور وہی تمھاری "مولیٰ" ہے۔ کیا پیر صاحب یہاں "مولیٰ" کے معنی دوست کریں گے کہ جہنم کی آگ تمھاری دوست ہے۔ کیا کوئی صحیح الدماغ اور سلیم الطبع آدمی یہ تسلیم کر سکتا ہے؟ قریباً تمام مفسّرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" ہے۔ بطور نمونہ صرف چند مفسّرین کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۳۱ پر صفحہ ۱۳۴ طبع استامبول میں اس آیت مبارکہ کے ذیل میں لکھا ہے: "وھو اولیٰ بکم"۔ ایسا ہی تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۴۹۷ طبع مصر، تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۳۷۸ طبع مصر قدیم اور تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۲۲۹ وغیرہا۔ ایک اور آیت میں لفظ "مولیٰ" بمعنی سرپرست و سردار استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "واللہ مولاکم وھو العلیم الحکیم" (پ ۲۸ س تحریم) اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں قریباً تمام مفسّرین نے "مولیٰ" کو بمعنی سید و سردار مراد لیا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف جلد ۴ صفحہ ۱۱۴ طبع مصر پر قمطراز ہیں: "واللہ مولاکم سیدکم و متولی امورکم"۔ یعنی "خدا ہی تمھارا سردار و کارساز ہے"۔ ایسا ہی تفسیر ابوالسعود بر حاشیہ تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۳۱ میں مذکور ہے۔

ثالثاً: یہ بھی غلط ہے کہ مؤلف کی پیش کردہ آیت مبارکہ "فان اللہ مولاہ و جبرئیل" الآیہ میں یہ لفظ بمعنی دوست استعمال ہوا ہے۔ بلکہ یہاں بمعنی ناصر و مددگار ہے۔ چنانچہ پیر سیالوی کے مسلک کے مشہور مُفسّرین نے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ علامہ رازی تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۴۴ پر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: "ای ولیہ و ناصرہ" یعنی خدا ان کا حامی و مددگار ہے۔ ایسا ہی علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف جلد ۴ صفحہ ۱۱۵ پر افادہ فرمایا ہے۔

رابعاً: اگرچہ لفظ مولیٰ وولی کے مُتعدّد معانی ہیں۔) جیسا کہ ابھی اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے (لیکن ان میں سے مشہور تین معنی ہیں: ① اولیٰ بالتصرف ② ناصر و مددگار ③ دوست۔ **قاعدہ** یہ ہے کہ جب کسی لفظ کے ایک سے زائد معنی ہوں (یعنی لفظ مشترک ہو) تو ہر جگہ موقع ومحل کی مناسبت سے داخلی وخارجی قرائن وشواہد کو مدنظر رکھ کر اس کے مناسب حال معنی کیے جاتے ہیں۔ بنابریں ہم بلا خوف ردّ علی الاعلان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حدیثِ غدیر میں لفظ "مولیٰ" کے سوائے "اولیٰ بالتصرف" (حاکم وسردار) اور کوئی معنی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ یہاں ایک دو نہیں، پورے دس عدد داخلی وخارجی قرائن وشواہد قطعیہ موجود ہیں کہ یہاں لفظ "مولیٰ" سے مراد "اولیٰ" ہے۔ ہم اس موضوع پر اپنی کتاب "اثبات الامامت" میں تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔ اس میں سے یہ دس عدد قرائن پیش کیے جاتے ہیں۔ تاکہ اس کے بعد خلافت بلافصل جناب امیر علیہ السلام بالکل بے غبار اور واضح و آشکار ہو جائے۔ انشاء اللہ۔

① پہلا قرینہ: اس حدیث کی ابتداء میں واردشدہ جملہ: "الست اولیٰ بکم من انفسکم" ہے۔ جو اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ آنے والے لفظ "مولیٰ" سے یہی "اولیٰ" والے معنی مراد ہیں۔ اور یہ جملہ آیت قرآنی "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم" سے مقتبس ہے۔ جس کے متعلق مُفسّرین نے لکھا ہے: "ای فی الامور کلھا"۔ (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ طبع مصر) لہٰذا جن معنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "مولا" ہیں، انہی معنوں میں حضرت علی علیہ السلام بھی مولا ہیں...... ولنعم ماقبل

چرا در معنی من کنت مولا می روی ہر سو
علیؑ مولیٰ بآں معنی کہ پیغمبرؐ بود مولا

② دوسرا قرینہ: اس حدیث اور اس کے اہتمام سے واضح ہے کہ جناب امیرؑ کی وہ خصوصیت بیان ہو رہی ہے جس میں اور کوئی صحابی رسول آپ کا شریک نہیں اور وہ نہیں ہے مگر یہی اولیٰ بالتصرف ارشادِ ربانی ہے: "المومنون بعضھم اولیاء بعض" یہ کہ بعض مومن دوسرے بعض کے مُحبّ ہیں، اگر یہی

معنی یہاں مراد ہوتے تو اس قدر اہتمام و انتظام کی کیا ضرورت تھی؟

(۳) تیسرا قرینہ: حضرت علیؑ سے محبت رکھنے اور ان کی نصرت کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ قبل ازیں بار بار تاکیدی حکم دے چکے تھے جیسے: "یا علی حبك ایمان و بغضك کفر و نفاق من احب علیاً فقد احبنی"۔ تو پھر تحصیل حاصل (جو کہ محال ہے) اور اس قدر اہتمام (جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) کے کیا معنی ہیں؟ ماننا پڑے گا کہ حضرت علیؑ کی خلافت و ولایت کا ہی عملی اعلان تھا۔ جس کے بغیر کارِ رسالت اکارت ہو رہا تھا۔

(۴) چوتھا قرینہ: حارث بن نعمان فہری کا واقعہ بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف یعنی بمعنی حاکم و سردار ہے۔ اور وہ اہل زبان تھا، اس نے اس لفظ سے وہی مطلب سمجھا اور اپنی شقاوت و بدبختی سے اپنی ہلاکت منظور کر لی۔ مگر ولایت و خلافت علوی کا اقرار نہ کیا۔ تفصیل کے لیے درج ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۲۷۸ طبع مصر، تفسیر سراج منیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۴، تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۹، فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۵۷ وغیرہ)

(۵) پانچواں قرینہ: سطورِ بالا میں متعدد کتب اہل سنت کے حوالے سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے خم غدیر والا اعلان فرمایا تو صحابہ کرامؓ نے بالعموم اور عمر ابن الخطاب نے بالخصوص جناب امیرؑ کی خدمت میں مبارکباد پیش کی "بخ بخ لك یا بن ابی طالبؑ لقد اصبحت مولای و مولا کل مؤمن و مومنۃ"۔ یہ بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہاں انھوں نے مولیٰ کو بمعنی اولیٰ سمجھا تھا۔ ورنہ صرف اخوت و محبت مراد ہونے کی صورت میں مبارکبادی کوئی معنی نہیں رکھتی (صواعق محرقہ صفحہ ۳۷ طبع قدیم مصر) پر صراحت موجود ہے کہ ابوبکر و عمر نے اس حدیث سے یہی معنی سمجھے تھے۔ فراجع

(۶) چھٹا قرینہ: سابقہ سطور میں متعدد کتب کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے کہ اس اعلان کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام کو "امیر المومنین" کہہ کر سلام کرو۔ یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ بمعنی سردار ہے۔

(۷) ساتواں قرینہ: جناب حسان بن ثابت جو کہ آنحضرت ﷺ کے درباری شاعر تھے، انھوں نے اس پورے واقعے کو نظم کیا ہے۔ ان کے اشعار آبدار سے بھی یہی آشکار ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی اس حدیث سے یہی سمجھا تھا کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا اعلان ہے۔

فقال لہ قم یا علیؑ فانّنی

رضیتك من بعدی اماما و هادیا

یعنی جناب رسول خداؐ نے فرمایا: اے علیؑ اٹھو! کیونکہ میں نے تمھیں اپنے بعد لوگوں کا ہادی و رہنما منتخب کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ سبط ابن جوزی مطالب السئول، ینابیع المودہ، دیوانِ حسان وغیرہ)

(۸) آٹھواں قرینہ: اس اعلان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب امیر علیہ السلام کے دوستوں کے لیے دعائے خیر اور مخالفوں کے لیے بددعا کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہی ہے۔ جیسا کہ رسم ہے کہ اعلانِ ولی عہدی کے بعد اس قسم کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ جن سے مقصد ولی عہد کی اطاعت کی ترغیب اور نافرمانی سے ترہیب مقصود ہوتی ہے۔

(۹) نواں قرینہ: اس آیت کے بعد تکمیل دین کا نزول جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بہت ہی عظیم الشان فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو رہے تھے۔ جس پر دین اسلام کی تکمیل کا دارومدار تھا، اور وہ امامت وخلافت علیؑ ہی ہو سکتی ہے۔ نہ کہ صرف اعلانِ محبّت وغیرہ۔

(۱۰) دسواں قرینہ: خود امیر المومنینؑ کا مختلف ومتعدد مقامات پر اپنی خلافت وامامت کے اثبات میں اس حدیث شریف (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) کے ساتھ تمسّک واستدلال کرنا بھی اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ یہ حدیث آنجنابؑ کی خلافت بلافصل کی دلیل جمیل ہے۔ ملاحظہ ہوں کتب ذیل مناقب خوازمی صفحہ ۲۱۷، شرح نہج البلاغہ حدیدی ۲ صفحہ ۶۱۔ فرائد السمطین حموینی باب، اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۷، اصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۸ طبع مصر، تذکرہ خواص الامۃ صفحہ ۱۷ طبع ایران، مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ طبع جدید مصر)

والحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقہ

(۳) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

اس میں کلام نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ خلیفہ برحق ہیں۔ اور امام المسلمین لیکن اہل تشیع آپ کی خلافت بلافصل کے عقیدہ کو جزء ایمان بلکہ عین ایمان سمجھتے ہیں۔

شیعی استدلال کا معیار صحت

ہماری سابقہ گزارش سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی ہوگی کہ حضرت علیؑ کے حق میں خلافت بلا فصل کو جزء ایمان بلکہ عین ایمان قرار دینا اُسی صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ جب کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت آیت یا حدیث اس پر دلالت کرے اور ظاہر ہے کہ حدیث متواتر ہی قطعی

الثبوت ہوتی ہے نہ کہ مشہور یا خبر واحد...... نیز لفظ "مولا" کا معنی صرف اور صرف خلیفہ بلافصل ہو...... اور اگر دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہو تو پھر اس استدلال کا دارومدار ایسے قطعی قرائن اور حتمی شواہد پر ہو جو اس مقام پر صرف مولا بمعنی خلافت بلافصل کا معنی متعین کر دیں اور کسی دوسرے معنی کا اِمکان اور احتمال باقی نہ چھوڑیں...... امر اوّل کی تحقیق: حدیث غدیر قطعاً متواتر اور قطعی الثبوت نہیں ہے...... امر ثانی کی تحقیق: دوسرا امر جس پر شیعی استدلال کا دارومدار ہے وہ یہ ہے کہ آیا یہ روایت اس معنی میں قطعی الدلالت ہے کہ "مولا" کا لفظ خلیفہ بلافصل کے معنی میں ہی مستعمل ہوتا ہے...... اور ظاہر ہے کہ لفظ مشترک کے اس قدر کثیر التعداد معانی میں سے کسی ایک کی تعیین محتاج قرائن ہے...... بعد ازاں "تنزیہ الامامیہ" کے جوابات خمسہ پر یہ ایرادات وارد کیے ہیں......

جواب اوّل: حدیث غدیر کی صحت قول مختار کے مطابق مسلم ہے۔ لیکن تواتر محل اختلاف ہے ہمارے نزدیک یہ حدیث اخبار احاد کے قبیل سے ہے......

جواب ثانی: پیر صاحب نے مولا کے معانی کا دوست کے معنی میں انحصار ثابت نہیں کیا بلکہ بطور احتمال ایک معنی کا ذکر کیا ہے......

جواب ثالث: حضرت شیخ الاسلام نے مولا کے معنی کا صرف اس ایک معنی میں منحصر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا......

جواب رابع: اللہ تعالیٰ کے دوست اور اس کے معاون و مددگار ہونے میں تلازم ہے۔ اور ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ناممکن ہے۔ جبکہ دوسری جگہ بھی دوستی ہے۔ لیکن نصرت و اعانت بوجہ ضعف و ناتوانی نہیں پائی جاتی اور کبھی امداد و اعانت ہوتی ہے۔ مگر دوستی والا معنی موجود نہیں ہوتا۔

جواب خامس: ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ: لفظ "مولا" کے مشہور معنی تین ہیں: ① اولی بالتصرف ② ناصر و مددگار ③ اور دوست۔ اور بقول ان کے پہلا معنی متعین ہے۔ ان قرائن کی وجہ سے جو وہ بیان کریں گے لیکن اولیٰ بالتصرف بطور خلافت بلافصل کے ہی ہو کلام صرف اس میں ہے......

علامہ ڈھکو صاحب کے بیان کردہ قرائن اور اُن کا ردّ بلیغ...... علامہ موصوف نے اپنی کسی دوسری کتاب سے یہ عبارت نقل کر دی ہے...... بہر حال ہم بالترتیب قرائن کا ذکر کر کے ہر ایک کے متعلق واضح کرتے جائیں گے کہ اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جو شیعی علماء حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پہلا قرینہ: اس حدیث کی ابتداء میں یہ جملہ "الست اولی بکم من انفسکم" وارد ہے۔

الجواب: علامہ ڈھکو صاحب خوب آدمی ہیں، دعویٰ کیا تھا کہ حدیث غدیر میں فعلی مولاہ کا معنی ہے۔

اولیٰ بالتصرف اور حاکم یعنی خلیفۂ بلا فصل ...... اور قرینہ بیان کرتے وقت یہ کہہ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے کہ مولا کے یہاں وہی معنی ہیں جو رسول اللہ میں مولا کے معنی ہیں ...... لہٰذا یہاں ڈھکو صاحب کو یہ ثابت کرنا لازم تھا کہ النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم میں اولیٰ بالتصرف اور خلیفۂ بلافصل والے معنی ہی مراد ہیں۔ اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی معنی مراد نہیں ہوسکتا ...... النبی اولیٰ بالمومنین کا صحیح مفہوم ...... رسول اللہ مومنین کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس جملہ میں آپ کی خلافت وامارت بیان کی جارہی ہے۔ بلکہ امت پر آپ کی شفقت اور محبت و پیار بیان کیا جارہا ہے۔ تفسیر صافی میں اس آیت کریمہ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: یعنی اولیٰ بھم فی الامور کلھا و انہ لا یامرھم و لا یرضی منھم الا بما فیہ صلاحھم ...... تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں جاتے وقت بعض صحابہ نے عرض کیا نستأذن آبائنا و امھاتنا ...... اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی یعنی نبی کریم مومنین کے لیے ان کے آباء واجداد اور امہات وجدات کی نسبت زیادہ اطاعت کے حقدار ہیں ...... لہٰذا آپ محبت ومودت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں ...... اس جگہ حکومت اور خلافت والا معنی مراد نہیں ہے۔ چہ جائیکہ خلافت بلافصل ...... اس حدیث و روایت میں مولا اور اولیٰ کی مومنین کے ساتھ تخصیص فرمائی گئی ہے ...... حالانکہ اگر آپ کی حکمت اور سلطنت والا معنی مراد ہوتا تو مومنین کے ساتھ تخصیص کا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ یہود خیبر اور نصارائے نجران بھی آپ کے زیر فرمان تھے ...... لہٰذا اب صریح مفہوم اس آیت وحدیث کا یہی ہوگیا کہ نبی مکرمؐ مومنین کے لیے اپنے نفوس سے زیادہ محبوب ہیں۔

دوسرا اور تیسرا قرینہ:

مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف پر ...... اس حدیث اور اس اہتمام سے واضح ہے کہ جناب امیرؑ کی وہ خصوصیت بیان ہورہی ہے جس میں اور کوئی صحابیٔ رسولؐ آپ کا شریک نہیں ہے اور وہ نہیں ہے مگر یہی اولیٰ بالتصرف ...... الجواب: غدیر خم میں صحابہ کرام کو جمع فرمانا اور حضرت علیؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمانا: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" ڈھکو صاحبؒ کے نزدیک قطعی قرینہ بن گیا کہ یہاں صرف اور صرف اولیٰ بالتصرف اور خلیفۂ بلافصل والا معنی ہی مراد ہے ...... قرینہ اور اس کی دلالت میں چند وجوہ سے سقم ہے، از روئے ایمان کے باہم محبت اور الفت کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن محبت کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ عمومی وجہ محبت کے بعد ...... خصوصی توجہ ...... محبت کا وجوب بیان کرنا تکرار بے فائدہ کا موجب نہیں ہے ...... نیز اس اہتمام کی خصوصی وجوہات بھی تھیں جن میں ایک وجہ

یہ ہے آنے والے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی عظمت...... دوسری وجہ اس اہتمام کی یہ تھی کہ سرور انبیاءؐ نے حضرت علیؑ کو یمن میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا...... اور آپ کے بعض رفقائے کار کو آپ کے خلاف شکایات پیدا ہوئیں اور انھوں نے حضور سید عالمؐ کی بارگاہ میں آپ کی شکایات کیں۔ چنانچہ برید اسلمی بیان کرتے ہیں...... جب لشکریوں نے رسول معظمؐ کی ناراضگی اور غصہ کا مشاہدہ کیا اور حضرت علیؑ کی حمایت...... تو اپنی زبانیں بند کر لیں اور شکوہ و شکایت سے باز آگئے...... کیا اعلان خلافت کے بغیر کار رسالت اکارت ہو رہا تھا؟ ڈکو صاحب فرماتے ہیں کہ غدیر خم کے موقع پر صرف اور صرف اعلانِ خلافت کرانا تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر کاروبار رسالت اکارت ہو رہا ہے۔ اور اس جملہ میں جناب کا اشارہ آیت کریمہ کی طرف ہے۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك۔ الآیہ...... اس طرز استدلال اور قرینہ میں بھی وہی سابقہ خرابی اور فساد لازم آئے گا...... کیونکہ جب آیات امامت کی تبلیغ ہو چکی تھی...... تو یہ اعلان درست نہ تھا...... اس آیت کریمہ میں خلافت کی تصریح موجود نہیں...... کیا خلافت کا اعلان کر دینا زیادہ اہم تھا یا عملی طور پر ان کو خلافت دینا اور اقتدار ان کے حوالے کرنا...... یہاں تو مسجد نبوی کا مُصلّیٰ بھی آپ کے حوالے نہیں کیا گیا تھا...... اگر اس وقت حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کا اعلان ہو چکا تھا تو حضرت عباس حضور نبی اکرمؐ کے مرضِ وصال میں حضرت امیر کو امر خلافت میں دریافت کرنے کا مشورہ کیوں دیتے کہ ہمارا حق ہے۔ تو اس کی وضاحت فرما دیں...... قبل ازیں اس مضمون کے حوالہ جات بکثرت ذکر ہو چکے ہیں کہ حضرت علیؓ سے حضور نبی رحمت نے عہد لے رکھا تھا کہ خلافت کے لیے نزاع اور اختلاف نہ کرنا...... یہی سلطنت حضرت علیؓ کی نظر میں سراب اور چھٹ جانے والا سحاب اور بکری کے ناک کی ریزش سے زیادہ حقیر ہے...... کیا قول باری تعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك کا نزول غدیر خم پر ہوا ہو...... لیکن داخلی اور خارجی قرائن سے یہ دعویٰ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچ سکتا۔

پہلا قرینہ: یہ حکم عام ہے اور عام کو اپنے عموم پر رکھنا لازم ہے...... دوسرا قرینہ: واللہ یعصمك من الناس...... تبلیغ رسالت پر حفاظت کی ضمانت اس وقت زیادہ ضروری تھی۔ جب آپ تنہا تھے...... نہ کہ جب آپ کی حکومت پورے عرب پر قائم تھی...... اہل سنت کی صحیح ترین کتاب حدیث بخاری میں قول باری تعالیٰ: "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" کا نزول عرفہ کے دن یعنی نو ذی الحجہ بروز جمعہ عرفات کے میدان میں مروی ہے...... چوتھا قرینہ: کہ مولا بمعنی اولیٰ بالتصریف اور خلیفہ بلافصل ہے۔ حارث بن نعمان فہری کا واقعہ اس امر کی قطعی دلیل

ہے کہ حدیثِ غدیر میں مولا بمعنی اولی بالتصریف یعنی حاکم وسردار ہے......الجواب: اس قرینہ کا ذکر کرتے وقت بھی علماء شیعہ نے حقائق سے آنکھیں بند کرلی ہیں۔ ورنہ وہ کبھی بھی یہ استدلال پیش کرنے کی جرأت نہ کرتے...... باتفاق مُفسّرین......سورۂ معارج مکی ہے۔ اور اس کی یہ آیت بھی......مگر اس روایت کی رو سے یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اور حضرت علیؓ کے اعلانِ خلافت کے بعد۔ لہٰذا اس کو مکی سورہ اور مکی آیت کے نزول سے کیا تعلق اور ربط ہو سکتا ہے؟......یہ آیت نفر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی......(لہٰذا ثعلبی اور واحدی معتبر مُفسّر نہیں ہیں)......مولا بمعنی اولی بالتصرف پر پانچواں قرینہ......جب حضرت رسول اللہؐ نے غدیر خم میں ولایت علیؑ کا اعلان کیا تو تمام صحابہ کرام نے بالعموم اور عمر بن الخطاب نے بالخصوص حضرت امیر علیہ السلام کو مبارک بادی دی اور کہا: "بخ بخ لك يا بن ابي طالب لقد اصبحت مولاىٔ و مولا كل مومن و مومنة"......الجواب: علامہ صاحب نے حدیث غدیر میں وارد شدہ مولا کے خلیفہ بلا فصل اور اولی بالتصریف کے معنی میں ہونے پر یہ پانچواں قرینہ قرار دیا کہ چونکہ آپ کو مولا بننے پر مبارک بادی گئی......

① پہلے تو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر وہ خود ہی منکر اور ضعیف ہو تو پھر اس کے بل بوتے پر مولا بمعنی خلیفہ بلا فصل کی قطعیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟......علامہ محمود آلوسی نے روح المعانی میں کہا ہے کہ اس روایت کے راوی علی بن زید، ابو ہارون اور موسیٰ بن عثمان ضعیف ہیں۔ اور ان کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۱۷۴)......روایت کی ذاتی حیثیت یعنی ضعف و نکارت سے قطع نظر کر کے اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیں پھر بھی اس سے شیعی علماء کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ "مولا" ہونا حاکم ہونے کو مستلزم نہیں ہے......ڈھکو صاحب فرماتے ہیں......کہ مبارک بادی اس امر کی دلیل ہے کہ ان مبارک باد دینے والوں نے مولا بمعنی اولی سمجھا۔ مگر علامہ صاحب فرمائیں کہ محض اولی سمجھنے سے کیا خلافتِ بلافصل تسلیم کر لیا اور عملی طور پر اقتدار و اختیار کا مالک تسلیم کرنا ثابت ہو جاتا ہے۔ اولی سمجھا تھا تو اخوت و محبت کے لحاظ سے بھی آپ اولی ہو سکتے تھے۔

چھٹا قرینہ: مولا بمعنی اولی بالتصرف اور خلیفہ بلافصل پر......اس اعلان کے بعد آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام کو......امیر المومنین کہہ کر سلام کریں۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ مولا سے مراد اولیٰ بمعنی سردار ہے۔) تنزیہ الامامیہ (......ڈھکو صاحب نے پانچویں اور چھٹے قرینہ کو بیان کرتے ہوئے سطور بالا اور سطور سابقہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور متعدد کتب کے حوالہ

جات ذکر کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ پوری کتاب میں ان دونوں قرینوں کے متعلق کہیں بھی کسی کتاب کا حوالہ موجود نہیں ہے...... آخر استدلال کی یہ کونسی قسم ہے؟

اگر اعلانِ خلافت بھی ہو چکا تھا اور امارت پر مبارک باد بھی اور امیر المومنین کے لقب سے سلام بھی......اور اس کی تعمیل بھی ہو چکی تھی۔ تو پھر حضرت علیؑ کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے: "سلمنا و امرنا و رضینا عن اللہ قضاءہ و نظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی و اذا المیثاق فی عنقی لغیری" (نہج البلاغہ) کیا اس سے بڑا استہزاء اور ٹھٹھا بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ ایک طرف اعلانِ خلافت اور دوسری طرف عہد و پیمان لے کر ان کو دوسرے خلفاء کی پیروی کا پابند بنایا جائے؟......

ساتواں قرینہ: مولیٰ بمعنی اولیٰ اور خلیفۂ بلافصل پر حضرت حسان بن ثابت جو کہ نبی اکرمؐ کے درباری شاعر تھے انھوں نے پورے واقعہ کو نظم کیا......

فقال لہ قم یا علی فاننی
رضیتک من بعدی اماما و ھادیا

الجواب: علامہ صاحب نے اپنے استدلال کا دارومدار اب حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اشعار پر رکھا ہے۔ لیکن جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ واقعی اس کا کوئی دیوان ہے۔ اور وہ تحریف و تبدیل سے محفوظ ہے...... اس وقت تک اس استدلال کی کوئی حیثیت نہیں ہے اگر حضرت حسان آپ کو بلافصل خلیفہ مان چکے تھے...... تو پھر ان کو مرتدین کے کھاتے میں کیوں ڈال دیا اور ارتدا الناس الا ثلاثہ کی تیغ جفا سے اس قصیدہ خواں کی رگِ وفا کیوں کاٹ دی...... نیز اس قصیدہ میں اگر ثابت ہیں تو امام و ہادی کے الفاظ اور حضرت کے امام اور ہادی ہونے میں کسی کافر کو بھی نزاع اور اختلاف نہیں ہے۔ اگر اختلاف ہے۔ تو بلافصل خلافت میں ہے...... نیز اسی موقع پر حضور سرور عالمؐ نے حدیث ثقلین بھی زبانِ اقدس سے بیان فرمائی کہ میں تمھارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسری اہل بیتؑ تو اس حدیث میں آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس طرح قرآن ہادی ہے۔ اسی طرح اہل بیتؑ بھی ہادی ہیں۔ الخ...... لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں حضرت حسان نے جو کچھ فرمایا۔ وہ اہل سنت کے مسلک کے عین مطابق ہے اور شیعی علماء کو اس کو اپنے مذہب پر قطعی دلیل بنانا تو دور کی بات ہے۔ اشارہ قرار دینا بھی درست نہیں ہو سکتا......

آٹھواں قرینہ: مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف اور خلیفۂ بلافصل۔ اس اعلان کے بعد آنحضرت کا جناب امیر علیہ السلام کے دوستوں کے لیے دعائے خیر فرمانا اور مخالفین کے لیے بددعا کرنا بھی اس بات کی دلیل

ہے کہ یہاں مولا سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے۔

الجواب: علامہ ڈھکو قطعی قرائن اور شواہد بیان کرنے لگے تھے لیکن اب...... تار عنکبوت کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے ہیں ...... یہی دعا تو اس ولی عہدی کے مخالف ومنافی قرینہ ہے۔ اگر ولی عہدی مقصود ہوتی تو دعا یوں دی جاتی: اللھم و آل من اطاعه و عاد من عصاه ...... جب محبت وعداوت کا ذکر کیا تو معلوم ہوا...... کہ یہ مخصوص محبت کے وجوب ولزوم کا اعلان تھا...... حضرت علیؑ مرتضیٰ کے لیے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے اعلان کے وقت ولایت ثابت ہو چکی...... اور ولایت بمعنی تصرف تو ہو ہی نہیں سکتی تھی ورنہ بیک وقت دو حکومتیں لازم آتیں۔ البتہ ولایت بمعنی محبت مخصوص ہو سکتی تھی اور دونوں محبتیں صحیح بھی ہو سکتی تھیں...... اس دعا سے ولایت بمعنی خلافت بلافصل پر ادنیٰ اشارہ بھی سمجھا جا سکتا ہے؟

نواں قرینہ: مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلافصل۔ اس آیت کے بعد تکمیل دین کا نزول ...... اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آج آنحضرتؐ بہت بڑے فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو رہے تھے۔ جس پر تکمیل دین کا دارومدار تھا......

الجواب: ڈھکو صاحب کا یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم...... الآیہ کا نزول غدیر خم میں اعلانِ ولایت کے بعد ہوا۔ بلکہ عرفہ کے میدان میں نو ذی الحجہ بروز جمعہ اس کا نزول ہوا...... اور تمام مُفسرین اور علماء اہلسنّت کا اس پر اتفاق ہے...... نیز علماء شیعہ کا بھی اس پر اجماع واتفاق ثابت نہیں ہے جیسا کہ تفسیر منہج اور مجمع میں منقول مُتعدّد اقوال اس پر شاہد ہیں...... شیعی نظریات کو دیکھیں تو امت کو اس خلافت سے ذرا بھر فائدہ نہیں پہنچا اور پچیس سال کا عرصہ تو خلفاء ثلاثہ کی موافقت و متابعت...... میں گزر گیا...... اور جب خلافت مل گئی تو نہ اصلی قرآن دے سکے اور نہ خلفاء سابقین کی روش وکردار کے خلاف کوئی اقدام کر سکے...... لہٰذا اندریں حالات...... خلافت مرتضوی اسلام اور امت مُسلمہ کے لیے کسی فائدہ کا موجب نہ ہو سکی...... تو اس کے اعلان کو عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی قرار دینا شیعی مُسلمات کی رُو سے کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟...... بقول ڈھکو صاحب حضور نبی اکرم تو اس اعلان کے بعد عظیم الشان فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو گئے۔ مگر حضرت علیؑ پر جو بار گراں خلافت ڈالا گیا تھا، تو اس فرض سے حضرت علی کب سبکدوش ہوئے؟...... آپ اس (خلافت) کا دعویٰ نہ کر سکے۔ اور اس کے حصول کے لیے کوئی اقدام نہ کر سکے آپ بہت بڑے مجرم اور گنہگار ٹھہرے...... قرآن مجید ایسے عظیم فریضہ کے بیان سے کیوں خاموش ہے؟ علامہ ڈھکو صاحب نے اعلانِ ولایت کو عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی...... قرار دیا...... حالانکہ خلافت وامامت تو فرائض

اسلام میں سے اہم عقیدہ...... تھا تو کہیں اس کی تصریح قرآن مجید میں بھی ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ اصل سرچشمہ ہدایت وہی ہے۔

دسواں قرینہ: مولیٰ بمعنی خلافت بلافصل پر خود حضرت امیر المومنینؑ کا مختلف مقامات پر اپنی خلافت وامامت کے اثبات میں اس حدیث شریف یعنی من کنت مولاہ کو پیش کرنا۔ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ یہ حدیث آنجناب کی خلافت بلافصل کی دلیل جمیل ہے...... (تنزیہ الامامیہ)

الجواب: علامہ صاحب نے شرح حدیدی وغیرہ کے حوالے سے حضرت امیرؑ کا اس حدیث سے استدلال کرنا ثابت کیا ہے۔ مگر دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ نے کس انداز میں پیش کیا تھا۔ اگر اس انداز میں کہ اس حدیث کی رو سے حضورؐ نے میری خلافت بلافصل کا اعلان کر دیا تھا اور تم نے میری خلافت کا اقرار کر لیا تھا...... تو ڈھکو صاحب اس کو قطعی قرینہ قرار دینے میں حق بجانب ہوئے۔ بشرطیکہ یہ کتابیں اہل سنت کی ہوتیں اور ان کے ہاں قابل قبول بھی...... اور اگر آپ نے اس انداز میں ذکر فرمایا تھا کہ تم میں کوئی شخص ایسا ہے۔ جس کے متعلق حضور نبی کریمؐ نے فرمایا ہو من کنت مولاہ فعلی مولاہ...... مگر اس صورت میں اس سے استدلال کرنا اور اس کو قطعی قرینہ بنانا باطل ہے......

① آپ نے اس کو تعداد فضائل کے طور پر ذکر کیا...... اگر اس میں ہی آپ کی خلافت کا اعلان تھا...... تو آپ بھی اس کو اثبات خلافت...... کے طور پر پیش کرتے۔

② ان فضائل اور استحقاق خلافت کے وجوہ واسباب کا آپ نے کس وقت ذکر کیا حضرت صدیق وفاروق کے دور میں قطعاً ان فضائل سے تمسک نہیں فرمایا۔

③ اگر از روئے روایات اس قسم کے استدلال کا ذکر ملتا ہے تو مجلس شوریٰ میں جب کہ چھ ارکان میں سے کسی ایک کو خلافت کے منصب پر فائز کیا جاتا تھا۔

(آخر میں آلوسی کا قول نقل کیا ہے۔ کہ عربی میں مولیٰ بمعنی ولی استعمال نہیں ہوتا لہٰذا مولا کا معنی اولیٰ بالتصرف مراد لینا غلط ہے۔) (خلاصہ مطالب تحفہ حسینیہ جلد دوم از ص ۳۸۷ تا ص ۴۶۴)

④ اس پر ہمارا تبصرہ:

نورِ خدا ہے کفر کی حالت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

جناب اشرف سیالوی صاحب اپنی عادت شریفہ کے مطابق ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار کر اور رطب ویابس اکٹھا کر کے اور طول مِمل سے کام لے کر ایک ایسا جنگل کھڑا کرتے ہیں کہ ایک قاری اس کی بھول

بھلیوں میں پھنس کر اصل مدعا ہی بھول جاتا ہے۔ مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ ان کی ہر ہر حرکت اور سکون پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ اس تانے بانے کا تار پود اس طرح فضائے آسمانی میں بکھیر دیتے ہیں کہ اس دام ہمرنگ زمین کا نہ نام رہتا ہے۔ اور نہ نشان۔ الغرض ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

جناب سیالوی لکھتے ہیں: کہ اس میں کلام نہیں ہے ...... کہ حضرت علیؑ خلیفہ برحق ہیں ...... لیکن اہل تشیّع آپ کی خلافت بلافصل کے عقیدے کو جزء ایمان بلکہ عین ایمان سمجھتے ہیں ...... اور یہ اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے کہ جب کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت آیت یا حدیث اس پر دلالت کرے۔ اور ظاہر ہے کہ حدیث متواتر قطعی الثبوت ہوتی ہے نہ کہ مشہور یا خبر واحد ...... نیز لفظ کا معنی صرف خلیفہ بلافصل ہونے کا دارومدار ایسے قطعی قرائن اور حتمی شواہد پر ہو گا جو اس مقام صرف مولا بمعنی خلافت بلافصل کا معنی متعین کر دیں ...... اور کسی دوسرے معنی کا امکان اور احتمال باقی نہ چھوڑیں ...... (تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۶، ۳۷۷)

ہم جناب سیالوی صاحب سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایسے اہم موضوع کے اثبات کے لیے کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت آیت یا حدیث درکار ہوتی ہے۔ اور اسی بنا پر ہم نے سردست دوسری تمام آیات اور احادیث کو چھوڑ کر حدیث غدیر کو منتخب کیا ہے۔ جو قطعی الثبوت بھی ہے۔ اور قطعی الدلالت بھی۔

حدیث غدیر متواتر ہے

فریقین کے علماء محققین کی نگاہِ اقدس میں حدیث غدیر متواتر ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے:

① چنانچہ جناب ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۶۸ طبع مصر قدیم وصفحہ ۳۴۲ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان پر طرق متعددہ سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "الحاصل ان هذا حديث صحيح لا مرية فيه بل بعض الحفاظ عده متواترا" "حاصل یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ بلکہ بعض حفاظِ حدیث نے اسے متواتر شمار کیا ہے"۔

② جناب نواب صدیق حسن خان متوفی ۱۳۰۶ھ اپنی کتاب منہج الاصول الی اصطلاح احادیث الرسول ص ۱۲، ۱۳ و ص ۹۳ پر لکھتے ہیں:

"حاکم ابو سعید گفته حدیث موالات و حدیث غدیر راجماعتے از صحابه

راوی است و نقل بر آن متواتر شدہ تا آنکہ داخل در حد تواتر گشتہ و محمد بن جریر برائے حدیث غدیر ھفتاد و پنج طریق ذکر کردہ و آنرا در کتاب مفرد درج نمودہ نامش کتاب الولایہ نہادہ و حافظ ذھبی جزئے در طرق وے نگاشتہ و حکم بتواترش فرمودہ ابو العباس ابن عقدہ حدیث غدیر را بیک صدو پنجاہ طریق آوردہ و کتاب مفرد نگاشتہ"

"حاکم ابو سعید فرماتے ہیں کہ حدیث موالات اور حدیث غدیر کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ اور یہ نقل حدِ تواتر تک پہنچ گئی ہے۔ یہاں تک یہ تواتر کی حد کے اندر داخل ہوگئی ہے۔ ابن جریر نے ایک مستقل کتاب بنام کتاب الولایہ اس حدیث پر لکھی ہے۔ اور اسے پچھتّر ۷۵ طرق سے نقل کیا ہے۔ اور حافظ ذہبی نے اس کے طرق و اسناد پر ایک مستقل رسالہ سپردِ قلم کیا ہے۔ اور اس کے متواتر ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور حافظ ابن عقدہ نے ایک سو پچاس طرق سے اسے نقل کیا ہے۔ اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے"۔

(۳) علامہ ضیاء الدین مقبلی صنعانی نے اپنی کتاب ابحاثِ مسدّدہ میں اس حدیث کو چند طرق سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "فان لم یکن معلومًا فما فی الدین معلومٌ" یعنی اگر یہ حدیث (بایں کثرت طرق و اسانید) معلوم اور صحیح نہیں ہے تو پھر دین اسلام میں کوئی چیز بھی معلوم اور صحیح نہیں ہے۔

(۴) حافظ ابن عبد البر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ حدیث مواخاۃ اور حدیث ورائۃ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ھذہ کلھا آثار ثابتۃ۔ یہ تمام آثار ثابت ہیں۔ (الاستیعاب جلد ۳ صفحہ ۳۷۳ طبع مصر)

(۵) علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں: انہ حدیث صحیح لامریۃ فیہ و طرقہ کثیرۃ جداً و کثیر من اسانیدھا صحاح او حسان۔ بے شک یہ حدیث صحیح ہے۔ اس میں شک کی بالکل گنجائش نہیں۔ اور اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں۔ اس کی بہت سی سندیں صحیح یا حسن درجہ کی ہیں۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ ۴۲، ۱۲۲ طبع قاہرہ)

(۶) محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ آیت یاایھا الرسول بلغ ما انزل الخ کے ذیل میں لکھتے ہیں باسناد جید قوی رجالہ ثقات و قال الذھبی انہ صحیح عن زید بن ارقم و عن الذھبی ان "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" متواتر متیقن ...... الخ۔ اس کی اسناد قوی جید اور رواۃ ثقہ ہیں۔ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث زید بن ارقمؓ سے پایہ صحت کو پہنچی ہے۔ ذہبی سے منقول ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ متواتر متیقن ہے۔

⑦ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: وقد بلغ هذا الحديث مبلغ التواتر رواه جمع من المحدثين في الصحاح والسنن والمسانيد برواية نحو من ثلاثين من اصحاب رسول الله ﷺ منهم علي بن ابي طالب و بريدة بن بن حصيب و ابو ايوب و عمرو بن مرة و ابوهريرة و ابن عباس و عمار بن بريدة و سعد بن وقاص و ابن عمر و انس و جريف بن مالك بن الحويرث و ابو سعيد الخدري و طلحة و ابو الطفيل و حذيفة بن اسيد وغيرهم"۔ حدیث غدیر درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ اس کو محدثین کی جماعت نے صحاح، سنن اور مسانید میں تقریباً تیس صحابہ رسول سے روایت کیا ہے......الخ۔

(تفسیر مظہری جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ سورہ مائدہ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۶۷ء)

⑧ شیخ محدث عبدالحق دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: "هذا حديث صحيح لا مرية فيه"۔ اور اپنی کتاب "اشعۃ اللمعات" جلد ۴ صفحہ ۶۶۰ طبع نولکشور میں رقم طراز ہیں: "این حدیث صحیح است بے شک روایت کردہ اند و بسیار از اسانید آں صحاح و حسان است"۔ اور علماء اصول کا فیصلہ ہے کہ "والمتواتر يكون انكاره كفرًا" کہ حدیث متواتر کا انکار کفر ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو اصول الشاشی طبع دہلی)

ان حقائق کے بعد اشرف سیالوی کے اس قول کی کیا علمی حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ "حدیث غدیر قطعا متواتر اور قطعی الثبوت نہیں ہے"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۸)

ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث شریف صرف صحیح ہی نہیں ہے بلکہ ان متواتر حدیثوں میں سے ہے جن کا انکار باعث کفر ہوتا ہے۔ اور یہ وہ قطعی الثبوت حدیث ہے کہ جس کے صحت و تواتر کا انکار اپنی جہالت و ضلالت کا اظہار ہے۔

حدیث غدیر میں وارد شدہ لفظ "مولیٰ" قطعاً بمعنی "اولیٰ" ہے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لفظ "مولیٰ" کلام عرب میں چند معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ منجملہ ان کے ایک معنی مُعتق (آزاد کردہ غلام) عبد (غلام) حلیف (ہم قسم) ابن (بیٹا) عم (چچا) ابن العم (چچازاد بھائی) الناصر (مددگار) مُحبّ (دوست) اولی بالتصرف (حاکم اور سردار) المتولی فی الامر۔ یہاں تک کہ علماء نے اس کے ستائیس ۲۷ معنی شمار کیے ہیں۔ یعنی یہ لفظ مشترک ہے موقع و محل کی مناسبت سے اور قرائن و شواہد کی روشنی میں ہر جگہ اس کے معنی مُتعیّن کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث غدیر میں اس کے معنی "اولی بالتصرف" یعنی حاکم و سردار ہی کے ہیں۔ کیونکہ یہاں اس کے

بعض معانی تو فی نفسہ قطعاً مراد نہیں ہو سکتے۔ جیسے مُعتق عبد، حلیف اور عم وغیرہ اور بعض دوسرے معنی جیسے ناصر اور مُحِب، گو یہاں عقلاً ان کا مراد لینا نا ممکن نہیں ہے۔ مگر یہاں ایسے مُتعدد قرائن قطعیہ اور شواہد حتمیہ عقلیہ اور نقلیہ موجود ہیں۔ جو مُتعیّن کرتے ہیں کہ یہاں اس کے آخری معنی یعنی "اولی بالتصرف" بمعنی حاکم و سردار ہی مراد ہیں۔ اور اس طرح اشرف صاحب کے اپنے قول کے مطابق یہ حدیث قطعی الدلالت قرار پائے گی۔ اور اس طرح یہ حضرت امیر علیہ السلام کی نا قابل انکار نص خلافت قرار پائے گی۔ یہ موصوف کی عیاری ہے کہ بار بار کہتے ہیں کہ لفظ "مولیٰ" کے معنی "خلیفہ بلا فصل" کیے جائیں۔ جبکہ کتب لغت میں یہ معنی لکھے ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں اور دعویٰ با دلیل کرتے ہیں اور بلا خوفِ تردید کہتے ہیں کہ جن معنوں میں حضرت پیغمبر اسلام مولیٰ ہیں۔ حضرت علیؑ بھی انہی معنوں میں مولیٰ ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت رسول خداؐ بنصِّ قرآن مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف ہیں۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: "النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم" کہ حضرت نبی اعظمؐ مومنین کے مال و جان میں خود ان سے بھی زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے۔ فی الامور کلھا۔ یعنی تمام امور میں آنحضرتؐ اہل ایمان کے مال و جان وغیرہ میں خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے غدیر والے دن حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کرنے سے پہلے سب حاضرین بزم سے اقرار کرایا تھا کہ الست اولیٰ بکم من انفسکم؟ کیا میں تمہارے مال و جان میں خود تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا؟

تفسیر البیان جلد ۸ صفحہ ۳۱۷ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ ان النبیؐ اولی بالمؤمنین من انفسھم بمعنی احق بتدبیر ھم و ان یختار و اما دعاھم الیہ واحق ان یحکم فیھم بما لا یحکم بہ الواحد فی نفسہ لوجوب طاعتہ التی ھی مقرونۃ بطاعۃ اللہ۔ یعنی پیغمبر اسلامؐ مومنین کے مال و جان میں خود ان سے بھی زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں اور ان کے مال و جان میں وہ حکم چلا سکتے ہیں۔ جو وہ خود نہیں چلا سکتے۔ کیونکہ آپ کی اطاعت، اطاعتِ خدا کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور جب میدانِ خم غدیر قالو بلیٰ سے گونج اٹھا تھا (یعنی سب نے کہا ہاں ہاں یا رسول اللہ) تب آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اور بلند کر کے اور حاضرین کو دکھا کے فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کے علیؑ مولا ہیں۔ لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں اس حقیقت کی تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ حضرت علیؑ اسی معنی میں لوگوں کے مولا ہیں۔ جن معنوں میں حضرتِ رسول خدا مولیٰ ہیں۔ ونعم ما قیل

چرا در معنی من کنت مولی من روی هر سو
علیؑ مولا بآن معنی که پیغمبرؐ بود مولی

اشرف صاحب کا "مولیٰ" کو بمعنی مُحبّ و محبوب مراد لینا ان کا ذاتی خیال محال ہے اور فریقین کے مفسّرین کی تفسیروں کے خلاف ہے اور بوجہ تفسیر بالرائے ہونے کے مطرود و مردود ہے۔ اور ہرگز قابل التفات و توجہ نہیں ہے۔ یہی بیان واجب الاذعان اس حقیقت ثابتہ کے اثبات کے لیے کافی و وافی بلکہ شافی ہے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف استعمال ہوا ہے۔ چہ جائیکہ ہم نے رسالہ تنزیہ الامامیہ وغیرہ اپنی تحقیقی کتابوں میں اس مقصد کی صحت و صداقت پر پورے دس عدد قرائن قطعیّہ اور عقلی و نقلی شواہد حتمیّہ پیش کر کے اس مضمون و موضوع کو کالشّمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار کر دیا ہے۔ جس کے بعد اشرف صاحب کی آئیں بائیں شائیں کا پرکاہ کے برابر بھی کوئی وزن نہیں رہ جاتا۔ ع

آزمائے جس کا جی چاہے

میدانِ خم غدیر میں اعلانِ ولایت کے بعد حضرت رسولؐ خدا حضرت علیؑ کی رسم دستار بندی ادا کرنا اور صحابہ کرام کا آپ کو مبارکباد پیش کرنا بھی مولا بمعنی اولیٰ ہونے کی ناقابل ردّ دلیل جمیل ہے۔ (ملاحظہ ہو ریاض النضرہ، فرائد السمطین، فصول مہمہ، الجامع الکبیر سیوطی، تذکرہ خواص الامۃ، مدارج النبوّہ، مسند احمد بن حنبل وغیرہ وغیرہ)

قرآن وحدیث اور لغت عرب میں "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" کا استعمال ہونا

خدا برا کرے تعصب کا کہ جب اس کی پٹی کسی کی بصر و بصیرت پر بندھ جائے تو روزِ روشن میں سورج بھی اس کو نظر نہیں آتا اور ایک چنگا بھلا آدمی مورکھ بن جاتا ہے، اور اشرف سیالوی صاحب کی طرح یہی رٹ لگاتا ہے کہ سورج موجود نہیں ہے۔ لہٰذا میں نہیں مانتا۔ میں نہیں جانتا۔ مگر ان کو یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی آدمی چمگادڑ بن جائے تو ساری دُنیا تو اندھی نہیں بن جاتی۔ بقول سعدی

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اور بقول مُتنبّی:

و ھبنی قلت ھذا الصبح لیل
ایعمی العالمون عن الضیاء

سیالوی صاحب نے حضرت علیؑ اور ان کے مقدس خانوادہ کی عداوت میں اندھا ہو کر اپنے جیسے کسی مُتعصّب اور مورکھ آلوسی بغدادی کی تفسیر کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

قرآن وسنت اور لغت عرب میں مفعل بمعنی افعل استعمال ہی نہیں ہوا۔ لہٰذا مولیٰ بمعنی اولیٰ نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو پھر جس طرح "اولیٰ من فلان" من کے صلہ کے ساتھ کہنا صحیح ہے۔ اسی طرح "مولیٰ من فلاں" کہنا بھی صحیح ہوتا حالانکہ یہ استعمال غلط ہے۔ آیئے ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ قرآن وسنت اور لغت عرب میں مفعل بمعنی افعل یعنی مولا کا بمعنی اولیٰ استعمال ہونا دکھاتے ہیں۔

"مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" در قرآن

ارشادِ قدرت: "فالیوم لا یوخذ منکم فدیۃ و لا من الذین کفروا ماواکم النار ھی مولاکم"۔ "آج (قیامت کے دن) تم (مجرمین) سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی ان لوگوں سے قبول کیا جائے گا۔ جنھوں نے کفر اختیار کیا۔ تمھارا ٹھکانا جہنم ہے اور وہی جگہ تمھارے لیے زیادہ موزوں ہے"۔ یہاں "مولیٰ" کی تفسیر میں اکثر مُفسّرین ومحدثین نے "مولاکم" سے "اولیٰ بکم" مراد لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ طبع مصر میں درج بالا آیت کے ذیل میں لکھا ہے: "ماواکم النار ھی مولیٰ کم اولیٰ بکم"۔ "جہنم تمھارا مالک ہے"۔ شیخ سلیمان جمل لکھتے ہیں: "وان یکون بمعنی اولیٰ بہ و فی ابی السعود ھی مولاکم ای اولیٰ کم"۔ (تفسیر جمل حاشیہ جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۹۰، مزید کتب تفاسیر) ملاحظہ ہو تفسیر فیروز آبادی صفحہ ۳۴۲، تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۳۱ طبع اسلامبول تفسیر بیضاوری جلد ۲ صفحہ ۴۹۷، تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۳۷۸ طبع مصر، تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۲۲۹ المطبعۃ التقدم مصر اور تفسیر معالم التنزیل بغوی، صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۲۴۰، معانی القرآن للفراء النحوی متوفی ۲۰۷ھ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ طبع بیروت وغیرہ وغیرہ۔

مولیٰ بمعنی اولیٰ در حدیث

کتب حدیث میں ایک مشہور حدیث ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ایما امرأۃٍ نکحت بغیر اذن مولا ھا فنکاحھا باطل"۔ جو عورت بھی اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح پڑھائے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔

فاضل تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ اس حدیث کی شرح میں شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۸۹ مطبع محرم آفندی استنبول، لفظ مولیٰ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اسے اولیٰ بھا" یعنی یہاں "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" ہے۔

"مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" دراشعارِ عرب

مشہور شاعر عرب لبید اپنے قصیدہ ہائیہ میں کہتا ہے:

فغذت کلا الفرحین تحسب انه
مولی المخافة خلفها و امامها

سبعہ معلقہ کا شارح زوزنی یہاں اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لفظ "مولیٰ" کی شرح میں لکھتا ہے: "ان المولیٰ فی هذا البیت" بمعنی "اولیٰ بالشئ"۔ اسی طرح مُتنبّی کہتا ہے:

حتی یشار الیك ذا مولاهم
و هم الموالی و الخلیقة عبدٗ

یعنی ممدوح کی طرف اشارہ کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ بنی طی کا سید و سردار ہے۔ حالانکہ وہ (بنی طی) خود سردار ہیں۔ اور باقی لوگ ان کے غلام ہیں۔ یہاں فاضل برقوقی شارح دیوان مُتنبّی نے اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لفظ "مولیٰ" کے معنی "اولیٰ" یعنی "سید و سردار" کیے ہیں۔ لکھتے ہیں: "حتی یشیر الناس فیقولون هذا مولی طئ ای رئیسهم و سیدهم و هم سادة الخلق و الخلق عبیدهم"۔

(شرح دیوانِ مُتنبّی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ طبع مصر)

استعمال "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" درلغت عرب

① ابوبکر انباری نے مُشکل القرآن میں لفظ "مولیٰ" کے معانی شمار کرتے ہوئے ایک معنی "اولیٰ" بھی شمار کیے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے: "احدها الاولی بالشئ"۔

② ابوزکریا یحییٰ بن علی مشہور بہ خطیب تبریزی متوفی ۵۰۲ھ نے شرح دیوان حماسہ جلد ۱ صفحہ ۲۲ پر "مولیٰ" کے مُتعدّد معانی بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ "مولیٰ" کے ایک معنی "اولیٰ" بھی ہیں۔ باقی رہا یہ کہ "اولیٰ بالشئ" تو کہا جاتا ہے۔ مگر "مولا بالشئ" نہیں کہا جاتا۔ یا "اولیٰ من فلاں" کہا جاتا ہے۔ مگر "مولیٰ من فلاں" نہیں کہا جاتا۔ تو یہ بات عوارض الفاظ میں سے ہے۔ جس کا اصل معنی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہت سے الفاظ مترادفہ ہوتے ہیں مگر ان کا صلہ الگ الگ ہوتا ہے۔ مثلاً صلی اور دعا کے ایک معنی ہیں لیکن جب علیٰ کے صلہ کے ساتھ صلی علیہ کہا جائے تو اس کے معنی دعاء خیر کے ہوتے ہیں اور جب دعا علیہ کہا جائے تو اس کے معنی بددعا کرنے کے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کما لا یخفی علی المانوسین بالعلوم العربیة

ان کتابوں کے نام جن میں اس آیت تبلیغ کا بمقام خم غدیر حضرت امیر علیہ السلام کی شان میں نازل ہونا مذکور ہے

بموجب "الغریق یتشبت بالحشیش" یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اشرف سیالوی صاحب نے نہ صرف شیعیانِ علیؑ بلکہ خود حضرت علیؑ کے بغض میں اندھا اور بہرا ہو کر یہ ثابت کرنے کی بھی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ آیت (یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک) بمقام خم غدیر نازل نہیں ہوئی بلکہ عرفہ کے دن مکہ (میدانِ عرفات) میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ فریقین کی کتب تفسیر و حدیث اس حقیقت سے لبریز نظر آتی ہیں کہ یہ آیت مبارکہ اٹھارہ ذی الحجہ ۱۰ھ کو بمقام میدانِ خم غدیر نازل ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں یہاں بطورِ نمونہ مشتے از خروارے چند کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ طبع مصر (۲) تفسیر مظہری صفحہ ۶۸۔ (۳) تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۸۹ (۴) اسباب النزول واحدی صفحہ ۱۵۰ (۵) تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۳۶ بذیل وجہ دہم وغیرہ وغیرہ

ان حقائق کے بعد سیالوی صاحب نے ہمارے پیش کردہ دس قرائن کے جواب میں جو اژاژ خائی اور بے کار خامہ فرسائی کی ہے۔ ہمیں ان پر تبصرہ کر کے وقت اور کاغذ کے ضیاع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ انِ سابقہ اوراق میں بڑے اختصار کے ساتھ ہم نے جو چند حقائق اور دقائق پیش کر دیے ہیں وہ کسی بھی تحقیق اور انصاف پسند قاری کے اطمینانِ قلب کے حاصل کرنے کے لیے نہ صرف کافی ہیں بلکہ وافی اور دلوں کے کئی امراض کے لیے شافی بھی ہیں کہ پیغمبر خاتمؐ دوسرے تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کی طرح اس وقت تک دارِ دنیا سے کوچ کر کے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں نہیں گئے تھے جب تک میدانِ خم غدیر میں پتھروں اور پالانوں کے انوکھے منبر پر جا کے اور ایک لاکھ یا اس سے بھی کچھ زائد صحابہ کرام اور کلمہ گویانِ اسلام کے سامنے حیدرِ کرار کا بازو تھام کر اپنی مسند نبوت کے وارث، علم قرآن اور احکامِ اسلام کے عالم اور عالم اسلام کے عالمی رہبر و راہنما کا عملی اعلان نہیں کر دیا۔ چنانچہ اس اہم اسلامی فریضہ کی ادائیگی کے بعد خداوند عالم نے آپؐ کو تکمیل دین اور اتمام نعمت کی سند عطا فرمائی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نعمت عظمیٰ پر اپنے خالق و مالک کا ان الفاظ میں شکریہ ادا فرمایا:

"الحمد علیٰ اکمال الدین و اتمام النعمۃ و رضی الرب برسالتی و ولایۃ علی ابن ابی طالب"۔

(کتاب ما نزل فی علیؑ از حافظ ابو نعیم اصفہانی وغیرہ)

عقلائے روزگار کسی چیز کی بقا کو اس کی بنا سے زیادہ اہمیت دیا کرتے ہیں

اگر کوئی شخص باغ لگائے مگر مالی نہ رکھے بھیڑ بکریوں کا ریوڑ بنائے مگر چرواہے کا انتظام نہ کرے۔ یا کوئی مکان بنائے مگر اس کی حفاظت کا اہتمام نہ کرے تو ایسے شخص کو کوئی عقلمند اور دانشمند نہیں کہتا۔ اسی طرح دین اسلام خدا نے بنا دیا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے تئیس سال کی طویل و عریض مدت میں اس کے بندوں تک پہنچا دیا۔ مگر جس دین نے قیام قیامت تک باقی رہنا تھا اس کی بقاء، اس کی حفاظت، اس کی نشر واشاعت اور اس کے نفاذ کا بھی تو خدا اور رسولؐ کو کوئی انتظام کرنا چاہیے تھا...... یہ اعلانِ خلافت علیؑ اسی نظام اسلام کے بقا کے انتظام کا دوسرا نام ہے۔ ورنہ مولانا اشرف سیالوی صاحب بتائیں کہ خلافت نبویہ کا اعلان واہتمام دین اسلام کا جزء ہے یا نہ؟ اگر جزء ہے تو اس اعلانِ خلافت کے بغیر دین اسلام مکمل کیسے ہو گیا؟ اور اگر یہ جزء اسلام نہیں ہے تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا انتخاب اس قدر اہم مسئلہ تھا کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کا جنازہ تو چھوڑا جا سکتا تھا، مگر امت محمدیہؐ کو بغیر خلیفہ و امام کے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا (رسالہ الفاروق ثانی اثنین نمبر چوکیرہ ضلع سرگودھا شمارہ ۱۹۵۸ء)

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

الحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقۃ

سچ ہے کہ

الحق یعلو ولا یعلی علیہ

فصل سوم

حدیث منزلت پر ایراد اور اس کا جواب

بعد ازاں پیر صاحب آف سیال شریف "حدیث منزلت" کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

① رسالہ مذہب شیعہ:

"علیٰ ہذا القیاس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلا فصل پر غزوۂ تبوک کی روایت کو دلیل پیش کرنا سخت ناواقفی اور بے خبری کی دلیل ہے۔ یعنی غزوۂ تبوک کے موقع پر حضورِ اقدسؐ علیہ الصلوٰۃ و السلام کا حضرت علیؑ کو ارشاد فرمانا: "اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ"۔ یعنی اے علیؑ آپ اس بات پر راضی نہیں کہ جو نسبت ہارون کو موسیٰ سے تھی وہی منزلت آپ کو مجھ سے ہوتی۔ اب روایت سے ثابت کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل مقرر فرما رہے ہیں، کس قدر بے محل ہے۔ اولاً: اس لیے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کی عین حیات میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ نہ بلا فصل ہے اور نہ بالفصل۔ دیکھو شیعوں کے مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی کی کتاب حیات القلوب صفحہ ۳۶۸، اور ناسخ التواریخ وغیرہ جہاں صراحۃً موجود ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے عین حیات میں فوت ہوئے اور یہود نے حضرت موسیٰؑ پر یہ اتہام لگایا کہ انھوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی برائت پر آیت نازل فرمائی۔ جس کا ذکر قرآنِ کریم میں ان کلماتِ طیبات کے ساتھ ہے: "فبرأہ مما قالوا و کان عند اللہ وجیھا"۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اس اتہام سے بری فرمایا جو کچھ یہود نے ان کے متعلق باندھا تھا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم تھے۔ اور تفسیر صافی میں جو اہلِ تشیّع کی معتبر ترین کتاب ہے، بحوالہ تفسیر مجمع البیان جو شیعوں کے مجتہد اعظم کی تصنیف ہے، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ سے روایت تصدیق کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

عن علی علیہ السلام ان موسیٰ و ہارون صعدا علی الجبل فمات ہارون فقالت بنو اسرائیل انت قتلتہ۔ (لخ)

یعنی حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ ایک پہاڑ پر چڑھے۔ پس حضرت ہارونؑ فوت ہو گئے تو بنی اسرائیل نے کہا کہ: اے موسیٰؑ آپ نے ان کو قتل کیا ہے۔ (الخ)

حیات القلوب میں یہ واقعہ مفصل موجود ہے۔

تو یہ مشابہت خلافت کے ساتھ قرار دینا کہ جیسے حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے خلیفے تھے۔ ویسے ہی حضرت علیؑ حضورِ اقدسؐ کے خلیفے تھے۔ انتہادرجہ تعجب انگیز ہے۔ دلیل تو خلافت بلافصل اس مشابہت کے ذریعے سے لائی گئی۔ مگر اس تشابہت کی وجہ سے مُطلقاً خلافت نہ بلافصل نہ بالفصل ثابت ہو سکی؟

② تنزیہ الامامیہ:

مقامِ شکر ہے کہ پیر سیالوی نے حدیث غدیر کی طرح حدیث منزلت کی صحت کے انکار کرنے کی بھی جرأت نہیں کی، بلکہ صرف اس کی دلالت پر ایک بودا و بے بنیاد شبہ وارد کر کے گویا اس کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ گو اس کی صحت و وثاقت ان کی تصدیق کی محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ ؏

حاجتِ مشاطہ نیست رُوئے دِلآرام را

پیر صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلافصل پر غزوۂ تبوک والی روایت کو پیش کرنا سخت ناواقفی اور بے خبری ہے، دیدہ دلیری ہے۔ شاید پیر صاحب کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کے اس فتویٰ کی زد صرف شیعیانِ علیؑ پر ہی نہیں پڑتی، بلکہ جناب امیر المومنینؑ کی ذات بابرکات بھی اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ کیونکہ کتب سیر و تواریخ سے ثابت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے دربار خلافت میں اپنی خلافت حقہ کے ثبوت میں جہاں اور بہت آیات و روایات سے استدلال کیا ہے۔ وہاں اس حدیث منزلت کو بھی خاص طور پر پیش فرمایا ہے۔ اطمینانِ قلب کے لیے درجِ ذیل کتابیں دیکھی جائیں۔ ینابیع المودۃ۔ الدر المنظم کمال الدین شافعی۔

اگرچہ جناب امیر علیہ السلام کا اس بھرے دربار میں اپنی امامت حقہ و خلافت مُطلقہ کے ثبوت میں اس حدیث سے استدلال کرنا اور حاضرین میں سے کسی کا اس کی صحت و دلالت میں خدشہ نہ کرنا، جہاں اس کی صحت کی قطعی دلیل ہے، وہاں اس کے دلیل امامت و خلافت ہونے کا ناقابل انکار ثبوت بھی ہے۔ نیز پیر صاحب کے خدشہ کے بے جا و بے بنیاد ہونے کا روشن برہان بھی ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں مزید خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ تاہم مزید وضاحت کی خاطر چند حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔

① جہاں تک حدیث منزلت کی صحت و صداقت کا تعلق ہے تو اس پر تمام ائمہ حدیث کا اتفاق

ہے۔ چنانچہ ① علامہ ابن تیمیہ حرانی دشمن اہل بیت علیہم السلام بھی حدیث منزلت کی صحت پر متفق ہے۔ "ان ھذا الحدیث صحیح بلا ریب ثبت فی الصحیحین وغیرھما"۔ یہ بلا شک وشبہ حدیث صحیح ہے۔ بخاری ومسلم وغیرہ میں ثابت ہے۔ (منہاج السنّۃ جلد...... صفحہ...... طبع بولاق مصر) ② شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے: "و ائمۂ حدیث متفق اند بر صحت این و اعتبار بر قول ایشان است"۔ حدیث منزلت کے صحیح ہونے پر فن حدیث کے ائمہ کا اتفاق ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۸۳ طبع نولکشور) ③ علامہ ابن عبدالبر استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۵۹ طبع حیدر آباد میں لکھتے ہیں: "روی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ جماعۃ من الصحابۃ و ھو من اثبت الآثار و اصحہا"۔ یعنی آنحضرتؐ کا ارشاد "یا علی انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ" کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور یہ ثابت ترین وصحیح ترین اخبار وآثار میں سے ہے۔ بلکہ ④ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ نے اسے متواتر کہا ہے۔ (قطف الازھار المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ صفحہ ۲۸۱ طبع بیروت) ⑤ شاہ ولی اللہ دہلوی نے لکھا ہے: فمن المتواتر حدیث انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ...... الخ۔ (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۶۰ طبع بریلی)

② اور جہاں تک اس حدیث کی جناب امیر علیہ السلام کی خلافت مطلقہ پر دلالت کا تعلق ہے تو وہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح وآشکارا ہے۔ اور اس پر کسی قسم کے شکوک وشبہات کا کوئی غبار نہیں ہے۔

③ اس مقصد کی مزید وضاحت وصراحت کے لیے بطور تمہید یہ چیز ذہن نشین رہے کہ عقلائی قاعدہ یہ ہے کہ: "کسی مطلب کی عمومیت یا خصوصیت کے لیے ہمیشہ الفاظ کے عموم وخصوص پر نظر کی جاتی ہے۔ نفس واقعہ کو مدنظر نہیں رکھا جاتا، جس میں وہ الفاظ وارد ہوئے ہوں"۔ "کما قیل العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص المورد"۔ بنا بریں یہاں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ پیغمبر اسلامؐ نے یہ ارشاد جنگ تبوک کے موقع پر فرمایا ہے یا کسی اور موقع پر۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ آیا اس میں عموم پایا جاتا ہے یا نہیں؟ سو واضح ہو کہ علوم عربیہ کے علماء نے تصریح کی ہے کہ جب اسم جنس مضاف ہو یا معرف بلام جنس ہو تو وہ جمع مضاف کی طرح عمومیت واستغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح مختصر الاصول لابن حاجب جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ بحث عموم شارح عضد الدین الایجی۔ وشرح منہاج الوصول بیضاوی وغیرہ) ظاہر ہے کہ لفظ "منزلت" "اسم جنس ہے" جو حدیث میں مضاف واقع ہوا ہے، لہٰذا مفید عموم ہوگا، اور حدیث منزلت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا: "یا علی! سوائے مرتبہ نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر تمام منازل ومراتب میں تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی"۔

علماءِ بیان نے اس عمومیت کا معیار صحت اِستثناء کو قرار دیا ہے۔ یعنی جہاں کلام میں اِستثناء کرنا صحیح ہو وہاں کلام میں یقیناً عمومیت ہوتی ہے۔ اور وہ اِستثناء یہاں موجود ہے۔ (الا انه لا نبی بعدی) لہٰذا لامحالہ کلام میں عموم تسلیم کرنا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ منجملہ منازل ہارونیؑ کے ایک منزلت جناب موسیٰؑ کی نیابت و خلافت بھی تھی، یعنی یہ کہ وہ بنصِ قرآن جناب موسیٰؑ کے نائب اور جانشین تھے۔ (یاھارون اخلفنی فی قومی) لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ منزلت جناب امیر علیہ السّلام کو بھی حاصل ہے۔

اب رہا یہ کہنا کہ حضرت ہارونؑ چونکہ حضرت موسیٰؑ کی حین حیات میں وفات پا گئے تھے۔ اس لیے ان کو مسند موسوی پر بیٹھنے کا اِتفاق نہیں ہوا۔ اس لیے جناب امیر علیہ السّلام کو بھی یہ مسند نہیں ملنی چاہیے۔ یہ ایسا ہی عذر بارد ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ چونکہ حضرت ہارونؑ، جناب موسیٰؑ سے عمر میں بڑے تھے۔ اس لیے جناب امیرؑ کو بھی آنحضرتؐ سے بڑا ہونا چاہیے۔

خدا بُرا کرے تعصّب و عناد کا کہ جب یہ کسی انسان کے دل و دماغ پر مُسلّط ہو جائے تو ایسے روشن حقائق بھی اُسے دھندلے نظر آنے لگتے ہیں اور ذاتی تشخصّات و کیفیات اور منازل و فضائل میں جو نمایاں فرق ہے۔ وہ بھی محسوس نہیں ہوتا...... ہم نے منازل و فضائل میں مماثلت و اتحاد کا دعویٰ کیا ہے۔ نہ کہ ذاتی تشخصّات و شخصی کیفیات کا۔ ظاہر ہے کہ عمر میں بڑا یا چھوٹا ہونا۔ پہلے یا پیچھے مرنا انسانی کمالات و فضائل میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ انسانی تشخصّات و کیفیات میں شامل ہے۔ کما لا یخفی

سوال دراصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد اگر حضرت ہارونؑ موجود ہوتے تو ان کا جانشین کون ہوتا؟ حضرت ہارونؑ یا کوئی اور؟ ظاہر ہے کہ ہر صاحبِ عقل و انصاف یہی جواب دے گا کہ جناب ہارونؑ کی موجودگی میں کسی اور شخص کی خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو یہاں تو حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرتِ آیات کے بعد جناب امیر علیہ السّلام زندہ و موجود تھے۔ لہٰذا ان کی موجودگی میں کسی اور شخص کی خلافت کا تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ جناب امیر علیہ السّلام خلافت نبویہ کو بلاشرکت غیرے اپنا حق سمجھتے تھے اور ان کو محروم کر کے مسند اقتدار پر قبضہ کرنے والوں کو ظالم، جابر، غاصب اور خائن سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ان حقائق کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے۔

مؤلف رسالہ نے ان دو نصوصِ صریحہ و صحیحہ پر غلط ملط تنقید و تبصرہ کرنے کے بعد (جن کا تارو پود ہم نے بکھیر کے رکھ دیا ہے) لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السّلام کی خلافت پر اور کوئی نص موجود نہیں ہے۔ سچ ہے: ے

اذا لم یکن للمرء عین صحیحه
فلا غرو ان یرتاب و الصبح مسفر

یعنی:

گر نبیند بروز شپره چشم
چشمۂ آفتاب را چه گناه؟

جناب امیر علیہ السلام کی خلافت حقہ و امامت مطلقہ کے متعلق اس قدر آیات و روایات وارد ہیں کہ اگر ان کا عدد احصاء کیا جائے تو اس کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ ان نصوص کے ایک شمہ دیکھنے کے شائقین (۱) احقاق الحق (۲) الغدیر، (۳) عبقات الانوار (۴) فلک النجاۃ (۴) البلاغ المبین (۴) ثبوتِ خلافت (۵) خلافت الٰہیہ اور (۶) اثبات الامامت کی طرف رجوع کر کے اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ طالبان حق کو حق وصدق پوری تابنا کیوں کے ساتھ نظر آجائے گا۔ یہاں ان کے عشر عشیر کا ذکر کرنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ و الذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا و ان الله مع المحسنین۔

(۳) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

حدیث منزلت بحوالہ بخاری درج کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

(۱) "قابل غور امور۔ حدیث رسولؐ آپ کے سامنے ہے۔ اس میں بار بار غور فرمائیں اور دیکھیں کیا آیا اس میں حضور نبی اکرمؐ کے وصال کے بعد خلافت بلا فصل کا کوئی قرینہ اور اشارہ موجود ہے؟...... یہ صرف اور صرف وقتی اور عارضی خلافت و نیابت تھی...... لہٰذا اس کو محل نزاع یعنی بعد از وصال مصطفوی حضرت علیؑ کے خلیفہ بلا فصل ہونے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) حضرت علیؓ نے اگر خلیفہ اور نائب بنتے وقت اس نیابت کو اہم سمجھا ہوتا...... تو یہ شکوہ کرنے کا قطعاً کوئی مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟

(۳) حقیقت حال یہ ہے کہ حضور سرور عالمؐ کے اس قدر طویل المسافت اور اہم غزوہ میں مصروف ہونے اور مدینہ کے مجاہدین اسلام سے خالی ہونے کی صورت میں علی الخصوص ازواجِ مطہرات اور سیدہ فاطمہ زہراؓ اور دیگر اہل بیت کے گھرانوں کی حفاظت نیز جملہ ضروریات کے مہیا کرنے کے لیے حضرت علی مرتضیٰؓ جیسے ہمہ گیر پہلو اور انتہائی قریبی اور دلیر و شجاع شخصیت کا مرکز میں موجود رہنا ضروری تھا۔ اور آپ کے علاوہ کوئی ایسا موزوں شخص نہیں تھا۔ اس لیے آنحضرت کی نگاہِ انتخاب آپ پر پڑی...... (پھر وفاتِ نبوی کے بعد ایسی ہمہ گیر شخصیت کو کیوں نظر انداز کیا گیا ہے......)

④ آپ کا یہ ارشادِ گرامی حضرت علیؑ کی دلجوئی کے لیے تھا۔

⑤ حضرت موسیٰؑ کی واپسی پر حضرت ہارونؑ خلیفہ رہے یا وہ خلافت ختم ہوگئی۔ اور صرف وزارت ونبوت کا منصب رہ گیا۔ تو اس منسوخ خلافت کے ساتھ تمثیل سے ...... ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ کی خلافت ونیابت بھی حضور سرورِ عالمؐ کے تشریف لانے پر ختم ہوگئی ......

⑥ علاوہ ازیں اس تشبیہ سے خلافت وحکومت اس وقت ثابت ہوسکتی تھی جب کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی حکومت قائم ہوچکی ہوتی ...... اور جب تک یہ ثابت نہ ہو تو پھر اس تشبیہ سے محل نزاع یعنی خلافت وحکومت پر استدلال کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟

⑦ وہ ہزاروں صحابہ کرام جنکی تعداد بقول بعض مؤرخین بیس ہزار اور ...... وہ سبھی سید عالمؐ کے امر و حکم کے پابند تھے۔ یا حضرت علیؑ کے امر وحکم کے؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ سب حضرات حکم نبوی کے پابند تھے۔ اور حضرت علیؑ کے حکم سے باہر ...... لہٰذا جب وہ مجاہدین اسلام اس خلافت کے زیر نگین نہیں تھے۔ تو وصالِ مصطفیٰؐ کے بعد حضرت علیؑ کی حکومت اس کی رو سے کیسے ثابت ہوگی ......؟

⑧ نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور دیگر اطراف واکناف پر حضرت علیؑ کی حکومت قائم ہوگئی تھی اور تمام افراد آپ سے ہدایات لینے کے پابند کیے گئے تھے یا نہ؟ تو اس نیابت مخصوصہ سے عالم اسلام کی خلافت مطلقہ پر استدلال کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

⑨ نیز حدیث منزلت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے ابطال کی بجائے اس کی حقانیت واضح ہوتی ہے۔ کیونکہ جس وقت حضرت علیؑ کو اس اعزاز سے نوازا گیا اس وقت سفر تبوک میں یہ تینوں حضرات نبی اکرمؐ کے ساتھ تھے۔ لہٰذا اگر اس حدیث شریف میں خلافت مرتضیٰؓ کا اشارہ بھی تسلیم کیا جائے تو صرف اس وقت خلافت آپ کا حق ہے جب سفر آخرت میں وہ تینوں بارگاہِ نبوی کی حاضری سے بہرہ ور ہوگئے ......

⑩ نیز فرمان رسولؐ انت منی ...... سے خلافت مرتضویہ پر استدلال اس صورت میں درست ہوتا۔ جب اس جملہ سے ان کو خلیفہ بنایا جاتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو خلیفہ پہلے بنایا گیا تھا۔ (یہاں تک تُحفہ حسینیہ جلد سوم کی صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۲۳ تک کی تطویل لاطائل کا خلاصہ درج کیا گیا ہے) ......

بعد ازاں موصوف نے پیر صاحب آف سیال شریف کے رسالہ مذہب شیعہ والے حدیث منزلت پر ایرادات میں "تنزیہ الامامیہ" کے صفحہ ۱۵۳ سے صفحہ ۱۵۸ تک کے جوا [illegible] اصہ درج کرنے کے بعد ...... اس پر بے جا تنقید کے تیر برساتے ہوئے رقمطراز ہیں:

[illegible]

الاسلام ...... کے ارشادات کے جواب میں علامہ ڈھکو صاحب کی تاویلات وتسویلات آپ نے ملاحظہ فرمالیں ۔ اب ان کے جوابات اور وجوہ بطلان ملاحظہ فرمائیں ......

جواب اول: علامہ صاحب نے فرمایا کہ پیر صاحب کا اس حدیث سے خلافت بلافصل پر استدلال کو بے خبری قرار دینا خود حضرت علیؑ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ ڈھکو صاحب خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں ...... جیسے اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں موجود ہی نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؑ نے حضرت صدیق کے مقابل اپنی خلافت بلافصل کی دلیل کے طور پر اس حدیث کو یا کسی اور حدیث کو پیش کیا ہو تو آپ بے خبری والے قول کی لپیٹ میں کیوں کر آسکتے ہیں؟......

جواب الثانی: دوسری توجیہہ وتاویل ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ حاضرین دربار کا اس استدلال میں خدشہ پیش نہ کرنا صحت حدیث کی دلیل بھی ہے۔ اور اس کے نصِ امامت وخلافت ہونے کی بھی ...... علامہ موصوف کے نزدیک خدشہ پیش نہ کرنے کا پتا نہیں مفہوم کیا ہے۔ جب بقول ان کے حضرت امیر علیہ السلام نے یہ استدلال پیش کیا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کو قبول کر لیا گیا اور اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے آپ کی بیعت کر لی گئی؟...... علاوہ بریں یہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ آپ نے اس کو نص خلافت کے طور پر پیش کیا تھا۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

جواب الثالث: علامہ صاحب نے فرمایا: جہاں تک اس حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو اس پر تمام محققین کا اجماع ہے ...... ہمارے نزدیک صحیح ہونے کے باوجود سرورِ عالمؐ کے بعد خلافت بلافصل کی نص نہیں ہے ......

جواب رابع: شیعی فاضل نے کہا اس حدیث کا حضرت امیرؑ کی خلافت مطلقہ پر دلیل ہونا روز روشن کی طرح آشکارو بے غبار ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علامہ موصوف اس کھلی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں کہ محل نزاع میں ...... بداہت کا دعویٰ کرنا قابل شنوائی نہیں ہوتا ...... حضرت اہل سنت ہوں یا معتزلہ اور غیر امامی شیعہ، ان کو حضرت علیؑ کی ذات وصفات سے جو محبت اور قلبی لگاؤ ہے۔ وہ ان کی کتب حدیث وسیر اور تفاسیر سے ظاہر ہے ...... لیکن اس کے باوجود وہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے قائل نہیں ...... تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے نزدیک کوئی ایسی نص صریح ...... موجود نہیں ہے۔ جس سے آپ کی خلافت بلافصل ثابت ہو سکے ......

جواب الخامس: اس توجیہ میں علامہ صاحب نے سارا زور اس پر لگایا ہے کہ حدیث منزلت میں عموم ہے۔ لہٰذا وہ صرف غزوۂ تبوک کے عرصہ میں نہیں، بلکہ اس میں ہمیشہ کے لیے حضرت علیؑ کی

خلافت کا اعلان پایا گیا...... جب حضور سرورِ عالم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو جو اقتدار و اختیار حضرت علیؑ کو سونپ گئے تھے۔ وہ خود سنبھال لیا یا نہ؟ دوسری صورت کا بطلان واضح ہے۔ ورنہ حضورؐ کا محرومِ اقتدار ہونا لازم آئے گا...... جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے...... شیعی کتب میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ یہ خلافت مدینہ منورہ تک محدود تھی۔ چنانچہ احتجاج طبرسی میں ہے:

اما المدینة لا تصلح الا بی او بك......

(پھر بھٹیارنیوں کی طرح طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہوئے) کہیں قول و عمل کا تضاد، کہیں قاعدہ وضابطہ سے تمسّک کی حقیقت اور کہیں ضابطہ وقاعدہ کے بیان میں دھوکا دہی کے عنوان قائم کر کے ژاژخائی کی گئی ہے......

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قول مصطفوی بمنزلہ ھارون من موسیٰ تو حکایت ہے۔ اس منزلت کی جو قول موسیٰ اخلفنی فی قومی سے ثابت ہو رہی تھی۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس قول سے اپنے جملہ کمالات اور منازل و مراتب میں حضرت ہارونؑ کی شرکت اور مساوات بیان فرمانا چاہتے تھے یا انھیں طور سے واپسی تک ان کو قوم کی دیکھ بھال اور نگرانی سونپ رہے تھے۔ (یعنی وہاں اور یہاں عمومی صفات و کمالات میں شرکت مراد نہیں ہے) کوئی معمولی عقل و دانش کا مالک بھی یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کا اس قول سے انھیں عارضی طور پر اور محدود وقت کے لیے اپنا قائم مقام بنانا مقصود تھا، نہ کہ نبوت اور دیگر منازل اور مراتب میں ان کی مساوات بیان کرنا......

جواب السادس: چھٹی توجیہ حدیث منزلت کی علامہ صاحب نے یہ ذکر کی تھی کہ یہ نہیں دیکھا جائے گا۔ کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں بس صرف یہ دیکھا جائے گا کہ اگر حضرت ہارونؑ زندہ ہوتے۔ تو جب حضرت موسیٰؑ کا وصال ہوا تھا تو آپؑ کا خلیفہ کون ہوتا؟

علامہ صاحب کی یہ توجیہ بھی خیالی دنیا والوں کے تخیل باطل...... کی طرح ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ کی وفات پہلے نہ ہوتی تو وہ خلیفہ ہوتے۔ لیکن حضرت علیؑ تو موجود تھے، لہٰذا وہ خلیفہ بن گئے...... بحث اس میں نہیں تھی کہ اگر حضرت ہارونؑ پہلے فوت نہ ہوتے تو حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ ہوتے یا نہ؟ بلکہ اس میں بحث و کلام ہے کہ انھیں موسیٰ کلیم اللہؑ نے اخلفنی فی قومی کہہ کر اپنے وصال کے بعد منصب خلافت تفویض فرمایا تھا یا صرف طور سے واپسی تک یہ ذمہ داری سونپی تھی؟...... ہمارا دعویٰ ہے کہ اس جملہ کو بعد از وصال خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وجوہ درج ذیل ہیں۔

① حضرت ہارونؑ...... پہلے وصال فرما گئے...... اگر ان کے متعلق حضرت موسیٰؑ نے اپنے وصال

کے بعد خلیفہ ہونے کا اعلان فرمایا تھا تو اس سے اس اعلان کا عبث ہونا لازم آئے گا یا اللہ تعالیٰ اور حضرت کلیم اللہؑ کا بے علم و بے خبر ہونا لازم آئے گا۔ نعوذ باللہ......

(۲) حضرت کلیم اللہؑ نے اخلفنی فی قومی فرما کر مکمل اختیارات سونپ دیے اور خود ہمیشہ کے لیے ان سے دستبردار ہو گئے یا اپنی موت کے بعد اختیارات سنبھالنے کا حکم دیا تھا؟ دوسری صورت میں وہ گوسالہ پرستی وغیرہ معاملات کے ذمہ دار نہ تھے۔ پھر ان کی سرزنش کیوں.......... اور پہلی صورت میں حضرت موسٰیؑ جناب ہارونؑ کے رعایا قرار پائیں گے۔

(۳) حضرت موسٰیؑ و ہارونؑ کے مراتب و منازل میں مکمل مماثلت و مساوات تھی تو حضرت موسٰیؑ نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ تو حضرت علیؑ جملہ مراتب و کمالات میں رسولِ معظمؐ کے برابر کیسے ہو گئے؟......

(۴) علامہ صاحب نے کہا کہ پہلے فوت ہونا یا بعد میں اور بڑا ہونا یا چھوٹا ہونا محل کلام سے خارج ہے...... یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ پہلے فوت ہونے سے اس خلافت کا وقت اور جہت متعین ہو گئی۔

(۵) علاوہ ازیں یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ حضرت ہارونؑ میں جو ایک جیسی منزلت ثابت کی گئی ہے۔ اس میں تشخصات...... بالکل ملحوظ نہیں ہیں۔ "معانی الاخبار" میں منقول ہے کہ حسنینؑ کریمین کے تولد پر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم دیا......

جواب سابع: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ہارونؑ کا پہلے وصال ہو گیا تھا، لہٰذا خلیفہ نہ بن سکے۔ مگر حضرت امیرؑ تو زندہ تھے، لہٰذا ان کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کی خلافت کا تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

(۱) مقام حیرت ہے کہ ڈھکو صاحب کو پندرھویں صدی میں جو چیز ناقابل تصور معلوم ہو رہی ہے۔ وہی چیز دوسرے حضرات کی خلافت مہاجرین و انصار بنو ہاشم وغیرہ کے اتفاق و اجماع کے ساتھ موجود و متحقق ہو گئی......

(۲) نیز یہ حقیقت محتاج بیان نہیں ہے کہ جن حضرات کے سامنے نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا تھا اور ان کی شکایت پر فرمایا: اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ انھوں نے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی معنی سمجھا تھا کہ یہ خلافت عارضی ہے...... نہ کہ دائمی یا بعد از وصال خلیفہ بنانے کے لیے

(۳) شیعی کتب اور اہل سنت کی روایات سے ثابت ہے کہ انصار کا راستہ حضور نبی اکرمؐ کا راستہ

ہے۔ جیسا کہ احتجاج طبرسی میں اس کی تصریح موجود ہے...... اور انھوں نے حضرت علیؑ کی بجائے حضرت ابوبکر کو رسول معظمؐ کی ...... مسند خلافت دے دی، تو واضح ہو گیا کہ یہی روش وطریقہ حضور نبی کریمؐ ...... کی پسندیدہ روش ہے......

④ حضرت شیخ الاسلام نے شیعی کتب کے حوالہ سے ثابت کیا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ مدینہ میں ٹھہرے نہیں تھے، بلکہ حضور اکرمؐ سے جاملے تھے۔ اور غزوۂ تبوک میں شامل ہو گئے تھے۔ لہٰذا یہ مماثلت تو اس وقت ہوتی جب آپ قیام مدینہ پر رضامند ہوتے...... لیکن آپ نے مدینہ منورہ میں قیام نہ کر کے ...... وہ منزلت قبول نہ کی......

⑤ علامہ موصوف نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کی موجودگی میں دوسرے کسی شخص کی خلافت کا تصور بھی کیسے کیا جاسکتا تھا؟ لیکن حضرت امیر علیہ السلام نے تاثر یہ دیا کہ ابوبکر صدیق کے ہوتے ہوئے دوسرے کسی بھی شخص کی خلافت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے ابوسفیان کی افواج وسپاہ مہیا کرنے کی پیشکشوں اور حضرت عباسؓ کے بار بار کے مشوروں کے باوجود حضرت علیؑ نے اس خلافت کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا......

⑥ یہاں پر یاد دہانی کرادوں کہ اس حدیث سے بعد از وصال خلافت، کا اعلان مقصود ہو تو حدیث غدیر میں اس خلافت کے اعلان سے تکرار لازم آئے گا اور بقول ڈھکو صاحب یہ تحصیل حاصل ہے۔ اور محال......

⑦ علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حدیث منزلت میں منزلت علویہ کو منزلت ہارونیہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور عقلائی قاعدہ ہے کہ تشبیہ کے لیے مُشبّہ اور مُشبّہ بہ میں تمام وجوہ میں اشتراک ضروری نہیں ہوتا بلکہ کسی ایک وجہ میں بھی مشارکت کافی ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر حضرت ہارونؑ زندہ ہوتے اور وہ خلیفہ بن بھی جاتے تو اس سے یہ کیسے لازم آتا کہ حضرت علیؑ بھی خلیفہ ہوتے......

⑧ علامہ ڈھکو صاحب نے کہا کہ پیر صاحب نے ان دو عدد حدیثوں پر غلط ملط تنقید کرنے کے بعد لکھا کہ "ان کے علاوہ اور کوئی دلیل اور نص خلافت امیر پر موجود نہیں" پھر انھوں نے بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث مُفید مدعا کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے...... حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا: "اہل تشیع کے دلائل خلافت بلافصل کا نمونہ تو آپ دیکھ چکے ہیں جو تصریحات کا انکار، من گھڑت اور غلط توجیہات پر اصرار کا مجموعہ ہیں" صفحہ ۸۳ اب فرمائیں کہ حضرت ...... نے شیعہ کے مفروضہ دلائل کا ان دو حدیثوں میں حصر کیا ہے، یا ان دو کو نمونہ قرار دیا ہے؟...... علامہ موصوف نے بیسیوں

آیات اور احادیث کے بے پایاں دفاتر کی طرف اشارہ کیا ہے...... ان کی مجموعی تعداد کتنی ہے اور کتنی نہیں؟ ہمیں اس سے غرض نہیں...... بلکہ ہمیں بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبولؐ ......کو معلوم تھا کہ عملی طور پر حضرت علیؑ...... خلیفہ نہیں بنیں گے یا معلوم نہیں تھا؟ دوسری شق کا بطلان تو واضح و آشکار ہے اور پہلی شق کے مراد ہونے کی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان سب آیات واحادیث کا مقصد یہ ہے کہ امت پر فرض ہے کہ وہ آپؑ کو خلیفہ بلافصل تسلیم کریں اور انھیں خلیفہ بنائیں۔ خواہ حضرت علیؑ اس سے نفرت و کراہت کا اظہار کریں یا ان کا مقصود یہ ہے کہ ان کے ادعائے امامت کی صورت میں ان کا ساتھ دیں اور ان کی اقتداء اور اتباع کریں۔ ظاہر ہے کہ امت پر یہ فریضہ اسی صورت میں واجب الادا ہوگا، جب آپ بھی اس کا دعویٰ کریں۔ نہ کہ جب آپ اس سے نفرت و کراہت کا اظہار کریں اور اسے سراب اور چھٹ جانے والا سحاب کہیں...... جبکہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہے کہ آپ نے قطعاً امامت کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو پھر اہل اسلام پر آپ کو خلیفہ بنانے کی ذمہ داری کیونکر عائد کی جاسکتی ہے؟...... سید عالمؐ فرماتے ہیں "اذا ظهرت البدع فی امتی فلیظهر العالم علمه و ان لم یفعل فعلیه لعنة الله" ...... لیکن یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ حضرت علیؑ نے نہ ہجرت فرمائی نہ خلفاء سابقین کو روکا اور نہ ان کے افعال واعمال پر تنقید فرمائی بلکہ اپنے دور خلافت میں بھی انہیں کی راہ و روش پر قائم رہے...... جس سے خود حضرت علیؑ کی ذات ہی موردِ الزام بن جائے گی۔ حدیث منزلت سے استدلال کرنے والا پہلا شخص عبد اللہ بن سبا تھا۔ چنانچہ صاحبِ ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ اس (عبد اللہ بن سبا) نے اپنے خدامِ خاص اور شاگردانِ با اخلاص سے کہا کہ خداوند عالم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس زمین پر بھیجے اور ہر ایک نبی کے لیے وزیر اور خلیفہ تھا، یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ پیغمبر اسلام اس جہان سے کوچ فرمائیں...... لیکن وہ مخلوق میں اپنا نائب اور خلیفہ مقرر نہ کریں؟...... چنانچہ آپ نے فرمایا: اے علیؑ! تم مجھ سے اسی مقام پر فائز ہو جس پر حضرت ہارونؑ بہ نسبت حضرت موسیٰؑ کے فائز تھے۔ (ناسخ جلد ۲ صفحہ ۵۲۴) یہ پہلا استنباط اور اجتہاد ہے اس خلافت بلافصل کے متعلق...... جو ایک مسلم نما یہودی نے ۳۵ھ میں پیش کیا ......(تحفہ حسینیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳ تا ۶۱)

(۴) اس پر ہمارا محققانہ تبصرہ: ؎

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو کہ میری باری آئی

تحفہ حسینیہ کی تینوں جلدوں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آج تک جو کچھ نواصب و خوارج نے توہین و تنقیص آل محمد علیہم السلام میں لکھا ہے یا کہا ہے وہ سب کچھ اس مار آستین نے حوالہ قلم و قرطاس کر دیا ہے اور اس کے باوجود یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہ حضرت علیؑ اور دوسرے افراد اہل بیت علیہم السلام کو مانتے ہیں۔ اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ مگر ہمیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ ان ذواتِ مقدسہ کو مانتے کیا ہیں؟ ان کے خلفائے رسولؐ ہیں تو اور، ائمہ فقہ ہیں تو اور، مفسر و محدث ہیں تو اور، رہبر و رہنما اور پیشوا ہیں تو اور۔ لہٰذا یہ بات غور طلب ہے کہ جناب اشرف سیالوی اور ان کے پیر سیالوی اور ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ حضرات ان ذواتِ مقدسہ علیہم السلام کو مانتے کیا ہیں؟...... ان ذواتِ مقدسہ کی فضیلت کی کوئی آیت پیش کی جائے تو یہ تاویلات کا جال بچھا دیتے ہیں، کوئی مستند ترین حدیث پیش کی جائے تو پہلے تو اس کی صحت کا انکار کر دیتے ہیں اور اگر صاف انکار نہ کر سکیں تو پھر تاویل در تاویل کا جال بننے لگ جاتے ہیں۔ پھر جال بھی اتنا لمبا چوڑا بچھاتے اور بنتے ہیں کہ قاری اس میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔

ہر چیز یہاں کی الٹی ہے
یاں الٹی گنگا بہتی ہے

یہی وجہ ہے کہ موصوف نے ایک سو اسی صفحات پر مشتمل رسالہ "تنزیہ الامامیہ" کے جواب میں پورے چودہ سو سولہ صفحات اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کر ڈالے۔ چنانچہ حدیث غدیر جیسی متواتر اور مسلم الثبوت حدیث پر اپنے بے ہودہ اعتراضات و ایرادات سے فارغ ہو کر اب حدیث منزلت کو اپنی تنقید شدید کا نشانہ بنا کر اپنی ناصبیت اور خارجیت کا بھانڈا عین چوراہے پر پھوڑ دیا ہے۔ سچ ہے:

اذا القیت جلباب الحیاء فاصنع بما شئت

یعنی: "بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن"

اشرف سیالوی صاحب کی تنقیحات و تنقیدات کا بے بنیاد ہونا

موصوف نے اپنے رسالہ تحفہ حسینیہ جلد ۳ کے ص ۱۳ سے لے کر ص ۲۳ تک پہلے اپنے پیر و مرشد کی بے جوڑ عبارت نقل کر کے بعد ازاں بطور تتمہ مبحث اپنی طرف سے دس صفحات تک پھیلی ہوئی دس عدد تنقیحات قائم کر کے تنقیدات کے تیر برسائے ہیں۔ مگر ہر تنقید کی بنیاد اسی بات پر رکھی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث جنگ تبوک کے موقع پر جب کہ حضرت علیؑ کو مدینہ میں ناظر و نگران

بنا کر چھوڑا تھا، ارشاد فرمائی تھی اور ہم یہ حقیقت ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کم از کم دس مختلف اہم مقامات پر یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ جس سے سیالوی صاحب کی کھڑی کی ہوئی عمارت دھڑام سے گر جائے گی اور زمین بوس ہو جائے گی۔ وقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثوراً۔

وہ دس مقامات جن پر آنحضرتؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی:

① مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد جب حکیم الامت مصطفیٰ ﷺ نے مہاجرین وانصار میں عقد مواخات قائم فرمایا تو اس وقت حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بناتے ہوئے یہ حدیث ارشاد فرمائی: "یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی"۔ (ملاحظہ ہو المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۶۳، حدیث ۱۱۰۹۲، المعجم الاوسط جلد ۶ صفحہ ۳۳۳، حدیث ۷۸۹۴ طبع الریاض، الجامع الکبیر للسیوطی جلد ۱۶ صفحہ ۳۳۴ حدیث ۷۷۷۷، جلد ۱۹ صفحہ ۷۲ ۴ حدیث ۱۵۱۳۶ طبع بیروت، مسند احمد بن حنبل، کنز العمال، تذکرۃ الخواص، الریاض النضرۃ، الفصول المہمہ وغیرہ وغیرہ)

② بوقت سد الابواب۔ ہجرت نبویؐ کے بعد آنحضرتؐ نے جب مدینہ پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ خانہ کعبہ کی شبیہ یعنی مسجد نبوی تعمیر فرمائی اور خود آپ نے حضرت علیؑ نے اور دوسرے صحابۂ کرام نے اس کے ارد گرد اپنے اپنے گھر اس طرح تعمیر کرائے کہ سب کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے اور وہ مسجد کے راستہ سے ہی اپنے گھروں میں آتے جاتے تھے۔ مگر بعض اوقات وہ ایسی حالت میں ہوتے تھے کہ مسجد سے نہیں گزر سکتے تھے۔ اس طرح مسجد کی حرمت پامال ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آنحضرتؐ نے بحکم پروردگار اپنا اور حضرت علیؑ کا دروازہ چھوڑ کر باقی سب دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا۔ جس پر بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں تب، آنحضرتؐ نے فرمایا: "ان علیا منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی"۔ چنانچہ جناب موسیٰؑ نے بھی جناب ہارونؑ کا دروازہ چھوڑ کر باقی سب دروازے بند کر دیے تھے۔ ملاحظہ ہو علامہ ہیثمی کی مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۱۴ طبع مکتبہ طبع مکتبہ القدسی قاہرہ، گنجی شافعی کی کفایۃ الطالب فی مناقب علی بن ابی طالبؑ صفحہ ۲۸۴ باب نمبر ۷۰، ابو المؤید موفق بن احمد المکی الخوازمی متوفی ۵۶۸ھ کی کتاب مناقب علی صفحہ ۶۰ فصل نمبر ۹، اور شیخ سلیمان حنفی القندوزی کی ینابیع المودۃ اور سید علی ہمدانی کی مودۃ القربیٰ اور مولانا عبید اللہ امرتسری کی ارجح المطالب۔

③ ولادت حسنین شریفین علیہما السلام کے وقت جب شہزادوں کے نام رکھنے کا وقت آیا تو بحکم پروردگار جناب ہارونؑ کے بیٹوں کے نام پر نام رکھے اور یہ حدیث ارشاد فرمائی: "یا علی انت منی

بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی"۔ (ملاحظہ ہو تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۱۸ مطبعہ وہبیہ مصر ۱۲۸۰ھ، ذخائر العقبیٰ لمحب الدین الطبری صفحہ ۱۲۰ طبع مکتبۃ القدسی قاہرہ، توضیح الدلائل، ینابیع المودۃ صفحہ ۳۲۷ طبع اسلامبول ۱۳۰۱ھ اور ارجح المطالب وغیرہ)

④ جنگ خیبر کے دن یہ حدیث ارشاد فرمائی، جیسا کہ حافظ ابن مغازلی الشافعی نے "مناقب علی بن ابی طالب" صفحہ ۲۳۸ حدیث ۲۱۶ طبع بیروت، الروضۃ الندیہ محمد بن اسماعیل الامیر الکحلانی صفحہ ۸۰ مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ، اخطب خوارزم نے اپنی کتاب المناقب صفحہ ۷۶ فصل ۱۳، میں اور شیخ سلیمان قندوزی حنفی نے ینابیع المودۃ صفحہ ۱۸۲ باب ۴۴ میں اسے درج کیا ہے۔

⑤ بوقت ورود علیؑ علی النبیؐ: ایک دن حضرت پیغمبر اسلامؐ نے جناب سلمان محمدیؓ سے فرمایا اے سلمان! تم جانتے ہو کہ ہمارے اوپر وارد ہونے والا کون ہے۔ جب کہ حضرت علیؑ وارد ہوئے تھے۔ عرض کا یارسول اللہ! ہاں۔ جانتا تو ہوں مگر آپ مزید میری معرفت میں اضافہ فرمادیجیے! تب آپؐ نے فرمایا: اے سلمان! "هذا علی اخی لحمه لحمی و دمه من دمی منزلته منی بمنزلة هارون من موسیٰ یا سلمان! هذا وصی و وارثی"۔ (ملاحظہ ہو فرائد السمطین حموینی صفحہ ۱۳۸ طبع عراق، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۴ کتاب الفضائل)

یہی حدیث حضرت ابن عباسؓ اور انس بن مالک سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہوں: المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۵ حدیث ۱۲۳۴۱، جلد ۵ صفحہ ۲۲۰ حدیث ۵۱۴۶، مطبوعہ بغداد، الجامع الکبیر للسیوطی جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۱، ۳۶۱، حدیث ۴۴۲، ۳۳۴۴۷، ۴۹۸۹، ۳۴۰۱۴ مطبوعہ بیروت۔

⑥ ورود حدیث منزلت بوقت ارشاد یا علی انت اول المومنین ایماناً۔ ملاحظہ فرمائیں: کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۵، مطبوعہ حیدر آباد دکن، مسند الفردوس جلد ۵ صفحہ ۳۱۵ حدیث ۸۲۹۹، الریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴، ذکر اختصاصہ بانہ من النبی بمنزلۃ ہارونؑ من موسیٰؑ طبع مصر، تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۴۲ صفحہ ۷۲ ۵ طبع دار الفکر بیروت، المستدرک للحاکم جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ طبع حیدر آباد دکن)

⑦ بوقت ارشاد علیؑ امیر المومنین ہیں۔ جیسا کہ ابن مردویہ نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے۔ (مناقب ابن مردویہ زین الفتی فی تفسیر سورہ ہل اتی صفحہ ۲۵ قلمی)

⑧ (بوقت ارشاد لحمک لحمی ودمک دمی۔ جیسا کہ عاصمی نے زین الفتی تفسیر ہل اتی ابو نعیم اصفہانی نے مخفرۃ المطہرین میں اور شیخ شہاب الدین نے توضیح الدلائل اور حموینی نے فرائد السمطین میں بیان کیا ہے۔

⑨ حضرات جعفرؑ، عقیلؑ اور حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے۔ جیسا کہ جلال الدین سیوطی نے "الجامع

الکبیر" جلد۲۱ صفحہ ۳۳ حدیث ۱۸۲۳۹ مطبوعہ بیروت، محمد صدر عالم شافعی نے "معارج العلی فی فضائل علی" صفحہ ۴۰۱ طبع بیروت، ابراہیم بن عبداللہ الوصابی نے "کتاب الاکتفاء فی فضل اربعۃ الخلفاء" میں اور محمد حیدر عالم نے معراجُ العلیٰ میں ذکر کیا ہے۔

⑩ بروزِ غدیر خم ورود حدیث منزلت۔ جیسا کہ قاضی ابن خلکان نے اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں بذیل ترجمہ ابوتمیم الملقب بالمستنصر باللہ بن الطاہر طبع بولاق مصر ۱۳۱۰ھ میں بیان کیا ہے۔

منازلِ ہارونؑ کا بیان

اس بیان نیر البرہان سے روزِ رشن کی طرح یہ حقیقت واضح وعیاں ہوگئی کہ حضرت علیؑ کو سوائے مرتبہ نبوت کے باقی وہ تمام منازل حاصل ہیں جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھیں۔ اب رہی اس بات کی تحقیق کہ وہ منازل ہارونیہ کیا تھیں تو جو کچھ قرآن سے ثابت ہے۔ وہ منازل یہ ہیں: ① وزارت، جناب ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے وزیر باتدبیر تھے ② خلافت ③ نصرت ④ اخوت ⑤ شرکت در امور نبوت۔ اور یہ منازل قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہیں۔ حضرت موسیٰؑ بارگاہ احدیت میں دعا و استدعا کرتے ہیں: "و اجعل لی وزیرًا من اهلی هارون اخی اشدد به ازری و اشرکه فی امری"۔ اے میرے اللہ! میرے اہل بیت میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط فرما اور اُسے میرے امر نبوت میں شریک فرما۔ تو جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف شرکت در امور نبوت کی حضرت علیؑ سے نفی فرمائی ہے۔ تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس ایک منزلت کے سوا باقی تمام منازل ہارونیہ حضرت علیؑ کے لیے ثابت ہیں۔ جن سے اہم منصب وزارت وخلافت ہے۔ وهو اوضح من ان لا يخفى۔

دفع دخل مقدر

اگر حضرت رسولؐ خدا کا یہ مقصد ہوتا یا علی تم میرے واپس آنے تک مدینہ میں میرے خلیفہ ہو تو یہ خلافت تو آنحضرتؐ کی واپسی پر خود بخود ختم ہوگئی۔ تو پھر آنحضرت کو الا انه لا نبی بعدی کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ آنحضرت کا اپنے انتقال پر ملال کے بعد حضرت علیؑ کی نبوت کی نفی کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اس (نبوت) کے سوا باقی سب منازل ہارونیہ جناب امیر علیہ السلام کے لیے تمام اوقات اور ازمان میں ثابت ہیں جن میں ایک خلافت اور دوسری وزارت بھی ہے۔ تو جس طرح جناب ہارونؑ

حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ ووزیر تھے، اسی طرح حضرت امیر علیہ السلام بھی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ اور وزیر ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت ہارونؑ کو اجل محتوم نے مہلت نہ دی تھی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی مسند خلافت پر بیٹھتے۔ لیکن زندگی میں تو وہی جناب کے وزیر، خلیفہ وجانشین اور باہمہ صفت موصوف تھے۔ لہٰذا اگر وہ زندہ رہتے تو یقیناً آپ ہی حضرت موسیٰؑ کی مسند نبوت کے وارث ہوتے۔ لیکن حضرت امیر علیہ السلام تو آنحضرتؐ کے بعد زندہ موجود تھے۔ تو انھیں کیا چیز اس خلافت بلافصل اور وزارتِ نبویہ سے مانع تھی؟ لہٰذا شرعی اور دینی نقطۂ نگاہ سے انہی کو آنحضرتؐ کا خلیفۂ بلافصل تسلیم کرنا پڑے گا۔ لیکن افسوس کہ کچھ لوگوں نے ایک گہری سازش کے تحت انھیں اپنے حق سے محروم کر کے خانہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور لوگوں کو مسند نبوت پر بٹھا دیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ "ان محلی منها محل القطب من الرحی"۔ کہ حضرت علیؑ کا خلافت وامامت میں وہی مقام ہے جو چکی میں قطب آسیا کا ہوتا ہے۔ (نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ) اور آپؑ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ اقرب ہیں، جس کا اعتراف خود ابوبکر نے بایں الفاظ کیا ہے: "من سره ان ینظر الی اعظم الناس منزلة و اقربهم قرابة و افضلهم حالة و اعظمهم حقا عند رسول الله فلینظر الی هذا الطالع"۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ منزلت میں، سب سے زیادہ قرابت میں، سب سے افضل اور سب سے زیادہ حقدار اگر کوئی دیکھنا چاہے تو اسے (علیؑ) کو دیکھے۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۰۶ طبع قاہرہ)

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت میں صوفیا کی کثیر تعداد حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بلافصل تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ مشہور مُفسّر محمود آلوسی بغدادی نے زیر آیت انما ولیکم اللہ الخ لکھا ہے: "و کثیر من الصوفیة قدس الله اسرارهم یشیر الی القول بخلافته کرم الله وجهه بعد رسول الله صلی الله و آله وسلم بلا فصل ایضا لان تلك الخلافة عندهم هی الخلافة الباطنیة التی هی خلافة الارشاد و التربیت و الامداد و التصرف الروحانی و الخلافة الباطنیة لب الخلافة الظاهرة و کان هذه الخلافة فیه کرم الله وجهه علی الوجه الاتم هذا مشعر بافضلیة الامیر کرم الله وجهه"۔ بہت سے صوفیاء کے اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلافصل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مگر یہ کہ ان کے نزدیک یہ باطنی خلافت ہے۔ راستہ دکھانے، تربیت کرنے، امداد کرنے اور روحانی تصرف کی خلافت ہے اور باطنی خلافت ظاہری خلافت کا اندرونی خالص گودا ہے اور یہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے افضل ہونے کا پتا چلتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ثلاثہ کی خلافت محض ایک خول کی مانند ہے اصل خالص

(لب گودا) خلافت حضرت علیؑ کی تھی"۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۱۸۶ طبع ملتان)

بفضلہ تعالیٰ اس بیان حقیقت ترجمان سے پیر سیالوی صاحب یا اشرف سیالوی صاحب کے سارے تانے بانے کھل گئے اور سارا قصرا استدلال بنیاد کے ختم ہوجانے سے منہدم ہوگیا۔ والحمدللہ۔

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں
کچھ نہ دوا نے کام کیا

سیالوی صاحب کے ایک اور ایراد کا جواب

چونکہ وہ سب ایرادات اس بات پر مبنی تھے کہ حضرت رسولؐ خدا نے یہ حدیث منزلت صرف جنگ تبوک کے موقع پر فرمائی تھی۔ جب کہ ہم نے اوپر ثابت کیا ہے کہ اس کے علاوہ کم از کم دس مقامات پر ارشاد فرمائی تھی۔

سیالوی صاحب نے بار بار یہ لکھا ہے کہ امت پر تب حضرت علیؑ کا ساتھ دینا لازم ہوتا کہ جب آپ خلافت کا دعویٰ کریں اور اس کے لیے کوئی عملی اقدام کریں۔ مگر جب وہ اس سے نفرت کریں اور اسے سراب اور چھٹ جانے والا سحاب کہیں اور بکری کے ناک کی ریزش سے بھی زیادہ حقیر اور خنزیر کی اس ہڈی سے زیادہ حقیر تر قرار دیں جو جذامی کے ہاتھ میں ہو، جب آپؑ نے قطعاً امامت کا دعویٰ نہیں کیا تو پھر امت پر آپؑ کو خلیفہ بنانے کی ذمہ داری کس طرح عائد ہو سکتی ہے۔

(تحفہ حسینیہ جلد ۳ صفحہ ۵۵، ۵۶)

الجواب بعون اللہ الوہاب:

خدا و مصطفیؐ نے تو حضرت علیؑ کو خلافت نبویہ کے لیے نامزد کر دیا تھا اور حضرت علیؑ نے یہ عہدۂ جلیلہ بخوبی قبول بھی کر لیا تھا مگر پیغمبر اسلامؐ کی امت میں کلمہ گویانِ اسلام میں، بلکہ خود صحابہ کرام میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے؟ جو اسلام ہی اسی لالچ میں لائے تھے کہ وہ لطائف الحیل سے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اُن کی مسند اقتدار پر قابض ہو کر اقتدار کے مزے لوٹیں گے اور وہ آنحضرتؐ کے عین حیات میں بھی اس پخت و پز میں لگے ہوئے تھے۔ جیسا کہ اوراقِ تاریخ شاہد ہیں، اور ان کو اس مقصد کی تکمیل کا موقع اس وقت ملا جب حضرت علیؑ اور بنوہاشم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں مصروف تھے اور ان لوگوں نے اپنے دیرینہ مقصد کی سقیفہ بنی ساعدہ میں تکمیل کر لی......اور

جنازۂ رسولؐ میں شرکت کی سعادت بھی حاصل نہ کر سکے۔ مگر حضرت علیؑ

اماے کہ روز وفاتِ پیغمبرؐ
خلافت گزارد بماتم نشیند

اصحابِ ثلاثہ کے دور میں حضرت علیؑ کا برابر دعوائے خلافت کرنا

حضرت علی علیہ السلام کا ہر دورِ خلافت میں بار بار اپنی خلافت حقہ اور امامت مُطلقہ کا اِظہار کرنا اور ان کی بیعتوں کا انکار کرنا اظہر من الشمس حقیقت ہے۔ جس کوئی اسلامیات پر نگاہ رکھنے والا ناظر خبیر انکار نہیں کر سکتا۔ ادھر سے جب بھی بیعت پر اصرار ہوا اور ادھر سے انکار۔ ساتھ ساتھ اپنے احق بالخلافت ہونے اور جانشین رسولؐ ہونے پر اصرار رہا۔ ثبوت کے لیے درج ذیل کتب دیکھی جا سکتی ہے۔ ① الامامۃ والسیاسۃ ابن قُتیبہ دینوری مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۰ ② شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۷۔ ③ روضۃ الاحباب جلد ۲ صفحہ ۲۵، ④ حبیب السیر جلد ا جزء چہارم صفحہ ۲ ⑤ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۱ طبع مجتبائی دہلی ⑥ العقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۳۴، ⑦ نہج البلاغہ کے خطبات بالخصوص خطبہ شقشقیہ...... آپؑ بلاشک وشبہ نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ اور بعد از وصال بھی آپ کے خلیفہ برحق ہیں۔ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے پیغمبر اسلام ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "علی خلیفتی علیکم فی حیاتی و فی مماتی" ۔ علیؑ تم پر میری زندگی میں بھی خلیفہ ہے اور میری وفات کے بعد بھی"۔ (روضۃ الاحباب جلد ۳ صفحہ ۱۶)

حضرت علیؑ نے قسم اٹھا کر فرمایا تھا: "واللہ انی لاخوہ و ولیہ و وارثہ و ابن عمہ و من احق بہ منی"۔ "بخدا بے شک میں ہی نبیؐ کا بھائی، ان کا خلیفہ و وارث، ابن عم ہوں اور مجھ سے زیادہ اس کا کون حق دار ہے؟"۔ (فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۶۵۳ نمبر ۱۱۱۰، طبع ام القریٰ مکہ مکرمہ، المعجم الکبیر للطبرانی جلد ا صفحہ ۱۰۷ نمبر ۱۷۶ طبع بغداد، مستدرک للحاکم مع التلخیص للذہبی جلد ۳ صفحہ ۱۲۶ طبع انڈیا)

پورے ۲۵ سال حضرت امیر علیہ السلام نے خانہ نشینی میں گزارے اور اہل اقتدار کے کسی کام و اقدام میں شامل نہیں ہوئے سوائے اس کے کہ اگر کبھی اسلام اور مُسلمانوں پر مُشکل وقت آیا۔ تو حضرت علی علیہ السلام نے اسلام کی بقا اور مُسلمانوں کی فوز و فلاح کی خاطر مُفید مشوروں سے انھیں نوازا۔ اور اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ ہاں البتہ ظاہری اقتدار کے حصول کی خاطر تلوار نہیں اٹھائی...... اور اس کی وجہ بھی خود مولائے کائناتؑ نے بار بار ظاہر فرمائی ہیں کہ ایک وجہ تو یہ تھی کہ حسب ظاہر یار و انصار نہیں تھے اور دوسری وجہ

یہ تھی کہ اگر آپ تلوار اٹھالیتے اور اسلام کے دارالحکومت میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی ۔ تو اس طرح دشمنانِ اسلام کو چاروں طرف سے حملہ کر کے اسلام کو مٹانے کا موقع مل جاتا ۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر مجھے خلافت کے چھن جانے کے صدمہ سے اسلام کے مٹ جانے کا زیادہ صدمہ ہوتا ۔ لہٰذا انھوں نے صبرو شکیب سے کام لیا اور اسلام بچالیا ۔ (نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ)

باقی رہا یہ امر کہ حضرت امیر علیہ السلام نے خلافت سے نفرت کا اِظہار کیا ہے ۔ اور اسے حقیر قرار دیا (العیاذ باللہ) یہ سیالوی صاحب کی جہالت وضلالت کا بین ثبوت ہے ۔ کیا حضرت امیر علیہ السلام خلافت نبویہ اور امامت کبریٰ کو حقیر قرار دے سکتے تھے ۔ بلکہ مولائے کائنات نے صرف ظاہری اقتدار سے نفرت کا اِظہار کیا ہے ۔ جو کہ نہ شرطِ نبوت ہے ۔ اور نہ شرطِ خلافت وامامت ورنہ اکثر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی نبوت ورسالت کا اِنکار کرنا پڑے گا ۔ جن کو ایک دن بھی دنیوی اقتدار واختیار حاصل نہیں ہوا...... اس کراہت کا بھی اس وقت اِظہار فرمایا کہ جب ۲۵ سال کے بعد تیسرے خلیفہ کی موت کے بعد لوگوں نے آپؑ کی بیعت کرنے اور ظاہری اقتدار ان کے حوالے کرنے کی خواہش ظاہر کی ۔ تب آپؑ نے اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے اس کراہت ونفرت کا اِظہار فرمایا کہ اب میں تمھیں یاد آیا ہوں ۔ تم کل کلاں کہاں تھے؟ صدر هر جا كه بنشيند صدر است......

حضرت یوسفؑ زندان میں تھے تو اپنا کارِ رسالت انجام دے رہے تھے ۔ حضرت علیؑ خانہ نشین تھے تو بھی اپنا کارِ امامت انجام دے رہے تھے ۔ والحمد للہ ۔

آخر حضرت امیر علیہ السلام نے اقتدار کیوں سنبھالا؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت امیر علیہ السلام ظاہری اقتدار کی مذمت کرتے تھے ۔ اور اسے حقیر سمجھتے تھے تو چوتھے نمبر پر زمام اقتدار کیوں سنبھالی؟ اس کا جواب مولائے کائناتؑ نے خود دیا ہے کہ اگر اقتدار سے میرا یہ مقصد نہ ہوتا کہ میں حق کا اِثبات اور باطل کا اِبطال کروں تو میں ناقۂ خلافت کی مہار اس کی کوہان پر ڈال دیتا کہ جہاں چاہے چلی جائے ۔ آپ کی صحیح بخاری میں تو یہ حدیث موجود ہے، کہ: " خير الناس اشدهم كراهية لهذا الامر حتى يقع فيه " ۔ "لوگوں میں سے بہتر وہ ہے کہ جو اس امرِ حکومت میں سب سے زیادہ کراہت کرنے والا ہو، جب تک کہ مجبور نہ کیا جائے" ۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب علامات النبوۃ) یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خلافت قبول کرنے پر جب مہاجرین اور انصار نے اصرار کیا ہے تو تب آپؑ نے یہ حکومت قبول کی، جیسا کہ

شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۰ میں ہے: "فلما مضت ثلاثة ایام من قتله اجتمع المهاجرون و الانصار و سائلوا علیاً و ناشدوه باللہ فی حفظ الاسلام و صیانة دار الهجرة للنبی ﷺ فقبل بعد شدة"۔ "جب عثمان کے قتل کو تین دن گزر گئے تو مہاجرین وانصار جمع ہوئے اور حضرت علیؑ سے سوال کیا اور آپؑ کو حفظ اسلام اور نبی ﷺ کے دارالہجرت کی حفاظت کے لیے اللہ کی قسم دی تو آپؑ نے بڑی شدت واصرار کے بعد خلافت کو قبول کیا"۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۰)

ویسے بھی خلافت حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کا حق تھا، اگر انھوں نے اپنا حق لے لیا تو اس میں کونسی قباحت ہے۔ آپؑ فرماتے رہے کہ یہ خلافت ہمارا حق ہے۔ اگر تم اسے دو گے تو ہم اسے قبول کریں گے اور اگر نہ دو گے تو ہم اونٹوں کی پشت پر سوار ہو کر چلے جائیں گے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۳۰۶) اور جب آپ مسند خلافت پر بیٹھے تو فرمایا: الحمد للہ علی احسانہ قد رجع الحق الی مکانہ۔ (روضۃ الاحباب جلد ۳ صفحہ ۴)

ہم نے بڑے اختصار کے ساتھ بڑے بڑے اُلجھے ہوئے مسائل کی گتھیاں سلجھا دی ہیں۔ اور اب ہمیں سیالوی صاحب کی ہر ہر تنقیح کا نمبروار جواب دینے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے وہ بنیادیں ہی گرا دیں ہیں جن کے ارد گرد ان کے دلائل اور بالفاظ مناسب شکوک وشبہات گھومتے تھے۔ ع

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

والحمد للہ علی احسانہ

نیز یہ بھی سیالوی صاحب کی بھول ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر پہلے پہل ابن سبا نے حدیثِ منزلت سے استدلال کیا۔ وہ تو حضرت علیؑ کو خدا مانتا تھا۔ امام برحق نہیں جانتا تھا۔ لہٰذا وہ غالی اور خارج از اسلام تھا، شیعہ مُسلمان نہیں تھا۔ جیسا کہ ہم ذرا آگے چل کر ابن سبا کے حالات میں مزید وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ "فانتظروا انی معکم من المنتظرین"......

نوٹ: اس کے بعد رسالہ "مذہب شیعہ" اور "تحفہ حسینیہ" میں جھوک دایہ ضلع جھنگ میں حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر کسی ہونے والے مناظرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ مناظرہ جھوک دایہ کے مقام پر ۱۷ ستمبر ۱۹۵۵ء کو ہوا تھا۔ جو کہ مولانا محمد اسماعیل اور مولوی دوست محمد قریشی دیوبندی کے درمیان ہوا تھا جب کہ ہم نجف اشرف عراق میں علوم اسلامیہ کی تکمیل میں مصروف تھے۔ اشرف سیالوی صاحب نے اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ رسالہ "تنزیہ الامامیہ" میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔ تو اطلاعاً عرض

ہے کہ ہمارا ہمیشہ سے یہ نظریہ رہا ہے کہ علمی مسائل عوامی مناظروں سے حل نہیں ہوتے۔ ہاں البتہ یہ شغل بے کاراں ہے کہ کوئی بٹیرے لڑاتا ہے کوئی مرغ لڑاتا ہے اور کوئی ریچھ کتے لڑاتا ہے۔ اور کوئی مولوی لڑا کر تماشہ دیکھتا ہے اور لوگوں کو دکھاتا ہے کہ کون سا مولوی اچھے ٹھونگے مارتا ہے۔ مناظرہ میں ہر ایک یہی کوشش کرتا ہے کہ عوامی جذبات ابھارے اور چرب زبانی سے کام لے کر اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑے، اس میں چونکہ کوئی کسی کی نہیں مانتا اس لیے دونوں اس لیے دونوں ہی نہیں ہارتے۔ حالانکہ مناظرہ جسے "جدل احسن" کہا جاتا ہے، دونوں متخاصمین کی غرض و غایت صرف اظہار حق اور اظہار صواب ہونی چاہیے۔ اگر ان کی غرض ایک دوسرے کی تغلیط والزام ہو تو یہ مکابرہ ہے مناظرہ نہیں کہلائے گا۔ اور ہونے والے ان اکثر مناظروں میں دیکھا گیا ہے کہ شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ عموماً یہ اہل سنت ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

(۱) الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۱۲۰ مطبوع مصر پر لکھا ہے کہ: حضرت امیر علیہ السّلام کو پہلی خلافت کے دربار میں بیعت کے لیے بلایا گیا تو آپؑ نے مطالبۂ بیعت پر فرمایا: "انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم و انتم اولی بیعۃ لی...... الخ"۔ میں تم سب سے اس خلافت کا زیادہ حقدار ہوں میں تمھاری بیعت نہیں کرتا۔ بلکہ تم لوگوں کو میری بیعت کرنی چاہیے۔ تا آخر کہ آپ بیعت کیے بغیر واپس تشریف لے گئے۔

(۲) روضۃ الاحباب جلد ۲ صفحہ ۳۳ مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۲۹۷ھ پر لکھا ہے کہ "ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ از وجوہ مہاجر و اعیان انصار مجمعی ساختہ فرستاد و علی مرتضی کرم اللہ وجہہ را بآن مجلس طلبید وی اجابت فرمودہ در آن مجمع حاضر شد و در محلی لائق خود بہ نشست و از موجب طلب خویش پرسید، عمر فاروق گفت موجب آنست کہ می خواہم کہ چنانچہ سائر اصحاب با ابو بکر بیعت کردہ اند تو ہم بیعت کنی علیؑ گفت من ہماں سخن کہ شما بر انصار حجت ساختہ اید و ایں منصب را گرفتید بر شما حجت می گردانم...... عمر گفت ترانگذاریم تا بیعت نہ کنی"۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر نے مہاجرین کے مجمع عام میں حضرت علیؑ کو بلوایا اور جب آپ تشریف لائے تو بلانے کا سبب پوچھا؟ جس پر عمر نے کہا کہ جس طرح دوسرے اصحاب نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے آپ بھی کریں۔ جس پر حضرت علیؑ نے فرمایا جو دلیل پیش کر کے تم نے انصار سے خلافت حاصل کی ہے۔ میں وہی دلیل پیش کر کے تم سے اپنی بیعت کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اس پر عمر نے کہا کہ جب تک آپ بیعت نہیں کریں گے تب تک ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔ الغرض معاملہ طول پکڑ گیا۔

اور آپؑ بیعت کیے بغیر واپس لوٹ گئے۔

③ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ طبع مصر پر لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے مطالبہ بیعت پر ابوبکر کو خطاب کر کے فرمایا: "کنا نری ان لنا حقا فی هذا الامر فاستبددتم علینا......" الخ یعنی ہم اس امر (خلافت) کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مگر تم نے ازراہِ ظلم وجور اسے ہم سے چھین لیا۔

④ کذافی البخاری جلد ۳ صفحہ ۳۵ والمسلم جلد ۲ صفحہ ۶۱۔ یہ دونوں وہ کتابیں ہیں کہ جن کے بارے شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں حدیث مرفوع مُتّصل کے بارے میں نہیں بلکہ بخاری و مسلم کی تمام احادیث کے بارے میں کہا کہ جو شخص بخاری و مسلم کی کسی حدیث کا انکار کرے وہ مذہب اہل سنت سے خارج ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صفحہ ۱۰۶ طبع المطبعۃ المنیریہ مصر)

اور ایسا ہی افادہ قرۃ العینین میں فرمایا ہے۔ دیکھیے صفحہ ۲۸۳ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ کی یہ عبارت: "جمیع اهل حق متفق اند بر تصحیح صحیح بخاری و مسلم"۔

ان حقائق کی موجودگی میں یہ کہنا کس قدر خلافِ واقع بات ہے بلکہ کذب صریح ہے کہ حضرت علیؑ نے کبھی اپنی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور وہ تو برضا ورغبت اصحابِ ثلاثہ کی بیعت کرتے رہے۔ (العیاذ باللہ) لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اس کے باوجود جن لوگوں نے حضرت امیر علیہ السلام کا ساتھ نہیں دیا ان سے بروزِ محشر خدا ضرور سوال وجواب کرے گا اور اُن کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا......

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

باب ششم

بعض مسائل مُتفرّقہ کے بیان میں

اور اس میں چھ فصلیں ہیں

اگرچہ پیر صاحب سیالوی نے اپنے رسالہ مذہب شیعہ کے ص ۹۰ سے لے کر ص ۱۱۵ تک کوئی نئی چیز پیش نہیں کی بلکہ اکثر و بیشتر انہی مطالب و معانی کا اعادہ و تکرار کیا ہے جن کے ہم کئی بار ہمت و دندان شکن جوابات پیش کر چکے ہیں۔ تاہم چونکہ موصوف نے ان مسائل کو نیا رنگ و روغن دے کر پیش کیا ہے۔ ہم بھی دوبارہ ان پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے مختصر تبصرہ کیے دیتے ہیں۔

فصل اوّل

① رسالہ مذہب شیعہ:

کیا مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی ایجاد ہے؟ پیر آف سیال شریف نے دیگر ہم مسلک تعصب نواز اہل سنت کی طرح یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کہ مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی پیداوار ہے۔ چنانچہ وہ اپنے رسالہ کے ص ۹۳ پر لکھتے ہیں: "رجعی مذہب دنیا میں سب سے پہلے جس شخص نے پیدا کیا۔ وہ عبداللہ بن سبا ہے۔ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق غاصب کہنے اور ان کی خلافت کو ناحق بیان کرنے کی ابتداء اسی عبداللہ بن سبا سے ہوئی۔ خلافت بلافصل علی رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلا علمبردار بھی عبداللہ بن سبا ہے"۔ (رسالہ مذہب شیعہ ص ۹۳)

② تنزیہ الامامیہ:

ارباب بصیرت پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ نسبت محض کذب و افتراء ہے۔ جس کا اصل واقعات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اوّلاً: تو عبداللہ بن سبا کے اصل وجود میں ہی اختلاف ہے۔ بعض سنی و شیعہ مورخین کا تو یہ خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا، مجنون عامری اور ابوبلال کی طرح ایک افسانوی اور فرضی شخصیت کا نام ہے۔ جس کا عالم حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری، جارج جرداق لبنانی، استاد

عبداللہ سبیتی، علامہ سید محمد حسین طباطبائی قمی، فاضل مرتضیٰ عسکریؒ عراقی، مولانا سید محمد باقر کھجویؒ، مولانا سید منظور بخاری اجنالویؒ کی تالیفات) ثانیاً: قانونِ فطرت یہ ہے کہ ہر مذہب والے اپنے مذہب کے بانیوں اور خدمتگاروں کا تذکرہ بڑی آب و تاب اور شان و شوکت سے کرتے ہیں۔ مگر پورا شیعہ رجال کا لٹریچر پڑھ جایئے۔ کسی جگہ ایک جملہ بھی عبداللہ بن سبا کی مدح میں نہیں ملے گا۔ بلکہ ہر جگہ اس کی مذمت ہی مذمت نظر آئے گی۔ ہلکی سے ہلکی عبارت جو شیعہ علماء رجال نے اس کے متعلق لکھی ہے۔ وہ یہ ہے "هوالعن من ان يذكر"۔ یعنی عبداللہ بن سبا ایسا ملعون ہے کہ اس کا ذکر کرنا مناسب ہی نہیں ہے۔ (اصل الشیعۃ واصولہا صفحہ ۵۷ طبع نجف وغیرہ)

مذہب شیعہ کے بانی، خود بانی اسلامؐ ہیں

اگر تعصب و عناد کی عینک اتار کر واقعات و حقائق کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ کوئی نیا یا سیاسی مذہب و مسلک نہیں بلکہ ایک قدیمی مذہب حق ہے اور باغبانِ شریعت اسلامیہ یعنی جناب رسول خداؐ نے اسلام کے ساتھ ساتھ اپنے مقدس ہاتھوں سے شیعیت کا پودا لگایا۔ خود اس کی آبیاری کی۔ اور خود اپنی نگرانی میں اسے پروان چڑھایا۔ اسنادِ معتبرہ و مستندہ سے جناب امیر علیہ السلام اور جناب عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "یا علی انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامة"۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۷۹، نور الابصار صفحہ ۷۸، صواعق محرقہ صفحہ ۱۵۹، تذکرۃ الخواص صفحہ ۲۱، ینابیع المودۃ صفحہ ۲۲۴ وغیرہا)

یہی وہ ناقابل رد دلائل تھے جنھوں نے ابن حجر مکی جیسے متعصب عالم اہل سنت کو یہ لکھنے پر مجبور کیا کہ "شیعته هم اهل السنة" (صواعق) کہ آنجنابؐ کے حقیقی شیعہ اہل سنت ہی ہیں۔ اور انہی حالات و واقعات سے متاثر ہو کر شاہ عبدالعزیز دہلوی نے یہ کہا: آں شیعہ اولی مائیم۔ علیؑ کے وہ پہلے شیعہ ہم (اہل سنت) ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

اسے کہتے ہیں:

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

(۳) اس پر مولوی اشرف سیالوی کی تنقید:

حقائق و واقعات کا آفتاب اپنی آنکھیں بند کر لینے سے غروب نہیں ہو سکتا۔ علامہ ڈھکو

صاحب نے فرمایا کہ عبداللہ بن سبا کو مذہب شیعہ کا بانی قرار دینا کذب وافترا ہے۔ حالانکہ یہ جواب سراسر عجز کا مجموعہ ہے...... کیونکہ حضرت شیخ الاسلام نے محض دعویٰ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شیعی کتب سے عبارات نقل کر کے اسے ثابت کیا...... اور شیعی علماء نے اپنے مذہب و مسلک کے متعلق اور اس کے بانی کے متعلق جھوٹ کیوں بولنا تھا؟...... علامہ کشی نے اپنے رجال میں یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ: "واقعی شیعہ کا بانی اور معمارِ اوّل عبداللہ بن سبا یہودی ہے"۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

① کان اول من اشهر القول بفرض امامة علی

② کان یقول و هو علی یهودیته فی یوشع بن نون و صی موسی بالغلو فقال فی اسلامه بعد وفات رسول الله...... فی علی علیه السلام مثل ذلك۔

③ و اظهر البرائة من اعدائه و کاشف مخالفیه و کفرهم۔

اور یہی تین امور عقیدۂ امامت کی فرضیت ووصی رسولؐ ہونے کا عقیدہ اور تبرا اہل تشیّع کا بنیادی عقیدہ ہیں...... علامہ صاحب! "رجال کشی" ہماری کتاب نہیں۔ جناب کے مذہب کی مستند اور معتبر ترین کتاب ہے......

یہودی سازش کا مرحلہ وار پروگرام

حضرت شیخ الاسلام کی پیش کردہ عبارات وروایات سے عبداللہ بن سبا کی حضرت علیؓ سے موالات، آپ کی خلافت بلافصل کے عقیدہ کی فرضیت...... آپ کے مخالفین سے اِظہار برأت اور ان کی تکفیر...... حضرت عثمانؓ کے خلاف محاذ آرائی اور ان پر طعن و تشنیع ......اور حضرت عمرؓ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ پر اعتراض کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ یہودیوں نے انتہائی گھناؤنی سازش کے تحت دوطرف سے اہل اسلام اور اصحاب رسول ...... پر حملہ کیا...... بدقسمتی سے اس خبیث الاصل کو صرف جلاوطن کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ تو اس کو مصر اور بصرہ و کوفہ کے علاقوں میں جو نئے نئے اسلام کے زیر اثر آئے تھے......تو اسے مزید ان علاقوں میں کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا اور سادہ لوح مُسلمانوں کو...... ورغلانے کا موقع ہاتھ لگ گیا...... اس کے بعد دنیائے کفر نے گھی کے چراغ جلائے ...... کیونکہ عساکر اسلام باہمی ضرب وقتال میں الجھ کر رہ گئے۔ اور عرصۂ دراز تک اسلامی فتوحات کا سلسلہ مسدود ہو کر رہ گیا...... پھر یہیں پر بس نہ کی گئی بلکہ خلفاء سابقین پر طعن و تشنیع اور...... کے لیے راہ ہموار کر لی گئی...... اس طرح باقاعدہ ایک نیا مذہب تیار ہو گیا۔ جس پر موالات مرتضیٰ کی بظاہر

چھاپ ضرور لگی ہوئی تھی۔ مگر حقیقت ساری وہی ہے۔ جو کچھ عبد اللہ بن سبا یہودی کی اختراع ہے ......کیا عبد اللہ بن سبا افسانوی شخصیت ہے؟ علامہ ڈھکو صاحب نے محض اس میں اِختلاف بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اور کوئی حتمی فیصلہ اور قطعی نتیجہ ذکر نہیں کیا...... جب کہ جواب میں بعض سنی اور شیعہ مؤرخ کا دعویٰ کیا تھا...... عین ممکن ہے کہ طٰہٰ حسین کو سنی قرار دے دیا ہو۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ وہ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے کسی فرقہ کا تو کجا، خود اسلام کے ہمہ وقت پابند نہیں تھے...... لہٰذا اس کا قول ہمارے خلاف نہ حجّت نہ الزام...... رہے شیعہ علماء تو متقدمین سبھی اس کو واقعی اور نفس الامری شخصیت تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ بعض متاخرین شیعہ علماء نے اسے افسانوی شخصیت قرار دیا ہے...... شیعہ کتب میں امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے اس کے متعلق لعن و طعن اور اس سے برأت و بیزاری منقول ہے۔ اور اس کے نظریات و عقائد سے نفرت اور برائت کا اظہار مروی ہے۔ (ملاحظہ ہو رجال کشی صفحہ ۹۹، ۱۰۰ و صفحہ ۱۰۱، اور تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴)...... علامہ طوسیؒ نے اپنے رجال میں اس کو واقعی شخصیت تسلیم کیا ہے۔ رجع الی الکفر و اثار الغلو ...... صاحبِ خلاصہ نے بھی اس کے واقعی شخصیت ہونے کا اِعتراف کیا اور کہا: غال ملعون حرقہ امیر المؤمنین و کان بزعم ان علیا اللہ و انہ نبی لعنہ اللہ......

آخر غالی شیعوں کا امام کون ہے؟؟ جب ائمہ کرام اور اکابر شیعہ کے اقوال سے عبد اللہ بن سبا کا واقعی شخصیت ہونا واضح ہو گیا...... حضرت سید عالمؐ نے فرمایا اور حضرت علیؑ نے آپ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: "سیھلك فی صنفان محب مفرط ...... و مبغض مفرط و خیر الناس فی حالا النمط الاوسط ......"۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۸)

لہٰذا اس فرمان کے تحت غالی جماعت کا پہلا ہونا تو لازمی امر ہے...... تو اگر اس گروہ اور جماعت کا بانی اور مُقتدا عبد اللہ بن سبا نہیں تو پھر اس کے پیشرو اور بانی اور مولا کی نشاندہی کی جائے کہ وہ کون تھا؟...... علامہ سید نعمت اللہ جزائری نے انوارِ نعمانیہ میں عبد اللہ بن سبا کو سبائیہ شیعہ کا مُقتدا و پیشوا قرار دیا ہے...... اور ایسا ہی ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں افادہ فرمایا ہے...... مجوسی سازش اور فرقہ اسماعیلیہ کی ابتداء اسلام اور مُسلمانوں کے خلاف دشمنانِ اسلام کی ایسی ہی تدابیر اور دسیسہ کاریوں کا اثناء عشری شیعہ بھی اقرار اور اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ سید نعمت اللہ جزائری نے شیعہ کے معروف فرقہ اسماعیلیہ کے عقائد و نظریات پر بحث کرتے ہوئے کہا: واصل دعواھم الی ابطال الشرائع......

لیکن مقام غور ہے کہ جس طرح مجوسیوں کے دلوں میں اسلام کی ترقی اور اہل اسلام کی

فتوحات سے آگ لگی ہوئی تھی کیا یہود و نصاریٰ کے دلوں میں آگ نہیں بھڑکی ہوگی؟...... یقیناً یہ آگ دشمنانِ اسلام کے قلوب میں برابر لگی ہوئی تھی۔ اور ایران و فارس میں اگر مجوسی لوگ سازشوں میں مصروف تھے تو عراق، شام اور مصر میں یہود و نصاریٰ سرگرم عمل تھے...... الغرض بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ فرقہ اسلامی فرقہ نہیں۔ بلکہ مذہب کی آڑ میں سیاسی انتقام کی بھیانک سازش ہے۔ اور اسلام اور اہل اسلام کو نیست و نابود کرنے کا ناپاک منصوبہ جس کا نہ اہل بیت کرام سے تعلّق ہے اور نہ ان کی سیادت و قیادت سے...... عبداللہ بن سبا یہودی اور صاحب ناسخ التواریخ نے...... اس عنوان کے تحت ابن سبا کے بعض غالیانہ عقائد و نظریات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ حضرت علیؑ کو خدا جانتا تھا...... عبداللہ مامقانی اور ابن سبا...... اہل تشیّع کے چودھویں صدی کے عظیم محقّق شیخ عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴ پر اکابرین علماء شیعہ کی تصریحات نقل و پیش کرکے اس کے حسب و نسب اور اصل و نسل کو بھی تسلیم کیا ہے۔ اور اس کے نظریات فاسدہ اور عقائد باطلہ کے متعلق منقول روایات کو نقل کیا ہے...... اور ایک جملہ بھی ایسا ذکر نہیں کیا، جس سے ابن سبا کے افسانوی شخص ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہو، تو آخر علامہ ڈھکو صاحب کا کیا خیال ہے کہ یہ سبھی شیعی مصنّفین جاہل، بدھو...... اور احمق ہیں...... صرف علامہ ڈھکو صاحب اور طٰہٰ حسین وغیرہ محقّق و مدقق ہیں؟......

عقیدۂ رجعت کا بانی کون تھا؟

حضرت شیخ الاسلام نے ناسخ التواریخ کتاب دوم جلد دوم صفحہ ۵۲۴ سے طویل ترین عبارت نقل کرکے یہ ثابت کیا تھا کہ وصی رسول، خلیفہ بلافصل اور رجعت وغیرہ کے شیعی عقائد کا موجد اور اس مذہب کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی ہے...... جس کے جواب سے علامہ صاحب موصوف نے یہ کہہ کر گلو خلاصی کی کوشش فرمائی کہ ہمیں متعلّقہ مقامات میں کہیں اس عبارت کا سراغ نہیں ملا...... الحاصل کتاب ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب دوم صفحہ ۵۲۴ پر ذکر پدید آمدنِ مذہب رجعت در سال سی و پنجم، کا عنوان قائم کرکے ابن سبا کے کردار کو واضح کیا گیا ہے...... کس کی رجعت کا اعتقاد رکھا جائے؟......

ناسخ التواریخ سے خود سید عالم کا دوبارہ تشریف لانا آپ ملاحظہ فرما چکے اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ صرف زیارت کرانے نہیں آئیں گے بلکہ اسلام کے مبلغ اور خلفاء اسلام میں سے ایک خلیفہ کی حیثیت سے تشریف لائیں گے...... لیکن انوارِ نعمانیہ میں لکھا ہے کہ سبائیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ بادلوں سے نزول فرمائیں گے......

یوم الدین اور یوم جزا کون سا ہے؟

قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ایک ہی قیامت ثابت ہوتی ہے۔ اور جمہور اہل اسلام بھی ایک ہی قیامت کے قائل ہیں۔ اور ۳۵ھ تک سب اہل اسلام کا یہی عقیدہ و نظریہ رہا...... لہٰذا تمام اہل اسلام کے اجماع کے برعکس اور قرآن مجید کے ایک یوم الدین اور یوم الحساب کے اعلان کے برخلاف ایک یہودی کی تقلید...... میں اس عقیدۂ رجعت کا اقرار...... کسی داعیٔ اسلام کو زیب نہیں دیتا......

علامہ ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق

علامہ موصوف نے عبداللہ بن سبا کے مذہب شیعہ کا بانی ہونے کی نفی میں یہ انوکھی منطق استعمال فرمائی کہ ہر مذہب والے اپنے مُقتداء و پیشوا کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ جب کہ ہماری کتب رجال میں ہر جگہ اس کو کافر، بے دین اور مُلحد و زندیق قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہ جواب سراسر غلط ہے...... ہم نے شیعی کتب کے حوالہ جات سے اس کو مذہب شیعہ کا بانی ثابت کیا ہے۔ نہ کہ محض اثنا عشریہ کا...... لہٰذا شیعہ کے بائیس فرقوں میں سے ایک فرقہ اس کی مذمت کرتا ہے۔ تو اس سے یہ کیسے لازم ہو گیا کہ سب شیعہ فرقے اس کی مذمت کرتے ہیں؟...... کیا شیعہ مذہب کے بانی سید الانبیاءؐ ہیں؟ علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ مذہب شیعہ کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی نہیں بلکہ اس کے بانی خود باغبانِ شریعتؐ ہیں۔ ہم علامہ صاحب کے اس دعویٰ کی حقیقت ایک دوسرے مقام پر پوری طرح واضح کر چکے ہیں...... قرآن و سنت میں شیعہ کا لفظ جہاں بھی وارد ہوتا ہے۔ علامہ موصوف اس سے مخصوص فرقہ اور خاص نظریہ کی حامل جماعت مراد لے کر خوش ہو جاتے ہیں...... حالانکہ خود انھیں بھی تسلیم ہے کہ لفظ شیعہ مُطلق جماعت اور گروہ کے معنی میں آتا ہے۔ وہ اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی...... لہٰذا محض شیعہ کا لفظ دیکھ کر استدلال کر لینا درست نہیں۔ جب تک وہ مخصوص نظریات و عقائد ثابت نہ ہو جائیں، جن کا علامہ کشی اور صاحبِ ناسخ کے اقرار و اعتراف کے مطابق عبداللہ بن سبا موجد ہے...... اس تمہیدی گزارش کو ذہن میں رکھ کر علامہ صاحب کی بیان کردہ روایت اور اس سے استدلال کی حقیقت معلوم کریں۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: "یا علی انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامه" (در منثور، نور الابصار، صواعق محرقہ وغیرہ)...... لیکن یہ ارشاد ان مخصوص نظریات کے حاملین کے لیے ہے۔ یا اس سوادِ اعظم اور عظیم اکثریت اور جمہور اہل اسلام کے حق میں ہے جو حضرت امیر علیہ السلام کے معاون و مددگار

تھے......اگر ہم اہل سنت کہلانے والے حضرت علیؑ کے ساتھ نہیں تھے پھر اس استدلال کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟......(تحفہ حسینیہ جلد ۳ از صفحہ ۸۸ تا صفحہ ۱۳۵)

④ اس پر ہمارا محققانہ تبصرہ:

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اُصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

یہ حقیقت اربابِ علم وانصاف سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مذہب شیعہ خیر البریہ دین اسلام کے بالمقابل کوئی نیا دین نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسلام کے متوازی کوئی نیا مسلک ہے۔ بلکہ یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے، بلند وبالا ہے کہ وہ دین اسلام جو خود خدائے رحمٰن نے بنایا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے اپنے بندوں تک پہنچایا اور جسے حضرت حیدر کرارؑ اور چند مخلص صحابۂ اخیار نے دنیا میں پھیلایا اور جسے مشکل اور نازک وقت آنے پر حضرت سید الشہداء علیہ افضل التحیۃ والثنا نے گھر بار لٹوا کر اور اپنا کنبہ شہید کرا کر اور اپنی گردن کٹوا کر اور نوکِ نیزہ پر سوار کرا کر اور مختلف دیار وامصار میں پھروا کر نہ صرف بچایا بلکہ اسے زندۂ جاوید بنایا۔ اس خدا کے بنائے پیغمبر اسلامؐ کے پہنچائے ہوئے اور حضرت علیؑ اور مخلص صحابۂ اخیار کے پھیلائے ہوئے اور سرکار امام حسینؑ بن علی علیہم السلام کے بچائے ہوئے دین اسلام کی حقیقی تعبیر وتفسیر کا نام مذہب شیعہ ہے۔

والحمد للہ

اسلام کے ناجی فرقہ کا نام شیعہ ہے

یہی وجہ ہے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ جنھوں نے ایک اسلام کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے کی خوفناک پیش گوئی فرمائی تھی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک فرقہ کے سوا باقی سب بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے۔) حدیث نبوی متفق علیہ (ملاحظہ ہو: سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۴، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ حدیث ۳۹۹۳، مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۲۵۸ طبع مکتبہ القدسی قاہرہ، کتاب السنہ لابن عاصم صفحہ ۳۲ تا ۳۵ طبع بیروت، ایجاز المطالب، عوارف المعارف اور معارف الملۃ الناجیۃ والنار یہ وغیرہ وغیرہ)

اسی نبی رحمتؐ نے ازراہ شفقت ورحمت اس فرقۂ ناجیہ کی نشاندہی بھی فرما دی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا تھا: "یا علی انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامه"۔ یا علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ ہی قیامت کے دن فوز وفلاح پانے والے ہیں، اور کامیاب ہونے والے ہیں۔

(فرائد السمطین حموینی، فردوس الاخبار دیلمی، مؤدۃ القربیٰ ہمدانی، ینابیع المودہ، تذکرہ خواص الامہ، صواعق محرقہ اور تحفہ اثناعشریہ شاہ عبدالعزیز دہلوی، در منثور سیوطی، ابن اثیر وغیرہ وغیرہ)

مذہب شیعہ کے بانی خود باغبانِ شریعت ہیں

ان ناقابل ردّ حقائق کی روشنی میں اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ مذہب شیعہ خیر البریہ کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی یا کوئی اور نصرانی و مجوسی نہیں۔ (جیسا کہ دشمنانِ اہل بیت قدیم الایام سے ہرزہ سرائی کرتے چلے آرہے ہیں) بلکہ خود باغبانِ شریعت حضرت سرکار ختمی مرتبتؐ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے یہ پودا لگایا اور پھر آپ نے ہی اس کی نگہداشت کی اور اس کی آبیاری کی۔ یہاں تک کہ یہ پودا بڑھ کر ہرا بھرا درخت ہوا۔ اور آپ کی زندگی میں ہی پھولنے لگا مگر ہنوز پھلنے نہ پایا تھا کہ چراغ نبوت گل ہوگیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ شیعہ کے لغوی معنی جماعت، گروہ اور اتباع کے ہیں۔ لہٰذا یہ لفظ اضافت و نسبت سے ہی اچھائی یا برائی حاصل کرتا ہے۔ مگر ہم محض لفظ شیعہ سے استدلال نہیں کرتے۔ جیسا کہ سیالوی صاحب کا خیالِ محال ہے بلکہ حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت دیکھ کر استدلال کرتے ہیں۔ کما ھو اوضح من ان یخفی۔

سیالوی صاحب ہم سے یہ اعزاز بھی چھیننا چاہتے ہیں

پیر آف سیال شریف ہوں یا اشرف سیالوی صاحب ان کے بزرگوں نے اہل بیت نبوت سے خلافت چھین لی، اقتدار چھین لیا۔ دُنیوی اختیار چھین لیا، حتی کہ خاتونِ قیامت کا باغِ فدک بھی چھین لیا۔ لے دے کے ہم موالیانِ اہل بیتؑ کے پاس ایک ہی اعزاز باقی رہ گیا تھا کہ ہم شیعیانِ علیؑ ہیں۔ مگر پہلے پہل ابن حجر مکی نے (صواعق محرقہ میں) اور اُن کے بعد شاہ عبدالعزیز دہلوی نے (تحفہ اثناعشریہ میں) اور اب سیالوی صاحب نے تحفۂ حسینیہ میں ہم سے یہ اعزاز بھی چھیننے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ابن حجر نے کہا: "نحن شیعۃ علی" ...... ہم اہل سنت شیعیانِ علیؑ ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے یہ کہا کہ: "آن شیعۂ اولی مائیم" وہ پہلے زمانے والے شیعیانِ علیؑ ہم ہیں۔ اور سیالوی صاحب کہتے ہیں کہ "اس کے مصداق ہم ہیں"۔ (تحفۂ حسینیہ) ے

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

انصاف بھی کوئی شئی ہے

وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام کو محروم اقتدار کر کے گھر کی چار دیواری میں بٹھایا گیا۔ تو آپ کا ساتھ دینے والے کون تھے؟ اور ہر حرب و ضرب اور ہر دکھ سکھ میں حضرت علیؑ کا ساتھ دینے والے کون تھے؟ آپ کے خلاف جنگ جمل، جنگ صفّین اور جنگ نہروان مُسلط کرنے والے کون تھے اور جانیں قربان کر کے آپ کا ساتھ دینے والے لوگ کون تھے؟ ع

بس اِک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

سیالوی صاحب کے دعویٰ کی حقیقت اور اس کے تضاد کا بیان

سیالوی صاحب ہوں یا دوسرے مناظرین اکابرین اہل سنت والجماعت بموجب "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" ان کو لے دے کر رجال کشی کا ایک حوالہ ملتا ہے۔ اور انھوں نے بھی بعض اہل علم کا حوالہ دیا ہے اور یہ بات اب تک پردۂ خفا میں ہے کہ وہ اہل علم کون ہے؟ کوئی شیعہ اہل علم ہے یا کوئی سنی اہل علم مراد ہے؟ فاضل کشی نے یہ اپنا نظریہ پیش نہیں کیا...... بلکہ خود سیالوی نے اقرار کیا ہے کہ رجال کشی کے صفحہ ۹۹ سے لے کر صفحہ ۱۰۱ پورے تین صفحات عبداللہ بن سبا کی مذمت میں پر کیے ہیں۔ ائمہ اہل بیتؑ سے نقل شدہ روایات کی روشنی میں اسے غالی، ملعون ملحد اور زندیق ثابت کیا ہے۔ اور اس کا یہ عقیدہ پیش کیا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو خدا اور اپنے آپ کو نبی جانتا تھا۔ کیا یہی شخص مذہب شیعہ کا بانی ہے؟ کیا مذہب شیعہ میں حضرت علیؑ امام ہیں یا خدا ہیں؟ مذہب شیعہ کا تو سنگِ بنیاد ہی توحید پروردگار پر رکھا گیا ہے۔ اول الدین معرفۃ الجبار۔

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

سیالوی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں کہ آخر غالی شیعوں کا امام کون ہے۔ پھر ثابت کیا ہے کہ جو لوگ حضرت علیؑ کو خدا مانتے ہیں ان کا امام عبداللہ بن سبا ہے۔

اُس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

کیا سیالوی صاحب اتنے جاہل و متجاہل ہیں کہ اُن کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ شیعہ مذہب میں حضرت علیؑ ہوں یا کوئی اور ذات والا صفات کسی بھی مخلوق کو خدا ماننے والا خارج از اسلام متصوّر ہوتا

ہے۔اور ہمارے مذہب میں دو قسم کے لوگوں کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

① ایک دشمن اہل بیتؑ کے لیے جسے ناصبی اور خارجی کہا جاتا ہے ② دوسرا وہ دشمن خدا جسے غالی کہا جاتا ہے۔(فقہ جعفریہ کی تمام کتابیں) لہٰذا ایک شخص کو غالی بھی تسلیم کرنا اور پھر اسے نہ صرف شیعہ بھی کہنا بلکہ شیعہ مذہب کا بانی قرار دینا مذہبی دھاندلی کی بدترین مثال ہے۔مذہب شیعہ کے اصول اسلام تین ہیں۔ ① توحید ② رسالت اور ③ قیامت اور اصول ایمان دو ہیں: ① عدل ② اور امامت۔جن کو اصولِ دین و مذہب کہا جاتا ہے۔تو مذہب شیعہ کے عقائد کے لحاظ سے حضرت علیؑ پہلے امام اور پیغمبر اسلامؐ کے پہلے قائم مقام ہیں۔وہ اللہ یا اللہ کے اوتار نہیں ہیں۔عبداللہ بن سبا جب یہودی تھا تو جناب یوشع بن نون کی اُلوہیت کا قائل تھا۔اور جب اسلام کا لبادہ اوڑھا تو حضرت علیؑ کی خدائی کا قائل تھا۔الغرض وہ پہلے بھی ملعون تھا اور آخر میں بھی ملعون رہا اور ملعون رہ کر ہی مرا۔ ہمیں اس سے کیا غرض ہے کہ غالیوں کا امام عبداللہ بن سبا تھا۔یا شیطان تھا؟

باختلافِ روایات حضرت امیر علیہ السّلام نے اسے جلا دیا تھا۔یا دیس نکالا دے دیا تھا۔اگر وہ ہمارے مذہب کا بانی ہوتا تو پھر ہمارے علماء و فضلاء اس کی مدح وثناء کرتے ہوئے نظر آتے۔اس کی مذمت سے کتابوں کے اوراق سیاہ نہ فرماتے۔یہ بات انوکھی نہیں ہے۔بلکہ قانونِ قدرت بھی یہی ہے اور آئین فطرت بھی یہی ہے کہ ہر قوم اپنے موجدین و محسنین کی قدر کرتی ہے اور بموجب ارشاد قدرت ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔وہ ان کی ممنونِ احسان ہوتی ہے۔اور ان کا احترام واجب جانتی ہے۔مگر ہمارے نزدیک ابن سبا افسانوی شخصیت ہے۔یا حقیقی وجود رکھتا ہے۔بہر حال وہ کافر ومشرک ہے۔وبس۔

زمانۂ رجعت کا مختصر بیان

یوم جزاء ایک ہے یوم سزا بھی ایک ہے اور یوم الحساب بھی ایک ہے۔قیامت کبریٰ بھی ایک ہے۔سیالوی صاحب نے ناسخ التواریخ کی کسی عبارت کو بنیاد قرار دے کر (جو کہ نہ ہماری کوئی تفسیر کی کتاب ہے نہ عقائد کی اور نہ ہی حدیث و فقہ کی کوئی کتاب ہے۔بلکہ ایک عام قسم کی رطب ویابس کا مجموعہ تاریخی کتاب ہے) عقیدۂ رجعت کو تنقید کا ہدف قرار دیا ہے۔حالانکہ قبل ازیں ناسخ التواریخ سے نقل شدہ عبارات کے جواب میں ہم "تنزیہ الامامیہ" میں رجعت کے جواز اور اہمیت پر قرآن وسنت کی روشنی میں مفصل تبصرہ کر چکے ہیں۔نہ یہ کوئی قیامت کا ثانی ہے اور نہ ہی یوم الحساب والکتاب کا کوئی

متبادل ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ یوم الدین اور یوم الجزاء کونسا ہے؟ زمانۂ رجعت سے کیا مراد ہے؟ یہ تفصیل طلب بات ہے۔ کون کون لوگ اس میں واپس آئیں گے۔ اس میں اختلاف ہے۔ زمانہ رجعت میں کیا ہوگا۔ یہ تفصیل کا متقاضی ہے۔ اور جو تمام مُسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نزولِ اجلال فرمائیں گے اور حضرت امام مہدیؑ ظہور فرمائیں گے اور پھر دونوں بزرگوار باہم مل کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کام کریں گے اور تمام ادیانِ عالم کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر اسلام کو پوری کائنات پر نافذ فرمائیں گے، اس زمانہ کا نام زمانہ رجعت ہے۔ اس زمانہ میں کیا ہوگا؟ اس میں اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کیا جائے گا، اور دوسرا بعض بڑے بڑے ظالم ستمگار، جن کو دُنیا میں سزا نہ مل سکی۔ ان کو آخرت کے عذابِ الیم سے پہلے دُنیوی عذاب و عقاب کا ذائقہ چکھایا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: "ولنذیقنھم العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر من النار"۔ ہم ان لوگوں کو (قیامت کے) عذاب اکبر سے پہلے دنیا کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (القرآن)

اب کون کون حضرات اس دَور میں تشریف لائیں گے۔ اجمالاً اتنا سمجھ لیں کہ اس وقت سرکار ختمی مرتبتؐ اور امیر المومنین علیہ السّلام اور حضرت امام حسینؑ اور با ختلافِ روایات بعض دوسرے ائمہ بھی تشریف لائیں گے اور حکومت فرمائیں گے۔ نیز بعض سابقہ انبیاء کرامؑ بعض کامل الایمان مؤمنین اور بعض کفار و مشرکین و منافقین اور ظالمین بھی اٹھائے جائیں گے۔ نیز ظالمین بغرضِ انتقام اور کامل الایمان بغرض سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اٹھائے جائیں گے۔ فی الحال اس موضوع کی جملہ تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں ہیں۔ ہاں البتہ جو لوگ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند ہیں وہ ہماری عقائد کی کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" کی طرف رجوع فرمائیں اور ہماری تفسیر "فیضان الرحمٰن" کی طرف۔ بس مختصراً اس قدر ذہن نشین کر لیں کہ سب مُسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رجعت اسلام کو باقی تمام ادیانِ عالم پر ظاہری غلبہ دینے کا دور ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و لو کرہ المشرکون" (پارہ ۱۰ سورہ توبہ) "خدا وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور برحق دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ ان کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دے۔ اگرچہ مشرک لوگ اس بات کو ناپسند ہی کریں"۔ ظاہر ہے کہ تاحال اسلام کو دوسرے ادیان پر ظاہری غلبہ حاصل نہیں ہوا۔ اسی لیے مُفسّرین اسلام نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: "ذالک عند نزول عیسیٰ و خروج المھدی فلا یبقی اھل دین الا دخلوا فی الاسلام"۔ یعنی اسلام کا یہ غلبہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول اور حضرت مہدیؑ کے ظہور کے وقت ہوگا۔ اس وقت تمام ادیانِ عالم کے

لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر فتح البیان و ابن کثیر وغیرہ)

جس رجعت کا سیالوی صاحب اپنی جہالت وضلالت کی وجہ سے نہ صرف انکار کر رہے ہیں بلکہ اس کا مذاق بھی اڑا رہے ہی، وہ اسلامی مُسلمہ عقائد ونظریات میں سے ایک نظریہ ہے۔ سارا عالم اسلام حضرت عیسیٰؑ کے نزول اور حضرت مہدیؑ کے ظہور کا انتظار کر رہا ہے۔

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلۂ عالم افکار

فانتظروا انی معکم من المنتظرین

فصل دوم

مذمت شیعہ میں وارد شدہ بعض روایات کا جواب

① رسالہ مذہب شیعہ:

بعض نام نہاد شیعوں کی مذمت میں وارد شدہ بعض اخبار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے پیر صاحب آف سیال شریف نے لکھا ہے کافی کتاب الروضہ صفحہ ۱۹۹ میں ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا اگر میں شیعوں کو باقی لوگوں سے جدا کردوں تو صرف زبانی وصف کرنے والے ہی پاؤں گا۔ اگر میں ان کے ایمان کا امتحان لوں تو تمام کے تمام مرتد دیکھوں گا۔ اور اگر میں اچھی طرح چھان بین کروں تو ہزار میں سے ایک بھی نہ ملے گا۔ اس کے بعد فرمایا یہ لوگ کہتے ہیں ہم علیؑ کے شیعہ ہیں۔ حقیقتاً علیؑ کا شیعہ وہی ہے جو ان کے قول وفعل کو سچا جانتا ہے۔ اس کے بعد رجال کشی صفحہ ۱۹۴ سے اس مضمون کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۹۷)

② تنزیہ الامامیہ: الجواب واللہ الموفق للصواب:

یہ ایک مُسلمہ حقیقت ہے کہ ہر قوم ومذہب میں کچھ ایسے افراد ضرور پائے جاتے ہیں جو "بدنام کنندہ نکونامے چند" کے مصداق ہوتے ہیں۔ وہ صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کی منزل سے کوسوں دور۔ چنانچہ ہر مذہب کے مذہبی قائد وراہنما ایسے ننگ قوم وملت افراد کی دل کھول کر مذمت کرتے ہیں، تاکہ وہ بدعملی ترک کر کے صالح معاشرہ کی تشکیل میں ممدومعاون ثابت ہوں۔ ظاہر ہے کہ مذہب شیعہ بھی اس کلیہ سے مُستثنیٰ نہیں ہے "شیعہ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنیٰ "پیروکار" کے ہیں۔ چنانچہ عربی کی مشہور ومستند لغت قاموس جلد ۲ صفحہ ۴۷ طبع مصر پر لکھا ہے: "شیعة الرجل اتباعه" یعنی کسی کا شیعہ وہ ہوتا ہے جو اس کا پیرو ہوتا ہے۔ اس کی تائید ائمہ طاہرینؑ کے فرامین سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "انما شیعتنا من تابعنا فی افعالنا و لم یخالفنا" ۔ ہمارا شیعہ صرف وہ ہے جو ہمارے افعال میں ہماری پیروی کرتا ہے۔ اور کسی بات میں بھی ہماری مخالفت نہیں کرتا۔ جیسا کہ خود پیر صاحب کی نقل کردہ روایت کے تتمہ سے بھی واضح ہے۔ (محاسن برقی) اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "انما شیعة جعفر بن محمد من

عف بطنه و فرجه و اشتد جهاده و عمل لخالقه و رجا ثوابه و خاف عقابه "۔ یعنی جعفر بن محمد علیہم السلام کا شیعہ صرف وہ ہے جو عفیف البطن و الفرج ہو (حرام خور و حرا مکار نہ ہو) اس کی جدو جہد سخت ہو جو اس طرح عمل کرے کہ خدا کے عذاب سے خائف اور ثواب کا امیدوار ہو (رجال کشی صفحہ ۱۹۸) ایسے با عمل و با کردار شیعیانِ حیدر کرارؑ کی حضرت رسولؐ خدا اور ائمہ ہدیٰؑ نے دل کھول کر مدح و ثنا فرمائی ہے۔ چنانچہ امالی شیخ صدوقؒ صفحہ ۱۱ پر اس سلسلہ میں ایک طویل الذیل حدیث نبویؐ موجود ہے۔ جس میں آپؐ فرماتے ہیں: "و شیعتك خلقوا من فاضل طینتنا فمن احبهم فقد احبنا و من ابغضهم فقد ابغضنا و من عاداهم فقد عادانا ...... الخ ..... یا علی شیعتك شیعة الله و انصارك انصار الله و اولیائك اولیاء الله و حزبك حزب الله یا علی سعد من والاك و شقی من عاداك "...... الخ اے علیؑ! تمہارے شیعہ ہماری بچی ہوئی مقدس طینت سے پیدا ہوئے ہیں جو ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے...... یا علیؑ! آپ کے شیعہ خدا کے شیعہ ہیں۔ آپ کے انصار خدا کے انصار ہیں آپ کے دوست خدا کے دوست ہیں اور آپ کا گروہ خدا کا گروہ ہے۔ یا علیؑ! سعید ہے وہ شخص جو آپ سے محبت کرتا ہے، اور بدبخت ہے وہ جو آپ سے دشمنی رکھتا ہے۔ ظاہر ہے ان صفاتِ جمیلہ کے حامل شیعہ ہر دور میں کم ہی رہے ہیں۔ بلکہ کبریت احمر سے بھی کم تر۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ان اصحاب جعفر منکم لقلیل (رجال کشی صفحہ ۱۶۵) تم میں جعفر صادقؑ کے حقیقی اصحاب بہت کم ہیں۔ قرآن مجید بھی یہی خبر دیتا ہے: "قلیل من عبادی الشکور" کہ خدا کے شکر گزار بندے کم ہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو زبان سے تو دعویٰ تشیع کرتے ہیں مگر اپنے عمل و کردار سے دشمنانِ آلِ رسولؐ کے کردار کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ایسی دوغلی روش و رفتار رکھنے والے لوگوں کی ائمہ اطہارؑ نے بے شک مذمت فرمائی ہے۔ اور وہ اس مذمت کے سزاوار بھی ہیں۔ وہ تین روایات جو مؤلف رسالہ نے نقل کی ہیں۔ وہ اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اور اس بات کے قطعی قرینے بھی موجود ہیں۔

(اول) یہ کہ یہ روایات ابوالخطاب (غالی) کے حالات کے ضمن میں مذکور ہیں۔

(دوئم) یہ کہ ان میں من ینتحل التشیع کا لفظ مذکور ہے۔ یعنی جو لوگ شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو شیعوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مذمت شیعوں کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی ہے۔ جو اپنے تشیع کا ادعا کرتے ہیں مگر فی الحقیقت شیعہ نہیں ہے۔ والحمد للہ علیٰ وضوح الحق

(۳) اس پر اشرف سیالوی صاحب کی تنقید:

تتمہ مطلب مذکورہ آپ نے امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرما لیا کہ میں کچھ کہتا ہوں اور یہ

لوگوں کو کچھ کہتے ہیں کہ ان کی مراد یہ تھی ...... اس رذیل مشن پر بہت سے لوگ کام کر رہے تھے۔ جن میں سے بعض کی تو حضرات ائمہ نے نشاندہی فرمادی۔ مگر بعض پھر بھی پردۂ خفا میں رہے۔ جنھوں نے ابن سبا کی تقلید میں دین اسلام کو اپنی تخریب کاری اور فکری انتشار کا شکار بنائے رکھا...... حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "عن ابن سنان قال ابو عبداللہ علیہ السلام انا اھل بیت صادقون"۔ (رجال کشی صفحہ ۲۵۸) یعنی ابن سنان سے مروی ہے کہ امام ابو عبداللہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم اہل بیتؑ سچے ہیں۔ لیکن کذابوں کے افتراء و بہتان سے محفوظ نہیں ہیں۔ جو ہم پر بہتان باندھتے ہیں اور ہمارے صدق کو اپنے جھوٹ سے ساقط کرتے اور ناقابل قبول ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں ...... حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہی اس مفتری پارٹی کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے اس فرمان کا مصداق بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ھل انبئکم علی من تنزل الشیاطین"...... الآیہ ...... فرمایا وہ سات آدمی ہیں۔ مغیرہ بن سعید، بنان، صائد ھندی، حمزہ بن عمارہ زیدی، حارث شامی، عبداللہ بن عمرو بن الحارث اور ابو الخطاب (رجال کشی صفحہ ۲۵۶)...... الغرض شیعی اسماء رجال میں جگہ جگہ ایسے لوگوں کی نشاندہی حضرات ائمہ کی زبانی موجود ہے...... کہ بہت بڑی جماعت اس مشن پر کام کر رہی تھی۔ اور انھوں نے جی بھر کر افترا و کذب بیانی سے کام لیا...... اور ایک نئے مذہب اور دین کی بنیاد رکھی...... اور اندر اندر ائمہ کرام کے حق میں حلول و اتحاد، نبوت و رسالت کے عقیدے اور رجعت و وصایت اور تولاّ و تبرّی کے عقائد پروان چڑھائے۔ علامہ ڈھکو صاحب نے اس قدر تسلیم کر لیا کہ واقعی مذہب شیعہ میں چند بدنام کنندہ اور سوائے زمانہ افراد موجود ہیں۔ لیکن اس طرف توجہ نہیں فرمائی کہ ان بدنام اور ذلیل لوگوں کی ائمہ کرامؑ نے نشاندہی اور علامت مشخّصہ بھی بیان فرمادی۔ یعنی ہم کچھ کہتے ہیں اور وہ ہماری مرضی و مراد کے برعکس ہمارے قول کی لوگوں کے سامنے تشریح کر کے لوگوں کو غلط فہمیوں کا شکار کرتے ہیں...... دیگر روایات میں...... صرف ابو الخطاب کی مذمت نہیں کی گئی۔ بلکہ ایسے راویوں اور مبصرین و مفسّرین کی مذمت کی ہے۔ جو مذہب شیعہ کے بانی و مؤسس ہیں...... ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ امام کچھ فرماتے وہ اس کو غلط معانی پہناتے اور الٹی تعبیر و تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے...... صرف زبانی جمع خرچ کرنے والے مرتدین بوقت امتحان یک فی ہزار کے حساب سے بھی مخلص نہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے...... آپ فرماتے ہیں کہ اگر سب انسان ہمارے شیعہ ہو جائیں تو بھی ان کا حال یہی ہوگا۔ گویا حضرت امام نے شیعہ کے متعلق یہ بیان کر دیا ہے۔ اور استثناء کا احتمال بھی ختم کر دیا...... امام نے وضاحت فرمادی کہ ان جھوٹے راویوں کا اصل مقصد کیا تھا؟...... اس کی

وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری احادیث کی روایت سے اور ہماری محبت کے دعووں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب کے طلبگار نہیں ہیں بلکہ اس حیلہ سے دنیا کمانے کے درپے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ وہ محدثین اور محبین کا رئیس اور سردار کہلائے۔ پھر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ: اگر تجھے حدیث مطلوب ہو تو اس محدث اور خاص الخاص شیعہ کی طرف رجوع کریں یعنی زرارہ بن اعین کی طرف (رجال کشی صفحہ ۱۲۴)...... لیکن دوسرے مقام پر اسی خاص الخاص شیعہ کی مذمت فرمائی۔ عمران زعفرانی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابوبصیر سے فرما رہے تھے: اے ابوبصیر! اسلام میں اتنی بدعات کسی نے بھی داخل نہیں کیں جتنی کہ زرارہ نے داخل کی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو...... (رجال کشی ص ۱۳۴)

بجائے اس کے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی زبانی ایسے سخت الفاظ سننے کے بعد زرارہ اور ابوبصیرہ وغیرہ محدثین شیعہ کو نظر انداز کیا جاتا...... اہل تشیّع نے حضرت صادق علیہ السلام کے ان ارشادات کی توجیہ وتاویل کرکے اپنے ان محدثین کا دفاع کیا...... کہ ان مقربان بارگاہ امامت پر اعداء وجبار وسرکش سلاطین زمان کی طرف سے مظالم کا نشانہ بننے اور قتل کیے جانے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا ان مخلصین کی جانوں کی حفاظت ائمہ کرام نے ازراہ تقیہ ان کو ایسے القابات سے نوازا...... ان حقائق کی روشنی میں جعفری مذہب کی اصلیت بھی واضح ہوگئی کہ وہ دراصل امام جعفر صادقؒ کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ ان جھوٹے، مکار اور فراڈی طالب زر...... اور...... اور...... اور لوگوں کا تیار کردہ مذہب ہے۔ اور ان راویوں نے اپنی مرضی کے مطابق ان ارشادات کو ڈھال کر یہ مذہب تیار کیا ہے...... حقیقت یہ ہے کہ ان اکابرین اہل بیتؑ کا مذہب صرف اور صرف وہی ہے جس پر سواد اعظم اہل سنت والجماعت ابتداء سے لے کر آج تک قائم ہیں...... الغرض علامہ موصوف کا ان تقریظی کلمات کو ان مخصوص نظریات کے حاملین شیعہ پر منطبق کرنا اور مسرت وشادمانی کا اظہار کرنا قطعاً درست نہیں ہے...... (تحفہ حسینیہ جلد ۱۳ از ص ۱۲۵ تا ۱۴۳)

④ اس پر ہمارا تبصرہ:

عقلائے روزگار کا اصول ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

میں نے بڑا غور وفکر کیا ہے مگر مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ اگر حضرات ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے زبانی وکلامی شیعہ کہلانے والوں کی اکثریت کی مذمت کی ہے تو اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے؟ کیا حضرت آدم صفی اللہؑ سے لے کر سرکار خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر دور میں اکثریت

کفار و مشرکین اور فاسقین و فاجرین کی نہیں رہی ہے؟ کیا ہر دور کا نبی و وصی اپنے اپنے دور کے لوگوں کا شکوہ و شکایت کرتا ہوا نظر نہیں آتا؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ

ہر دور میں ہوتی رہی طاقت کی پرستش
ہر دور یزیدوں کا طرف دار رہا ہے

کیا قرآن شاہد نہیں ہے کہ حضرت نوحؑ جیسے مخلص و مجاہد نبی کے ساڑھے نو سو سالہ مخلصانہ کاوشوں اور کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ فما آمن معه الا قليل کہ صرف چند آدمی ہی ایمان لائے۔ جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق سات تھی اور دوسری روایت کے مطابق ستر سے زائد اور اسی ۸۰ سے کم تھی۔ (تفسیر صافی و برہان)

چلو یہ لوگ تو وہ تھے جنھوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی نہ نبوت کا اقرار کیا اور نہ اُن کا کلمہ پڑھا۔ جو اکثریت میں تھے۔ جیسا کہ پورا قرآن اکثریت کی مذمت سے چھلک رہا ہے: "اکثر الناس لا یومنون، اکثر الناس لا یھتدون، اکثر الناس لا یعقلون، اکثر الناس لا یشکرون" وغیرہ وغیرہ

اب آئیے آئینہ قرآن میں اس دور کے کلمہ پڑھنے والوں کے حالات کی تصویر دیکھیں کہ وہ کیسی تصویر پیش کرتا ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ ہر دور کے نبی و وصی اپنا کلمہ پڑھنے والوں کی بھی شکایت کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ اور ان کی امت کے حالات کا جائزہ لیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دلائی! اور چالیس سال تک بغیر محنت و مشقت ان کو من و سلویٰ جیسی عمدہ اور پاکیزہ غذا سے تواضع فرمائی۔ مگر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنا کر اور قوم کو ان کی اطاعت کرنے کی تاکید فرما کر چند دنوں کے لیے کوہِ طور پر جاتے ہیں اور قوم کی اکثریت گوسالہ پرستی جیسے شرک عظیم ارتکاب کر کے تباہ ہو جاتی ہے۔ الا قلیل۔ سچ ہے۔ ؎

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے دریا میں عکس سرو کنار جو کا

قرآن و سنت کی روشنی میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جائزہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو سید الرسل، اسلام ہے تو سید الادیان، قرآن ہے تو سید الکتب اور امت محمدیہ ہے تو خیر الامم۔ مگر وہ کون سا گناہ ہے جو کلمہ گویان اسلام کی اکثریت نے نہیں کیا، وہ کونسا عیب ہے جو ان کی اکثریت میں نہیں پایا جاتا اور وہ کون سی بری صفت ہے جس سے اکثریت متصف نہیں ہے۔

① بعض صحابہ کے ارتداد کی تلویح بلکہ تصریح موجود ہے: "ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم" (القرآن) حضرت محمدؐ نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟

اس سلسلہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ارشاد فرمایا: ان اللہ یقول افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و اللہ و لا تقلب علی اعقابنا بعد اذ ھدینا اللہ و اللہ لئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم لا قاتلن علی ما قاتل علیہ حتی اموت او اقتل...... الخ۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی قسم ہدایت کے بعد ہم ایڑیوں پر نہ پھریں گے اور خدا کی قسم اگر رسولِ خدا وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے، البتہ میں جنگ کروں گا اس پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑے، یہاں تک کہ میں مرجاؤں یا قتل ہو جاؤں۔ (خصائص علیؑ للنسائی صفحہ ۴۱ مطبع محمدی لاہور، تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۴۱۰ طبع مصر، المستدرک للحاکم جلد ۳ صفحہ ۱۲۶ طبع حیدر آباد دکن وغیرہ)

② بعض صحابہ کے نفاق کا بیان: سورہ منافقین کے علاوہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتا ہے۔ فرمایا: "ان فی اصحابی منافقین"۔ یقیناً میرے اصحاب میں منافق پائے جاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۸۳ نمبر ۱۴۳۲۳ طبع بیروت، تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان جلد ۵ صفحہ ۵۹)

③ بخاری و مسلم کی احادیث حوض سے بعض صحابہ کا قطعی جہنمی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۷۹، جلد ۴ صفحہ ۲۵، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۴ وغیرہ)

④ صحابہ میں دنیادار بھی تھے۔ ارشاد قدرت ہے۔ منکم من یرید الدنیا۔ الخ (القرآن)

⑤ صحابہ میں عین میدانِ جنگ میں پیغمبر اسلام کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگ جانے والے بھی تھے۔ "اذ تصعدون و لا تلون علی احد و الرسول یدعوکم"۔ (القرآن)

⑥ صحابہ میں عین حالت نماز میں تجارت اور لہو و لعب کی آواز سن کر نماز توڑ کر اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر ادھر دوڑ جانے والے بھی تھے: "و اذا رائو تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا و ترکوک قائما" (القرآن) انہی حقائق کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروزِ قیامت بھی اپنی قوم کا شکوہ کریں گے کہ: "یا رب ان قوم اتخذوا ھذا القرآن مھجورا" (القرآن)

الغرض صحابہ کرام میں ایسے جرائم کے مرتکب لوگ موجود تھے، جن پر شریعت کی حدود و تعزیرات جاری کی جاتی تھیں۔ کسی پر شرب خمر کی، کسی پر تہمت زنا لگانے کی اور کسی پر زنا کرنے کی اور کسی پر چوری کرنے کی۔ وغیرہ وغیرہ۔ (دیکھیے صحیح بخاری نمبر ۶۸۲۰ طبع بیروت، صحیح مسلم نمبر ۱۶۹۱

طبع دار السلام الریاض)

یہ تو پھر بھی اوائل اسلام کے لوگوں کی بات تھی۔ اب آیئے موجودہ دور کے مُسلمانوں کی اکثریت پر جن کی روش ورفتار اور اخلاق واطوار کا رونا سب مسالک وفرق کے علماء وزعماء رو رہے ہیں۔ بقول ڈاکٹر اقبال: ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مُسلمان ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

آج تو مُسلمان کہلانے والوں کی اکثریت کی یہ حالت ہے کہ یہود وہنود اور نصاریٰ ومجوس اور ان میں تمیز کرنا مُشکل ہوگئی ہے۔ بقول اقبال:

یوں تو مرزا بھی ہو سید بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مُسلمان بھی ہو

باوجودیکہ خداوند عالم کا مُسلمانوں سے وعدہ تھا کہ تم قیامت تک لوگوں کے سید وسردار اور حاکم بن کے رہو گے۔ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین"۔ مگر آج مُسلمان کاسہ گدائی ہاتھ میں لے کر کفار و مشرکین کے دروازہ پر دریوزہ گری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سچ ہے کہ بقول مولانا ظفر علی خان: ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

دل اہل خرد سے انصاف طلب ہے

جب ہر دور کی اکثریت ننگ اسلام ننگ اسلاف اور ننگ انسانیت رہی ہے تو اگر حضرات ائمہ اطہار علیہم السلام نے زبانی شیعہ علیؑ کہلانے والوں کی اکثریت کا شکوہ کیا ہے، شکایت کی ہے اور یک فی ہزار سے بھی کم مخلص شیعوں کو شمار کیا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اور سیالوی صاحب جیسے کوڑھ مغز اور دشمن آلِ محمدؑ کے سوا کسی کو کیا ایراد ہے؟

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اصحاب اہل بیتؑ میں بعض اصحاب النبی کی طرح منافقین بھی گھسے ہوئے تھے۔ وہ اسلام کی جڑیں کاٹتے تھے۔ اور یہ ایمان کی...... مگر مقام شکر ہے کہ حضرات ائمہ اطہار علیہم السلام نے ان کی اپنے شیعوں کو نشاندہی کر دی تھی۔ لہٰذا وہ ان سے مکمل اجتناب کرتے

تھے۔ اور ان کا سوشل بائیکاٹ کرتے تھے۔ جیسے مُغیرہ بن سعید بنان، صائد ہندی، حمزہ بن عمارہ زیدی، حارث شامی، عبداللہ بن عمرو بن الحارث اور ابوالخطاب وغیرہ۔ (رجال کشی صفحہ ۲۵۱)

یہی وجہ ہے کہ ہمارے جامعین حدیث اور نقاد رجال علماء کرام ان لوگوں سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔ اور ان کی بیان کردہ روایات کی طرف کان نہیں دھرتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کا ہماری روایات میں کہیں نام ونشان ہی نظر نہیں آتا اور نہ ہی مذہب شیعہ خیر البریہ ان کا بنا بنایا ہے۔ بلکہ جیسا کہ قبل ازیں مکمل وضاحت کی جاچکی ہے کہ مذہب شیعہ خدا کے بنائے ہوئے اور پیغمبر اسلامؐ کے لائے اور پہنچائے ہوئے اسلام کی حقیقی تعبیر وتفسیر کا دوسرا نام ہے۔ یعنی اس پودے کا لگانے والا خود باغبانِ شریعت اور اس کے سینچنے والے اور پروان چڑھانے والے ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔

بعض مخلص اصحاب کی بزبان ائمہ علیہم السلام مذمت کا راز

یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کا دور تاریخ اسلام کا تاریک ترین دور تھا۔ جس میں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے نام پر نام رکھنا گردن زدنی جرم تھا (تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی جلد ۷ صفحہ ۳۱۹ طبع حیدر آباد دکن انڈیا) ان کے فضائل بیان کرنے سے زبانیں گدی سے کھنچوائی جاتی تھیں۔ (تاریخ طبری) ان کی قبورِ مقدسہ کی زیارت کرنے پر ہاتھ پاؤں قلم کیے جاتے تھے (تاریخ الخلفاء) ان حالات کی روشنی میں حقیقی اسلام کی تبلیغ کرنا، اس کی حفاظت کرنا، اپنی اور اپنے شیعوں کے مال وجان کی حفاظت کرنا۔ بس ائمہ اہل بیتؑ کا ہی کام تھا۔

جب عام لوگ ان کی بارگاہ میں مسائل شریعت پوچھنے کے لیے آتے تو اُن میں حکومت کے جاسوس اور نمائندے بھی ہوتے تھے۔ جو ان کی ہر ہر بات کی نگرانی کرتے تھے۔ اس لیے وہ حکمائے اسلام حالات کی نبض پر ہاتھ رکھ کر ہر شخص کو اس کے سوال کا جواب دیتے۔ کسی کو ظاہری حکم بتاتے اور کسی کو واقعی۔ جس کی وجہ سے ان میں اختلاف ہو جاتا تھا اور شیعوں کے اس ظاہری اختلاف سے حکومت سمجھتی تھی کہ یہ ایسے شتر ہیں جن کی مہار کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس طرح وہ حکومت کے ضرر وزیاں سے بچ جاتے تھے۔ اس طرح جب یہ بات عوام میں مشہور ہو جاتی کہ فلاں شخص جیسے زرارہؓ، ابوبصیرؓ یا محمد بن مسلمؓ وغیرہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے بڑے مقرب بارگاہ ہیں۔ تو بعض اوقات مجمع عام میں یہ حکماء اسلام اس کی مذمت کر دیتے۔ تاکہ حکومت وقت تک شکایت نہ پہنچے اور اسے کوئی جانی ومالی گزند نہ پہنچے اور یہ بات خود ہی رجال کشی میں مذکور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق

علیہ السلام نے زرارہؓ کے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اپنے باپ سے کہنا کہ میں بعض اوقات لوگوں میں بیٹھ کر تمہاری جو مذمت کرتا ہوں تو یہ تمہاری زندگی اور تمہارے مال و جان کی حفاظت کی خاطر کرتا ہوں۔ اس سے ملول خاطر نہ ہونا۔ (رجال کشی)

ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون

والحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقۃ

ابوحنیفہ کے ایک مسئلے میں پانچ اقوال

اشرف صاحب فرزند رسول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی توہین و تحقیر اور زبان درازی کے نے قبل ذرا اپنے امام ابوحنیفہ کے ایک ہی مسئلے میں پانچ اقوال اور پینترے بدلنے اپنی کتب سے اور ان کے شاگرد کی زبانی پڑھ لیتے تو آپ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی نہ کرتے۔ آیئے ذرا کوفہ کے قاضی حفص بن غیاث نخعی متوفی ۱۹۴ھ کی زبان سے ابوحنیفہ کی علمی پوزیشن واضح کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ: "کنت اجلس الی ابی حنیفۃ فاسمعہ یفتی فی المسئلۃ الواحدۃ بخمسۃ اقاویل فی الیوم الواحد فلما رأیت ذلک ترکتہ و اقبلت علی الحدیث"۔ میں ابوحنیفہ کے پاس بیٹھا تھا تو ایک ہی دن میں انھیں ایک ہی مسئلے کے بارے میں پانچ پانچ اقوال کہتے ہوئے سنا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے انھیں چھوڑ دیا اور حدیث کی طرف تکمل طور پر متوجہ ہو گیا"۔ (کتاب السنہ لابن احمد بن حنبل صفحہ ۲۱۶ طبع بیروت، تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۴۲۵ طبع بیروت) مندرجہ بالا روایت ازلحاظ سند بالکل صحیح ہے۔

سیالوی صاحب کی مکاری و عیاری ملاحظہ ہو

لکھتے ہیں کہ: "اس قسم کے پراسرار راویانِ حدیث اور اقوالِ ائمہؑ کے تعبیر و تاویل کرنے کی حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس آمدورفت اور ان کی بیان کردہ روایات کی غلط تعبیرات کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود امام صاحب کو روایت حدیث کے معاملہ میں شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا......" الخ

(تحفہ حسینیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۸)

یہ موصوف کی عیاری و مکاری ہے کہ ایک تیر سے دو شکار کر ڈالے۔ اگر ہمارے راوی کمزور تھے اور ثقہ نہ تھے تو پھر آپ کے مضبوط اور ثقہ راویوں نے آپ سے احادیث نقل کیوں نہ کیں؟ در

اصل وہ بات جو سیالوی ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ یہ ہے کہ دشمنانِ آل محمدؐ کی نظر میں خود امام جعفر صادق علیہ السلام ثقہ نہ تھے (العیاذ باللہ) چنانچہ بخاری و مسلم میں آپ کی کوئی روایت نہیں ملتی ...... اور بخاری کا قول ہے کہ "وفی نفسی منه شئ و مجالد احب الی منه"۔ میرے دل میں آپ کی طرف سے کچھ شک ہے اور مجھے تو ان سے مجالد زیادہ پسند ہے (بخاری) اس حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد اس سوال کا حقیقی جواب بھی معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ جعفری کہلانے کی بجائے حنفی، شافعی اور مالکی وغیرہ کیوں کہلاتے ہیں؟ اس کی وہ وجہ نہیں جو سیالوی نے صفحہ ۱۴۱ پر بیان کی ہے۔ وہ بالکل دروغ بے فروغ ہے۔ بلکہ اس کی اصلی وجہ وہی ہے۔ جو ہم نے بیان کی ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں خود امام جعفر صادق علیہ السلام کی کوئی عزت نہیں ہے۔

بیفکن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

بھلا اگر کسی بزرگ ہستی کی طرف لوگ غلط روایات کی نسبت دینے لگ جائیں تو کیا اس بزرگ ہستی کا دامن چھوڑ دینا چاہیے؟۔ سیالوی صاحب! اس طرح تو پھر تمھیں پیغمبر اسلام کا دامن چھوڑ کر مسیلمہ کذاب کا دامن تھامنا پڑے گا۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ پر جھوٹ بولنے والے لوگ بھی بکثرت ہو گئے تھے۔ حتی کہ آپ کو مجمع عام میں خطبہ دینا پڑا کہ مجھ پر جھوٹ بولنے والے زیادہ ہو گئے ہیں۔ اور میری طرف منسوب ہر روایت کو قرآن پر پیش کرنا ہو گا۔ پس جو حدیث قرآن کے مطابق ہو اس کو لے لینا اور جو قرآن کے مخالف ہو اس کو دیوار پر پھینک دینا۔ (بخاری)

نتیجۃ الکلام یہ بر آمد ہوا کہ
شیعہ ہی بروزِ قیامت نجات پانے والے ہیں

سیالوی صاحب کا یہ کہنا کس قدر حقیقت کے خلاف ہے کہ: "تمام شیعہ کہلانے والے برے ہیں اور استثناء کا احتمال ختم ہے" ...... اگر فی الواقع ایسا ہی ہے۔ تو پھر موصوف کے بڑے بڑے علماء جیسے ابن حجر مکی، شاہ عبد العزیز دہلوی وغیرہ کے منہ سے کیوں شیعہ کے فضائل پر پانی بہنے لگا اور کیوں کہا کہ: "وہ علیؑ کے شیعہ ہم ہیں"۔ جیسا کہ تم نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے ...... اہل السنۃ کا تو قرآن و سنت میں کوئی نام و نشان مذکور نہیں ہے۔ قرآن و سنت میں ذکر ہے تو شیعوں کا۔ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ

(صافات:۸۳) هٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ......فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ (سورة القصص:۱۵) اور سنت میں تذکرہ ہے۔ .....تو شیعیانِ علیؑ کا، اور حضرت رسولِ خداؐ نے جنت کا پروانہ دیا ہے۔ تو شیعیانِ علیؑ کو۔ یا علیؑ انت و شیعتك هم الفائزون يوم القيامة (جس کی تفصیل سابقہ فصل میں گذر چکی ہے) ہاں یہ درست ہے کہ ہر قوم و ملت میں کالی بھیڑیں ہوتی ہیں۔ جس طرح مسلمان کہلانے والوں میں ننگ اسلام دہشت گرد موجود ہیں۔ اسی طرح شیعیانِ علیؑ کہلانے والوں میں بھی ملنگ قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں جو نام تو حضرت علیؑ کا لیتے ہیں مگر کام دشمنانِ علیؑ والے کرتے ہیں۔

آئیے فرمان امام محمد باقر علیہ السلام کے آئینہ میں دیکھیں کہ شیعیانِ علیؑ کے صفات و علامات کیا ہیں؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ آپ نے جناب جابر جعفی سے فرمایا: "یا جابر ایکتفی من ینتحل التشیع" اے جابر! کیا وہ شخص جو زبانی شیعہ کہلاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کا زبانی کلامی یہ دعویٰ کر دینا کافی ہے (اور عقیدہ و عمل کی اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے) دیکھو حضرت رسولؐ خدا حضرت علی علیہ السلام سے افضل تھے۔ لیکن اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں حضرت رسولِ خداؐ سے محبت کرتا ہوں مگر وہ مقام عمل میں ان کی اتباع و پیروی نہ کرے تو یہ دعوائے محبت اسے کوئی فائدہ نہ دے گا۔ پھر جدِ نامدار کے حقیقی شیعوں کے خصوصی علامات اور صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "ما کانوا یعرفون یا جابر الا بالتواضع و التخشع" تا آخر حدیث۔ جس میں شیعیان حیدر کرار کی گیارہ عدد صفات جلیلہ اور علامات جمیلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

خلاصۃ الکلام

امام علیہ السلام نے فرمایا: "من کان للہ مطیعا فهو لنا ولی و من کان للہ عاصیا فهو لنا عدو"۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہے وہ ہمارا حقیقی حبدار ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ وہ ہمارا دشمن ہے۔ فرمایا: "شیعتنا من تابعنا فی افعالنا و لم یخالفنا"۔ اور ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہمارے افعال و اعمال میں ہماری متابعت کرتا ہے۔ اور کسی بات میں بھی ہماری مخالفت نہیں کرتا۔ هؤلاء شيعة علی (اصول کافی)

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(دعبل خزاعی)

فصل سوم

کیا قاتلانِ حسینؑ شیعہ تھے؟

① رسالہ مذہب شیعہ:

پیر صاحب سیالوی نے اپنے دوسرے متعصب ہم مذہبوں کی طرح شہادت امام حسین علیہ السلام کا بے بنیاد الزام بھی بیچارے شیعوں کے سر تھوپنے کی مذموم کوشش کی ہے۔

(رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۹۹، ۱۰۰)

② تنزیہ الامامیہ:

یہ ان لوگوں کے ترکش کا آخری تیر ہے، جسے وہ شیعیانِ حیدر کرار کو بدنام کرنے کے لیے چلاتے ہیں۔ اس موضوع پر طرفین سے اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ اب مزید خامہ فرسائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مگران لوگوں کی حالت بڑی قابل تعجب ہے، جو بجائے اس کے کہ جو کچھ اہل حق کی طرف سے لکھا جاتا ہے۔ اسے صحیح تسلیم کر کے خاموشی اختیار کریں یا پھر مدلل طریقہ پر جواب الجواب دیں۔ مگر یہ ہیں کہ نہ یہ کرتے ہیں اور نہ وہ، بلکہ مرغ کی ایک ہی ٹانگ پکڑے جاتے ہیں۔

در حقیقت جناب امام حسین علیہ السلام کے قاتل وہ لوگ تھے جن کا نعرہ میدانِ کربلا میں یہ تھا: "انا علی دین عثمان"۔ "میں عثمان کے دین پر ہوں"۔ اور انصار حسینی کا جواب یہ تھا: "بل انت علی دین الشیطان"۔ "بلکہ تو شیطان کے دین ومذہب پر ہے"۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۵) جس کوفہ میں حضرت امیر علیہ السلام کی شہادت کے بعد پورے بیس سال تک معاویہ کی حکومت رہی اور زیاد بن ابیہ گورنر رہا ہو۔ جس نے ہر شجر و مدر کے نیچے چھپے ہوئے شیعہ علیؑ کو تہہ تیغ کر دیا تھا، اس کوفہ میں ہزاروں کی تعداد میں شیعہ کہاں سے آ گئے تھے؟ علاوہ بر ایں یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ جو لوگ حضرت امیرؑ کے دور میں آنجناب کے ہمراہ تھے اور جن پر بعض اخبار و آثار میں "شیعہ" کا لفظ بولا گیا ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ معاویہ کے مقابلے میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ ورنہ وہ حقیقی معنوں کے لحاظ سے شیعہ نہ تھے بلکہ اُن کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو

حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ سمجھتی تھی نہ کہ خلیفہ بلافصل ۔ یہ نا قابل تردید حقائق ہیں۔ اگر پیر صاحب سیالوی اور اُن کے چیلے چانٹوں میں ہمت ہے تو میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السّلام کے خلاف لڑنے والوں میں زیادہ نہیں تو صرف ایک ہی ایسے شخص کی شمولیت ثابت کریں۔ ایسا کرنے والے کو ہم منہ مانگا انعام دینے کی پیشکش کرتے ہیں۔ مگر ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

قاتلان حسین وہی لوگ تھے جو یزید پلید کو چھٹا خلیفہ رسول جانتے تھے، اور اس کے باپ معاویہ کو مسند رسولؐ کا پانچواں جانشین سمجھتے تھے۔ قاتلانِ حسینؑ اور اس کے ذمہ دار وہی لوگ تھے کہ جب ہم تقریر و تحریر کے ذریعہ سے ان کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں۔ تو پیر سیالوی کی جماعت کی رگ حمیت بھڑک اٹھتی ہے۔ اور قاتلانِ حسینؑ کی محبت کے جوش میں ذکر حسینؑ تک کو حرام قرار دے دیتی ہے۔ اور بہانہ یہ بناتی ہے کہ اس سے بغض صحابہ پیدا ہوتا ہے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۳ طبع مصر قدیم) و یحرم علی الواعظ و غیرہ ذکر مقتل الحسن و الحسین۔ لیکن ہم نے بھی یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ہر چہ بادا باد، اصلی مجرم چہروں کو بے نقاب کر کے چھوڑیں گے۔ تا کہ ہر کس و نا کس پر "قتل الحسین یوم السقیفہ" کی صداقت واضح و آشکار ہو جائے اور ظالم اور اس کے بد کردار سے نفرت اور مظلوم اور اس کے نیک کردار سے الفت پیدا ہو جائے۔ ولنعم ما قیل ؎

افعالِ یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے اُلفت پیدا ہو
اس واسطے تیرے درد بھرے حالات سنائے جاتے ہیں

اور خدا لگی بات تو یہ ہے کہ یہ بحث سرے سے ہی فضول ہے کہ قاتلانِ حسین کا مذہب کیا تھا؟ بلا تشبیہ یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص (العیاذ باللہ) جناب رسول خداؐ کو شہید کردے اور پوچھنے والا پوچھے کہ قاتل کا مذہب کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ قاتل رسول کافر و مرتد ہے۔ تو اسی طرح بموجب الحسینؑ منی و انا من الحسینؑ۔ قاتل حسین بھی کافر اور مرتد ہے۔ اور اگر بحث کا مقصد یہ ہے کہ اقدام قتل سے پہلے اُن کا مذہب کیا تھا؟ تو اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جس شخص (یزید) کی اطاعت شعاری و فرمانبرداری کرتے ہوئے قاتلوں نے یہ اقدام کیا ہے، یہ اس کے ہم مذہب سمجھے جائیں گے۔ الغرض جو مذہب یزید کا تھا، وہی قاتلانِ حسینؑ کا مذہب تھا۔ اب یزید کے مذہب کا فیصلہ کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ وہ کس مذہب کا چھٹا خلیفہ ہے۔ قارئین کرام کے لیے چنداں مشکل نہیں ہے۔

(۳) اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید:

حضرت شیخ الاسلام...... کی مدلل اور باحوالہ تحریر کے جواب میں علامہ ڈھکو صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب صدری نسخہ ہے۔ جس کا حوالہ جات اور کتب مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے......سب سے پہلے یہ حقیقت واضح کرنے کی اشد ضرورت تھی کہ بلانے والے کون تھے؟ اور ان پر حضرت امام حسینؑ نے اعتماد کیوں کیا تھا۔ اور جو لشکر میدانِ کربلا میں تھا کوفہ کے ہی لوگ تھے یا باہر سے منگوائے گئے تھے۔ اگر کوفہ میں خلافت بلافصل کا عقیدہ رکھنے والے اور حقیقی شیعہ...... موجود نہیں تھے یا ان کی تعداد اتنی نہیں تھی جو آپ کے ساتھ مل کر یزیدی قوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کر سکتے تو آپؑ کا اس دعوت کو قبول کرنا اور کوفہ کی طرف عازم سفر ہونا بے جواز ہو جاتا ہے......اور اگر خواہ مخواہ جان ہی دینی تھی تو مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور مصر و بصرہ وغیرہ میں بھی یزید کے عامل موجود تھے اُدھر رُخ کیوں نہ فرمایا...... علامہ موصوف نے فرمایا قاتلانِ حسینؑ وہ تھے جن کا نعرہ میدان کربلا میں یہ تھا کہ ہم دین عثمان پر ہیں۔ جس کے جواب میں انصار حسینیؑ کہا کرتے تھے بلکہ تو دین شیطان پر ہے۔ پہلے تو یہ عرض کر دوں کو ڈھکو صاحب کو اس عبارت کا معنی و مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آیا، یا آپ نے دیدہ دانستہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے...... حضرت عثمان کا دین مذہب نعوذ باللہ شیطان والا تھا تو ان کے محاصرہ کے دوران حضرت امام حسنؓ ان کے پہرہ دار کیوں بنے رہے؟ اور حضرت علیؓ کی طرف سے دفاع کیوں کرتے رہے...... پوری تفصیلات حضرت امیر اور حضرت امام حسینؓ کے دفاع کی اور عزم انتقام کی معلوم کرنی ہوں تو نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ شرح حدیدی جلد ثانی صفحہ ۱۴۲، ۱۵۳ وغیرہ پر ملاحظہ کریں...... الغرض حضرت عثمان غنی کا مذہب وہی تھا جو حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ کا تھا...... "بل" کا کلمہ اضراب کے لیے ہوتا ہے۔ ایک حکم کی نفی کر کے دوسرا ثابت کرنا ہو، تب اسے استعمال کرتے ہیں ما جاءنی زید بل عمرو کا ترجمہ نحویوں کے نزدیک یہ ہے کہ زید نہیں آیا بلکہ عمرو آیا ہے۔ جبکہ علامہ صاحب کے دل کے مطابق یہ ترجمہ بنے گا: نہ زید آیا نہ عمرو بلکہ زید اور عمرو ایک شئ ہے...... حضرت امیر المومنین علیؓ امیر معاویہ کے ساتھ جنگ وجدل کے باوجود فرماتے ہیں:

"الظاهر ان ربنا واحد و نبینا واحد الخ...... الا ما اختلفنا فی دم عثمان و نحن منه براء"...... یقیناً ہمارا رب ایک ہے، نبی ایک ہے...... ماسوائے اس کے کہ خون عثمان میں ہمارا باہم اختلاف ہو گیا ہے اور ہم اس سے بری اور پاک دامن ہیں......

(نوٹ) معاویہ علیؑ کو ملوث کر رہا ہے۔ اور سیالوی بری کون سچا ہے؟)

......کوفہ میں شیعہ کی تعداد کتنی تھی؟ علامہ موصوف نے فرمایا کہ معاویہ کے بیس سال دور حکومت میں سب شیعہ تہ تیغ کر دیئے گئے تھے۔ لہٰذا اب وہاں ہزاروں کی تعداد میں شیعہ تھے کہاں؟ یہ جواب علامہ طبرسی کی احتجاج اور قاضی نور اللہ شوشتری کی مجالس المومنین میں ذکر کیا گیا ہے ......مگر یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے اور قائم رہے گا کہ کیا یہ صورت حال امام حسینؑ کو معلوم نہ تھی۔ جب معلوم تھی تو آپ نے کوفہ کا رخ کیوں کیا؟......ان پر اعتماد کیسے کیا؟......لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ آپ کو اپنے ہم عقیدہ بلکہ مخلصین......کی اتنی کثیر تعداد معلوم ہوئی تھی جو یزیدی عساکر اور افواج کے مقابلے کی تاب و توانائی رکھتے تھے......(بعد ازاں علامہ مجلسی کی جلاء العیون کے حوالہ سے ان خطوط کی عبارت پیش کی گئی ہے، جو مختلف اوقات میں مختلف حضرات نے لکھے کہ دشمن (معاویہ) مر گیا ہے۔ اور اس وقت ہمارا کوئی راہبر و امام نہیں ہے۔ لہٰذا آپ تشریف لائیں اور امامت سنبھالیں......ان خطوط لکھنے والوں میں جہاں جناب سلیمان بن صرد خزاعی مُسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد بجلی اور حبیب بن مظاہر کے نام نظر آتے ہیں۔ وہاں شبث بن ربعی، بجار بن ابجر، یزید بن الحارث، عروہ بن قیس، عمرو بن الحجاج اور محمد بن عمرو کے منحوس نام بھی آتے ہیں۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۳ صفحہ ۱۵۲، ۱۵۴) (اور پھر ایسے بارہ ہزار خطوط کا تذکرہ کیا گیا ہے)......چنانچہ امام مظلوم نے ان رسل و رسائل اور قاصدوں اور پیاروں پر اعتماد کر کے اس دعوت کو قبول کرنے کا ارادہ فرما لیا اور حضرت مسلم بن عقیلؑ کو یہ پیغام دے کر کوفہ روانہ کیا کہ وہ اینکہ میفر ستیم بسوئے شما ......اور اتنی کثیر تعداد نے امام حسینؑ کے لیے ان کے نمائندے حضرت مسلمؑ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ مکمل طور پر مطمئن ہو گئے۔ اور انھوں نے امام عالی مقام کو خط لکھ کر اپنے وثوق اور اطمینان سے آگاہ کر دیا......الحاصل ان روایات میں مذکور کوفیوں کی ہزاروں کی نفری اور ان کی حضرت امام حسینؑ کے لیے حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنا جبکہ امیر معاویہ کے مقرر کردہ خلیفہ و امیر یزید کا گورنر اور عامل بھی کوفہ میں موجود ہو تو کیا یہ اس حقیقت کی قطعی دلیل نہیں ہے کہ وہ لوگ نہ امیر معاویہ کو پانچواں خلیفہ مانتے تھے اور نہ یزید کو چھٹا خلیفہ......یہ سبھی شیعہ تھے اور اہل بیت کرام کے موالی اور مُحبّ ہونے کے مدعی۔ مگر نہ حضرت امام مسلم کو زیاد کے مقابلہ پر کوفہ والے کام آئے اور نہ ہی امام حسینؑ کو میدان کربلا میں کام آئے۔ اب علامہ صاحب ہی بتلائیں کہ بیعت کے بعد ان کو زمین نگل گئی یا ملائکہ نے آسمان پر اٹھا لیا......یا......یا

واقعہ کربلا کے بعد شیعی تعداد اور کثرت

قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین جلد دوم میں...... لکھا ہے کہ جب سلیمان بن صرد خزاعی اور مُختار ثقفی کی زیر قیادت اہل کوفہ کا بنو امیہ سے بدلہ لینے کا عزم اور سابقہ کوتاہی کی تلافی کی خاطر جدوجہد کی...... تو سلیمان بن صرد کے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمی نے...... بیعت کی اور ۶۵ھ میں اس نے خروج کیا تو صرف دس ہزار آدمی اس کے جھنڈے تلے جمع ہوئے...... اس لشکر کی شکست کے بعد مُختار ثقفی نے اہل کوفہ کی قیادت سنبھالی اور آخر کار ابن زیاد اور اس کے لشکریوں پر غلبہ حاصل کر لیا...... بہر کیف ان کو شیعہ موالی تسلیم کرنا لازم ہے۔ اور یہ بھی ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مقام تعجب ہے کہ ۶۱ھ میں اگر کوفہ میں شیعہ تھے ہی نہیں...... تو ۶۵ھ تک صرف چار سال کے عرصہ میں اتنی کثیر تعداد کہاں سے پیدا ہو گئی؟...... یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ حضرت امام حسینؑ بار بار بلانے پر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، نہ کہ اپنے طور پر...... اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ معاویہ کو پانچواں اور یزید کو چھٹا وارث مسندِ رسولؐ سمجھنے والے امام کو کس طرح دعوت دے سکتے تھے؟ اور اگر ان لوگوں کی دعوت پر آپ کوفہ تشریف لے گئے اور حضرت مسلم نے بھی انہی پر اعتماد کر کے آپ کو خط لکھا تھا تو پھر یہ حقیقت بھی تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہے گا کہ حضرت امام حسینؑ بھی سنی مذہب پر کار بند تھے...... عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے جتنا لشکر میدانِ کربلا میں بھیجا گیا تھا وہ نہ شام سے آیا تھا اور نہ ہی بصرہ سے ابن زیاد ساتھ لایا تھا۔ بلکہ وہ صرف اور صرف کوفہ شہر کا ہی تھا...... حضرت امام حسینؑ کو کوفہ کے راستے میں فرزدق شاعر ملا۔ جب آپ نے اس سے اہل کوفہ کا حال پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ان کے دل تو تمہارے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں ان کی بنو امیہ کے ساتھ ہیں ح۔ (جلاء العیون صفحہ ۳۷۱) حضرت مسلم کی شہادت کی خبر سن کر حضرت امامؑ نے فرمایا ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مسلم بن عقیلؓ، ہانی اور عبید اللہؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ **شیعیان ما دست از یاریٔ ما بر داشتہ اند؟**...... امام مظلوم نے میدانِ کربلا میں لشکر اعداء کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بے وفائی کرنے والے شیعہ ہی تھے۔ بہر حال یہ حقیقت بے غبار ہو چکی کہ جن شیعیان حسینؑ نے آپ کو بلایا تھا۔ انہوں نے ہی یزیدی لشکر میں شامل ہو کر یہ ظلم کیا اور انہوں نے ہی امام مسلم کو بے یار و مددگار چھوڑا اور انہوں نے ہی امام مظلوم کے خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگے...... امیر معاویہ کو مسند رسول کس نے دی؟ علامہ ڈھکو صاحب نے کہا کہ قاتلان حسین وہ تھے جنھوں نے یزید کو چھٹا خلیفہ بنایا اور اس

کے باپ کو مسند رسولؐ کا پانچواں خلیفہ تسلیم کیا، بلکہ امام حسینؑ تو سقیفہ کے دن ہی قتل ہو گئے تھے...... امیر معاویہ کو مسند رسول کس نے دی۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں یہ مسند رسول اللہؐ کے فرزند، حضرت زہراءؑ کے جگر گوشہ اور حضرت علیؑ کے نور نظر حضرت امام حسن مجتبیٰؑ نے سونپی تھی۔ اور شیعیانِ کوفہ کے حالات وعادات و کردار دیکھ کر...... صلح کر لی...... الغرض امیر معاویہ کو خلافت سونپی تو رسول اللہؐ کے فرزندار جمند نے اور سونپنے پر مجبور کرنے والے وہ تھے جو مُحبّ وموالی تھے تو کہیے قاتلان حسین کون ہوئے؟

یزید اور امام حسینؑ کا باہمی معاملہ از روئے کتب شیعہ

علامہ ڈھکو صاحب بار بار چھٹے خلیفہ کا راگ الاپ رہے ہیں تو ہم ان کی مذہبی مُعتبر کتب کے آئینہ میں انھیں یزید کا اصل چہرہ بھی دکھلا دیتے ہیں۔ اور حضرت امام حسینؑ کا اس کے متعلق حسنِ ظن؟...... شیخ مُفید نے کتاب الارشاد میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن سعد کے ساتھ آپ کا یہ معاہدہ ہوا تھا:

اما بعد فان اللہ قد اطفا النائرہ...... حضرت امام حسینؑ نے میرے ساتھ عہد کیا ہے کہ وہ یا تو اس مکان کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جہاں سے وہ آئے ہیں یا ملک اسلام کی سرحدات میں سے کسی سرحد پر چلے جاتے ہیں۔ اور غازیانِ اسلام میں سے ایک غازی کی طرح ہوں گے۔...... یا امیر المومنین یزید کے پاس جا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں گے۔ اور وہ اپنی رائے کے مطابق اس باہمی معاملہ میں فیصلہ کرے گا...... اسی طرح شیخ الطائفہ شیخ طوسی نے بھی تلخیص شافی صفحہ ۴۷۱ پر یہی عبارت درج کی ہے۔ جو اوپر مذکور ہے...... اور یہی مضمون سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے تنزیہ الانبیاء صفحہ ۱۷۷ پر ذکر کیا ہے...... ہاں تو امام مظلوم نے حالات کا رُخ بدلا دیکھا تو یزید کے پاس جا کر بیعت کر لینے کا ارادہ فرمایا اور اس طرف چل بھی پڑے اس امید پر کہ وہ میرے ساتھ حسنِ سلوک سے کام لے گا۔ لیکن محبوں نے غیرت اور محبت کے تحت اپنے محبوب کو اس دشمن کی طرف جانے سے ہر قیمت پر روکنے کی ٹھان لی اور جو ہوا سو ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون......

......تو اب یزید کا طرزِ عمل دیکھیں...... ارشاد شیخ مُفید میں ہے کہ جب یزید نے اہل بیت کرام کے افراد کو مدینہ منورہ واپس بھیجنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی بن الحسینؑ کو خلوت میں طلب کیا اور پھر کہا اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ اگر بخدا میں اس وقت تمھارے باپ کے پاس موجود ہوتا تو وہ جس طرح کے معاملہ اور سلوک کا مجھ سے مطالبہ کرتے تو میں اُن کا وہ مطالبہ پورا کر دیتا...... علامہ صاحب ذرا بتلائیے گا یہ جناب والا کی مذہبی مُعتبر ترین کتابیں...... کیا کہتی ہیں کہ حضرت

امام حسینؑ کی نگاہ میں یزید کیسا تھا؟ چھٹا خلیفہ ہونے کے لائق تھا یا نہیں؟ اور اگر شیعہ حضرات انھیں مہلت دیتے تو وہ لازمی طور پر یزید کی بیعت کر لیتے ہٗ...... (تحفہ حسینیہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۶، ۲۷۲)

④ اس پر ہمارا مُحققانہ تبصرہ:

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

جس طرح جناب اشرف سیالوی اور اُن کے پیرو مرشد کو "شیعہ فوبیا" ہو گیا ہے سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے کوئی عنوان ہو کوئی بیان ان کو شیعوں کی مذمت اور شیعیانِ علیؑ کہلانے والوں کی اہانت و منقصت کے سوا کوئی محبوب مشغلہ ہی نہیں ہے۔

ناصبی یعنی دشمن اہل بیت علیہم السلام کون؟

جس سے پتا چلتا ہے کہ موصوف بدقسمتی سے نصب و عداوت اہل بیت کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ناصبی صرف وہ شخص نہیں ہے جو براہِ راست ہم سے عداوت رکھے بلکہ وہ شخص بھی ناصبی ہے جو تم شیعوں سے عداوت رکھے کہ تم ہم اہل بیتؑ سے محبّت کرتے ہو (الفصول المهمه فی اصول الائمه شیخ حر عاملی، سرائر ابن ادریس حلی) موصوف نے پہلے یہ ناکام کوشش کہ مذہب شیعہ خیر البریہ کو عبداللہ بن سبا کی ایجاد ثابت کرے۔ بعد ازاں بعض نام نہاد شیعوں کی مذمت والی حدیثیں پیش کر کے ان کی مذمت و منقصت کی سعی لاحاصل کی اور اب حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا الزام شیعوں پر لگا کر اپنے ترکش جور و جفا کا آخری تیر بھی چلا دیا ہے۔

نبی و امام کا قاتل کافر و مرتد ہوتا ہے

شہادت مظلوم کربلا سے لے کر آج تک برابر سنی و شیعہ کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے۔ ہر فریق اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے دوسرے فریق کو قاتلانِ حسین قرار دیتا ہے کہ وہ سنی یا شیعہ تھے۔ حالانکہ خدالگی بات یہ ہے کہ نبی و امام کا قاتل مُلحد و زندیق ہوتا ہے۔ اس کا کسی اِسلامی مسلک و مذہب سے کوئی تعلّق نہیں ہوتا...... ہاں البتّہ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ اس گفتگو کی گنجائش ہے کہ ان قاتلوں کے اس کافرانہ اقدام سے پہلے ان کا بظاہر اسلام کے کس فرقے سے تعلّق تھا؟

خدا لگی بات

اب اگر سیالوی صاحب مختلف کتابوں کے حوالے دے دے کر ثابت کریں کہ کوفہ شیعیانِ علیؑ سے چھلک رہا تھا۔ اور ہم اس کے بالمقابل یہ ثابت کرنے بیٹھ جائیں کہ شہادت حضرت علیؑ اور صلح حسنیؑ کے بعد پورے بیس سال تک زیاد بن ابیہ جیسا دشمن اہل بیت کوفہ کا گورنر رہا اور اس نے چن چن کر شیعیانِ علیؑ کو بے دریغ قتل کیا۔ اور ہر شجر و حجر کے نیچے چھپے ہوئے شیعہ کو بھی تہ تیغ کیا۔ لہٰذا اب کوفہ میں کوئی بھی شیعہ نہیں تھا تو پھر یہ لاکھوں اور ہزاروں شیعہ کہاں سے آ گئے؟ تو اس سے تضیع اوقات کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ اب بھی کوفہ میں شیعیانِ علیؑ بھی موجود تھے اور شیعیانِ معاویہ و یزید بھی۔ شیعیانِ علیؑ کا ثبوت ان بارہ ہزار خطوط سے مل جاتا ہے۔ جو شیعیانِ علیؑ و حسینؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو لکھے۔ اور آپؑ سے کوفہ تشریف لانے کی استدعا کی (گو سارے خطوط لکھنے والے شیعہ علیؑ نہ تھے جیسے شبث بن ربعی، بجار بن ابجر، یزید بن حارث اور عمرو بن الحجاج زبیدی وغیرہ) جیسے ابن الوقت قسم کے لوگ بھی تھے۔ جن کا کیش صرف پیسہ ہوتا ہے کہ "هر کس که سکه زند خطبه بنا مش خوانند" ...... اور شیعیانِ معاویہ و یزید بھی تھے۔ جس کا ثبوت یزید بن معاویہ کا وہ خط ہے۔ جو اس نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا تھا۔ جب کہ وہ بصرہ کا گورنر تھا کہ: "اما بعد فانه کتب الی شیعتی من اهل الکوفة ان ابن عقیل یجمع الجموع لشق عصا المسلمین فحین تلقی کتابی هذا حتی تاتی الکوفة......" یعنی میرے پاس میرے شیعوں نے جو کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ یہ خط لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں جتھے جمع کر رہا ہے۔ اور مسلمانوں میں اختلاف ڈالنا چاہتا ہے۔ لہٰذا میرا یہ خط ملتے ہی کوفہ جاؤ۔ اور وہاں کے حالات کو کنٹرول کرو......

(تاریخ طبری جلد۶ صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰ مطبعہ حسینیہ مصر طبع اول وغیرہ)

خطوط لکھنے والے حقیقی شیعوں کی شہادت امامؑ میں شمولیت ثابت نہیں ہے

یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ وہ مخلص شیعیان علیؑ جنھوں نے امام علیہ السلام کو خطوط لکھے تھے۔ ان میں سے کسی ایک شخص کی بھی شہادت امامؑ میں شمولیت ثابت نہیں ہے۔ جیسے جناب حبیب بن مظاہر، سعید بن عبد اللہ، عبد الرحمن بن عبد اللہ وامثالہم۔ وہ سب کے سب یا امامؑ کے ہمرکاب ہو کر

شہید ہوئے یا بعض موانع کی وجہ سے نصرتِ امام کا فریضہ ادا نہ کر سکے۔ اور بعد از شہادت سلیمان بن صرد خزاعی یا مختار بن عبداللہ ثقفی کی ماتحتی میں قاتلان امام سے انتقام لیا۔ اور بعض نے جام شہادت نوش کیا۔ جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے۔

قاتلان حسین کا مذہب اہل سنت سے تعلّق رکھنے کے شواہد کا بیان

① اس سلسلہ کا پہلا شاہد تو وہی یزید کا خط ہے۔ بنام ابن زیاد۔ جس کا ابھی اوپر تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

② دوسرا شاہد یہ ہے کہ ساتویں محرم کو ابن زیاد کا خط عمر ابن سعد کو موصول ہوتا ہے۔ (جس کے بعد آلِ رسولؐ پر پانی بند کر دیا گیا) اما بعد فحل بین الحسین و اصحابه و بین الماء و لا یزوقون منه قطرة کما صنع بالتقی الذکی المظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان...... حسینؑ اور ان کے اصحاب اور پانی کے درمیان سدراہ ہو جاؤ تا کہ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکیں جیسا کہ زکی و تقی مظلوم عُثمان بن عفان کے ساتھ کیا گیا (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۴ وغیرہ) قاتلانِ امامؑ کو شیعہ کہنے والے آئیں اور اپنی آنکھوں سے یہ خط پڑھیں کہ جناب عُثمان کو تقی و زکی اور امیر المومنین کہنے والا کون ہو سکتا ہے؟

③ تیسرا شاہد: نویں محرم کو عزوہ بن قیس احمسی (فوج یزید کا سپاہی) جناب زہیر بن قین کو امام حسین علیہ السّلام کا طرفدار دیکھ کر پوچھتا ہے کہ "یا زهیر ما کنت عندنا من شیعه هذا البیت بل کنت عثمانیا"۔ "اے زہیر تُو تو ہمارے نزدیک اس خاندان (اہل بیتؑ نبوی) کے شیعوں میں سے نہیں تھا بلکہ تُو تو عُثمانی المسلک تھا"۔

زُہیر نے جواب دیا کیا تم میرے یہاں ہونے سے نہیں سمجھتے کہ میں انہی میں سے ہوں۔

(تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۴)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ میدان کربلا میں جو لوگ حضرت امام حسینؑ کا ساتھ دے رہے تھے وہ شیعیان علیؑ تھے اور جو لوگ مخالفین کی صفوں میں شامل تھے۔ وہ عُثمانی المسلک تھے۔

④ چوتھا شاہد یہ ہے کہ روز عاشورا نافع بن ہلال جملی یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے "انا الجملی انا علی دین علیؑ"۔ میں قبیلہ بنی جمل سے ہوں اور حضرت علیؑ کے مذہب پر ہوں۔ فوج مخالف سے ایک شخص مقابلہ کے لیے نکلا اور اس نے کہا: "انا علی دین عثمان"۔ میں عُثمان کے دین پر ہوں۔ نافع نے یہ کہہ کر اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا کہ "انت علی دین شیطان" "کہ تو شیطان کے مذہب پر ہے"۔

(تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۷)

نوٹ: یہاں سیالوی نے لفظ بل کی بے مقصد نحوی بحث چھیڑی ہے کہ بل اضراب کے لیے ہوتا ہے اوراضراب کے یہ معنی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہاں ''بل'' کا لفظ موجود ہی نہیں ہے۔ اوراس گفتگو کا صاف وسادہ اور بامحاورہ مطلب واضح ہے کہ مخالف نے یہ دعویٰ کیا کہ میں عُثمان کے مذہب پر ہوں اور حسینی نے یوں کہہ کر کہ تو شیطان کے مذہب پر ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا مذہب ایک ہے۔

سیالوی صاحب کا یہ کہنا کہ جناب عُثمان کا وہی مذہب تھا جو حضرت علیؑ کا تھا قطع نظر دوسرے دلائل وشواہد کے اگر فی الواقع ایسا تھا تو حضرت علیؑ نے عُثمان اوراس کے پیشروؤں کی بیعت کیوں نہیں کی تھی؟ باقی رہا حضرت علیؑ کا عُثمان کو بچانے کے لیے کوشش کرنا۔ اور امام حسنؑ کو بھیجنا تو یہ انسانی ہمدردی اور اسلام ومسلمین کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت تھا۔ عُثمان کے ساتھ کسی ذاتی ہمدردی یا ہم آہنگی ویک رنگی کی خاطر نہیں تھا...... نیز معاویہ خیلوں کی پیشگی مُنہ بندی کے لیے تھا، تاکہ وہ امام عالی مقامؑ پر قتل عُثمان کا الزام عائد نہ کرسکیں۔

⑤ پانچواں شاہد یہ ہے کہ جب فرزند رسولؐ شہید ہوچکے اور حرم رسولؐ کو قید کرکے دربار ابن زیاد میں لایا گیا تو ابن زیاد بدنہاد نے بھرے دربار میں برسرِمنبر کافرانہ تقریر کی۔ اس کا اِفتتاحی حصّہ یہ ہے ''الحمد للہ الذی اظہر الحق و اہلہ و نصر امیر المومنین یزید بن معاویہ و حزبہ و قتل الحسین و شیعتہ''۔ خدا کا شکر ہے جس نے حق اور اہل حق یعنی خلیفہ وقت یزید بن معاویہ کو فتح ونصرت عطا فرمائی اور حسینؑ بن علیؑ کو ان کے شیعوں سمیت قتل کیا...... الخ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۳)

انہی پنج گانہ شواہد پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ورنہ شواہد ودلائل اور بھی ہیں۔ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

دعوتی خطوط لکھنے والوں کی اکثریت کے نصرتِ امام کے فریضہ کی ادائیگی سے محروم رہنے کے علل واسباب

یہاں یہ قدرتی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھا مان لیا کہ شیعیانِ کوفہ نے قتل امامؑ میں حصّہ نہیں لیا۔ مگر انھوں نے اس طرح نصرتِ امام کا فریضہ بھی تو انجام نہیں دیا۔ جس کا انھوں نے اپنے خطوط میں وعدہ کیا تھا؟ تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ اگر اوراقِ تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو اس کے مُتعدّد علل واسباب نظر آتے ہیں۔

(۱) پہلا سبب کوفہ کی جماعت شیعہ جو امام حسینؑ کی ہمدرد ہو سکتی تھی اس کی اکثریت کو پابہ زنجیر کر دیا گیا تھا۔ جب کہ یزید نے ابن زیاد کو لکھا تھا کہ: "بلغنی ان الحسینؑ بن علیؑ قد توجہ نحو العراق فضع المناظر و المسالح واحترس علی الظن و خذ علی التھمۃ"...... مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف آ رہے ہیں۔ تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو اور لشکر بناؤ اور جس سے بھی خطرہ کا وہم و گمان بھی ہو اس سے تحفظ کرو اور بدگمانی پر گرفتار کرو...... بس اب کیا تھا۔ قید خانے قیدیوں سے بھر گئے۔ اور لوگوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی...... (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۳)

(۲) دوسرا سبب کربلا و کوفہ کے حدود کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ اس لیے جو لوگ نصرتِ امام کے لیے جانا بھی چاہتے تھے۔ ان کے لیے کربلا پہنچنے کو دشوار سے دشوار تر بنا دیا گیا تھا......
(تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۳)

اور یہ ناکہ بندی مقام نخیلہ اور قادسیہ کے مقام پر تھی چنانچہ جناب قیس بن مسہر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر کو یہیں سے گرفتار کیا گیا تھا۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۳) ان کے علاوہ بھی کئی علل و اسباب تھے جن کی وجہ سے عام لوگ کربلا پہنچ کر نصرت امام کا فریضہ ادا نہ کر سکے......

اعترافِ حقیقت

باوجود ان موانع و مشکلات کے ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں اور کسی کی بے جا وکالت نہیں کرتے کہ کوفہ کے اکثر شیعہ کہلانے والوں نے پہلے نصرتِ جناب مسلم اور پھر نصرت امام کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ لیکن یہ کوئی معصوم تو نہ تھے۔ اور نہ ہی سارے اس معیار کے حقیقی شیعہ تھے۔ جن کے اوصاف ہم گذشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ جس طرح نام نہاد مسلمان کہلانے والوں میں ہر قسم اور ہر قماش کے لوگ موجود ہیں۔ اسی طرح نام نہاد شیعہ کہلانے والوں میں بھی ہر قسم اور ہر قماش کے لوگ پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کوفہ کے ان شیعہ کہلانے والوں کا جرم اس جرم سے سنگین تر تو نہیں ہے۔ جو رسولؐ خدا کو میدانِ جنگ میں نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی خاطر راہ فرار کرنے کا ہے۔ جو جرم اسلام کے دارالحکومت مدینہ منورہ میں مُسلمانوں نے یعنی صحابہ کرام نے کیا کہ مصر سے آئے ہوئے چند لوگوں کے نرغہ میں جناب عُثمان کو گھرا ہوا چھوڑ کر تماشہ دیکھتے رہے اور اُن کے قتل ہو جانے کے بعد تین دن تک ان کی لاش کو دفن کرنے کی بھی جرأت نہ کی۔ جناب عُثمان کو ماننے والوں کی جماعت سے بیس آدمی بھی جان نثاری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ لیکن

فرزند رسول کے ساتھ تو عزیز و اقارب اور اصحاب میں سے ایک سو پینتالیس آدمی جام شہادت نوش کرتے ہیں۔ اور جان نثاری کی مثال قائم کرتے ہیں۔

چه خوش رسمے بنا کردند بخاك و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاك طینت را

آیا اس بے حمیتی اور بے غیرتی کے بعد اہل سنت کی غیرت یہ تقاضا کرتی ہے کہ شیعہ جماعت کو نصرتِ امام میں کوتاہی کرنے کا طعنہ دیں؟ یا اس سے بھی بڑھ کر ان پر قتل امام کا بے بنیاد الزام لگائیں۔

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

"اگر امام عالی مقام کو کوفہ والوں کی وفاداری پر یقین نہیں تھا تو پھر ان پر اعتماد کیوں کیا۔ اور ان کی دعوت کیوں قبول کی؟"۔

سیالوی صاحب نے بار بار یہ سوال دُہرایا ہے اور اسی طرح دوسرے برادرانِ اسلام بھی بڑے شد و مد کے ساتھ یہ سوال کرتے ہیں...... تو اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ جن حالات و مشکلات میں مظلوم کربلا گھرے ہوئے تھے ان میں اگر اہل کوفہ کی دعوت پر لبیک نہ کہتے تو اور کیا کرتے؟ ذرا درج ذیل امور پر غور فرمائیں۔

مرگِ معاویہ کے بعد یزید اپنی تخت نشینی کے بعد مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ بن ابوسفیان کو خط لکھتا ہے کہ حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے سختی کے ساتھ بیعت لو اور ان میں سے جو انکار کرے اس کا سر قلم کر کے میرے اس خط کے جواب کے ہمراہ شام بھیج دو۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۸، ملہوف صفحہ ۱۸ عاشر ص ۱۷۳، ناسخ جلد ۶ مقتل الحسین خوارزمی جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ وغیرہ)

گورنر امامؑ کو دربار میں بلوا کر یزید کا یہ پیغام پہنچاتا ہے اور امام اس کے جواب میں یہ فرماتے ہیں۔ "یزید رجل فاسق شارب الخمر قاتل النفس المحرمة معلن بالفسق و مثلی لا یبایع مثله"۔ یعنی یزید فاسق و فاجر، شارب خمر اور ظالم و قاتل اور متجاہر بالفسق ہے۔ مجھ جیسا (پاکباز انسان) اس جیسے (ننگ انسانیت) کی بیعت نہیں کر سکتا۔ (ملہوف، قمقام، ناسخ، دمعہ ساکبہ وغیرہ وغیرہ) اس انکار کے بعد مدینہ میں قیام کرنا ممکن نہ تھا، اگر قیام کرتے تو مدینہ النبی کی حرمت پامال ہوتی۔ اگر مکہ مکرمہ میں قیام کرتے تو وہاں بھی حضرتؑ کا شہید ہونا یقینی تھا، اور اس طرح مکہ کی حرمت و عظمت بھی پامال ہوتی۔ جسے امامؑ گوارا نہیں کر سکتے ہیں۔ اب ہجرت کر کے جائیں تو کدھر جائیں؟

طائف جائیں یا یمن، بصرہ جائیں یا یمامہ؟ کہیں سے بھی کوئی ایسی آواز بلند نہیں ہوتی کہ

ہم آپؑ کی مدد کے لیے حاضر ہیں۔ ایسے نازک وقت میں ملکِ عراق اور اس کے بھی اہم مرکز کوفہ سے یہ تحریک ہوتی ہے کہ یہاں تشریف لائیں۔ ہم آپ کی حفاظت اور حمایت کے لیے ہر طرح تیار ہیں۔ پچپن عرضداشتیں، دو خورجین بھر کے خطوط اور سات قاصد یکے بعد دیگرے روانہ کیے جاتے ہیں...... اور پھر ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی محبت و اخلاص پر آپؑ کو بھروسا ہے۔ جیسے حبیب ابن مظاہرؑ امام علیہ السلام کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ کیا آپؑ کے لیے مناسب تھا کہ اس دعوت کو مسترد کر دیتے؟ آپؑ نے وہی کیا جس کا حالات حاضرہ تقاضا کر رہے تھے...... اور عقل و تدبر کا اقتضا بھی یہی تھا کہ ان لوگوں کی دعوت پر لبیک کہی جائے اور اگر وہ سچے نہ بھی ہوں تو ان پر حجت تو تمام ہو جائے گی۔ یہ موضوع بفضلہ تعالیٰ اپنے اختتام کو پہنچ چکا۔ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ سیالوی صاحب کی غیر متعلقہ دو چھیڑی ہوئی باتوں پر مختصر سا تبصرہ کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

① پہلی بات یہ کہ معاویہ کو مسند رسول ﷺ کس نے دی؟

اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس نے خود قہر و غلبہ سے حاصل کی۔ جو کہ سیالوی صاحب کے مذہب کا چوتھا اصول ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ امام حسنؑ نے اسے پیش کی یہ صریح بہتان ہے۔ یہ جہالت بھی ہے اور ضلالت بھی کیونکہ نبوت و رسالت ہو یا خلافت و امامت یہ خدائی عہدے ہیں۔ جسے خدا نبی بنائے یا نبی کا وصی صرف وہی نبی یا وصی ہوتا ہے وہ یہ عہدہ کسی اور کو تفویض نہیں کر سکتا جس طرح امام حسینؑ کے جد نامدار نے حالات سے مجبور ہو کر کفار قریش سے صلح کر لی تھی اسی طرح حالات کی نزاکت سے مجبور ہو کر حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کی تھی اور ظاہری اقتدار سے دست برداری اختیار کی تھی، جیسا کہ بعض منصف مزاج علمائے اہل سنت نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ امام اہل سنت مترجم و شارح صحاحِ ستہ مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں: "ہمارے بڑے شہزادے امام حسن علیہ السلام آنحضرتؐ کی طبیعت پر تھے نہایت دانش مند اور انجام بین وقت اور موقع کو دیکھ کر کام کرنے والے جیسے آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں کافروں سے دب کر مصلحۃً صلح کر لی تھی، ویسے ہی حضرت امامؑ نے بھی دیکھا کہ میری فوج والوں کا اعتبار نہیں، ان کے دلوں میں خیانت بھری ہوئی ہے۔ اُدھر معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔ اسلام تباہ ہوا چاہتا ہے، تو ناچار آپ نے دفع الوقتی کر کے معاویہ سے صلح کر لی۔ اب جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے بخوشی معاویہ کو خلافت دے دی اور معاویہ کی خلافت صحیح اور شرعی ہوگئی۔ انھوں نے حالات اور وقائع پر غور نہیں کیا۔ اصل یہ ہے کہ امام اس وقت کے حالات کے اوپر نظر کر کے مجبور ہو گئے اور آپؑ نے ایک ضررِ عظیم سے بچنے کے لیے

ضررِ خفیف کو گوارا کیا۔ پس درحقیقت امامؑ کی طرف سے یہ صلح صحیح اور جائز تھی۔ لیکن معاویہ کی طرف سے ناجائز اور محض ظلمی وجبری تھی۔ جیسے صلح حدیبیہ، آنحضرتؐ کی طرف سے جائز اور صحیح تھی۔ لیکن مشرکوں کی طرف سے ظلمی اور جبری تھی۔ اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے علماء کو دھوکا ہوگیا ہے"۔ (انوار اللغۃ صفحہ ۱۵ صفحہ ۷ ۲ طبع بنگلور) اس کے بعد اس موضوع پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ و لا ینبئك مثل خبیر۔

(۲) دوسری بات یہ کہ امام حسین علیہ السلام تو یزید کی بیعت کرنے پر آمادہ تھے (العیاذ باللہ)

یعنی امام علیہ السلام نے پسر سعد سے معاہدہ کیا تھا کہ یا تو وہ اسی مکان کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جہاں سے وہ آئے ہیں یا ملک اسلام کی سرحدات میں سے کسی سرحد پر چلے جاتے ہیں...... یا یزید کے پاس جا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر دے دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی رائے کے مطابق جو فیصلہ کرے گا۔ اس میں میرے لیے رضامندی ہے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۰،۱۷۱)

سیالوی صاحب نے یہی عبارت الارشاد، تلخیص شافی اور تنزیہ الانبیاء کے حوالے سے نقل کی ہے...... یہ بیان جو ابن سعد نے امام علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ روایت و درایت کے منافی و مخالف ہونے کی وجہ سے درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ جو شخص بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی بلند و بالا شخصیت کی تھوڑی سی بھی معرفت رکھتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ امامؑ ایسا سطحی اور گرا ہوا کلام ہرگز نہیں کر سکتے۔ بلاوہ حسینؑ جس نے روزِ اوّل مطالبہ بیعت پر دوٹوک الفاظ میں کہا تھا کہ: "مثلی لا یبایع مثلہ"۔ جس نے روانگی کے وقت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے کہا: "لو لم یکن ملجا لی ما بایعت یزید"۔ اگر کوئی بھی جائے پناہ نہ ملی تو پھر بھی میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ یہ وہی غیور امامؑ ہے جس نے روزِ عاشور فرمایا تھا "الا ان الدعی بن الدعی قد کوبین اثنتن بین السلہ و الذلۃ و ھیھات منا الذلہ"۔ حرام زادہ پسر حرام زادہ نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے کہ ہم موت یا ذلت قبول کریں۔ ذلت قبول نہیں ہو سکتی۔ (خطبہ امام در میدانِ کربلا) کیا کوئی شخص یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ ایسا غیور امام اس ذلت آمیز طریقہ سے یزید کی بیعت کرنے کی خواہش کرے؟ حاشا و کلا...... اگر ایسا کرنا تھا تو پھر مدینہ چھوڑا کیوں اور بندھا ہوا احرام حج توڑا کیوں؟ اور آبادی کو چھوڑ کر جنگل کربلا کی طرف رخ موڑا کیوں؟ واقعہ ہائلہ کربلا کا عینی گواہ اور واقعہ نویس عقبہ بن سمعان بیان کرتا ہے کہ میں مدینہ سے لے کر مکہ تک اور مکہ سے لے کر کربلا تک برابر امامؑ کے ہمراہ رہا ہوں۔ اس اثناء میں امامؑ نے جو بھی کلام کیا۔ وہ میں نے سنا۔ لہٰذا یہ جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ امامؑ

نے فرمایا تھا کہ مجھے یزید کے پاس لے جاؤ تا کہ میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھوں۔ یہ بات ہرگز انھوں نے نہیں کہی تھی۔) البتہ یہ کہا تھا کہ اگر تم اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں یا اس وسیع و عریض زمین میں چلا جاتا ہوں یہاں تک کہ دیکھیں کہ لوگوں کے معاملہ کا انجام کیا ہوتا ہے۔

(تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۵، تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۸۴، نفس المہموم صفحہ ۱۱۸ وغیرہ)

اور یہ بھی اس لیے فرمایا تھا کہ میں واپس چلا جاتا ہوں یا اس وسیع و عریض زمین میں چلا جاتا ہوں، تا کہ ہوا خواہانِ بنی امیہ و معاویہ و یزید کل کلاں یہ پروپیگنڈہ نہ کریں کہ یزید تو امامؑ کو شہید نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ امامؑ نے خود مدینہ سے آکر یزید کی خلاف جنگ مُسلّط کر دی تھی۔

اس سلسلہ میں سیالوی صاحب کی آخری بات کا آخری جواب

سیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ "یزید نے جب اہل بیت کے افراد کو مدینہ منورہ واپس بھیجنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت امام زین العابدینؑ کو خلوت میں طلب کیا پھر کہا اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ اگر بخدا میں اس وقت تمھارے باپ کے پاس ہوتا تو وہ جس طرح کے معاملہ اور سلوک کا مجھ سے مطالبہ کرتے تو میں ان کا وہ مطالبہ پورا کرتا"۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵)

لعنۃ اللہ علی الکاذبین

اس منافقت و مداہنت اور اس لیپا پوچی کا کیا فائدہ؟ کیا اسی یزید نے حاکم مدینہ کو نہیں لکھا تھا کہ اگر حسینؑ بیعت کا انکار کریں تو میرے اس خط کے جواب کے ہمراہ ان کا سر بھیج دینا؟ کیا اسی یزید نے ابن زیاد کو قتل امامؑ کا حکم نہیں دیا تھا؟ اور شہادت امامؑ کے بعد پردگیان عصمت و طہارتؑ قید و بند ہو کر جب شام پہنچیں، تو اس نے اپنی خوشی و مسرت کا اِظہار نہیں کیا تھا؟ کیا اسی کے حکم سے ان کو زندانِ شام میں نہیں رکھا گیا تھا؟ ہاں البتہ اُسارائے اہل بیتؑ کے خطبوں سے جب لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے اور اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور ملک میں اِنقلاب کے آثار نمودار ہوئے تو یزید نے چالاکی سے سارا معاملہ صوبائی گورنر ابن زیاد کے سر منڈھنے کی ناکام کوشش کی...... مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ خود یزید کے حکم کے تحت نہیں ہوا تھا تو کیا یزید نے ابن زیاد کو اس کے عہدے سے معزول کیا؟ یا اس سے کچھ بھی باز پرس کی؟ یا اسے کوئی معمولی سی سرزنش بھی کی؟ جب کچھ بھی نہیں کیا تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سب کچھ پیر آف سیال شریف اور ان کے مرید

خاص جناب محمد اشرف سیالوی کے چھٹے خلیفہ یزید بن معاویہ کے ہی حکم کے مطابق ہوا۔ اور یزید کو مسلمانوں کی گردنوں پر اس کے باپ معاویہ نے مسلط کیا اور وہ اپنے قہر و غلبہ سے مسند رسولؐ پر قابض ہوا۔ اور اُسے شام کا گورنر عمر بن الخطاب نے مقرر کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بھلا جب حضرت امیر علیہ السلام نے مدت الحیوۃ تک اصحابِ ثلاثہ کی بیعت نہیں کی۔ امام حسن مجتبیٰ نے معاویہ کی بیعت نہیں کی تو حضرت امام حسین علیہ السلام کس طرح بیعت یزید کر سکتے تھے؟ یہ بیعت اور یہ پیری مریدی سیالوی صاحب کو مبارک ہو۔ دعا ہے کہ خداوند قہار و جبار ان کا حشر لشر یزید اور اس کے آباء و اجداد کے ساتھ کرے۔

ایک جملہ معترضہ:

سیالوی صاحب کی اپنے رسالہ تحفہ حسینیہ جلد ۳ کے صفحہ ۸۸ سے لے کر ۷۶ا تک پورے ۹۹ صفحات شیعہ کی مذمت سے سیاہ کرنے کے بعد بھی پوری بھڑاس نہیں نکلی۔ چنانچہ صفحہ ۷۶ا پر یہ عنوان قائم کر کے کہ "ائمہ اہل بیتؑ کی شیعہ سے بیزاری اور برائت کا اظہار" اور پھر اس عنوان کے تحت دس سے زائد صفحات سیاہ کر ڈالے۔ سچ ہے کہ: وفی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا...... اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت مبارکہ "اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا و روا العذاب" الآیہ...... کی تفسیر میں بحوالہ تفسیر قمی حضرت امام جعفر صادقؑ کی یہ حدیث درج کی ہے کہ "اذا کان یوم القیامۃ تبرأ کل امام من شیعتھا و تبرأت کل شیعۃ من امامھا......"۔ (کذا)

پیر صاحب آف سیال شریف نے یہی استدلال اپنے رسالہ مذہب شیعہ میں پیش کیا تھا اور ہم نے "تنزیہ الامامیہ" میں "مؤلف کی خیانت مجرمانہ" کا عنوان قائم کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ مؤلف نے شیعہ عداوت میں اندھا ہو کر روایت سے لفظ "ظالم" حذف کر دیا ہے۔ جس سے مطلب خلط ملط ہو گیا۔ اصل صادقی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "اذا کان یوم القیامۃ یتبرء کل امام ظالم من شیعتہ" ہے کہ ہر ظالم امام اپنے پیروکاروں سے بیزاری ظاہر کرے گا۔ کیونکہ امام دو قسم کے ہیں کچھ امام وہ ہیں جو لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں "وجعلنا ھم أئمۃ یھدون بامرنا"...... اور کچھ امام وہ ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ "وجعلنا ھم ائمۃ یدعون الی النار"...... سیالوی صاحب بضد ہیں کہ تفسیر قمی میں امام کے ساتھ لفظ ظالم موجود نہیں ہے۔ مگر ہمارے پاس جو تفسیر قمی کا مطبوعہ نسخہ ہے یہ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۱۳ھ ایران کا مطبوعہ ہے اس کے صفحہ ۵۵ پر آیت مبارکہ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ

الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ (سورۃ البقرہ:۱۶۶) کے تحت روایت کے الفاظ یوں ہیں: "اذ کان یوم القیامۃ یتبرء کل امام ظالم من شیعتہ و تبرات کل شیعۃ من امامھا الظالم فیقول الذین اتبعوھم لو ان لنا کرۃ فنتبرء منھم کما تبرء وا منا"۔ اس میں لفظ "ظالم" موجود ہے۔ جس کا جی چاہے آکر بچشمِ خود اصل کتاب کا محولہ بالا صفحہ دیکھ سکتا ہے۔ عبارت میں لفظ "ظالم" کاتب سے رہ گیا ہے، ہمارے پیشِ نگاہ تفسیر قمی کا تصحیح شدہ نسخہ ہے۔ اور اگر بالفرض چند منٹ کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کے نسخہ میں لفظ "ظالم" مذکور نہیں ہے تو بھی اس سے کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ بقول خود سیالوی کے "صرف ظالم امام ہی اپنے متبعین سے برائت کا اظہار نہیں کریں گے بلکہ مظلوم ائمہ اور معصوم و بے گناہ بھی اپنے ظالم پیروکاروں سے برائت ظاہر کریں گے"۔ بعد ازاں جناب عیسیٰؑ اور ملائکہؑ کی مثال پیش کی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جناب نے تو اپنے ماننے والوں کو توحید کی تلقین کی تھی۔ مگر ان بدبختوں نے ان کو خدا کا بیٹا بنا کر شرک کیا۔ اسی طرح ملائکہؑ بھی کہیں گے کہ ہم نے تو ان مشرکوں سے نہیں کہا تھا کہ ہماری پرستش کرو...... اس سلسلہ میں حضرت رسولِ خداؐ کی ذاتِ گرامی کا اضافہ کر لیں جو فرمائیں گے: "رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا" اے میرے پروردگار! میری قوم! (مسلمانوں) نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔ (القرآن) یا مستند حدیث کے مطابق آپ اپنی امت کا شکوہ کریں گے کہ: یا اللہ میں دو گرانقدر چیزیں امت میں چھوڑ کر آیا تھا۔ انھوں نے ایک کو جلا دیا اور دوسرے کو شہید کر دیا۔ (تفسیر در منثور وغیرہ)

اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ یا دوسرے ائمہ طاہرینؑ اپنے نام نہاد شیعوں کا یوں شکوہ کریں گے کہ: ہم نے تو ان سے کہا تھا کہ ہمیں امام اور پیغمبر اسلامؐ کا قائم مقام مانیں۔ مگر انھوں نے تو ہمیں خدا بنا لیا تھا۔ اور ہم نے کہا تھا کہ: نماز و روزہ وغیرہ واجبات کو ادا کریں اور محرماتِ الٰہیہ سے دامن کو بچائیں۔ مگر انھوں نے بھنگ و چرس پینے کو شعار بنا لیا تھا۔ اور ترکِ واجبات کو وثار بنا لیا تھا۔ تو اس میں کیا اچھنبا کی بات ہے اور ایسے ہی لوگوں کا حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے حین حیات میں گلہ و شکوہ کیا ہے۔ آپ موسم گرما میں دعوتِ جہاد دیتے ہیں تو گرمیوں کی شدت کا بہانہ۔ سردیوں میں بلاتے ہیں تو سردی کی حدت کا عذر، تنہا میدانِ جہاد میں قدم رکھتے ہیں تو حرص و آز کا الزام اور اگر خاموشی سے گھر میں بیٹھتے ہیں تو بزدلی کا اتہام۔ جس سے مولا تنگ آکر فرماتے ہیں: لقد ملائتم قلبی قیحا۔ اے کوفہ والو! تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے۔ ما ادری ما دائکم و ما دوائکم۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری بیماری کیا ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟ (نہج البلاغہ) ورنہ جو لوگ حقیقی معنوں میں

شیعیانِ علیؑ تھے اور عقیدہ و عمل اور روش و رفتار میں حضرت علیؑ کے پیروکار تھے۔ مولا ان پر جان چھڑکتے تھے۔ اور دل و جان سے ان سے پیار کرتے تھے۔ توفیق ہو تو جناب محمدؓ بن ابوبکر اور جناب مالک اشترؓ کی شہادتوں یا دوسرے اصحاب باوفا کی شہادتوں یا اموات پر آپ کے وہ تاثرات ملاحظہ کریں۔ جو نہج البلاغہ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ ؎

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

مگر افسوس کہ: ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

والحمد للہ علی احقاق الحق و ابطال الباطل

فصل چہارم

مسئلہ فدک کا اجمالی بیان

تمہید

مؤلف رسالہ (پیر آف سیال شریف) کی حالت بھی عجیب ہے کہ بغیر کسی ربط و ارتباط کے کبھی کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں اور کبھی کوئی۔ گویا ایک عجیب باطنی کشمکش اور قلبی اضطراب میں مبتلا ہیں۔ اور زبانِ حال سے اعلان کر رہے ہیں کہ ؎

کبھی جھکتا ہوں ساغر پر کبھی گرتا ہوں مینا پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

جن مسائل پر فریقین کی طرف سے مستقل ضخیم کتب لکھی جا چکی ہیں۔ پیر صاحب سیالوی چاہتے ہیں کہ چند چند سطروں میں ان مسائل کو حل کر کے رکھ دیں۔ حالانکہ

این خیال است و محال است و جنوں

① رسالۂ مذہب شیعہ:

پیر صاحب سیالوی نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۰۳ سے صفحہ ۱۰۸ تک مسئلہ فدک کے سلسلہ میں دو باتوں پر بہت زور دیا ہے۔ اوّل اینکہ باغِ فدک از قسم انفال تھا نہ از قسم فی۔ اور انفال کا حکم یہ ہے کہ وہ حضورؐ کے زمانہ اقدس میں انفال کے واحد مالک رسول اللہؐ تھے آپؐ کے بعد جو امام و خلیفہ ہوگا وہی مالک ہوگا۔ جس طرح چاہے اس کو خرچ کرے۔ (رسلہ مذکورہ صفحہ ۱۰۳)

دوئم یہ کہ بخاری میں غصب فدک کے بارے میں جو روایات موجود ہیں ان کا راوی ابن شہاب زہری ہے۔ اور زہری شیعہ ہے۔ لہٰذا یہ روایات ناقابل تسلیم ہیں۔

② تنزیہ الامامیہ:

ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ باغ فدک از قسم انفال تھا یا از قسم فی؟ بہر حال اتنا تو مؤلف محترم جانتے ہیں کہ از قسم مال غنیمت نہ تھا۔ جس میں تمام مُسلمان شریک ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی تسلیم

کیا ہے کہ زمانہ حضورؐ میں وہ اس کے واحد مالک تھے۔ لہٰذا اپنے وقت میں وہ اور آپؐ کے بعد خلیفہ و امام کو حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ لہٰذا جب آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رسول خداؐ اپنے حین حیات میں فدک کے واحد مالک تھے۔ اور ان کو اس میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا حق حاصل تھا۔ اور اس تصرف میں یہ کوئی قید نہیں ہے کہ ناقل ملکیت ہو یا غیر ناقل، تو بنا بریں ہم ببانگ دُہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے اس میں اپنے حق ملکیت کو استعمال کرتے ہوئے اس میں یہ تصرف فرمایا تھا کہ باغ فدک جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ہبہ کر دیا تھا۔ اور وثیقہ بھی لکھ دیا تھا۔ (روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۶۰) چنانچہ آیت مبارکہ "و آت ذا القربی حقہ" "اے رسولؐ! اپنے ذی القربیٰ کو ان کا حق دے دو" کی تفسیر میں بڑے بڑے مُفسّرین اسلام نے لکھا ہے کہ: "لما نزلت ھذہ الآیہ و آت ذوالقربیٰ حقہ" دعا رسول اللہ ﷺ فاطمۃ فاعطاھا فدك۔ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب فاطمہؑ کو بلا کر باغ فدک ان کو عطا فرما دیا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ طبع مصر، لباب النقول مطبوعہ بر حاشیہ تفسیر جلالین طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۱۹ کذا فی تفسیر ترجمان القرآن جلد ۷ صفحہ ۸۵ وغیرہا)

چنانچہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے پہلے یہی دعویٰ ہبہ دائر کیا تھا۔ جب دربار خلافت سے گواہوں کا مطالبہ ہوا۔ جس پر حضرت صدیقہ کبریٰؑ نے حضرت امیر علیہ السلام کو حضرات حسنین شریفینؑ کو اور جناب ام ایمنؓ کو پیش کیا۔ مگر تاریخ اسلام کا یہ ایک المناک واقعہ ہے کہ ان بزرگواروں کی شہادت مسترد کر دی گئی (ملاحظہ ہو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۸ طبع اول مصر، وفاء الوفا سمہودی طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۶۰، ۶۱) تب خاتونِ قیامت نے اپنے دعویٰ کا عنوان بدل کر دعوائے وراثت فرمایا کہ اگر ازروئے ہبہ باغِ فدک نہیں دیتے تو ازروئے قانونِ وراثت یہ مجھے ملنا چاہیے۔ مگر افسوس اس دعویٰ کے جواب میں "حسبنا کتاب اللہ" کہنے والوں نے ایک خانہ ساز حدیث کا سہارا لیا۔

بی بی عالمؑ نے آیاتِ قرآنیہ پڑھ پڑھ کر ثبوت دیے۔ مگر قصہ کوتاہ فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمۃ منھا شیئاً۔ خلیفہ صاحب نے ذرہ بھر دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس اباء و انکار کا بنتِ رسولؐ پر یہ اثر ہوا کہ "فوجدت فاطمہ علی ابی بکر و ھجرتہ و لم تکلمہ حتی توفیت" وہ ابوبکر پر اس قدر ناراض ہوئیں کہ اس کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کر لیا اور مرتے دم تک ان کے ساتھ کلام نہ کیا۔ "فلما توفیت دفنھا زوجھا علی لیلا و لم یوذن بھا ابابکر"۔ اور جب جناب سیدہؑ کا انتقال ہوا تو ان کے شوہر گرامی حضرت علیؑ نے رات کے وقت ان کو دفن کیا اور ابوبکر صاحب کو اطلاع نہ دی۔ (بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۱۴۰،

باب الخمس، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱ مع شرح نووی اور روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۳۳۴ پر لکھا ہے کہ جب صبح ہوئی اور خلفاء کو جناب سیدہ کے دفن کی اطلاع ملی تو بارگاہِ علوی میں حاضر ہو کر آپؑ سے شکوہ کیا کہ "چوں مارا خبر نکردی کہ ما شرف نماز بروئے دریا فتمے"۔ اے علیؑ! آپ نے ہمیں کیوں اطلاع نہ دی تاکہ ہم بھی ان پر نماز جنازہ پڑھنے کا شرف حاصل کرتے۔ حضرت علیؑ نے یہ جواب دے کر ان کو خاموش کر دیا کہ "من بر وصیت او چنین کردم"۔ میں نے جناب سیدہؑ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ایسا کیا ہے۔ (کذا فی مدارج النبوۃ و جذب القلوب للشیخ الدھلوی) اس سے معلوم ہوا کہ جناب سیدہ عالمؑ کی وصیت تھی کہ جن لوگوں نے ان کو اذیت دی ہے وہ ان کی نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہونے پائیں۔ بخاری و مسلم کی روایات سے واضح و عیاں ہے کہ جناب سیدہ کی ناراضی خدا اور رسولؐ کی ناراضی و اذیت کا باعث ہے۔ اور خدا اور رسول کو اذیت دینے والوں کی قرآن میں تعزیر مذکور ہے۔ "ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا"۔ آج اگر پیر سیالوی چاہیں کہ ان حقائق پر پردہ ڈالیں تو یہ ناممکن ہے۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

قصہ ابن شہاب زہری کے شیعہ ہونے کا

جہاں تک حافظ محمد بن مسلم بن شہاب زہری کو شیعہ کہہ کر روایات بخاری سے گلوخلاصی کرانے کا تعلق ہے تو یہ قیامت تک ممکن نہیں ہے۔ اس کے متعلق ہم چند گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

① اول اینکہ: تمام علمائے اہلسنّت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کچھ بخاری و مسلم میں درج ہے وہ سب صحیح ہے۔ بلا غور و فکر ان کے مندرجات پر عمل کرنا واجب ہے۔ دو چار تصریحات ملاحظہ ہوں۔ نووی شارح مسلم مقدمہ ص ۷ پر لکھتے ہیں: "یجب العمل بہ مطلقا لا یحتاج الی النظر فیہ" بخاری و مسلم کے مندرجات پر بلا نظر و فکر عمل کرنا واجب ہے۔

② علامہ شوکانی نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۲۲ طبع مصر پر لکھتے ہیں: "واعلم ان ما کان من الاحادیث فی الصحیحین اوفی احدھما جائز الاحتجاج بہ من دون بحث لا نھما التزما الصحۃ و تلقت ما فیھا الامۃ بالقبول"۔ جاننا چاہیے کہ جو کچھ بخاری و مسلم ہر دو میں یا ان میں سے کسی ایک میں موجود ہو بغیر کسی قسم کی جرح و بحث کے اس کے ساتھ استدلال کرنا جائز ہے۔ کیونکہ دونوں مؤلفین نے ان کی صحت کا التزام کیا ہے۔ اور امت مُسلمہ نے ان کو قبول کیا ہے۔

③ مولانا وحید الزمان انوار اللغۃ پارہ ۱۴ صفحہ ۲۲ مطبوعہ بنگلور پر لکھتے ہیں: "بخاری و مسلم کی احادیث پر علماء کا اجماع ہے اور یہ سب صحیح ہیں"۔

④ صاحب نصیحۃ الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۶۸ طبع مراد آباد قدیم اور صفحہ ۵۴۲ طبع جدید ملتان پر لکھا ہے: "محدثین نے حدیثوں کو خوب پرکھا اور صحیح حدیثوں کی دو کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم تالیف کیں اور ان کے بعد سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے اور انہی کتابوں پر اہل سنت کے دین کا دارومدار ہے"۔

لہٰذا پیر صاحب سیالوی کا بخاری کی روایت پر جرح کرنا اجماعِ اہل سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل توجہ ہے۔ کیا ان علماء اہل سنت کو یہ معلوم نہ تھا کہ بخاری کے بعض راوی شیعہ ہیں؟ یا اس کی بعض روایات ناقابل استدلال ہیں۔ مالکم کیف تحکمون؟

② دوئم اینکہ: ابن شہاب زہری کے تسنّن اور اس کی جلالتِ قدر پر تمام علمائے رجال اہل سنت کا اتفاق ہے۔ دو چار تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

① محک رجال علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ طبع حیدر آباد دکن پر لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے: "زہری بہترین حافظ ہے اس کا نام ابوبکر محمد بن مسلم ہے۔ خاندانِ قریش سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اہل سنت کا امام ہے"۔

② علامہ نووی شارح مسلم نے مقدمہ صفحہ ۹ پر ابن شہاب زہری کی جلالت قدر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس کے حالات علم و فضل، حفظ و صیانت، احکام و اتقان، عقل و علم میں جان فروشی، عبادت و زہادت اور تقویٰ و پرہیزگاری اس سے کہیں زیادہ ہے کہ احاطۂ تحریر میں آسکے"۔

③ زمانۂ حال کے مشہور متعصب مورخ جناب شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۱ پر زہری کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں"۔

④ ابن تیمیہ حرانی تو زہری کو ائمہ اہل بیتؑ سے بھی زیادہ عالم بتاتے ہیں۔ (معاذاللہ) چنانچہ اس نے اپنی کتاب منہاج السنۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳۰ پر لکھا ہے: "فالزھری اعلم باحادیث النبی ﷺ و احواله و اقواله باتفاق اهل العلم من ابی جعفر محمد بن علی (علیه السلام) و کان معاصراله"۔

⑤ اسی طرح علماء دیوبند، ناظم اعلیٰ جماعت اہل حدیث پاکستان مولانا محمد اسماعیل آف گوجرانوالہ، مفتی احمد علی صاحب لاہور وغیرہم کے فتاویٰ اس کے تسنّن کے بارے میں شائع ہو چکے ہیں۔ شائقین تفصیل کتاب توثیق فدک مؤلفہ مولانا سید منظور حسین بخاری مرحوم کی طرف رجوع

فرمائیں۔ بعض اعلام اہل سنت نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جس سند میں ابن شہاب زہری یا ان جیسے افاضل موجود ہوں وہ سند اصح الاسانید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۲۶ از ابن حجر عسقلانی۔ اہل انصاف غور فرمائیں ان حقائق کی موجودگی میں ابن شہاب کو شیعہ قرار دینا اور اس کی روایت میں خدشہ کرنا کہاں تک درست ہے؟ یہ صاف سینہ زوری ہے یا دوسرے الفاظ میں اپنی کھلی ہوئی کمزوری ہے۔

(۳) سوئم اینکہ: اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے (جیسا کہ بعض علماء شیعہ نے لکھا ہے) کہ زہری امام زین العابدینؑ کے فیض صحبت سے آخری عمر میں راہِ راست پر آ گیا تھا۔ یعنی شیعہ ہو گیا تھا۔ تو کیا پیر صاحب سیالوی اس بات پر روشنی ڈال سکیں گے کہ انھوں نے یہ روایت شیعہ ہونے کے بعد نقل کی تھی نہ کہ اس سے قبل؟ جب تک یہ ثابت نہ کریں اس وقت تک ان کا یہ خدشہ بالکل بے جا ہے۔ کما لا یخفی علی ارباب العلم و دون اثباتہ خرط القتاد۔

(۴) چارم اینکہ: مذکورہ بالا حقائق سے قطع نظر اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ زہری ابتداء سے شیعہ تھا۔ تو پھر بھی پیر صاحب سیالوی کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ ان میں جو تشیّع تھا وہ مع الرفض تھا۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ علماء رجال اہل سنت نے یہ اصطلاح قائم کی ہے کہ تشیّع کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مُطلق تشیّع: یعنی محبّت اہل بیت رسولؐ اور اُن کی افضلیت کا اقرار۔

(۲) تشیّع مع الرفض: محبّت اہل بیتؑ کے ادعا کے ساتھ ساتھ اصحاب ثلاثہ پر تبرا اور ان سے بیزاری کا اعلان۔ اور پھر یہ تصریح فرمائی ہے کہ کسی راوی میں قسم اول کے تشیّع کا پایا جانا، اس کی روایات کے قبول کرنے سے مانع نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کا تشیّع اوائل اسلام میں بکثرت تھا۔ اگر مُطلق تشیّع کو قادح قرار دیا جائے۔ تو دین کے معتد بہ حصّہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

اگرچہ آپ کے ہاں دوسری قسم کا تشیّع مع الرفض قبول روایت سے مانع ہے۔ (ملاحظہ ہو تدریب الراوی از علامہ جلال الدین سیوطی، ہدایت السائل نواب صدیق حسن خان صفحہ ۴۹۹ وغیرہ) بفرضِ محال اگر اس بات کو چند لمحات کے لیے مان ہی لیا جائے تو بھی جب تک یہ نہ ثابت کیا جائے کہ زہری تبرائی قسم کا شیعہ تھا۔ اس وقت تک اس کی روایت کی صحت میں خدشہ کرنا بالکل غلط اور بے جا ہے۔ آپ کے ہاں تبرائی شیعہ سے مروی حدیث و روایت بھی قبول ہے۔ کیونکہ آپ کی بنیادی کتابیں بخاری و مسلم وغیرہ میں تبرائی شیعہ رواۃ سے احادیث مروی ہیں۔ اگر شک ہے تو ذرا "تہذیب التہذیب" لابن حجر عسقلانی کا بنظر عمیق مطالعہ کر لیجیے۔ ہر قسم کے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ناظرین کرام! یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے ہمیں بعض مخلص احباب نے اشرف سیالوی صاحب کا ایک خط ارسال کیا ہے جو ان کے اپنے پیڈ پران کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔ جو انھوں نے مارچ ۱۹۹۴ء کو حکیم محمد ظہور آف کنڈان ضلع سرگودھا کو لکھا جس میں آپ تحریر کرتے ہیں کہ ”رہا معاملہ ابن شہاب زہری کا تو وہ اہل سنت کے اکابرین سے ہیں۔ البتہ اہل تشیّع کے ساتھ الزامی کارروائی کے طور پر کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس کو شیعہ تسلیم کرتے ہو تو پھر اس کی روایت ہمارے خلاف کیوں کر پیش کر سکتے ہو۔ اسے کہتے ہیں کہ ”جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے“۔ ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

الحمد للہ علیٰ وضوح الحق

⑤ پنجم اینکہ: زہری کی وجہ سے روایت فدک پر تنقید کرتے وقت ان حضرات کو یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ کیونکہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی کے بیان کے مطابق زہری دو ہزار دو سو احادیث کا راوی ہے۔ لہٰذا اگر اس کے تشیّع کی وجہ سے روایت فدک نا قابل قبول ہے۔ تو پھر اس کی باقی تمام احادیث سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا۔ جس سے برادرانِ اسلامی کو بڑا دینی نقصان ہوگا؟ کیا پیر صاحب سیالوی اور ان کے چیلے چانٹے اس خسارے کا سودا کرنے پر آمادہ ہیں؟ انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

ایک مضحکہ خیز بات

یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ اس قسم کی روایات اہل سنت کی کتابوں میں کسی تقیہ باز کی کرم فرمائی سے درج ہوئی ہیں (رسالہ مذہب شیعہ ص ۱۰۸) اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقیہ باز حضرات اہل جماعت کے گھروں میں گھس جائیں۔ ان کی کتب کی بطون سے ان کے بچے بھی پیدا ہوتے رہیں۔

مگر گھر والوں کو اس کی مُطلق اطلاع نہ ہو یا للعجب! نہ اس دور کے مصنّفین پر اس سربستہ راز کا انکشاف ہو نہ قریباً چودہ سو سال کے علماء اہل سنت پر یہ عقدہ وا ہو۔ اور نہ وہ ان غلط روایات سے اپنے کتب کی تطہیر کریں اگر انکشافِ حقیقت ہو تو چودھویں صدی میں حضرت پیر سیالوی یا حضرت مولوی احمد شاہ صاحب چوکیروی ایسے فضلاء پر یا للعجب و لمضیحة الادب۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کتب کے مولف ہوں یا چودہ سو سال کے دیگر علماء اہل سنت وہ سب مورکھ، جاہل اور غیر مُحقّق تھے۔ اگر کوئی مُحقّق کہلانے کا حق دار ہے تو وہ صرف یہی بزرگوار ...... ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

پھر بھی شیعوں پر یہ الزام ہے کہ وہ بزرگوں کا احترام نہیں کرتے۔ سچ ہے ؎

ہم آہ بھی جو کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نوٹ: آخر مبحث میں پیر صاحب سیالوی نے اپنے مریدوں کو مسئلہ فدک پر کتاب "آیاتِ بینات" کے مطالعہ کی سفارش کی ہے۔ ہم بھی اس کی تائید مزید کرتے ہوئے طالبانِ حق و حقیقت کی خدمت میں مزید اتنی گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ شوق سے "آیاتِ بینات" کا مطالعہ کریں۔ مگر اس کا مطالعہ کرتے وقت اس کے ساتھ ساتھ اس کے جوابات "آیاتِ محکمات"، "رمی الجمرات" اور "کشف الظلمات" پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈال لیں۔ تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجانے کے بعد حق و باطل کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔ اور کسی قسم کی کوئی دقت درپیش نہ آئے۔ مزید اطمینانِ قلب کی خاطر "فلک النجاۃ فی الامامۃ والصّلوٰۃ" اور "توثیق فدک" کا مطالعہ بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ انشاء اللہ

قل ھذہ تذکرہ فمن شاء ذکرہ

(۳) اس پر مولوی اشرف سیالوی صاحب کی تنقید:

خلفاء راشدین ...... کے متعلق قطعی اور یقینی علم ہر لحاظ سے ائمہ صادقین کو ہی ہو سکتا ہے۔ ان کے ارشادات کو دیکھیں ...... کافی روایات سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ فدک "فَیٔ" نہیں تھا بلکہ "انفال" تھا ...... حضورِ اقدسؐ اپنے دورِ حیات ظاہریں اس کے واحد مالک تھے۔ اور آپؐ کے بعد جو امام اور خلیفہ ہوگا وہی اس کا مالک ہوگا۔ وہ جس طرح چاہے اس کو خرچ کرے ...... فدک کے متعلق شیعہ حضرات بہت شور و غل کرتے ہیں اور اسے خلیفۂ اول کی طرف سے اہل بیت کرامؑ کے سلاف

اِقتصادی حربہ قرار دیا جاتا ہے...... حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدہ زہراؑ...... کے پاس فدک کے علاوہ سات باغ اور بھی تھے۔ جن میں آپؑ بلا شرکتِ غیرے تصرف فرماتی تھیں...... صدقاتِ زہراؑ کے مصارف...... ابو مریم روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے نبوی و مرتضوی صدقات کے متعلق دریافت کیا۔ تو انھوں نے فرمایا: "ھی لنا حلال و ان فاطمۃ جعلت صدقتھا لبنی ھاشم و بنی المطلب"۔ (فروغ کافی جلد ۳ صفحہ ۲۷)

کیا ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مصرف نہیں؟...... علماء مجتہدین کیا فرماتے ہیں کہ ان ازواجِ مطہرات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اموال سے جملہ ضروری اخراجات ملنے چاہئیں یا نہیں؟...... حضرت زہراؑ نے فرمایا: رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے مجھے فدک ہبہ کر دیا تھا۔ تو حضرت صدیق نے گواہ طلب کیے۔ اس پر حضرت سیدہؑ نے کہا: حضرت علیؑ اور حضرت ام ایمنؓ۔ چنانچہ ان دونوں نے آپ کے حق میں گواہی دی۔ اسی دوران حضرت عمر...... اور عبد الرحمٰن بن عوف آئے تو انھوں نے فدک کی آمدنی کے متعلق رسولؐ اللہ کی طرف سے تقسیم اور مصارف کی تفصیلات بیان کیں۔ تو حضرت ابو بکر...... نے فرمایا تم سب سچ کہتے ہو...... کیا وراثت انبیاء کا شرعی حکم حضرت زہراءؑ کو معلوم نہیں تھا؟۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ شریعت حضرت زہراءؑ کے گھر کی تھی تو کیا انھیں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا؟ انھوں نے اس کا مطالبہ پھر کیوں کیا؟ تو جواباً معروض ہے کہ جو عمل حضرت صدیق اکبر کا تھا وہی عمل حضرت علیؑ مرتضیٰؑ کا اپنے دورِ خلافت میں رہا...... آخر مروّت کا تقاضا کیا تھا...... ابن علقمی کہتا ہے زیادہ موزوں یہ تھا کہ انھیں جود و کرم اور مروت و رواداری انھیں اس سلوک سے روکتی جو انھوں نے حضور نبی اکرمؐ کی صاحبزادی کے ساتھ روا رکھا...... لیکن فدک وغیرہ کو حضرت زہراؑ کے حوالے کر دینے کو مروت اور جود و کرم قرار دینا اور حق رسولؐ کی رعایت قرار دینا سراسر غلط ہے...... حضرت صدیق کا فدک اور دیگر اموال پر قبضہ ذاتی ملکیت کے طور پر نہیں تھا۔ بلکہ صرف اِنتظامی نوعیت کا تھا...... لہٰذا عقل و خرد کو شریعت کے تابع سمجھنے والوں کے ذہن میں اس قسم کے توہمات پیدا نہیں ہو سکتے...... ایسا واقعہ حضرت علیؑ کو اپنے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ کی طرف سے پیش آیا (جس نے مشاہرہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر حضرت علیؑ نے مسترد کر دیا۔ ناقل)...... حضرت ام کلثوم بنت علیؑ کا مروارید ی ہار بطور عاریۃً لینا اور حضرت علیؑ کا عتاب فرمانا (پھر پورا واقعہ لکھا ہے)...... تو حضرت صدیق جس جائداد کو بیت المال کا حصّہ جانتے تھے اس کو حضرت زہراؑ کے حوالے کر کے خود بھی خیانت کے مرتکب قرار پاتے اور انھیں بھی دائرہ حق سے باہر نکالتے؟ (مگر فدک تو حق زہراؑ تھا...... ناقل)...... فدک کے

ساتھ سخاوت، حضرت علی مرتضیٰؓ کی زبانی سنئے کہ ان عالی ظرف بلند حوصلہ...... کے شایانِ شان کونسا امر ہے؟ بلی کانت فی ایدنا فدك من كل ما اظلته السماء...... آسمان کی نچلی دنیا میں سے صرف فدک تھا۔ جس پر ایک قوم کے نفوس نے بخل وحرص کا مظاہرہ کیا تو دوسری قوم نے جو دوسخا...... کا مظاہرہ کیا...... یہ وہ طریق عمل ہے۔ جو اہل بیتؑ کے شایانِ شان ہے...... تعارض ہی تعارض......

① تہذیب الاحکام، من لا یحضرہ الفقیہ اور کافی کلینی کی روایات صحاح میں بصراحت مذکور ہے۔ کہ حضرت زہراؑ کے زیر تصرف سات باغات تھے۔ اور انھوں نے ان کو حضرت علیؑ کے سپرد فرمایا...... لیکن نہج البلاغہ جیسی مُعتبر و مستند کتاب میں مرقوم ہے کہ آسمان کے نیچے کی وسیع و عریض دنیا میں سے آپ کے زیر تصرف صرف فدک تھا...... وہ سات باغات بالکل چھوٹے چھوٹے باغیچے تھے اور کوئی قابل ذکر جائیداد نہ تھی۔ بخلاف فدک کے...... ناقل)......

② نہج البلاغہ کی عبارت سے یہ ثابت ہے کہ ہم نے فدک کے ساتھ سخاوت کر دی تھی...... اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو ناراضگی...... اور ترکِ سلام وکلام کے افسانے غلط...... (سخاوت کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس غضب پر جنگ وجدال نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ غاصب کو معاف بھی کر دیا۔ ناقل)...... امام محمد باقرؑ کی تائید...... کثیر النوال سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام ابو جعفر محمد بن علی...... سے دریافت کیا...... کہ ابو بکر وعمر نے تمھارے حق میں کسی قسم کی تعدی یا زیادتی...... کی ہے؟ فرمایا: نہیں، مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر قرآن نازل کیا ہے...... (شرح حدیدی جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)...... (یہ اہل سنت کی روایت ہے۔ جو ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔ ناقل)...... مسئلہ فدک کا اجمالی بیان...... (یہاں تنزیہ الامامیہ صفحہ ۱۶۶ تا ۱۶۸ سے ہمارے جوابات نقل کر کے ان کے جواب الجواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے)......

جواب اول...... رسالہ مذہب شیعہ میں مذکور مسائل اور ان کے باہمی ربط وتعلّق سے ہم نے کلمۃ التقدیم میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ مُختصر یہ ہے کہ پہلے حضرات خلفاء کے مناقب بیان کیے ہیں پھر ان کے مثالب کا جواب دیا......

جواب الثانی...... اگر مسئلہ کو حل کرنے کی نیت ہو...... تو واقعی چند سطروں بلکہ ایک ہی جملہ میں ہی مسئلہ حل ہو سکتا ہے...... حضرت علی مرتضیٰ کا طرز عمل...... اپنے دور حکومت وخلافت میں کیا تھا؟......

جواب ثالث والرابع: علامہ صاحب نے کہا کہ پیر صاحب سیالوی کے اعتراف کے مطابق حضور سرور عالمؐ فدک کے واحد مالک تھے...... اور آپ نے اپنا حق استعمال کرتے ہوئے فدک حضرت

زہراؑ کو ہبہ کر دیا تھا...... اگر فدک پر خصوصی حق کو استعمال کرتے ہوئے آپ نے اس کو حضرت زہراؑ کے حوالہ کر دیا تھا تو حضرت جعفر صادقؑ کی طرف منسوب یہ روایت لغو اور باطل ٹھہری (یہ کہ آپ کے بعد جو خلیفہ و امام بنا اس کا حق تھا)...... ثم الامام بعد یضعه حیث یشاء...... ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علماء شیعہ نے ابھی تک یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ سید عالمؐ...... کے زیر تصرف قومی ملکیت سے تعلق رکھنے والے اموال بھی تھے۔ اور آپ ان سے مجاہدین کی ضروریات اور آلاتِ جہاد اور سواریوں کی خریداری فرماتے تھے۔ اور...... اسی طریقہ مصطفویؐ کو اپنانے کا حضرت صدیق نے عہد کیا، اور آپ اس پر راضی ہوگئیں...... (مگر بخاری کی روایات صحیحہ تو اس بات کی شاہد صادق ہیں کہ بی بیؑ موصوف پر ناراضگی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔...... ناقل) کیا فدک حضرت زہراؑ کو ہبہ کیا گیا تھا؟...... یہ محض دعویٰ ہے اور واقعات کی رو سے قطعاً اس کی تصدیق نہیں ہوتی...... فدک کس کے سامنے ہبہ کیا گیا...... ہبہ کی دلیل اور اس کی حقیقت؟...... یہ آیت (و آت ذالقربیٰ حقہٗ) قرآن مجید میں دو جگہ وارد ہے۔ اور دونوں سورتیں مکی ہیں۔ جب کہ اس آیت کے مدنی ہونے کا قول کسی نے نہیں کہا...... تو اس وقت مکہ میں ہوتے ہوئے فدک ہاتھ کیسے آگیا۔ اور حضرت زہراؑ کے حوالہ کس طرح کر دیا گیا؟ جبکہ فدک ہجرت کے بعد ساتویں سال میں فتح خیبر کے موقع پر حضور نبی کریمؐ کے قبضہ اور تصرف میں آیا۔ (مکی سورتوں میں مدنی آیات کا ہونا۔ اور مدنی سورتوں میں مکی آیات کا ہونا مسلمات میں سے ہے۔ لہٰذا یہ آیت: "وآت ذی القربیٰ حقہٗ" مدنی ہے۔ فتح خیبر کے بعد آنحضرتؐ کے قبضہ میں آیا اور آپؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زہراؑ کو ہبہ کر کے ان کے قبضہ میں دے دیا۔ ناقل)

جواب الخامس: علامہ موصوف نے پانچواں جواب یہ دیا تھا کہ حضرت زہراؑ کی طرف سے ہبہ کا دعویٰ دائر کیا گیا تھا...... ہبہ فدک کا دار و مدار عطیہ کوفی کی روایت پر ہے۔ اور وہ ناقابل اعتبار ہے...... (اس لیے کہ وہ شیعہ تھا...... ابن شہاب زہری کے حالات میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اہلسنّت کے اصولِ روایت کے مطابق کسی روای کا شیعہ ہونا اس کی روایت کے قبول سے مانع نہیں ہے۔ جب تک اس کا تشیّع رفض کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ اور عطیہ کا تشیّع رفض کی حد تک نہیں پہنچا تھا...... ناقل)

شق چہارم کا جواب: علامہ موصوف نے کہا کہ دعوائے ہبہ رد ہونے پر آپ نے عنوان بدل کر وراثت کے قانون کے تحت فدک کی حقداری کا دعویٰ دائر کیا...... لیکن یہ قول بھی سراسر مغالطہ پر مبنی ہے...... وراثت کا دعویٰ مورث کے ترکہ میں کیا جا سکتا ہے۔ اور جب آیت کریمہ کی رد سے وہ حق بھی

حضرت زہراؑ کا تھا تو پھر وراثت کا دعویٰ کیسا؟...... (یہ تو واضح ہے کہ فدک حضرت رسولؐ خاص ملکیت تھا۔ اور آپؐ نے جناب خاتون قیامت کو ہبہ کر دیا۔ اور حکومت نے مخدومہ کائناتؑ کا دعویٰ ہبہ قبول نہ کیا۔ تو پھر آنحضرتؐ کی ملکیت ہونا تو مسلم تھا۔ تو پھر اس میں اصولِ وراثت نہیں چلے گا تو کیا چلے گا؟ لہٰذا فقہی قانون کے مطابق یہ عنوان کی تبدیلی حصولِ حق کی خاطر یقیناً جائز تھی...... ناقل)

......عدم توریث والی حدیث پر اجماع کا بیان۔ حضرت ابوبکر نے جو حدیث بیان فرمائی۔ اس کو علامہ موصوف نے خانہ ساز اور موضوع اور من گھڑت قرار دے دیا۔ حالانکہ اس حدیث کو حضرت صدیق و حضرت عمر کے علاوہ حضرت سعد، حضرت زبیر...... نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ ابن ابی الحدید نے کہا ہے۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراءؑ کے اس مجلس سے لوٹنے کے بعد کسی بھی مرد یا عورت نے اموال نبیؐ کی وراثت کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا...... اکیلی حضرت فاطمہ زہراؑ تو ابوبکر و عمر سے نہ ڈریں اور تقیہ نہ کریں۔ لیکن حضرت علیؑ، حضرت عباس بمع تمام بنی ہاشم بنو عبدالمطلب...... سبھی مہاجرین و انصار ڈر گئے...... (نہ ڈرتے تھے اور نہ تقیہ کیا تھا۔ بلکہ جب دیکھا کہ ان لوگوں نے دختر رسولؐ کو خالی ہاتھ لوٹا دیا ہے۔ تو وہ مایوس ہو کر خاموش ہو گئے...... ناقل)

حضرت علیؑ کی حضرت ابوبکر سے فدک میں موافقت اور علماء شیعہ کا اضطراب...... حضرت ابوبکر کی صداقت اور ان کی بیان کردہ حدیث کے صحیح ہونے پر حضرت علیؑ...... کے اپنے دور خلافت کے طرز عمل اور روش و کردار نے مہر تصدیق لگا دی...... اور شیعہ مذہب کے مزعومات...... کو جڑوں سے اکھیڑ دیا...... ابن بابویہ قمی کی تاویل اور اس کی لغویت ...... سید مرتضیٰ کی توجیہ اور اس کی لغویت...... قاضی نور اللہ کی توجیہ اور اس کی لغویت...... (حضرت علیؑ نے مسند اقتدار پر قدم رکھنے کے بعد فرمایا کہ: "لو ثبتت قد مای لغیرت اشیاء"...... اگر مجھے ثابت قدمی نصیب ہوگئی تو میں (اصحاب ثلاثہ کی) کئی چیزوں میں تبدیلی لاؤں گا...... سیالوی کے بزرگوں کی کرم نوازی سے حضرت امیر علیہ السلام کو اپنے پونے پانچ سالہ دورِ حکومت میں ایک دن بھی سکھ کا سانس لینے کا موقع نہ ملا۔ لہٰذا وہ اصلاحات نہ کر سکے۔ جن کا وعدہ کیا تھا...... بالخصوص فدک کا معاملہ تو اور بھی پیچیدہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ عثمان نے اپنے دورِ اقتدار میں مروان کو الاٹ کر دیا تھا اور اس کے قبضے میں تھا...... چلو حضرت امیر علیہ السلام نے بعض مجبوریوں کی بنا پر حق اس کے اہل کو واپس نہ دلوا سکے...... مگر عمر بن عبدالعزیز نے تو فدک سادات بنی ہاشم کو واپس کر دیا تھا...... اب کس خلیفہ کا عمل صحیح تھا۔ پہلے والے کا یا اس کا؟

کچھ تو کہیے کہ لوگ کہتے ہیں کہ آج غالب غزل سرا نہ ہوا (ناقل)

ہبہ اور حق وراثت کے دعاوی میں سے مقدم کونسا تھا؟ علامہ موصوف نے چلتے چلتے یہ بھی دعویٰ کر دیا تھا کہ حضرت زہراؑ نے پہلے پہل ہبہ کا دعویٰ دائر کیا تھا۔ مگر شہادت رد ہونے پر وراثت کا دعویٰ دائر کیا...... لیکن اس تقدیم وتاخیر میں بھی محض دعویٰ پر اکتفا کیا گیا ہے...... اس ضمن میں بھی شیعی اقوال مختلف ہیں...... (ہم نے جو قول اختیار کیا ہے۔ وہی برحق ہے۔ اور وہی صحیح ہے۔ اور قرین عقل ونقل ہے...... ناقل)

...... ہبہ فدک کا بطلان تعلیماتِ نبویہ کی رو سے عمل وکردار مصطفیٰؐ کی روشنی میں ہر مسلمان یقیناً یہی سمجھتا ہے کہ وہ رسولِ معظمؐ مقدس ہستیوں کو دنیا سے بے رغبت اور متنفر دیکھنا ہی پسند کرتے تھے اور انھیں امیر ورئیس...... سرمایہ دار بنانا قطعاً پسند نہیں فرما سکتے تھے۔ لہٰذا ہبہ کی روایت بالکل بے بنیاد ہے۔ (بھلا ان عقلی ڈھکوسلوں سے تاریخی حقائق کو جھٹلایا جا سکتا ہے؟...... ناقل)

جواب سادس: چھٹا جواب علامہ صاحب کا یہ تھا کہ حضرت زہراؑ کی آیات کے جواب میں صرف ایک حدیث پڑھ دی گئی تھی اور فدک دینے سے انکار کر دیا گیا۔ تو اس کے ردعمل کے طور پر آپ نے مکمل بائیکاٹ کر دیا حتی کہ وصیت فرمائی کہ میرے جنازہ میں یہ دونوں شامل نہ ہوں وغیرہ...... لہٰذا علامہ موصوف عوام اور جہالِ شیعہ کے سامنے مجلس پڑھتے ہوئے جو مرضی ہو کہیں مگر اہل سنت کے مقابل دلائل پیش کرنے کی تکلیف فرمائیں......

جواب السابع: ساتویں جواب میں بھی علامہ موصوف...... فدک پر دلائل پیش کرنے کی بجائے مجلس پڑھتے ہی نظر آتے ہیں۔ اور قیاس شعری، سے کام لیتے ہوئے کیا۔ بخاری ومسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت زہراؑ کو ناراض کیا۔ اور یہ بھی انہی سے ثابت ہے کہ جو ان کو ناراض کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو ناراض کیا۔ الخ...... لہٰذا حضور نبی اکرمؐ کے سسر اور حضرت زہراؑ کے نانا...... ملعون ٹھہرے۔ العیاذ باللہ

پہلی خرابی اس قیاس میں یہ ہے کہ ناراض ہونے اور ناراض کرنے میں واضح...... فرق ہے۔ اس کو نظر انداز کیا گیا ہے...... اگر شیعہ حضرات ایسی ترتیب دے کر حضرت صدیق کو نشانہ بنا سکتے ہیں تو خارجیوں کو بھی موقع مل سکتا ہے کہ وہ ان مقدمات دلیل کو مرتب کر کے حضرت زہراؑ کو دنیوی مال کی خاطر اپنے والد کی شریعت کا مخالف ثابت کر دیں...... حضرت زہراؑ کی رضامندی کے لیے شیخین کی مساعی جمیلہ...... یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت سیدہ زہراؑ کو ناراض کرنے اور انہیں ایذا پہنچانے کا قطعاً کوئی اقدام نہیں کیا۔ لیکن بایں ہمہ بشری تقاضوں کے تحت بعض روایات

کے مطابق ان کے دل اقدس پر جو غبار تھا اور پریشانی پائی گئی تھی اسے دور کرنے اور آپ کو...... راضی کرنے کے لیے کونسی ممکنہ صورت تھی جو حضرت صدیق نے اختیار نہ کی۔ صاحب علل الشرائع نے حضرت امام جعفر صادق سے مروی طویل روایت نقل کی ہے...... (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بی بی کی مرض الموت میں شیخین معذرت کے لیے حاضر ہوئے مگر بی بی راضی نہ ہوئیں...... ناقل)

حضرت سیدہ زہراؑ کی رضامندی

ابن میثم نے شرح نہج البلاغہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: "لك علی اللہ ان اصنع بها كما كان رسولؐ اللہ...... يصنع فرضيت بزلك"...... میں آپ کو اللہ تعالیٰ ضامن دیتا ہوں کہ میں فدک میں وہی عمل کروں گا جو رسولؐ اللہ کرتے تھے۔ تو اس پر راضی ہوگئیں اور یہی روایت صاحب درۃ نجفیہ نے بھی ذکر کی ہے...... (جب پرنالہ وہیں کا وہیں تھا اور جب تک بی بیؑ کا حق واپس نہ کیا جاتا بی بی کس طرح راضی ہوتیں؟...... یہ ابن میثم والی روایت اہل سنت سے منقول ہے۔ اور اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ مخدومہ نے اس بات پر قناعت کی...... کیونکہ جب "رضی" کا صلہ "ب" ہو تو اس کے معنی "قناعت" کرنے کے ہوتے ہیں اور جب اس کا صلہ "عن" ہو تو اس کے معنی "رضامندی" کے ہوتے ہیں۔ باقی روایات اہل سنت کی ہیں۔ جو بخاری و مسلم کی ناراضگی والی روایات کے بالمقابل کوئی وقعت نہیں رکھتیں...... ناقل) آپ نے شیعہ روایات میں بھی ان حضرات کا راضی کرنے کے لیے جانے کا واقعہ ملاحظہ فرمایا، اور اہل سنت کی روایات میں بھی...... اب یہ فیصلہ آپ پر ہے کہ ان میں سے حضرت زہراؑ کے شایانِ شان روایت کون سی ہے؟

...... حضرت زہراؑ کی حضرت ابوبکر پر ناراضگی...... اہل سنت کے نزدیک حضرت زہراؑ اپنی تمام تر رفعت...... کے باوجود بشری تقاضوں سے مبرا نہیں تھیں۔ حضرت زہراؑ کی حضرت علی مرتضیٰؑ سے ناراضگی...... پھر یہاں علل الشرائع سے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک بدبخت شخص نے حضرت فاطمہؑ سے کہا کہ حضرت علیؑ نے ابوجہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ سن کر آپ حضرت علیؑ کا گھر چھوڑ کر اپنے بچوں کو ہمراہ لے کر رسول اکرمؐ کے گھر تشریف لے گئیں۔ تو کیا ان پر قیاس و حجت...... منطبق کرنے کی مذموم کوشش کی ہے؟ (یہ روایت سرے سے جناب زہراؑ کی عصمت کے منافی ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار و اعتماد ہے...... ناقل)

حضرت ابوبکر کا حضرت فاطمہؑ کی نماز جنازہ پڑھانا: یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ

روایات میں حضرت ابوبکر صدیق کا نمازِ جنازہ میں شامل ہونا بلکہ خود پڑھانا ثابت ہے...... (یہاں کنز العمال، سیرتِ حلبیہ، تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ کے حوالے سے مذکورہ بالا دعوی کو ثابت کیا گیا ہے) ...... (مگر بخاری شریف کی روایت میں مخدومہ کائناتؑ کو راتوں رات حضرت علیؑ کا دفن کرنا اور ابوبکر کو آپؑ کی وفات کی اطلاع تک نہ دینا مذکور ہے......اور مسلم شریف میں تو یہ صراحت بھی موجود ہے کہ صلی علیہا علی۔ کہ بی بیؑ کی نمازِ جنازہ حضرت علیؑ نے پڑھائی......لہٰذا اہل سنت کے اصول کے مطابق بخاری و مسلم کی روایات کے بالمقابل دوسری کتابوں کی روایت کی حیثیت ہی کیا ہے؟......متشابہات کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں۔ جن کے دل ٹیڑھے ہوتے ہیں۔ناقل)......

ابن شہاب زہری کی روایات کی حقیقت؟: اہل سنت پر اعتراض کرنے سے پہلے اہل سنت کے مذہب کے متعلق واقفیت ضروری ہے......

اب فدک والی روایت اس کی سند میں ایک راوی محمد بن مسلم ہے۔ جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے) جس میں نہ ختم ہونے والی ناراضگی اور ہجران وغیرہ کا ذکر ہے (یہی محمد بن مسلم ابن شہاب زہری اہل الشیعہ کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایت کرتا ہوا نظر آتا ہے......اگر اہل تشیّع کے راویوں کی روایات اہل سنت کے لیے قابل قبول ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کلینی اس میں فرق کیا تھا؟

سوالات ڈھکو صاحب کے اور جوابات ہمارے

سوال اوّل: اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ جو کچھ بخاری و مسلم میں ہے۔ لہٰذا زہری والی روایت بھی صحیح ہے۔

جواب: یہ سراسر غلط و جھوٹ ہے حقیقت حال صرف یہ ہے کہ علماء اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد تمام کتب مدوّنہ سے جو کسی بھی بلند سے بلند مرتبت انسان کی تالیف ہو ان سے یہ دونوں زیادہ صحیح ہیں...... نیز یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اخبار آحاد صحیح ہونے کے باوجود مُفید علم و یقین اور مثبت عقائد قطعیہ نہیں ہوسکتیں......

سوال دوم: علامہ ڈھکو صاحب نے فرمایا: زہری کے تسنّن اور جلالت قدر پر علماء اہل سنت کے علماء رجال کا اتفاق ہے۔

جواب: حضرت شیخ الاسلام نے جب یہ تصریح کر دی تھی کہ ہم تو اب بھی زہری کو اسی طرح سنی سمجھتے

ہیں۔ اگر گھر کے بھیدی اس کے متعلق یہ انکشاف نہ کرتے کہ وہ شیعہ تھے......

سوال سوم: ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ: اگر یہ تسلیم بھی کرلیں کہ زہری آخری عمر میں شیعہ ہو گیا تھا...... مگر یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ اس کی یہ روایات شیعہ ہونے کے بعد کی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے کی ہوں۔

جواب: لیکن علامہ موصوف نے یہاں ڈنڈی ماری ہے...... کیونکہ جب زہری کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا...... تو ماننا پڑے گا کہ موصوف پہلے سے ہی اسی مذہب و مسلک پر کاربند تھا اور خاص مقصد کے تحت اپنے عقائد کو چھپائے ہوئے تھا۔ جب مقصد پورا ہو گیا پھر رازِ دروں کو آشکار کر دیا۔

سوال چہارم: اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ وہ ابتدا سے ہی شیعہ تھا تو اس کی روایات کو نا قابل قبول ہونے کے لیے...... اس کا تبرائی اور رافضی ہونا ثابت کرنا پڑے گا......

جواب: علامہ موصوف نے یہاں بھی کمال سادگی...... کا مظاہرہ کیا ہے کہ تشیّع دو قسم پر ہے۔ اور زہری کس قسم میں داخل تھا؟ جو شخص ہر مقام پر مقدس ہستیوں کے درمیان بغض و عناد...... ثابت کرنے کے درپئے ہو اور رسول اللہ ؐ کے سسر...... کو حضورؐ کی لخت جگر کی طرف سے نماز جنازہ کی اطلاع اور جنازہ پڑھنے کی اجازت دینے کے روادار بھی نہ رہنے دے...... اس کے رافضی ہونے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے؟

سوال پنجم: زہری دو ہزار روایات سے زیادہ کا راوی ہے۔ اس کو شیعہ ماننے پر ان سب روایات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

جواب: کسی شخص کے ہزاروں روایات کے راوی ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ ان روایات میں مُنفرد ہے۔ اور دوسرے راویوں نے ان روایات کو ذکر ہی نہیں کیا......

زہری کا عقیدہ از روئے روایات اہل تشیّع

آپ اب زہری کے متعلق اکابر شیعہ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

① عن الشیخ فی رجالہ انہ من اصحاب الصادق علیہ السلام اور شیخ صدوق (بلکہ شیخ طوسی ناقل) نے زہری کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب سے شمار کیا ہے۔ (تنقیح المقال مامقانی)

② بعض اکابرین علماء شیعہ زہری کے شیعہ ہونے کے قائل ہیں۔ اور بعض اس کے غالی شیعہ ہونے کے مُعترف ہیں اور بعض اس کی تلون مزاجی کے قائل ہیں۔ تو اس کی روایت سے از روئے دیانت صحابہ کرام پر اعتراض و انکار کا علماء شیعہ کو کیا حق پہنچتا ہے؟ (تحفہ حسینیہ جلد ۱۳ از ص ۱۸۷ تا ۳۵۱)

④ اس پر ہمارا محققانہ تبصرہ:

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو کہ میری باری آئی

المیۂ فدک کا اجمالی بیان

فدک کا قضیۂ نامرضیہ ایک ایسا المیہ ہے جس پر جس قدر بھی رنج و افسوس کیا جائے اتنا کم ہے۔ اس سانحہ نے تاریخ اسلام کے روشن چہرہ کو سیاہ اور مُسلمانوں کی گردنوں کو جھکا دیا ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا خونچکاں داستان ہوگی کہ رسول دو جہانؐ اپنی ایک خاص جائیداد (فدک) اپنی سیدۃ النساء دختر نیک اختر کو بطور ہبہ دیں۔ اور ہبہ نامہ بھی لکھ کر چھوڑ جائیں۔ مگر اسلامی برادری کا پہلا خلیفہ منبر رسولؐ پر قدم رکھتے ہی دختر رسولؐ کے حق پر قبضہ کر لے۔ جب خاتونِ جنت اپنے حق کا دعویٰ کرے تو اس سے گواہ طلب کیے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے شوہر امام المتقین علی علیہ السّلام، اپنے بیٹے سید اشباب اہل الجنّۃ حسنین شریفینؑ اور صحابیہ مہاجرہ صابرہ ام ایمن کو پیش کرے تو ان کی گواہی نا منظور کر دی جائے۔ پھر سیدہ عالمؑ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اپنے دعویٰ کا عنوان بدل کر یہ کہے کہ اچھا اگر بطور ہبہ نہیں دیتے تو پھر بطور میراث پدری یہ جائیداد مجھے دے دو۔ مگر حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ کل کلاں جو لوگ تحریر رسولؐ کے جواب میں "حسبنا کتاب اللّٰہ" کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ آج ایک خانہ ساز حدیث کا سہارا لے کر بی بی عالم کو اس کے جائز حق سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور عالمہ غیر معلّمہ بی بیؑ ان کے جواب میں قرآن کی آیات پیش کرتی ہے۔ مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس انسیہ حورا سیدۃ النساء کو اپنی اس حق تلفی اور اپنی نا قدر شناسی پر اس قدر صدمہ پہنچتا ہے کہ مُتعلقہ لوگوں پر غضبناک ہو جاتی ہے۔ (وہ بی بی عالمؑ جس کے غضبناک ہونے سے خدا غضبناک ہو جاتا ہے) اور ان سے ہر قسم کی بات چیت اور دیگر اسلامی تعلقات قطع کر لیتی ہے۔ حتیٰ کہ اس غم و غصہ میں اور حزن و ملال میں کڑھ کڑھ کر چند دنوں کے بعد راہی ملکِ بقا ہو جاتی ہے اور جاتے جاتے اپنے شوہر نامدار کو یہ وصیت بھی کر جاتی ہے کہ جن لوگوں نے میرا حق تلف کیا اور میری توہین کی ہے ان کو میرے جنازہ میں شامل نہ ہونے دینا۔ چنانچہ اُن کا غیور اور وفا شعار شوہر نامدار اس وصیت پر عمل کر کے ان لوگوں کو جنازہ فاطمیہؑ کے قریب بھی نہیں آنے دیتا۔ آیا تاریخ عالم میں اس دھاندلی اور صریح بے انصافی کی کہیں کوئی مثال ملتی ہے؟ اور اس تمام کاروائی کے بانی کو خلیفہ رسولؐ سمجھنے والوں کے پاس اس کا کوئی معقول جواب ہے؟

اہل سنت کے لیے مسئلہ فدک مُشکل ترین قضیّہ ہے

انہی حقائق کی بنا پر تو شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو اس حزنیہ کے سامنے سپر انداز ہو کر یہ لکھنا پڑا کہ: "مُشکل ترین قضایا قضیہ فاطمہ زہرا است" تمام قضیوں سے زیادہ مُشکل جناب فاطمہ زہراؑ کا قضیہ ہے۔ (جس کی کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی) (اشعۃ للمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۴۵۳ طبع نولکشور) اب ذیل میں ہم اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل پیش کرتے ہیں۔ جس سے مؤلف کے بے بنیاد بیانات و استدلالات کا بالکل قلع قمع ہو جائے گا۔ اور حق وصدق اپنی پوری تاب و تابش کے ساتھ طالبانِ حق کے سامنے جلوہ گر ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فدک کی حقیقت

ملک حجاز میں مدینہ سے دو روز (اور بقولے تین روز) کی مسافت پر ایک گاؤں ہے۔ جس میں ایک بہترین چشمہ آب اور بہت سی کھجوریں تھیں۔ اہل خبرہ کے بیانات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ حموی (جو فن معرفت بلاد و امصار کے خاص ماہر ہیں) اپنی کتاب مُعجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ طبع مصر میں لکھتے ہیں: فدك قريه بالحجاز بينها و بين المدينه يومان و قيل ثلاثه (الى ان قال) فيها عين فوارة و نخيل كثيرة......

(۲) علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں: "فدك و هى بفتح الفاء و الدال المهملة بعدها كان بلدة بينها و بين المدينة ثلاثه مراحل"۔ (ہر دو عبارت کا وہی مطلب ہے جو اوپر مذکور ہے)

ایک غلطی کا ازالہ

فدک کی جو تعریف ہم نے کتب اہل سنت سے پیش کی ہے وہی تمام کتب شیعہ میں بھی مذکور ہے اس سلسلہ میں مؤلف نے اصولِ کافی سے اس کے برخلاف جو ایک روایت پیش کی ہے کہ خلیفہ مہدی کے امام موسیٰ کاظمؑ سے فدک کی حدود اربعہ دریافت کرنے پر امامؑ نے فرمایا: اس کی ایک حد کوہ اُحد ہے۔ (تا آخر) تو مؤلف نے کلام امام (جو امام الکلام ہے) کا مفہوم سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خلیفہ مہدی عباسی نے آلِ رسولؐ کے پامال شدہ حقوق واپس کرنے پر اپنی کچھ آمادگی ظاہر کی اور اس کے حدود امام موسیٰ کاظمؑ سے دریافت کیے تو امامؑ نے جواب میں اس وقت کی تمام اسلامی حکومت کے حدود اربعہ بیان فرما دیے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر فدک واپس کرنا چاہتے ہو

تو صرف وہی ہمارا حق نہیں ہے بلکہ تمام قلمروءِ اسلام کے حقیقی والی اور مسند رسولؐ کے جائز وارث ہم ہیں۔اس لیے تمام حکومت ہمارے حوالے کر دو۔ مہدی امامؑ کا مطلب سمجھ گیا۔ اور غور کرنے کا وعدہ کر کے اپنی گلوخلاصی کرانے میں سلامتی دیکھی اور پھر کبھی بھول کر بھی اس ارادہ کا اظہار نہ کیا۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

فدک کس طرح پیغمبر اسلامؐ کے قبضہ میں آیا

جب چند روز کے محاصرہ اور جنگ وجدال کے بعد خداوند عالم نے مُسلمانوں کو خیبر میں عظیم الشان فتح ونصرت عطا فرمائی اور یہودی بری طرح ذلیل ورسوا ہوئے اور وہاں سے بہت سارا مال غنیمت اور جائیداد غیر منقولہ مُسلمانوں کے ہاتھ لگی تو قرب وجوار کے کفار کے دلوں میں قدرتی طور پر اسلام اور مُسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا۔ انہی لوگوں میں سے "فدک" نامی گاؤں کے رہنے والے یہودی بھی تھے۔ جن کا سردار یوشع بن نون نامی ایک یہودی تھا۔ انھوں نے از خود آنحضرتؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہمارے مال وجان کو امان دیں اور ہم اس کے عوض اپنی نصف جائیداد آپ کے حوالے کرنے پر تیار ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کی اس پیش کش کو منظور کر لیا۔ اور فدک لے لیا۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں......

① تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۵: "حاصر رسول اللہ اهل خیبر فی حصبهم او لیس و الاسلام حتی اذا ایقنو بالهلکة (الی ان قال) فلما سمع بهم اهل فدك و قد صنعوا بعثوا الی رسول اللہ یسئلونه ان یسیرهم و یحقن دمائهم و صالحة اهل فدك، مثل ذلك......"

② طبری جلد ۲ صفحہ ۹۷: "و لما فرغ رسول اللہ من خیبر قذف اللہ الرعب فی قلوب اهل فدك و بلغهم ما اوقع اللہ با هل خیبر فبعثوا الیٰ رسول اللہ یصالحون علیٰ النصف من فدك فقبل ذلك منهم"۔

③ ایسی ہی دو روایات تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷ طبع مصر پر موجود ہیں۔

④ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ میں ہے: "لما انصرف رسول اللہ من خیبر بعث الی اهل فدك یدعوهم الی الاسلام فصالحوا رسول اللہ علی نصف الارض فقبل منهم ذلك"۔

پہلی تینوں روایات کا مفہوم وہی ہے جو اوپر مذکور ہے اور چوتھی میں صرف اس قدر اضافہ ہے کہ فدک کے یہودیوں نے یہ پیشکش آنحضرتؐ کی دعوتِ اسلام کے جواب میں کی۔ بہر کیف اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ جائیداد ہر قسم کے جنگ وجدال قتل وقتال اور ہر قسم کی تگ وتاز و گھڑ

دوڑ کے بغیر بانیٔ اسلام کے قبضہ میں آئی۔ ایسی جائداد کو شرعی اِصطلاح میں "انفال" کہا جاتا ہے۔ اس بیان نیر البرہان سے مؤلف کی غیر معقول بحث بعنوان معقول بحث کا تار پود بھی بکھر گیا۔ جو انھوں نے اس موضوع کے آخر میں پیش کی ہے۔ فتدبر۔

مال غنیمت اور فیٔ کا باہمی فرق

کفار ومشرکین سے جو مال و جائیداد اسلام اور اہل اسلام کے قبضہ میں آئے اس کی چند قسمیں ہیں۔ جن میں سے دو یہ ہیں۔

① اگر جہاد کرنے اور عملی تگ و تاز کے بعد ملے تو اُسے "غنیمت" کہا جاتا ہے۔

② اور اگر ہر قسم کی سعی و کوشش کے بغیر اور بغیر گھوڑے دوڑائے دستیاب ہو جائے تو اسے "انفال" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسے جائیدادِ فدک اور اسے "فیٔ" بھی کہا جاتا ہے۔

ان دونوں اقسام کے مصارف واحکام کا بیان

ان ہر دو اقسام کے احکام شریعت اسلام میں الگ الگ ہیں۔

① مالِ غنیمت کے پانچ حصّے کیے جاتے ہیں، چار حصّے مجاہدین میں اس طرح تقسیم کیے جاتے ہیں کہ سوار کو دوہرا اور پیدل کو اِکہرا حصّہ دیا جاتا ہے۔ اور پانچویں حصّے کا نام "خمس" ہے، جو خدا اور رسولؐ اور رسولؐ کے قرابتداروں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کا حق ہے۔ (تفصیل دسویں پارہ کی ابتداء میں مذکور ہے)

② مال "انفال" و "فیٔ" وہ صرف خدا اور رسولؐ (اور رسولؐ کے بعد امامؑ) کی ملکیت ہوتا ہے اور کسی کا اس میں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ سورۂ انفال پ ۹ ع ۱۵ میں مذکور ہے:

"یسئلونك عن الانفال، قل الانفال لله وللرسول"۔

اے رسولؐ! لوگ تم سے مال "انفال" کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ یہ مال صرف خدا اور اس کے رسولؐ کا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مُسلمانوں نے اُونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے اور کوئی جدو جہد نہیں کی، بلکہ خود بخود خدائے قہار نے اپنے رسولؐ کو غلبہ دے کر ان کو یہ مال دلوایا ہے...... یا رسولؐ کے قرابتداروں اور ان کے یتیموں اور مسکینوں کا مال ہے۔

فدک جناب رسولِ خداؐ کی خاص ملکیت تھی

"فدک" بوجہ "انفال" ہونے کے آنحضرتؐ کی ملکیت تھا، اور اس میں مُسلمانوں یا ان کے فقراء و مساکین کا ہرگز کوئی حصّہ نہ تھا۔ اس کی تائید میں اسلامی برادری کی چند مُعتبر کتابوں کے حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔

① علامہ حموی مُعجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ پر فدک کی (مذکورہ بالا) تعریف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فھی مما لم یوجف علیہ بخیل و لا رکاب فکانت خالصۃ لرسول اللہ"۔ یعنی فدک ایسی بستی ہے۔ جس پر نہ گھوڑے دوڑائے گئے اور نہ اونٹ (یعنی لشکر کشی نہیں کی گئی) اس لیے وہ رسول خداؐ کی خالص جائیداد تھی۔

② علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں منقولہ بالا عبارت (در تعریف فدک) کے بعد لکھا ہے:

"وکانت لرسول اللہ خاصۃ"۔ یعنی یہ فدک خاص رسول پاکؐ کی ملکیت تھا۔

③ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۵ پر مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے: "وکانت فدك خالصۃ لرسول اللہ لانھم لم یجلبوا علیھا بخیل ولا رکاب"۔

④ کامل ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ پر منقولہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے: "و کان نصف فدك خالصا لرسول اللہ لانہ لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب"۔

⑤ علامہ نووی شرح مسلم جلد ا صفحہ ۹۱، ۹۲ پر قاضی عیاض کے حوالہ سے آنحضرتؐ کے مملوک اموال کی تفصیل لکھتے ہوئے کہ ایک مال موہوب بھی ہے۔ یعنی یہ کہ کوئی شخص اپنی خوشی سے اپنا مال آپ کو ہبہ کردے۔

اخیر میں "انفال" اور "فدک" کو اس میں شامل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فکانت ھذہ کلھا ملکا لرسول اللہ خاصۃ لا حق فیھا لاحد غیرہ"۔

یہ سب اموال خاص آپؐ کی ملکیت میں تھے۔ جن میں کسی اور کا کوئی حق نہ تھا۔

⑥ علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۲۴۱ میں باسناد احمد و بخاری و مسلم جناب عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

"فکانت ھذہ خالصۃ لرسول اللہ ﷺ"۔

حضرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متولیانہ قبضہ کی ردّ

ان ناقابل ردّ حقائق کی روشنی میں مؤلف کے وہ تمام پادر ہوا بیانات حرف غلط کی طرح بالکل باطل ہو گئے جو انہوں نے ''کیا فدک رسولؐ کی ذاتی جائیداد تھی؟'' کے زیر عنوان درج کیے ہیں۔ اور پھر ذاتی ملکیت کو صرف دو چیزوں میں مُنحصر قرار دیا ہے۔

① جو وراثۃً ملے ② ذاتی کمائی سے خریدی جائے۔

معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی ذاتی ملکیت میں کم از کم دو چیزیں اور بھی آتی ہیں۔

① جو مال بطور ہبہ حاصل ہو۔

② انفال یعنی وہ مال جو بغیر جنگ وجدال کفار سے حاصل ہو۔

اور یہ فدک اسی آخری قسم میں داخل ہے۔ اور اس سے مؤلف کے اس دعویٰ کا بطلان بھی عیاں ہو گیا۔ جو انھوں نے بار بار کیا ہے کہ آنحضرتؐ کا اس جائیداد پر قبضہ صرف متولیانہ تھا۔

ہمارے ان تحقیقی بیانات سے واضح ہو گیا کہ یہ قبضہ متولیانہ نہیں بلکہ مالکانہ تھا۔ اور آنحضرتؐ کو اس میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا کلی اختیار تھا۔ جس کو چاہیں جس قدر چاہیں دیں اور جس مصرف میں چاہیں صرف کریں۔ جیسا کہ تفاسیر میں لکھا ہے:

''یفعل فیه ما یشاء''۔ (تفسیر جلالین صفحہ ۴۵۳)

یضعه حیث یشاء (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۲۵) یعنی آپ کو مکمل اختیار تھا جو چاہیں اس میں تصرف کریں اور جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

فدک کے ملکیت رسولؐ ہونے پر ایک عجیب استدلال

مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ فدک کے خاص ملک رسولؐ ہونے کی ایک مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ جب جناب سیدہؑ نے ہبہ فدک کا دعویٰ دائر کیا تو عدالت نے گواہ طلب کیے۔ اگر ابوبکر وعمر اس جائیداد کو ملکیت رسول نہیں سمجھتے تھے تو ہبہ کے ثبوت میں گواہ کیوں طلب کیے؟ یہ کیوں نہ کہا کہ جب یہ جائیداد آنحضرتؐ کی ملکیت ہی نہ تھی۔ تو آپ اس کا ہبہ کیوں کر کر سکتے تھے؟ اور جب گواہی منظور نہ کی گئی اور بی بی عالمؑ نے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے مقدمہ کا عنوان بدل دیا کہ اگر بطور ہبہ نہیں دیتے تو پھر بطور میراثِ پدری یہ جائداد میرے حوالے کر دو۔ تو اس مقام پر بھی ایک موضوع حدیث

(نحن معاشر الانبیاء لانرث) کا سہارا لینا بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ان کو فدک کے مِلکِ رسولؐ ہونے کا اِنکار نہ تھا۔ ورنہ اس مخالف قرآن جعلی حدیث کا سہارا لینے کی بجائے ان کے لیے یہ کہہ دینا زیادہ آسان تھا کہ یہ جائداد تو آنحضرتؐ کی ملکیت ہی نہ تھی۔ بلکہ وہ سارے مُسلمانوں پر وقف تھی۔ اور آپ کا اس پر صرف متولیانہ قبضہ تھا نہ مالکانہ۔ اس لیے وہ اسے ہبہ نہیں کرسکتے تھے۔ اور نہ ہی اس میں میراث کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کا اس موقف کو اختیار نہ کرنا اس بات کی ناقابل انکار دلیل ہے کہ وہ فدک کو ملکیت رسولؐ تسلیم کرتے تھے۔ وھو المقصود۔

ہبہ فدک بحقّ خاتون جنتؑ

اب اس بات کا اثبات باقی رہ جاتا ہے کہ آیا آنحضرتؐ نے یہ جائیداد اپنی دخترنیک اختر جناب خاتونِ جنتؑ کو ہبہ کردی تھی؟ سو یہ امر فریقین کی مُسلمہ کتب تفاسیر واحادیث سے ثابت ہے کہ جب یہ آیت: "وآت ذا القربی حقه" (اے رسولؐ! اپنے قرابتداروں کو ان کا حق دے دو) نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب سیّدہ کو طلب کرکے فدک ان کو ہبہ کردیا۔ اور ان کو ایک وثیقہ بھی لکھ دیا۔ جسے بی بی عالمؑ نے دربارِ خلافت میں پیش کیا تھا۔ چنانچہ

(۱) تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ طبع مصر میں ابی سعید خدری سے منقول ہے: "لما نزلت وآت ذا القربی حقه" دعا رسول الله فاطمة فاعطاها فدك"۔ دوسری روایت جو ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ مروی ہیں: "لما نزلت وآت ذا القربی حقه اقطع رسول الله فاطمة فدکًا"۔ ہر دو روایات کا مطلب ایک ہی ہے کہ جب آیت: وآت ذا القربیٰ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کو فدک ہبہ کردیا۔

(۲) کذا فی لباب النقول فی اسباب النزول مطبوعہ برحاشیہ جلالین جلد ۲ صفحہ ۱۹ طبع مصر

(۳) ترجمان القرآن نواب صدیق حسن خان جلد ۷ صفحہ ۸۵

(۴) معارج النّبوة جلد ۴ صفحہ ۲۱۱ طبع نولکشور

(۵) حبیب السیر جلد ۱ صفحہ ۸۵ طبع بندر معمورہ بمبئی

(۶) روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ طبع نولکشور لکھنؤ میں لکھا ہے: "پیغمبرؐ فاطمہؑ را بخواند و برائے او حجت نوشت و آن وثیقه بود که بعد از جناب رسولؐ پیش ابو بکر آورد وگفت که این کتاب رسولِ خدا است برائے من و حسنین نوشته است"۔

ایک ایراد کا جواب

مؤلف نے اس مقام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ: "یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا؟" اس ایراد کا ہم کئی بار بالخصوص آیت تطہیر کے ذیل میں تفصیل سے جواب پیش کر چکے ہیں کہ جس طرح قرآنی سورتوں کی موجودہ ترتیب نزول قرآن کے مطابق نہیں۔

اسی طرح آیات کی ترتیب بھی نزول کے موافق نہیں ہے، بلکہ بعض مکی سورتوں میں مدنی آیات اور بعض مدنی سورتوں میں مکی آیات درج ہوگئی ہیں۔ اس کی متعدد مثالیں کتب اہلسنّت سے پیش کی جاچکی ہیں۔ لہٰذا کسی سورہ کے مکی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تمام آیات بھی مکی ہوں۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن جلد ۷ صفحہ ۲ پر سورۃ بنی اسرائیل (جس میں یہ آیت درج ہے) کے متعلق لکھا ہے کہ: "بعض نے کہا کہ آٹھ آیات اس میں مدنی ہیں"۔

علاوہ برایں بنابر تسلیم اینکہ یہ آیت مکی ہے۔ ممکن ہے یہ آیت ان آیاتِ احکام میں سے ہو جن کا حکم مکہ میں نازل ہوا۔ اور تعمیل مدینہ میں ہوئی۔ جیسے نمازِ جمعہ جو فرض تو مکہ میں ہوئی۔ مگر اس پر عمل درآمد مدینہ میں ہوا۔

(ملاحظہ ہو تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۶۲)

ایک اور ایراد کا جواب

اس مقام پر مؤلف نے اصول کافی سے اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ کو معلوم نہ ہوا کہ ذی القربیٰ کا مصداق کون ہے؟ حتیٰ کہ بتوسط جبرئیل خدا سے دریافت کیا، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ ایراد تو جب وارد ہوتا کہ صاحب وحی (رسولؐ) آیت کا مفہوم کسی آدمی سے دریافت کرتا۔ لیکن اگر معلّم قرآن (رسولؐ) منزل قرآن (خدا) سے کسی آیت کا مفہوم دریافت کرے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

کیا رسولؐ کا علم ذاتی ہے؟ کیا وہ عطیہ خداوندی نہیں ہے۔ کیا یہ خدا کا ارشاد نہیں ہے: "ان علینا جمعه و قرانه ثم ان علینا بیانه"۔ یعنی اس قرآن کا جمع کرنا پڑھانا اور اس کا مفہوم بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ بنابریں اگر رسولِ اسلام منزل قرآن یعنی خدائے رحمان سے مفہوم قرآن معلوم کرلے اور وہ بیان کردے تو اس میں قابل اعتراض بات کیا ہے؟ یا سعد الابل۔

خاتونِ جنتؑ کا دعوائے ہبہ فدک

یہ بات نا قابل انکار تاریخی دلائل وشواہد سے ثابت ہے کہ مُسلمانوں کے پہلے خلیفہ نے منبر رسولؐ پر قدم جماتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دخترِ رسولؐ کے حق (فدک) پر ہاتھ صاف کیا۔ چنانچہ کتاب وفا الوفاء باخبار دار المصطفیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ میں لکھا ہے: "ان ابابکر انتزع من فاطمة فدك"۔ یعنی ابوبکر نے جناب فاطمہؑ سے فدک چھین لیا۔ اور بخاری باب الخمس وباب المغازی میں جناب عمر کی زبانی مروی ہے: "لما توفی الله نبیه صلی الله علیه و سلم فقال ابوبکر انا ولی رسول الله فقبضها ابوبکر"۔ یعنی وفاتِ رسولؐ کے بعد ابوبکر نے یہ کہہ کر کہ میں ولی رسول ہوں فدک پر قبضہ کر لیا۔ جناب سیدہؑ نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی کہ یہ جائیداد جناب رسول خداؐ نے ان کو ہبہ کر دی ہے۔ (جس پر اُن کا قبضہ بھی تھا) خلیفہ نے اس سلسلہ میں گواہ طلب کیے۔ خاتونِ جنتؑ نے حضرت امیر علیہ السلام اور جناب ام ایمن کو (بروایتے حسنینؑ کو بھی) گواہی میں پیش کیا۔ عدالت نے بوجوہ ان کی گواہی مسترد کر دی۔

مؤلف نے اس مخمصہ سے گلو خلاصی کرانے کے لیے دو عذرِ خام پیش کیے ہیں۔ یہ کہ:

① اس واقعہ کا ثبوت اہل سنت کی کسی مُعتبر کتاب سے نہیں ملتا ہے۔

② دوم یہ کہ اگر صحیح بھی ہو تو اس سے حضرت ابوبکر کا عامل بالشرع اور منصف حاکم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ بحکم قرآن دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونے چاہئیں۔ اور چونکہ صورت بالا میں نصاب شہادت مکمل نہ تھا...... اس لیے ابوبکر نے فیصلہ بحقِ خاتونِ جنتؑ نہ کیا۔

مؤلف کے بعض عذرہائے خام کا جواب

سو پہلے عذر کے متعلق واضح ہو کہ مؤلف کا یہ عذر ان کی اپنی کتابوں سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔ ورنہ بیسیوں کتب مُعتبرہ میں یہ واقعہ درج ہے۔ بطور نمونہ ہم چند کتابوں سے حوالہ جات پیش کرتے ہیں:

① فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۸ طبع اوّل مصر میں لکھا ہے: "قالت فاطمه لابی بکر ان رسول الله جعل لی فدك فاعطانی ایاها و شهد لها علی ابن ابی طالب فطلب منها شاهدا آخر فشهدت لها ام ایمن فقال قد علمت یا بنت رسول الله انه لا تجوز الا شهادة رجلین او رجل و مرأتین"۔ یعنی جناب سیدہؑ نے ابوبکر سے کہا کہ جناب رسولِ خداؐ نے فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا۔ ابوبکر نے آپ سے گواہ طلب کیے۔

چنانچہ حضرت علیؑ نے شہادت دی۔ خلیفہ نے اور گواہ طلب کیے۔ بی بی نے ام ایمن کو پیش کیا۔ انھوں نے گواہی دی۔ ابوبکر نے کہا بنت رسولؐ آپ کو علم ہے کہ گواہی دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی قبول ہوتی ہے۔ (کذافی وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ ۱۶۱ طبع مصر)

③ صواعق محرقہ صفحہ ۲۱ طبع مصر قدیم لکھا ہے: "فاتتہ فاطمہ فقالت ان رسول اللہ اعطانی فدك فقال هل لك بينة فشهد لها علی و ام ايمن"۔ (مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے)

④ علامہ سید شریف جرجانی شرح مواقف صفحہ ۷۳۵ پر لکھتے ہیں: "وعن فاطمة ان رسول الله عليه السلام نحلها ای لعطاء فدك نحلة ای عطية و شهد عليه علی و الحسن و الحسين و ام كلثوم و ام ايمن"۔ اس میں حسنین علیہما السلام کے گواہی دینے کا مزید تذکرہ ہے۔ بعد ازاں جرجانی نے نصاب کے نامکمل ہونے کا جو عذر پیش کیا ہے اس پر ہم عنقریب تبصرہ کریں گے۔

⑤ علامہ حموی نے معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ میں فدک کی حقیقت بیان کرنے اور اس کے خالص رسولؐ ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے: "وهی التی قالت فاطمة ان رسول الله نحلها فقال ابوبکر اريد بذالك الشهود و لها قصة"۔ یعنی فدک وہی گاؤں تھا جس کے متعلق جناب فاطمہؑ نے دعویٰ کیا تھا کہ جناب رسولؐ خدا نے مجھے ہبہ کر دیا ہے اور ابوبکر نے جواب میں کہا تھا کہ: میں گواہ چاہتا ہوں، اور یہ ایک طویل قصہ ہے۔ کیا یہ اہل سنت کی ہی معتبر کتابیں ہیں یا کسی اور مذہب کی؟؟

باقی رہا دوسرے عذر کے خام ہونے کا بیان (کہ اس سے ابوبکر کا عامل باشرع ہونا ثابت ہوتا ہے) سو یہ بچند وجوہ باطل اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً: ابوبکر کا بی بی عالم سلام اللہ علیہا سے گواہ طلب کرنا قواعد شرعیہ کے خلاف تھا۔ کیونکہ جناب سیدہؑ اس جائیداد پر قابض اور اس میں مُتصرّف تھیں اور شرعی نقطۂ نظر سے مُتصرّف سے گواہ طلب نہیں کیے جا سکتے۔ بلکہ خود قبضہ دلیل ملکیت ہوتا ہے، جب تک اس کا خلافِ شرع ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

ثانیاً: اگر قبضہ و تصرف سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو تب بھی خلیفہ صاحب کو جناب سیدہؑ سے گواہ طلب کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ شہادت تو حقیقی علم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ نہ اصل مقصد لہٰذا جب حاکم و قاضی کو کسی طرح کسی واقعہ کی صحت کا علم ہو جائے۔ جیسے یہ کہ مجرم نے اس کے سامنے جرم کیا ہو تو وہ شہادت کو نظر انداز کر کے اپنے علم کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابوبکر نے مخدومہ کونین معصومہ اور صدیقہ بی بیؑ کے بیان پر کیوں یقین و اعتبار نہ کیا؟ اور ان سے کیوں گواہ طلب کیے؟ اصل مقصد تو عدالت کو یقین دلانا ہوتا ہے کیا ایک مُسلمان کہلانے والے

کے لیے خاتونِ جنتؑ کا بیان یقین حاصل کرنے کے لیے کافی نہ تھا؟

ثالثاً: وہ آیت جس میں مدعی کو دو مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا عموم ناقابل انکار ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ "ما من عام الا و قد خص"۔ ہر عام قابل تخصیص ہوتا ہے۔ اس کلیہ سے آیت شہادت مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ گواہی میں گواہ کے درجہ کو بہت دخل ہوتا ہے۔ بعض اوقات صرف ایک ثقہ اور متدین آدمی کی شہادت سے وہ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ جو عام قسم کے پچاس آدمیوں کی شہادت سے بھی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ کتب اہل سنت سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ حذیفہ بن ثابت نے جناب رسولؐ خدا کے ایک بدو کے ہاتھ گھوڑا فروخت کرنے کے سلسلہ میں آنحضرتؐ کے حق میں شہادت دی تھی۔ تو آنحضرتؐ نے اس کی شہادت کو دو شہادتوں کا قائم مقام قرار دیا تھا۔ اسی لیے ان کو "ذوالشہادتین" کہا جاتا ہے۔

بنابریں اصول کیا جناب امیر علیہ السلام جیسے صدیق و معصوم امام برحق کی شہادت دو شہادتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی تھی؟ جب انھوں نے گواہی دے دی، تو اب مزید گواہوں کی کیا ضرورت تھی؟ حالانکہ جناب حسنینؑ اور ام ایمنؓ نے بھی شہادت دی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ جن بزرگواروں کی شہادت ٹھکرانے کی جرأت نصرانیوں نے بھی نہیں کی تھی، نام نہاد مسلمانوں نے ان کی گواہی مسترد کر دی اور بی بی عالمؑ کا حق ہضم کیا۔

مر مرا باور نمی آید ز روئے اعتقاد
حق زہرا خوردن و دین پیغمبر داشتن

رابعاً: یہ چیز بھی کتب فریقین سے ثابت ہے کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ موجود ہو تو اس کے ساتھ اگر وہ قسم کھالے تو اس کی یہ قسم دوسرے گواہ کی قائم مقام بن جاتی ہے۔ لہٰذا اگر عدالت اسے قسم دلوائے اور وہ قسم کھالے تو فیصلہ اس کے حق میں ڈگری ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ ابوبکر کا بھی یہی نظریہ تھا۔ چنانچہ کنز العمال فصل ۳ کتاب الشہادت میں وارد ہے کہ: "ان رسول اللہ و ابابکر و عمر و عثمان کانو یقبلون شہادۃ الواحد و الیمین"۔ یعنی جناب رسولؐ خدا ابوبکر و عمر اور عثمان ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا کرتے تھے۔ بنابریں وہ زیادہ سے زیادہ جناب سیدہؑ سے حلف لے کر ان کے حق میں فیصلہ کر سکتے تھے۔ مگر انھوں نے عملاً ایسا نہیں کیا۔ اور دختر رسولؐ کا حق غصب کیا۔

خامساً: مؤلف کے عامل بالشرع خلیفہ کے متعلق ناقابل انکار تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے کہ وہ بعض اوقات صرف مدعی کے بیان پر اعتبار کر کے بغیر طلب شہود فیصلہ بحق مدعی کر دیا کرتے تھے۔

چنانچہ بخاری پ ۱۷ صفحہ ۸۷ مسلم پ ۱۱ صفحہ ۵۳ کنز العمال، تاریخ الخلفاء وغیرہ کتب میں درج ہے کہ خلیفہ اول کے زمانہ میں جب فتح بحرین کا مالِ غنیمت آیا تو انھوں نے اعلان کرایا کہ جس سے آنحضرتؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو وہ آئے اور آ کر موعودہ مال لے جائے۔ چنانچہ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے آ کر کہا کہ رسول خداؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب بحرین کا مال آئے گا تو اس سے تمھیں کچھ دیا جائے گا۔ یہ سن کر خلیفہ صاحب نے ان کو ڈیڑھ ہزار درہم عطا فرمائے۔ اس واقعہ کی شرح میں شارح بخاری کرمانی نے لکھا ہے: "واما تصدیق ابی بکر جابرا فی دعواہ فلقولہ من کذب علی محمدٍ فلیتبوا مقعدہ من النار فھو وعید ولا یظن بان مثلہ یقدم علیہ......"

اور فاضل عسقلانیؒ نے فتح الباری (پارہ ۵ صفحہ ۴۲۶) اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "وفیہ قبول خبرا الواحد العدل من الصحابہ و لوجر۔ ذلک نفعا لنفسہ لان ابا بکر لم یلتمس من جابر شاھدا علی صحۃ دعواہ" ...... یعنی اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ میں سے ایک آدمی کی خبر بھی قبول کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ وہ اس کی ذات کے لیے سود مند ہو۔ کیونکہ ابوبکر نے جابرؓ سے ان کے دعویٰ کی صحت پر گواہ طلب نہیں کیے۔

اور علامہ عینی نے لکھا ہے: "انما لم یلتمس شاھدا منہ...... لانہ عدل بالکتاب والسنۃ"۔ ابوبکر نے اس لیے جابرؓ سے گواہ طلب نہیں کیے کہ وہ (جابرؓ) کتاب وسنت کی رو سے عادل تھے۔

(عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۶۷۵)

اے کاش! برادران اسلام اور ان کے چہیتے خلفاء سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور سید الاولیاء حضرت علی مرتضیٰؑ کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتے جو عام صحابہ کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ اگر جابرؓ کا دعویٰ بلا گواہ صرف اس وجہ سے قبول کر لیا گیا کہ وہ صحابی رسول ہونے کی وجہ سے جھوٹ نہیں بول سکتے تھے تو کیا جناب سیدہؑ اور جناب امیرؑ کے متعلق یہی حسنِ ظن نہیں رکھا جاسکتا تھا کہ وہ بوجہ صحابی و قرابتدار رسولؐ ہونے کے غلط بیانی نہیں کر سکتے۔ والی اللہ المشتکی۔

ایک غلط واقعہ کی ردّ

اس مقام پر مؤلف نے نصاب شہادت کے نامکمل ہونے کی صورت میں مدعی کے خلاف فیصلہ ہونے کے جو دو واقعات نقل کیے ہیں۔ پہلا تو چونکہ جناب عمر کے متعلق ہے اس لیے اس کی صحت وسقم سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہاں البتہ دوسرا واقعہ چونکہ حضرت امیر علیہ السلام سے متعلق ہے اس

لیے اس پر ہم مختصر سا تبصرہ کیے دیتے ہیں۔ مؤلف کا یہ کہنا کہ زرہ کے جھگڑے میں جب آنجنابؑ شریح کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے گواہ طلب کیے اور آنجنابؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا اور شریح نے یہ کہہ کر بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست نہیں ہے۔ اور ان کی گواہی کو نا منظور کر دیا۔ تو اس فیصلہ پر جناب امیر علیہ السلام بالکل ناراض نہ ہوئے...... یہ بات حقائق کے بالکل خلاف ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنجنابؑ کو اس غلط فیصلہ پر بہت رنج و ملال ہوا اور وہیں اس امر کا برملا اظہار بھی کیا اور فرمایا: "رجل من اهل الجنة لا تجوز شهادته سمعت رسول الله يقول الحسن و الحسين سيدا شباب اهل الجنة" کیا جنتی مرد کی گواہی نافذ نہیں؟ میں نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں"۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۵)

علاوہ بریں دعوائے ہبہ میں جناب سیدہؑ کا حضرت امیرؑ اور ام ایمنؓ کو پیش کرنا اور آنجنابؑ کا حاضر ہو کر گواہی دینا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ شوہر کی شہادت بیوی کے حق میں اور اولاد کی شہادت والدین کے حق میں، نیز ایسی صورت میں ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت نافذ العمل ہے۔ ورنہ اہل بیت رسالتؑ ایسا نہ کرتے؟ کیا وہ مسئلہ جو مولوی کرم دین، پیر آف سیال شریف اور مولوی اشرف سیالوی کو معلوم ہے۔ وہ آلِ محمدؐ کو معلوم نہ تھا۔ ع

کچھ تو سوچو خدا کے لیے

اِدّعائے میراث

بہر کیف جب بی بی عالم سلام اللہ علیہا کے اِدّعائے ہبہ کو مسترد کر دیا گیا تو خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا نے اپنے دعوے کا عنوان بدل دیا کہ اگر یہ جاگیر فدک بطورِ ہبہ مجھے نہیں دیتے تو بطورِ میراث پدری دے دو۔ اوز یہ بات اربابِ عقل و علم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک ہی مقصد کے حصول کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں اور یہ کہ اگر ایک طریقہ سے کامیابی نہ ہو تو پھر دوسرا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

عنوان دعویٰ بدلنے کی نظیر

مثلاً جنابِ ابراہیمؑ نمرود کے سامنے اپنے پروردگار کی ان الفاظ میں معرفی کراتے ہیں: "ربی الذی یحی و یمیت"۔ میرا پروردگار وہ ہے جو مارتا ہے اور جِلاتا ہے۔ مگر جب نمرود نے انا احی و امیت کہا اور آنجنابؑ کے اس استدلال کو ٹھکرا دیا تو جنابِ خلیلؑ نے دوسرا طرزِ استدلال اختیار کیا اور

کہا: "فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب"۔ میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج نکالتا ہے اگر تُو اپنے دعوے میں سچا ہے تو تو اسے مغرب سے نکال لا۔ خلاصہ یہ ہے کہ: "فبھت الذی کفر"۔ نمرود مبہوت اور لاجواب ہو گیا تو جس طرح جنابِ ابراہیمؑ کے ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف عدول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی دلیل غلط یا ناقص تھی۔ اسی طرح جناب سیدہؑ کے پہلے دعویٰ سے عدول کرنے سے بھی یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ پہلا دعویٰ غلط تھا۔

اب یہ حقیقت ناقابل انکار شہادتوں سے ثابت ہے کہ جب دخترِ رسولؐ نے پہلی خلافت کے دربار میں دعوائے وراثت دائر کیا۔ اور خلیفہ صاحب نے ان کے جواب میں ایک من گھڑت حدیث پیش کی کہ "نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث مائر کنا صدقۃ"۔ ہم گروہ انبیاءؑ نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں۔ اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

(بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۲، جلد ۳ صفحہ ۱۱ طبع مصر مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۲ وغیرہ)

جناب سیدہؑ کا استدلال

تو عالمہ غیر معلّمہ بی بیؑ نے اس جعلی حدیث کے بالمقابل قرآن مجید کی مُتعدّد آیات سے استدلال کیا۔ جیسے: وورث سلیمان داؤد۔ رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی...... یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین"۔ اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا: "انتم تزعمون ان لا ارث ابی افعلی عمد ترکتم کتاب اللہ"۔ فزعتم ان لا حظ لی و لا ارث لی من ابی افحکم اللہ بانہ اخرج ابی منھا...... ۔ ام انتم اعلم بخصوص القرآن و عمومہ من ابی افحکم الجاھلیۃ تبغون......؟ تمہارا یہ گمان ہے کہ میں اپنے باپ کی وارث نہیں۔ کیا تم جان بوجھ کر کتابِ خدا کو چھوڑ رہے ہو؟ کیا خدا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میرے والد ان آیات (وراثت) سے خارج ہیں...... یا تم لوگ قرآنی عموم و خُصوص کے میرے باپ سے زیادہ عالم ہو؟ کیا تم جاہلیت والے احکام چاہتے ہو...... (شرح نہج البلاغہ حدیدی)

فضیلت النساء صفحہ ۱۶ تا صفحہ ۲۳ نیز ابوبکر سے فرمایا: "یا بن ابی قحافہ اترث اباک و لا ارث ابی......"۔ اے ابوقحافہ کے بیٹے! (کیا یہ انصاف ہے) کہ تُو تو اپنے باپ کا وارث بنے مگر میں اپنے باپ کی وارث نہ بن سکوں؟ (تذکرہ خواص الامۃ صفحہ ۱۷۹)

مگر افسوس! وہی لوگ جو کل رسولِ اسلامؐ کے قلم و دوات طلب کرنے کے وقت "حسبنا کتاب اللہ" کا نعرہ لگا رہے تھے آج قرآن کے مقابلہ میں خلافِ عقل و نقل ایک من گھڑت حدیث کا سہارا

لیتے ہوئے دختر رسولؐ کو ان کے حق سے محروم کر رہے تھے۔

الغرض فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمۃ منھا شیئاً۔ ابوبکر نے جناب سیدہ کو کچھ حق بھی دینے سے صاف انکار کر دیا۔ (صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ طبع مصر، جلد ۴ صفحہ ۱۷ امع الفتح طبع دہلی)

اس اباؤ انکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ "فوجدت او غضبت علی ابی بکرؓ وھجرتہ ولم تکلمہ حتی توفیت و عاشت بعد رسول اللہ ستۃ اشھر فلما توفیت دفنھا زوجھا علی لیلا ولم یؤذن بھا ابابکر"۔ جناب سیدہؑ ابوبکر پر غضبناک ہوگئیں اور تازیست ان سے مکمل بائیکاٹ کر لیا، اور آنحضرتؐ کے بعد کل چھ ماہ تک زندہ رہیں۔ جب فوت ہوگئیں تو ان کے شوہر علیؑ نے رات کے وقت ان کو دفن کیا۔ اور ابوبکر کو ان کی اطلاع تک نہ دی۔ (بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ طبع مصر جلد ۴ صفحہ ۱۷ امع الفتح طبع دہلی)

اور صحیح مسلم میں مذکور بالا عبارت پر اس قدر اضافہ ہے کہ "وصلی علیھا علیؑ"۔ (جلد ۲ صفحہ ۹۱) یعنی نماز جنازہ بھی حضرت علیؑ نے پڑھائی۔

اگرچہ یہ مضمون غیر معمولی طور پر طویل ہوتا جا رہا ہے۔ تاہم ذیل میں مذکور بالا بعض امور کی کچھ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ "لیھلك من ھلك عن بینۃ ویحی من حتی عن بینۃ"۔

حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث خلاف عقل وقرآن ہے

وہ موضوع حدیث جس سے تمسک کر کے ابوبکر نے جناب سیدہؑ کو پدری میراث سے محروم کیا۔ وہ بالکل خلاف عقل و قرآن ہے۔ اس لیے وہ استدلال کے قابل نہیں ہے۔ اس کا خلاف عقل ہونا بہ چند وجہ ہے:

اولاً: انبیاءؑ جو شریعت لاتے ہیں اس کے احکام خود ان پر بھی حاوی ہوتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ کا وجوب اور ان کی ادائیگی اور نواہی سے اجتناب...... تو حکم میراث سے وہ کیونکر خارج ہو سکتے ہیں؟

ثانیاً: ہر پیغمبرؑ کے پاس زمین اور جاگیریں تو نہ تھیں...... تو کیا ان کی وفات کے بعد ان کا اثاثہ البیت امت کے غربا میں تقسیم ہو جاتا تھا؟ اور ان کے ورثہ محروم ہوتے تھے؟ کیا تاریخ میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے؟ کیا خدا کو یہ منظور ہے کہ پیغمبرؑ کے اہل وعیال بھیک مانگ کر یا لوگوں کے عطیات وصدقات پر گزر بسر کریں؟

ثالثاً: اگر اس حدیث کی کوئی اصلیت ہوتی تو چاہیے تو یہ تھا کہ اس کے متعلقہ حضرات (علیؑ وفاطمہؑ

اور حسنینؑ) کو معلوم ہوتی اور آنحضرتؐ کا بھی فرض تھا کہ ان کو آگاہ فرما جاتے۔ تاکہ بعد میں کسی قسم کا تصادم اور اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ متعلقہ افراد کو تو اس کی اطلاع نہ دیں اور غیر متعلق آدمی (ابوبکر) کو بتا دیں؟ (کذا فی التفسیر الکبیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۰)

مگر ان ذواتِ مقدسہ کا دعویٰ دائر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے علم میں یہ حدیث نہ تھی۔ ورنہ آیت تطہیر کی مصداق ذواتِ قادسہ کا کذب لازم آئے گا۔ اس سے عیاں ہے کہ یہ یار لوگوں کی خانہ ساز ہے باقی رہا اس کا خلاف قرآن ہونا سو وہ بھی بچند وجہ ہے۔

اولاً: یہ عمومات قرآنی کے خلاف ہے۔ جیسے: ① "یو صیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین" اولاد کے بارے میں خدا تمھیں وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی کے دو برابر حصہ دو ② "ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان و الاقربون"۔ ہم نے ہر ایک کے وارث بنائے ہیں، جو کچھ والدین یا قرابدار چھوڑ جائیں اس میں انبیاءؑ اور غیر انبیاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

ازالۂ شبہ

کہا جاتا ہے کہ حدیث مخصص قرآن ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آیت فانکحوا...... لخ سے زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مگر آنحضرتؐ اس سے مستثنیٰ ہیں ...... اس کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً: تو یہ استثناء قرآن کی ایک دوسری آیت کے پیش نظر ہے۔ جس میں وارد ہے کہ "خالصۃ لک من دون المؤمنین"۔ یہ بات آپ سے مخصوص ہے دوسرے اہل ایمان اس میں شامل نہیں۔

ثانیاً: قطع نظر اس اختلاف سے جو خبر واحد کے مخصص عموم قرآنی ہونے کے بارے میں علمائے اصول کے درمیان ہے۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے (کما ھو الصحیح) تو یہ تب ہے کہ وہ خبر صحیح السند اور مسلم الثبوت ہو۔ مگر وہ خبر جو علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ جیسے معصوم ذوات مقدسہ کی نظر میں غلط ہے وہ کسی طرح بھی مخصص قرآن نہیں ہو سکتی۔ اوپر جناب سیدہؑ کا یہ کلام گزر چکا ہے کہ ام انتم اعلم بخصوص القرآن و عمومہ من ابی۔ کیا تم میرے باپ سے زیادہ قرآن کے عموم و خصوص کے عالم ہو؟ اس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہاں کوئی مخصص موجود نہیں ہے۔ و ھو المقصود

ثالثاً: یہ قرآنی واقعات و حکایات کے خلاف ہے۔ مثلاً خدا فرماتا ہے۔ وورث سلیمان داؤد، حضرت سلیمانؑ (اپنے باپ) داؤدؑ کے وارث ہوئے۔ "وانی خفت الموالی من ورائی و کانت امراۃ عاقرا

فھب لی من لدنك ولیا یرثنی و یرث من آل یعقوب"۔ حضرت زکریاؑ بارگاہِ ربوبیت میں عرض کرتے ہیں۔ مجھے اپنے وارثان بازگشت سے خوف ہے۔ اور میری عورت بانجھ ہے۔ مجھے اپنی بارگاہ سے ایسا وارث عطا کر جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے"۔

ان آیات سے واضح ہے کہ نبی نبیوں کے وارث ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا مضمون روایت کہ "نبی کسی کے وارث نہیں ہوتے"۔ بوجہ مخالف قرآن ہونے کے باطل ہے اور نا قابل قبول۔

کما لا یخفی علی ذوی العقول

ازالۂ شبہ

کہا جاتا ہے کہ یہاں وراثت سے مراد نبوت و حکمت ہے، نہ مال و منال۔ ورنہ وراثت مال میں صرف جناب سلیمانؑ نہیں۔ ان کے باقی اٹھارہ بھائی بھی تھے۔ اسی طرح جناب زکریاؑ کو مال کا اندیشہ نہ تھا۔ بلکہ ناخلف چچازاد بھائیوں سے اندیشہ تھا۔ ورنہ سارا مال موت سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کر سکتے تھے۔ نیز وہ مولود آل یعقوب کا مدت دراز کے بعد کیونکر وارث ہو سکتا تھا؟

تفسیر آیاتِ وراثتِ انبیاء علیہم السلام

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ اجتہاد فی مقابل النص ہونے کی بنا پر نا قابل توجہ ہے۔ کیونکہ فریقین کی کتب تفاسیر میں وارد ہے کہ یہاں وراثت سے مالی وراثت مراد ہے۔ چنانچہ آیت وورث سلیمان داؤد کے متعلق علامہ فخرالدین رازی کہتے ہیں:

"فقال الحسن المال و قال غیر النبوة و قال آخرون بل الملك و السیاسة" (الی ان قال) "فاما اذا قیل ورث المال و الملك معا فھذا الا یبطل بالوجوه التی ذکرناھا"۔

یعنی حسن (بصری) کہتے ہیں کہ یہاں مراد مال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ دوسرے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال و ملک ہے۔ اگر مذکورہ وجوہ کی بنا پر اس سے مال و ملک ہر دو کو مراد لیا جائے تو باطل نہیں ہے۔ عقلاً بھی یہی تفسیر درست ہے کہ یہاں وراثت سے وراثتِ مالی مراد ہے۔ ورنہ جناب سلیمانؑ نبی تو جناب داؤدؑ کی زندگی میں بھی تھے۔ اور علم و حکمت بھی اس قدر رکھتے تھے کہ مسئلہ غنم میں ان کا فیصلہ نافذ تھا۔ ففھمنا ھا سلیمان و کلا آتیناہ حکما و علما۔ علم تو ان کو بالاصل خدا سے حاصل تھا۔ اس میں وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی رہی ان کی تخصیص

باوجودیکہ دیگر بھائی بھی تھے۔ تو یہ ان کی عظمت شان بیان کرنے کے لیے ایسا کیا گیا۔ کما لا یخفی علی اولی الافہام۔

وراثتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان

بعض تفاسیر میں اس وراثت مالی کی تفصیل بھی موجود ہے چنانچہ تفسیر بیضاوی، کشاف، بحرالمعانی، مدارک اور معالم میں بذیل آیت مبارکہ "اذ عرض علیه بالعشی" لکھا ہے: "وورث سلیمان من ابیه داؤد الف فرس"۔ جناب سلیمانؑ نے اپنے باپ حضرت داؤدؑ سے وراثت میں ہزار گھوڑے پائے!......

دوسری آیت (فھب لی ولیا یرثنی) کے متعلق تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۷۶۷ میں لکھا ہے: "المراد بالمیراث فی الموضعین ھو وراثة المال و ھذا قول ابن عباس و الحسن و الضحاك"۔ یعنی دونوں مقامات (یرثنی و یرث من آل یعقوب) پر وراثت سے مراد مالی وراثت ہے۔ یہی ابن عباس، حسن بصری اور ضحاک کا قول ہے نووی نے شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۲ پر لکھا ہے کہ: "عن الحسن البصری یرثنی و یرث من آل یعقوب المراد و راثة المال و لو اراد و راثة النبوة لم یقل و انی خفت الموالی من ورائی الایه اذلا یخاف الموالی علی النبوة"۔ یعنی حسن بصری اس آیت کے متعلق کہتے ہیں: کہ وراثت سے مراد مال ہے۔ اگر ان (زکریاؑ) کی مراد نبوت ہوتی تو یہ نہ کہتے کہ مجھے وارثانِ بازگشت سے خوف ہے۔ کیونکہ نبوت پر کسی سے اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ اسے کہتے ہیں۔ ع

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

قول کا قول اور دلیل کی دلیل ہے۔ اس استدلال میں ان لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ جو یہاں وراثت سے مراد نبوت لیتے ہیں۔

جناب زکریاؑ کے موالی (چچازاد بھائی) اچھے تھے یا برے، نبوت کے بارے میں ان سے خوف کرنے کا کیا مطلب؟ خدا خود اپنے منصب جلیل کے لیے مناسب افراد منتخب کر لیتا ہے۔ وہ نہ بدکاروں کو ملتی ہے اور نہ ہی اس کی بربادی کا کوئی خطرہ ہوتا ہے۔ البتہ اگر ان کو کوئی خطرہ تھا تو اپنے مال کے متعلق کہ وہ اشرار سے کہ اسے معصیت خدا میں خرچ نہ کر دیں۔ علاوہ بریں جناب یحییٰؑ اپنے والد جناب زکریاؑ کے حین حیات میں مستقل نبی تھے۔ لہٰذا نبوت کو وراثت میں حاصل کرنے کا کیا مطلب؟ کیا نبوت کوئی موروثی چیز ہے؟۔ باقی رہا یہ خیال کہ تمام مال کو راہِ خدا میں خرچ کر دیتے۔ سو

واضح رہے کہ تمام مال خرچ کر کے خود کو فقیر و نادار بنا لینا اصولِ شریعت کے خلاف ہے۔ خدا فرماتا ہے: "ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا"۔ اس قدر ہاتھ کشادہ نہ کرو کہ قابل ملامت حالت میں بیٹھ رہو۔ آلِ یعقوب کے مال کے وارث ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ جناب زکریاؑ تک جو مال پہنچا تھا اس میں آلِ یعقوب کا مال بھی شامل تھا۔ اس طرح جو شخص بلاواسطہ جناب زکریاؑ کا وارث ہوگا وہ بالواسطہ آلِ یعقوب کا بھی وارث ہوگا۔

سخن شناس نہٗ دلبرا خطا اینجا است

علاوہ بریں وہ بزرگوار (جناب رسول خداؐ) جن کی طرف یہ حدیث منسوب ہے، خود ان کے متعلق کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے کہ ان کو متعدد چیزیں اپنے والد سے وراثت میں ملیں۔ چنانچہ سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۶۰، ۶۱ میں لکھا ہے: "ترک عبد الله (ابو محمدؐ) خمسة اجمال و قطعة من غنم فورث ذلک رسول الله من ابیه"۔ یعنی رسولؐ خدا کے والد جنابِ عبد اللہ نے پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں چھوڑیں، جن کے آنحضرتؐ وارث ہوئے۔

اسی کتاب کی جلد ۳ صفحہ ۳۶۶ پر لکھا ہے "سیف یقال له ماثور ورثه علیه السلام من ابیه" آنحضرت کی ماثور نامی ایک تلوار تھی، جو آپ کو اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی۔

شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۲ بحوالہ طبقات ابن سعد لکھا ہے: عبد اللہ نے اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمنؓ تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہؐ کو ترکہ (ورثہ) میں ملیں۔ اب ان حقائق کی روشنی میں اہل عقل و انصاف فرمائیں کہ یہ حدیث "گروہِ انبیاءؑ نہ کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ کوئی ان کا وارث ہوتا ہے کہاں تک صحیح ہے؟"۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

حدیث العلماء ورثة الانبیاءؑ کا جواب

مخالفین اس مقام پر اپنی گرتی ہوئی دیوارِ اعتقاد کو اصولِ کافی کی اس حدیث سے سہارا دینے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں، جس میں وارد ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے...... یہ سہارا بچند وجہ ناقابل استناد ہے:

اولاً: یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا راوی ابو البختری (وہب بن وہب) ہے اور وہ اکذب البریہ ہے۔ جیسا کہ رجال کشی صفحہ ۱۹۹ اور رجال نجاشی صفحہ ۳۰۳ ہر دو طبع بمبئی میں مذکور ہے اور

علامہ جلال الدین سیوطی نے اللئالی المصنوعہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵، ۱۶۶ طبع مصر میں اس کے متعلق لکھا ہے: "من کبار الوضاعین" بہت بڑے حدیث سازوں میں سے ہے۔ اس لیے یہ حدیث ناقابل اعتماد ہے۔

ثانیاً: بنابر تسلیم اس کا مطلب وہ نہیں جو اہل خلاف لیتے ہیں۔ یہ تو "کلمۃ حق یُراد بہا الباطل" والا معاملہ ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انبیاءؑ کی وراثت دو قسم کی ہوتی ہے ① مالی ② علمی۔ مال کے وارث ان کے رشتہ دار اور علم کے وارث علماء کبار ہوتے ہیں۔ جب امامؑ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔

تو یہاں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید ان کے مال کے وارث بھی علماء ہوں گے۔ اس لیے ازالۂ وہم کی خاطر فرمایا کہ: یہ صرف علم کے وارث ہیں، نہ درہم و دینار کے۔ کیونکہ اس کے وارث تو ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

دفع دخل مقدّر

یہ خیال کہ وارث تو اور بھی تھے۔ چچا عباسؓ، ازواج تو اس کے متعلق واضح رہے کہ یہ بات اپنے مقام (فقہ جعفری) میں دلائل و براہین سے ثابت کی جا چکی ہے کہ اولاد کی موجودگی میں چچاؤں کو کچھ نہیں ملتا۔ اور جائداد غیر منقولہ سے ازواج محروم الارث ہوتی ہیں۔

لہٰذا آنحضرت ﷺ کی جائداد غیر منقولہ کی واحد وارث جناب سیدہ ہی تھیں۔ نصف کی بالفرض اور نصف کی بالرد۔

فتدبر ولا تکن من الکافرین

عمل علوی والے شُبہ کا جواب

مؤلف نے دیگر مناظرین اہل سنت کی طرح یہاں اپنے موقف کی تائید میں حضرت امیر علیہ السلام کے عمل کا بھی سہارا لیا ہے کہ انھوں نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں فدک کو واپس نہیں کیا...... سو اس کا جواب واضح ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ظاہری مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد فرمایا تھا: "لو قد استوت قدمای من ہذہ المداحض لغیرت الاشیاء" (نہج البلاغہ) اگر مجھے ثابت قدمی حاصل ہو گئی تو میں بہت سی اصلاحات کروں گا۔ معلوم ہوا کہ یہ اصلاحات ثبات قدم حاصل

ہونے کے ساتھ مشروط تھیں۔ چنانچہ مؤلف کے بزرگوں کی وجہ سے نہ آنجنابؑ کو ثبات قدم حاصل ہوا اور نہ وہ یہ موعودہ اصلاحات کر سکے۔ کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ "اذا فات الشرط فات المشروط"۔ اگر اس امر کی صراحت مطلوب ہو کہ جنابؑ امیر علیہ السلام فدک کو اپنا مغصوبہ مال سمجھتے تھے تو اس سلسلہ میں آنجنابؑ کا یہ کلام بطورِ نص صریح موجود ہے۔ فرماتے ہیں: "بلی کانت فی ایدینا فدك من کل ما اظلته السماء فتحت علیه نفوس قوم و سخت عنها نفوس آخرین و نعم الحکم الله"۔ جو کچھ زیر آسمان ہے، اس میں صرف فدک ہی ہمارے قبضہ میں تھا۔ اس کے متعلق کچھ لوگوں نے بخل سے کام لیا (ہم سے غصب کر لیا) اور کچھ لوگوں نے سخاوت سے کام لیا (ہم سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا) خدا ہی بہتر حکم کرنے والا ہے۔ (نہج البلاغہ ۲ صفحہ ۹۳ طبع مصر)

کتاب الروضہ کی جس روایت پر مؤلف نے ایراد کیا ہے۔ یہ ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔ ورنہ جن لوگوں کی اس حقیقت پر نگاہ ہے کہ جناب امیرؑ خانہ جنگیوں اور سازشیوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار تھے۔ اور آپ کے ہمراہی تمام نہیں تو اکثر ایسے تھے، جو ابوبکر عمر عثمان کو خلفاء برحق جانتے تھے۔ دریں حالات ان خلفاء کے بدعات واحداث کا قلع قمع کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جو کچھ جناب نے کیا، وہی عقل وخرد کا تقاضا تھا۔ علاوہ بریں اس روایت سے بھی اتنا تو واضح ہے کہ آنجنابؑ ان خلفاء کو خدا اور رسول کا مخالف اور بدعات کا مرتکب سمجھتے تھے۔ لہذا اس سے مؤلف کی تردید ہوتی ہے، نہ کہ تائید۔

لمحہ فکریہ

علاوہ بریں اہل سنت کے لیے اس بات میں بھی لمحہ فکریہ ہے کہ ان کے ایک خلیفہ نے فدک غصب کیا۔ اور دو خلیفوں نے یکے بعد دیگرے اسے اولادِ فاطمہؑ کو واپس کیا۔ ایک عمر بن عبد العزیز اموی نے اور دوسرے مامون عباسی نے (فتوح البلدان صفحہ ۴۰، معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۴۵) اب کس خلیفہ کا عمل صحیح تھا۔ اور کس کی کارروائی غلط تھی؟ بینوا توجروا۔

جناب سیدہؑ کی ناراضی

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اس واقعہ کے سلسلہ میں ابوبکر پر سخت ناراض ہوئیں اور تادم زیست ان سے بات نہ کی۔ اور ان کو اپنی نمازِ جنازہ میں شرکت سے بھی منع کر دیا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ جب صحاحِ ستہ کی بھی سرتاج بخاری ومسلم کی روایات کا بھی

اِنکار کر دیا جائے، تو پھر کس کتاب کا حوالہ پیش کیا جائے۔ حالانکہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صفحہ ۱۰۶ طبع مصر پر وضاحت سے لکھا ہے کہ: "جو شخص بخاری و مسلم کی کسی حدیث کا اِنکار کرے وہ مذہب اہل سنت سے خارج ہو جاتا ہے اور گمراہ و بدعتی قرار پاتا ہے"۔

مؤلف نے "بتول" کا معنی "تارک الدنیا" کر کے چند کھجوروں کی خاطر کچہری میں جا کر مقدمہ پیش کرنے کو بھی ان کے شان کے خلاف قرار دے کر اسے غلط قرار دینے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ حالانکہ "بتول" کے معنی ہیں: "وہ عورت جو نسوانی نقائص سے پاک ہو"۔ ترکِ دُنیا کر کے رہبانیت اِختیار کرنا اِسلام میں روا نہیں ہے۔ بی بی عالمؑ کا دروازہ عین مسجد میں کھلتا تھا۔ اور دربارِ خلافت مسجد میں تھا۔ لہٰذا اگر انھوں نے باپردہ ہو کر اپنا دعویٰ پیش کیا، تو اس میں کیا جائے تعجب ہے؟ اور اپنے حق کا مطالبہ کرنا تھوڑا ہو یا زیادہ عقلاً و شرعاً قبیح نہیں ہے۔ بلکہ "حسن" ہے اور اس اِعتبار سے کہ اس سے بے ایمانی کی بے ایمانی اُجاگر ہوتی ہے "احسن" ہے۔ علاوہ ازیں اُوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ فدک چند کھجوروں کا نہیں بلکہ ایک پورے گاؤں کا نام ہے، اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ چند کھوریں تھیں۔ تو اس سے خلیفہ صاحب کی رہی سہی ساکھ کا بھی جنازہ نکل جائے گا کہ چند کھجوروں کی خاطر دخترِ رسولؐ کو ناراض کیا۔

وجدت کا معنی ندامت کرنا جہالت، مرکبہ ہے

مؤلف کا یہ کہنا کہ بخاری و مسلم میں لفظ "وجدت" وارد ہے۔ اور اس کے معنی ہیں "ندامت" بی بی سوال کر کے نادم ہوئیں (معاذاللہ) تین وجوہ سے غلط ہے۔

اولاً: تو خود بخاری میں لفظ "غضبت فاطمہ" موجود ہے (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ طبع مصر)

ثانیاً: مؤلف کا یہ کہنا کہ "وجدت" کا معنی ہے "ندامت" اور اس سلسلہ میں حاشیہ قاموس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ جو سراسر جھوٹ ہے، اور مؤلف کی جہالت و ضلالت کی واضح دلیل ہے۔ قاموس کیا کسی بھی لغت عرب میں اس بات کا نام و نشان ہی نہیں ہے بلکہ "وجد" کے معنی خصُوصاً جبکہ اس کا صلہ "علیٰ" کے ساتھ ہو "وجد فلان علی فلان" سوائے ناراضی کے اور کوئی ہوتے ہی نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں قاموس المنجد، لسان العرب، منتہی الارب، صراح، نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار پٹنی وغیرہ کتب لغت دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم کی چند روایات میں "وجدت فاطمۃ علی فلان" وارد ہے۔ وہاں بخاری و مسلم کے کئی شارحین حضرات نے اس کے معنی "غضبت" ہی لکھے ہیں۔

ثالثاً: یہ کہنا کہ "اپنے آپ پر ناراض ہوئیں"۔ ہر قسم کے حالات اور عبارات کے سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے ایسی بے تکی بات کہنا، دھاندلی و بے انصافی کی بدترین مثال ہے۔

ورنہ علاوہ دوسری بیسیوں کتب کے خود بخاری و مسلم کی متعدد روایات میں وارد ہے کہ: "ابوبکر پر ناراض ہوئیں اور ان سے مکمل بائیکاٹ کر لیا اور اُن سے بات چیت بند کر دی"۔ ان حیلوں بہانوں سے ابوبکر کو جناب خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کی ناراضی سے ہرگز نہیں بچایا جا سکتا۔ ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی ناراضی خدا اور رسولؐ کی ناراضی کا باعث ہے

علاوہ دیگر بے شمار کتب کے خود بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی رضا خدا اور رسولؐ کی رضا اور اُن کی ناراضی خدا اور رسولؐ کی ناراضی کا موجب ہے۔ چنانچہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی"...... (وفی روایة) "یرضینی ما ارضا و یؤذینی ما اذاها" (وفی روایة) "من اذاها فقد آذانی و من اغضبها فقد اغضبنی"...... (بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۹۰...... وطبع مصر جلد ۱ صفحہ ۱۸۷، ۱۶۱، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۹۰۔ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۲۵ طبع لاہور...... روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۳۲۲ وغیرہ)

اس سے روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہے کہ جناب سیدہؑ کی اذیت رسانی خدا اور رسولؐ کی اذیت کا باعث ہے۔ اور ان کی ناراضی خدا اور رسولؐ کی ناراضی ہے۔ اور اب ان کی ناراضی یقیناً صریح کفر ہے۔

خدا اور رسولؐ کو ایذا دینے والوں کی سزا

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا اور رسول کو ایذا دینے والوں کی سزا کیا ہے؟ ارشاد قدرت ہے: "ان الذین یؤذون اللہ و رسوله لعنهم اللہ فی الدنیا و الآخرة و اعدلهم عذابا مهینا"۔ جو لوگ خدا اور رسولؐ کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ ان پر خدا نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (جس کے لیے مخدومہ کونینؑ کو ناراض کرنے والوں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو تیار رہنا چاہیے۔)

مؤلف کے ایرادات ثلاثہ کے جوابات

مؤلف نے اس ناراضی کے وزن کو ہلکا کرنے کے لیے بزعم خود بعض ایرادات کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "اغضاب" کا مطلب ہے جس نے دانستہ آپ کو غضبناک کیا۔ اور ابوبکر نے ایسا نہیں کیا۔ یہ ایراد بدو وجہ باطل ہے۔ اولاً یہ کہنا کہ "اغضاب" میں قصد شرط ہے۔ درست نہیں بلکہ اس کا صاف مطلب ہے کسی کو ناراض کرنا۔ (بای نحو کان) بقول خود مؤلف جب جناب سیّدہ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت علیؑ دختر ابوجہل سے عقد کر رہے ہیں۔ تو وہ غضبناک ہوئیں۔ اور جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "من اغضبها فقد اغضبنی"......تو کیا جناب امیرؑ نے جناب سیّدہ کو غضبناک کرنے کا قصد کیا تھا؟

ثانیاً: کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۱۵ طبع مصر سے واضح ہے کہ خود ابوبکر و عمر کو اعتراف تھا کہ انھوں نے بی بیؑ کو غضبناک کیا ہے چنانچہ لکھا ہے: قال ابوبکر لعمر انطلق بنا الی فاطمۃ فانا قد اغضبناها۔ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ ہمارے ساتھ فاطمہؑ کے پاس چلو کیونکہ ہم نے انھیں غضبناک کیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ مؤلف کا برأت ابوبکر کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا۔ مدعی ست اور گواہ چست والی مثل کا مصداق ہے۔

روایاتِ نازک مزاجی کا جواب

مؤلف نے بزعم خود اس مقام پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب سیدہؑ بوجہ شہزادی ہونے کے نازک مزاج تھیں۔ اس لیے وہ معمولی معمولی باتوں پر ناراض ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے بعض ضعیف آثار و اخبار کا سہارا بھی لیا ہے۔ جو مُسلمہ حقائق سے مُتصادم ہونے کی بنا پر نا قابل اعتبار ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں کہ وہ شہزادی ضرور تھیں لیکن نہ دنیا کی شہزادیوں کی طرح، بلکہ وہ ایسی شہزادی کونینؑ تھیں، جو چرخہ خود کاتتی، چکی خود پیستی، جھاڑو خود دیتیں اور گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں۔ لہٰذا ان کا دُنیوی شہزادیوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو بالاتفاق باطل ہے۔ جلاء العیون کے حوالہ سے جو بعض واقعات مؤلف نے پیش کیے ہیں۔ وہ فی نفسہ بے سند و مرسل اور صحیح تاریخی حقائق کے معارض ہونے کی وجہ سے نا قابل اعتماد ہیں۔ مثلاً حضرت علیؑ کے ساتھ جناب سیدہ کے عقد کے وقت آنحضرتؐ کے ساتھ ان کا جو مکالمہ درج ہے، وہ روایۃ و درایۃ شانِ سیدہؑ کے بالکل منافی ہے۔ صحیح روایات میں صرف اس قدر وارد ہے کہ جب جناب رسولؐ خدا نے اپنی دختر نیک اختر سے اجازت حاصل کرنا چاہی تو بی بی عالمؑ خاموش ہوگئیں۔ آنحضرتؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے

فرمایا: "اللہ اکبر سکوتہا رضاہا" ۔ان کی خاموشی ان کی رضا کی علامت ہے۔ (منتہی الامال وغیرہ)

اسی طرح کنیز والا واقعہ بالکل بے بنیاد ہے، اور عصمت مآب بی بیؑ کی جلالت شان سے بعید ہے کہ ایک جائز اور مباح بات سے ناراض ہوں۔ علاوہ بریں علامہ مجلسیؒ نے یہ واقعہ لکھ کر اس کی خود ایک مناسب تاویل کر دی ہے۔

اسی طرح جناب امیر علیہ السلام کا دختر ابوجہل کے ساتھ عقد کرنے کا ارادہ اور جناب سیدہؑ کی ناراضی والا واقعہ بھی ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ رحمۃ نے علل الشرائع میں اس واقعہ کی رد کرتے ہوئے فرمایا: "الخبر عندی لیس بمعتمد ولا ھولی بمعتقد لان علیا و فاطمۃ ما کان یقع بینھما کلام یحتاج رسول اللہ الی الاصلاح بینھما بکلام لانہ علیہ الصلوۃ سید الوصیین و ھی سیدۃ نساء العالمین"۔ یعنی یہ خبر میرے نزدیک قابل اعتقاد و اعتماد نہیں ہے۔ کیونکہ جناب علیؑ سید اولیاء اور جناب فاطمہؑ سیدۃ النساء تھیں۔ ان کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ ان کے درمیان ایسا نزاع واقع ہو کہ جناب رسول خداؐ کو صلح کرانے کی ضرورت پیش آئے۔ نیز آنحضرتؐ بھی ایک جائز کام کا برا مناتیں۔ یہ شانِ رسالت کے منافی ہے۔

اسی طرح محدث عبدالحق دہلوی نے بھی مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۸۵ طبع نولکشور پر اس واقعہ کی تردید کی ہے۔

علاوہ بریں یہاں ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اولاً تو ان اخبار و آثار میں "جناب سیدہؑ کا حضرت امیرؑ پر غضبناک ہونا" مذکور نہیں صرف یہ وارد ہے کہ آپ رنجیدہ ہوئیں، آپ کو حزن و ملال ہوا وغیرہ وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ان دو باتوں میں نمایاں فرق ہے۔

ثانیاً: انکشاف حقیقت کے بعد فوراً ان کا راضی ہو جانا اور حزن و ملال کا زائل ہو جانا بھی ثابت ہے۔ جس کی نظیر جناب موسیٰؑ و ہارونؑ کے قصہ میں موجود ہے کہ سوئے تفاہم سے معمولی سی باہمی رنجش پیدا ہوئی اور انکشاف حقیقت کے بعد فوراً زائل ہو گئی اور صفائی ہوگئی مگر ابوبکر کے معاملہ میں تو یہ ناراضی تازیست باقی رہی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ناراضی صرف بتقاضائے بشریت نہ تھی کیونکہ اولاً تو بی بی عالمؑ آیت تطہیر کا مصداق اور درجۂ عصمت پر فائز ہونے کے سبب بشری کمزوریوں سے منزہ و مبرا تھیں۔

ثانیاً اگر بالفرض ناراضی بتقاضائے بشریت ہوتی تو فوراً زائل ہو جاتی ہے مگر یہاں تو مدت العمر تک ان کا ناراض رہنا ثابت ہے۔

رضامندیٔ سیدہؑ والی روایت کا جواب

مؤلف نے تمام تاریخی مسلمات سے آنکھیں بند کر کے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تقلید کرتے ہوئے کسی مجہول المصنف اور مجہول الحال کتاب مسمّی بہ مجاج السالکین سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جناب سیدہ ابوبکر پر راضی ہوگئی تھیں۔ سچ ہے۔ "الغریق یتثبت بکل حشیش" غالباً سب سے پہلے اس افترا پردازی کا سہرا شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے سر باندھا پھر بعد والے مصنّفین اہل سنت نے بلا سوچے سمجھے اسے نقل کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس نام کی کسی کتاب کا وجود موصوف کے نہاں خانہ دماغ میں ہو تو ہو ورنہ اور تو کہیں اس کا نام و نشان بھی موجود نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ہو بھی تو تمام کتب معتبرہ اور تاریخی مُسلّمہ واقعات کو نظر انداز کر کے صرف اس مرسل و مقطوع روایت کو کس طرح آنکھیں بند کر کے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۱۵ طبع مصر میں ہے کہ جب ابوبکر و عمر جناب سیدہؑ کے آخری ایام حیات میں ان کو راضی کرنے کے لیے ان کے گھر گئے اور بڑی رد و قدح کے بعد اذنِ باریابی ملا تو شیخین نے جا کر سلام کیا...... بی بی عالمؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ابوبکر نے سلسلۂ کلام کا آغاز کیا۔ جناب سیدہؑ نے جواب میں فرمایا: میں تم دونوں سے خدا کو گواہ کر کے پوچھتی ہوں کہ آیا تم نے جنابِ رسولِ خداؐ سے یہ سنا تھا کہ فاطمہؑ کی رضامندی میری رضامندی اور فاطمہؑ کی ناراضی میری ناراضی ہے؟۔ دونوں نے اقرار کیا۔ اس وقت جناب سیدہؑ نے فرمایا: میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور رضامند نہیں کیا۔ میں جب بابا سے ملوں گی تو تم دونوں کی شکایت کروں گی۔ پھر ابوبکر سے خطاب کر کے فرمایا میں جب تک زندہ ہوں ہر نماز کے بعد تم پر بددعا کروں گی۔ اس کے بعد شیخین اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ علاوہ بریں اس روایت میں "رضیت بذلک" وارد ہے۔ نہ کہ "رضیت عنہ" اور ارباب علم جانتے ہیں کہ جب "رضی" کا صلہ "باء" کے ساتھ ہو تو اس کے معنی قناعت کے ہوتے ہیں نہ کہ رضامندی کے۔ لہٰذا بنا بر تسلیم مقصد یہ ہے کہ بامر مجبوری خاتونِ جنتؑ نے اس مقدار پر قناعت کر لی، جو مل رہی تھیں۔ اس میں یہ کہاں وارد ہے کہ ابوبکر پر راضی ہوگئیں۔ یہ بات تمام اہل سنت مل کر بھی صبح قیامت کے طلوع ہونے تک ثابت نہیں کر سکتے۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔

بنت رسول ﷺ کی اپنے جنازہ میں شیخین کو شامل نہ کرنے کی وصیّت

بخاری و مسلم میں تو صرف اس قدر ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے جناب سیّدہ کو بوقت شب دفن کیا اور ابوبکر کو اطلاع نہ دی۔ مگر دوسری بکثرت کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کارروائی جناب سیدہؑ کی وصیّت کے مطابق کی گئی تھی۔ چنانچہ روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۴۳۴ میں ہے: "و نماز بروئے علی، و بقول عباس گذارد، روز دیگر ابو بکر صدیق و عمر فاروق و سائر اشراف صحابہ باعلی معاتبہ می کردند کہ چوں مارا خبر نکردی تا شرف نماز بر او دریافتمی۔ علیؑ عذر گفت من بر وصیت او چنین کردم" (کذا فی مدارج النبوۃ) یعنی دوسرے دن ابوبکر و عمر وغیرہ نے حضرت علیؑ سے شکوہ کیا کہ ہمیں کیوں اطلاع نہ دی تاکہ ہم بھی نماز جنازہ کا شرف حاصل کرتے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا میں نے بی بیؑ کی وصیت پر ایسا کیا ہے۔ کتاب وفاء الوفاء سمہودی جلد ۲ صفحہ ۹۲ طبع مصر میں لکھا ہے: "ان ابابکر علم ذلک واحب ان لا یرد غرض علیؑ کتمانہ منہ"۔ یعنی ابوبکر کو (وفات سیدہؑ) کا علم تو ہوگیا تھا مگر اس نے چاہا کہ حضرت علیؑ کی پوشیدہ رکھنے کی جو غرض ہے وہ پوری ہوجائے (اس لیے جنازہ میں شریک ہونے کی کوشش نہ کی۔)

ایک عجیب دروغ بے فروغ

ان لوگوں کی ڈھٹائی قابل داد ہے، اگرچہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ابھی اوپر کتب اہلسنّت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ ابوبکر و عمر جناب سیدہؑ کے جنازہ میں شریک بھی نہ تھے۔ مگر ہمارے فاضل مؤلف یہ راگ الاپتے ہیں کہ بنت رسولؐ کی نمازِ جنازہ ابوبکر نے پڑھائی اور وہ بھی چار تکبیر "یک نہ شد دو شد" سچ ہے: ع

بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

حالانکہ مؤلف نے جو حوالہ دیا ہے ان کے اکابر علماء اسے رد کر چکے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۹ پر اور زرقانی شرح مواہب جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ پر یہی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں: "هذا فيه ضعف و انقطاع"...... اور سیرۃ حلبیہ صفحہ ۳۹۰ میں لکھا ہے: "ثبت عندنا ان عليا كرم الله وجهه دفنها رضی الله عنها ليلا و صلى عليها"...... یہ بات ہمارے نزدیک پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہ کو رات کے وقت دفن کیا اور خود ان پر نمازِ جنازہ پڑھائی۔

واقعہ فدک سے سنیوں کی گلو خلاصی ناممکن ہے

الغرض اہل سنت جس قدر چاہیں ہاتھ پیر ماریں واقعہ فدک سے ان کی اور ان کے خلیفہ کی گلو خلاصی ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لیے محدث عبدالحق دہلوی نے تسلیم کیا ہے کہ: "مشکل ترین قضایا قضیہ فدك است"۔

واقعہ فدک پر بعض منصف مزاج علماء اہل سنت کا بے لاگ تبصرہ

آخر کلام میں واقعہ فدک اور آزردگی بتولؑ اور جفا کاری امت رسولؐ کے متعلق بعض اہل انصاف علماء اہل سنت کا بے لاگ تبصرہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔

① مولانا صدر الدین حنفی اپنی کتاب رواج المصطفیٰ طبع کانپور صفحہ ۶۶، ۶۷ پر لکھتے ہیں: "بعد از وفات پیغمبر واقعاتِ بسیار گذشته مثل معامله فدکو سقط شدن حمل و تهدید نمودن عمر خطاب بنی هاشم راکه در خانه زهراء اجتماع نمودهبودند و ناله و شیون نمودن حضرت زهراً پیش انصار طولے وارد و ذکر نکردن اولی تراست ـ وصیت نمودن حضرت زهراًکه هیچ کس بر جنازه او حاضر نه شود ـ دلیل صریح است که حضرت زهراً آزرده و ملول از دنیا رفت ـ اکنون تاویل هر چه خواهند کنند ـ و مرثیه برائے پیغمبر انشاء موده یك بیت از اول قصیده ایں است"۔

صبت علیّ مصائب لو انها
صبت علی الایام صرن لیالیا

② مولانا حافظ نذیر احمد مترجم قرآن دہلوی اپنی کتاب رویائے صادقہ صفحہ ۱۹۹ طبع پنجم پر لکھتے ہیں: "جو شخص سب سے زیادہ پیغمبرؐ کی وفات سے متاذی ہوا وہ جناب فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں اور اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحبؐ تھے۔ اور باپ بھی کیسے باپ؟ دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم ہونا۔ نمک بر جراحت ترکہ پدری باغِ فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مرجاتا۔ مگر ان کے صبر و ضبط ان ہی کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی مہینہ کے اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں، ان لوگوں سے جنھوں

نے رنج دیے تھے، نہ بولیں نہ بات کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازہ پر آنے کی مناہی کر دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون"۔

مانا کہ ان کا غصہ کسی قدر بے جا بھی تھا) معاذ اللہ ناقل (تاہم اُن کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے؟ جناب فاطمہؑ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے جناب علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے (معاذ اللہ...... ناقل) برائے نام خلافت دے دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیتا۔ مگر باغِ فدک کے دینے میں آخر کونسی قباحت تھی؟" غایۃ ما فی الباب حدیث شریف نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" کے خلاف ہوتا۔ اگر گناہ ہوتا تو جناب فاطمہؑ کو ہوتا جو سیدانی ہو کر صدقہ کھاتیں۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبوت کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیے تھا اس میں ضعف آگیا۔ اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا اس نا قابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مُسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں۔ و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلون۔

نوٹ: اور جہاں تک ابن شہاب زہری کے تشیّع کا تعلق ہے تو اس پر" تنزیہ الامامیہ" میں اس قدر تبصرہ کر دیا گیا ہے کہ اس پر مزید کسی قسم کی گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اہل سنت کے رجالی علماء کے بیانات سے ثابت کیا گیا ہے کہ کسی راوی میں مطلق تشیّع کا پایا جانا قبول روایت میں قادح نہیں ہے، جب تک اس کا تشیّع حد رفض تک نہ پہنچ جائے۔ یعنی جب تک اس کے بارے میں ثابت نہ ہو جائے کہ وہ اصحاب ثلاثہ کو کافر کہنا اور اُن کو گالیاں دینا جائز جانتا تھا۔ سیالوی صاحب نے" کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مصداق ہاتھ پاؤں تو بہت مارے مگر وہ ابن شہاب زہری کا تشیّع مع الرفض ثابت نہیں کر سکے۔ علاوہ بریں ان کا یہ کہنا کہ ابن شہاب زہری کا نام محمد بن مسلم تھا اور وہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ فحش غلطی ہے۔ ابن شہاب کی آمدورفت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تک محدود تھی۔ وہ محمد بن مسلم جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے، وہ اور بزرگوار ہیں۔ علاوہ بریں قضیۂ فدک کی روایات کا صرف ابن شہاب زہری میں مُنحصر قرار دینا ڈبل جہالت ہے۔ ورنہ یہ روایت اور بہت سے راویوں سے بھی مروی ہے۔ فراجع

والحمد للہ علی احقاق الحق و ابطال الباطل و یحق اللہ الحق بکلماتہ

قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

فصل پنجم

چار تکبیر نمازِ جنازہ کا مسئلہ

① رسالہ مذہب شیعہ:

عقائد کے متعلق تو نمونہ کے طور پر بعض روایات پیش کی گئیں۔ اب اعمال کے متعلق بھی ایک روایت مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے، جو نماز جنازہ میں تکبیروں کے بارے میں ہے۔ فروع کافی جلد ا صفحہ ۹۵ پر درج ہے: "عن محمد بن مهاجر عن ام سلمه قالت سمعت ابا عبدالله علیه السلام يقول كان رسول الله اذا صلى على ميت الخ"۔

یعنی حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ...... شروع میں جب میت پر نماز پڑھتے تھے تو تکبیر کہتے پھر تشہد یعنی شہادتین پڑھتے۔ پھر دوسری تکبیر کے بعد انبیاء کرام پر درود بھیجتے۔ تیسری تکبیر کہتے اور مؤمنین کے لیے دعا مانگتے، پھر چوتھی تکبیر کہتے اور میت کے لیے دعا مانگتے، پھر پانچویں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا تو اس کے بعد جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے۔ اس ترتیب کے ساتھ کہ پہلی تکبیر کے بعد شہادتین، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف تیسری تکبیر کے بعد مومنین کے لیے دعا فرماتے۔ پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرتے تھے۔

اب منافقین پر پانچ تکبیریں اور مؤمنین پر چار تکبیریں پڑھا جانا ائمہ معصومینؑ کی روایت سے کس طرح واضح ہے۔ اور امام عالی مقامؑ کی روایت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ جب منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا گیا، تو اس کے بعد ہمیشہ چار تکبیریں ہی پڑھی جاتی تھیں"۔ (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۱۰۸)

② رسالہ تنزیہ الامامیہ:

پیر سیالوی صاحب نے اصولی باتیں (اگرچہ وہ بھی بے اصولی تھیں) کرتے کرتے اچانک بعض فروعی باتوں کا ذکر چھیڑ دیا ہے اور فروع کافی سے ایک روایت نقل کر کے لگے ہاتھوں یہ بھی

ثابت کرنے کی لاحاصل سعی کی ہے کہ مؤمن پر چار تکبیر نماز جنازہ پڑھنا سنت رسولؐ ہے۔ اور پھر حسب عادت اس پر خوب حاشیہ آرائی بھی فرمائی ہے۔ اور اپنی کوتاہ اندیشی و بے سوادی سے اتنا بھی نہیں سوچا کہ حدیث شریف کا غلط مطلب سمجھ کر اپنے علم و فضل اور عقل و دانش کا جنازہ نکال رہے ہیں۔ معصومین علیہم السلام کے کلام معجز نظام کا صحیح مفہوم سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں: "ان حدیثنا صعب مستصعب لا یحتمله الا ملك مقرب او نبی مرسل او مومن امتحن الله قلبه للایمان" (اصول کافی و بصائر الدرجات وغیرہ) ہماری احادیث مُشکل ہیں، ان کو ملک مقرب یا نبی مرسل یا مومن ممتحن ہی برداشت کر سکتے ہیں اور یہ سعادت پیر صاحب سیالوی کو کہاں حاصل ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

کیونکہ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بہر حال موصوف نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۰۹ پر فروع کافی جلد ا صفحہ ۹۵ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ: "آنحضرتؐ منافقوں پر دعائے خیر کی ممانعت سے قبل پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔ اور جب یہ ممانعت ہوگئی تو پھر چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے"۔ اس روایت سے پیر صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اب منافقوں پر پانچ تکبیریں اور مؤمنین پر چار تکبیریں پڑھا جانا ائمہ معصومینؑ کی روایت سے کس طرح واضح ہے۔

اب ذرا اصل حقیقت ملاحظہ کیجیے۔ فروع کافی کے جس باب میں یہ حدیث مرقوم ہے، اس کا عنوان ہے: "علة تکبیر الخمس علی الجنازة" (نماز جنازہ پر پانچ تکبیر پڑھنے کی علت) اس باب میں کل پانچ روایات ہیں، جن میں سے تیسری روایت وہ ہے۔ جو موصوف نے نقل کی ہے۔ ان روایات میں پانچ تکبیر پڑھنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ پانچ وقت کی نماز واجب ہے۔ لہٰذا جنازہ میں ہر نماز کی جگہ ایک تکبیر مقرر کی گئی ہے۔ اس تیسری روایت کا مفہوم بھی یہی ہے۔ کہ آنحضرت کو جب تک منافقین کے لیے دعا کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی تھی۔ وہ سب مرنے والوں پر مومن ہوتے یا منافق پانچ تکبیریں ہی پڑھتے تھے۔ اور جب یہ ممانعت ہوگئی تو اس کے بعد منافقین پر چار اور مومنین پر پانچ پڑھا کرتے تھے۔ یہ ہے اس حدیث کا صاف و صریح مفہوم جو سرکار علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول فی شرح الاصول جلد ۳ صفحہ ۶۸ پر بیان فرمایا ہے اور اس کی حرف

بہ حرف تائید اسی باب کی حدیث نمبر ۲ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "کان رسول اللہ یکبر علی قوم خمسًا و علی قوم آخرین اربعا فاذا اکبر علی رجل اربعًا انهم یعنی بالنفاق"۔ (فروع کافی مع شرح مرآۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۶۸ فروع طبع لکھنؤ جلد ا صفحہ ۹۵)

یعنی جناب رسولؐ خدا کچھ لوگوں) اہل ایمان (پر پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے اور بعض (نافقین) پر چار اور جب آنحضرتؐ کسی میت پر چار تکبیریں پڑھتے تھے تو اسے منافق سمجھا جاتا تھا۔ پس بنابریں حقائق بروایت ائمہ معصومینؑ ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلامؐ کا اسوۂ حسنہ یہ تھا کہ وہ مومنین پر پانچ تکبیریں اور منافقین پر چار تکبّریں پڑھا کرتے تھے۔ بعد میں مسلمانوں کے خلیفہ دوم کو یہ چار تکبیریں کچھ ایسی پسند آئیں کہ جبری حکم نافذ کر دیا کہ تمام اموات پر ہمیشہ چار تکبیریں ہی پڑھی جائیں۔ اب پیر صاحب کے الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ: "منشی قضاء وقدر نے ان دونوں قسموں کی نماز جنازہ کو دونوں فرقوں کی قسمت میں الگ الگ لکھ دیا ہے"۔ یعنی اہل ایمان کو پانچ تکبّریں اور اہل نفاق کو چار۔ ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

اب رہا یہ کہ خلیفہ دوم نے ہی چار تکبیریں رائج کیں۔ اس کے لیے علامہ جلال الدین سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۷ طبع مصر جدید ملاحظہ کریں لکھا ہے: "واول من جمع الناس فی صلوۃ الجنائز علی اربع تکبیرات"۔ یعنی جناب عمر پہلے وہ شخص ہیں۔ جنھوں نے لوگوں کو نماز جنازہ کی چار تکبیروں پر جمع کیا۔ (کذا فی الفاروق للشبلی صفحہ ۲۵۴ طبع لاہور)

معلوم ہوا کہ پیر صاحب سیالوی اپنے خلیفہ کی پوزیشن کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی خاطر یہ سب کد وکاوش کر رہے ہیں۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ تدبیر سے تقدیر بدل نہیں سکتی۔

الغرض: ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

کیونکہ ؎

گلیم بخت کسے کہ بافتہ اند سیاہ
بآب کوثر و تسنیم نتواں کردہ سفید

۳ اس پر جناب اشرف سیالوی کی تنقید

جواب اول: علامہ صاحب نے فرمایا کہ: پیر صاحب نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا نیز ائمہ کرام کا مطلب سمجھنا پیر صاحب کے مقدر میں کہاں۔ اس کو ملائکہ مقربین یا انبیاء و مرسلین اور شیعیانِ ممتحنین ہی برداشت کر سکتے ہیں۔

۱ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ائمہ کرام، ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کی تبلیغ اور ان کی رشد و ہدایت کے لیے پیدا کیے گئے......

۲ حضور نبی اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: "کلموا الناس علی قدر عقولھم" ائمہ کرام نے اس کی پابندی کیوں نہ فرمائی......

۳ رسول گرامی نے ہمارے اندر دو قیمتی ذرائع اور وسیلے ہدایت کے لیے چھوڑے تھے۔ یعنی قرآن مجید اور عترتِ اہل بیتؑ...... مگر ان کا کلام جب انبیاء و مرسلینؑ اور ملائکہ مقربینؑ ہی سمجھ سکیں تو ...... یہ ذریعہ ہدایت کا ہی نہ رہا۔

جواب الثانی: دوسرے جواب میں ڈھکو صاحب نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ نماز جنازہ منافقین پر پڑھنے کی ممنوعیّت کا حکم جب تک نازل نہیں ہوا تھا تو آپؐ ہر نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیریں کہتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا کہ جب ممنوعیّت کا حکم نازل ہوا تو آپؐ نے منافقین پر نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں کہنی شروع کر دیں...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین پر نمازِ جنازہ سے منع فرمایا۔ مگر حضور نبی کریمؐ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہ مانا...... قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ"۔ ان منافقین میں سے کسی پر نماز کبھی نہ پڑھیں نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ اس کا ترجمہ کرنا کہ آپ ان پر پانچویں تکبیر نہ کہیں۔ کس لغت اور کس بولی کا ترجمہ ہے؟...... الغرض یہ امر تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد آپؐ منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھتے ہی نہیں تھے۔ بلکہ صرف مؤمنین پر پڑھتے تھے...... علامہ طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۵۷ پر رقمطراز ہیں: "فما صلی بعد ذلک علی منافق حتی قبض"...... تو صلوٰۃ کو دُعا کے معنی میں لینا اور پھر اس سے خاص چوتھی تکبیر کے بعد والی دُعا مراد لینا نہ ازروئے شرعی معنی مُتعیّن ہے۔ اور نہ ازروئے لغت ثابت ہے۔ لہٰذا یہ توجیہ لغو اور باطل ہے......

صحیح توجیہ و تاویل

الحاصل اس روایت کی اگر کوئی صحیح توجیہ ہو سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ پہلے نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں کہی جاتی تھیں۔ بعد ازاں ان کو چار کر دیا گیا...... اور منافقین پر نمازِ جنازہ اور دعا ختم کر دی گئی۔ حضرت علیؑ بھی جنازہ پر پانچ تکبیریں جاری نہ کر سکے۔ دوسرے ائمہ اہل بیتؑ کے ہاتھ میں حکومت بھی نہیں تھی وہ ان کے خلاف کیسے کر سکتے تھے؟

شیعی علماء کا یہ دعویٰ کہ نمازِ جنازہ کی چار تکبیرات کو حضرت عمر نے جاری فرمایا یہ سراسر غلط ہے...... علامہ ڈھکو صاحب نے اس ضمن میں تاریخ الخلفاء کا حوالہ دیا ہے گو اس عبارت میں اجمال ہے۔ لیکن مطلب و مفہوم پھر بھی ظاہر ہے۔ "اول من جمع الناس فی صلوۃ الجنازۃ علی اربع تکبیرات" (صفحہ ۵۷) یعنی آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے لوگوں کو نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات پر جمع کیا۔ ...... بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ بادشاہِ حبشہ کی وفات پر آنحضرتؐ نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی اور اس پر چار تکبیرات کہیں...... حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں چار تکبیرات پڑھتے تھے اور بعض دفعہ پانچ پڑھتے تھے۔ اور جب وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا حضور اکرمؐ پانچ تکبیریں بھی کہتے تھے۔ لہٰذا جب روایات مختلف ہو گئیں اور عمل اصحاب بھی مختلف ہو گیا۔ تو حضرت عمر نے اسی (چار تکبیرات) کو نافذ کر دیا...... (رسالہ تحفہ حسینیہ جلد ۳ ص ۳۵۴، ۳۶۶)

④ اس پر ہمارا محققانہ مگر مختصر تبصرہ:

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

جناب مولانا اشرف سیالوی صاحب حسب عادت یہاں بھی گرجے چمکے تو بہت ہیں مگر برس نہیں سکے۔ کیونکہ ان کے بادل کا پانی ہی ختم ہو چکا ہے۔

متنبّی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

وکم قد رأینا من فروع کثیرۃ
تموت اذا لم تحیھن اصول

آپ کو ہماری "تنزیہ الامامیہ" والی روایت پر بہت سے ایراد ہیں۔

① سب سے پہلا ایراد: جس پر انھوں نے بڑا زور دیا ہے، وہ یہ ہے کہ: ہم نے کیوں لکھا

کہ ائمہ اہل بیتؑ کا کلام اس قدر دقیق اور وزنی ہے کہ اسے کوئی نبی مرسلؑ یا ملک مقربؑ یا مومن ممتحن ہی برداشت کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ کے اس کلام سے اُن کا وہ کلام مراد ہے جو الٰہیات اور شرع انور کے غوامض، مسائل اور اسرار ورموز کے بارے میں ہو۔ بھلا جب جناب موسیٰؑ جیسا اولو العزم نبی جناب خضرؑ کے بعض افعال واقوال کی حکمت و مصلحت کو نہیں سمجھ پاتے اور اس سے ان کی عصمت و عظمت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ تو اگر علوم نبوت خاتمیہ کے حاملین کے کلام معجز نظام کا مطلب پیر سیالوی یا اشرف سیالوی صاحب نہ سمجھ سکیں تو ان کی ہمہ دانی میں کیا فرق پڑتا ہے؟

(۲) ان کا دوسرا ایراد یہ ہے کہ ہمارے بیان سے لازم آتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے حکم خداوندی کی مخالفت کی (العیاذ باللہ) کیونکہ خداوند عالم نے آپ کو منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی ممانعت فرمائی۔ مگر آپؐ برابر پڑھتے رہے۔ صرف ایک تکبیر کم کر دی۔ اس کا جواب واضح ہے کہ خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو منافقین پر نمازِ جنازہ کی ممانعت نہیں فرمائی تھی، بلکہ صرف ان کے لیے دُعائے خیر کرنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ اس لیے حضرتؐ نے آخری تکبیر ختم کر کے اس حکم کی تعمیل کر دی۔ کیونکہ اس ممانعت سے پہلے میت کے حق میں دُعائے خیر کی جاتی تھی۔

لغت عرب میں "صل علیہ" کے معنی ہیں۔ اس کے حق میں دائے خیر کر اور "لا تصل علیہ" کے معنی ہیں دُعائے خیر نہ کر۔ چنانچہ پیغمبر خداؐ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ: " خذ من اموالھم صدقة و صل علیھم "۔ کہ لوگوں سے مالِ صدقہ (زکوۃ) حاصل کریں اور اُن کے حق میں دعائے خیر کریں۔ کیونکہ آپؐ کی دعا ان کے لیے باعث سکونِ نفس ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے آل ابی اوفی سے زکوۃ وصول کی اور ان کے حق میں ان الفاظ کے ساتھ دُعائے خیر فرمائی: "اللھم صل علی آل ابی اوفی" (بخاری) اور یہاں اس کے برعکس آپ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ: "لا تصل علی احد منھم مات ابدا و لا تقم علی قبرہ"۔ جب کوئی منافق مرجائے تو اس کے لیے دُعائے خیر نہ کریں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہو کر مغفرت طلب کریں...... لہٰذا آنحضرتؐ نے پانچویں تکبیر ختم کر کے اس حکم کی تعمیل کر دی...... یہی اس صادقی روایت کا صحیح مطلب ہے، جو ہم نے فروع کافی سے نقل کی ہے...... اس پر زبانِ اعتراض دراز کر کے سیالوی صاحب نے کسی اچھی ذہانت کا ثبوت نہیں دیا۔ سچ ہے کہ بقول مُتنبّی: ؎

و کم من عائب قولا صحیحا
و آفته من الفهم السقیم

ورنہ جو مصلحت منافقین کو آنحضرتؐ کے حین حیات میں مسلمین مخلصین سے الگ نہ کرنے اور اُن کو قتل نہ کرنے میں تھی وہی حکمت ان کی موت کے بعد ان کی تشہیر نہ کرنے میں تھی۔

حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ اہل بیتؑ کا طرزِ عمل

سیالوی صاحب نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ اہل بیتؑ جناب عمر کے طرزِ عمل پر عمل کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت امام حسنؑ کا جنازہ امام حسینؑ کی بجائے مروان نے پڑھایا۔ (العیاذ باللہ)

افسوس ع

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

حضرت رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ اہل ایمان پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے اور خود ان پر بھی پانچ پانچ تکبیریں پڑھی گئیں

چنانچہ کنز العمال ج ۴ ص ۵۷ پر مروی ہے کہ جناب عباسؓ اور حضرت علیؑ نے حضرت رسول خداؐ کے جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں...... اسی طرح مسک الختام شرح بلوغ المرام صفحہ ۴۳۱ پر مروی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے جناب سیدہؑ کے جنازہ پر اور حضرت امام حسنؑ نے جناب امیر علیہ السلام کے جنازہ پر اور جناب محمد بن حنفیہؒ نے جناب ابن عباسؓ کے جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔

اگر اب بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

اہل سنت کے مذہب میں تکبیراتِ جنازہ میں سخت اختلاف ہے کہ حضرت رسول خداؐ صحابہ کرام پر کس قدر تکبیرات پڑھتے تھے

چنانچہ شرح مسلم نوی جلد ۱ صفحہ ۳۰۹ پر حضرت علیؑ سے حضرت رسولِ خداؐ کا عمل اس طرح مروی ہے کہ آپؐ اہل بدر پر چھ اور دوسرے صحابہ پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔ کتاب نصب الرایہ صفحہ ۱۴۳ پر جناب امیر علیہ السلام کا عمل بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ میزان الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ پر ابن مسعود کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ حضرت رسولِ خدا بعض پر نو بعض پر سات اور بعض پر چار تکبیریں

پڑھا کرتے تھے۔ انہی حقائق کی بنا پر علامہ وحید الزمان نے ترجمہ سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۵۰۸ پر لکھا ہے کہ: "چار تکبیروں پر اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔ صحابہ میں اختلاف مشہور ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ پانچ تکبیروں پر عمل نہ کیا جائے"۔

چار تکبیروں پر اجماع بدعت عمر ہے

سابقہ حقائق کے پیش نظر واضح ہو گیا ہے کہ جنازہ کی چار تکبیروں پر سب لوگوں کو اکٹھا کرنا بدعت عمر ہے سنت رسولؐ نہیں ہے۔ جیسا کہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۷ طبع مصر جدید باب اولیات عمر میں لکھا ہے کہ: "واول من جمع الناس فی صلوۃ الجنازۃ علی اربع تکبیرات"۔ یعنی عمر پہلا شخص ہے جس نے سب لوگوں کو نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا۔ اسی طرح فاضل شبلی نعمانی نے "الفاروق" صفحہ ۲۵۶ طبع لاہور میں لکھا ہے...... اب تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گئی کہ اہل اسلام و ایمان پر چار تکبیر نمازِ جنازہ پڑھنا سنت رسولؐ نہیں ہے، بلکہ بدعت عمر بن خطاب ہے۔

(مبارک باشد!)

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

فصل ششم

بعض ناموں کی بحث

① رسالہ مذہب شیعہ:

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ائمہ معصومینؑ نے اپنے فرزندوں دل بندوں کے نام مبارک ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے...... چنانچہ جلاء العیون اور کشف الغمہ پر حضرت علیؑ مرتضیٰ کے ایک صاحبزادہ کا نام ابوبکر دوسرے کا عمر اور تیسرے کا نام عثمان مرقوم ہے۔ اور یہ بھی تصریح موجود ہے کہ تینوں اپنے بھائی کے ہمراہ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے...... جن مقدس ہستیوں نے اپنے دل بندوں کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے تھے۔ وہی ہستیاں ان کے مراتب اور فضائل سے زیادہ واقف ہو سکتی ہیں۔ نہ کہ ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد آنے والے لوگ...... اتنا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اپنی اولاد کا نام بہتر سے بہتر رکھا جائے۔ ایک غریب سے غریب آدمی بھی اپنے بچے کا نام شاہِ جہاں رکھنا ہی پسند کرتا ہے...... (رسالہ مذہب شیعہ صفحہ ۱۲۰)

② رسالہ تنزیہ الامامیہ:

پیر صاحب سیالوی نے آخر رسالہ میں لگے ہاتھوں وہ معاملۂ فرسودہ اور سینکڑوں بار کا مردودہ یہ اعتراض بھی جڑ ہی دیا کہ: "ائمہ معصومینؑ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے اپنے فرزندوں دلبندوں کے نام مبارک ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے ہیں۔ بہر صورت وہی ہستیاں ان کے مراتب اور فضائل سے زیادہ واقف ہو سکتی ہیں، موصوف کے دل و دماغ پر محبت ثلاثہ کچھ اس طرح قابوس کی طرح مُسلّط ہے کہ کسی قسم کی مناسبت اور ربط و تعلق کے بغیر رسالہ کے قریباً ہر صفحہ پر یہی راگ الاپتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ائمہ اور اصحابِ ثلاثہ کے تعلقات خوشگوار تھے۔ ائمہ ہدیٰ ان کو امام الھدیٰ اور پیشوائے وقت جانتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ"۔

جہاں تک ائمہ اہل بیتؑ کے اصحاب ثلاثہ کو امام الھدیٰ یا دینی پیشوا جاننے کا تعلق ہے...... اس پر قبل ازیں باب چہارم میں مفصل تبصرہ کیا جا چکا ہے اور فریقین کے کتب معتمدہ کی روشنی میں

واضح کیا جا چکا ہے کہ وہ ان کو کیا اور کیسا آدمی جانتے تھے؟ اعادہ وتکرار کر کے کتاب کے صفحات بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس مذکورہ بالا مقام ملاحظہ کیا جائے اور جہاں تک ائمہ اہل بیتؑ کے اپنے فرزندوں کے نام ابوبکر وعمر وغیرہ رکھنے کا تعلق ہے تو............

③ اس پر اشرف سیالوی صاحب کی تنقید:

جواب اوّل: علامہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کے غضب وعقاب کے مستحق افراد کے ناموں سے احتراز کو تنگ نظر ملاؤں اور جاہل عوام کا خیال قرار دیا اور داناؤں اور غواصانِ بحر حقیقت کے اس نظریہ سے دُور ہونے کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ شیخ الاسلام نے شیعی کتب کا حوالہ دیا اور ائمہ کرامؑ کا فرمان نقل کیا تھا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک وہ دانائی سے محروم تھے...... نعوذ باللہ کیا یہی شانِ تحقیق ہے؟...... اچھے نام رکھنا شرعاً لازم ہے اور برے ناموں سے احتراز ضروری ہے۔

یعقوب سراج سے مروی ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جب کہ آپ اپنے صاحبزادے حضرت ابوالحسن موسیٰ کاظمؑ کے سر پر کھڑے تھے اور وہ پنگھوڑے میں تھے۔ آپ بڑی دیر تک ان کے ساتھ سرگوشی کرتے رہے...... جب فارغ ہوئے تو میں آپؑ کے پاس گیا...... تو آپ نے مجھے فرمایا کہ: اپنے مولا کے قریب جاؤ اور انھیں سلام پیش کرو۔ چنانچہ میں نے سلام پیش کیا اور آپ نے فصیح زبان میں میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ جا اور اپنی بیٹی کا وہ نام تبدیل کر دے جو تو نے کل رکھا ہے۔ کیونکہ وہ ایسا نام ہے جسے اللہ مبغوض رکھتا ہے...... حقیقت حال یہ تھی کہ میری ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کا نام میں نے...... "حمیرا" رکھا تھا (اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۱۹۲، کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۱، ارشاد شیخ مفید، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۲۸۷) اس صحیح ترین روایت سے ثابت ہو گیا کہ ناموں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا!

جواب الثانی: ...... ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ بفرض تسلیم اس امر کی کیا دلیل ہے کہ حضرت علیؑ نے اصحابِ ثلاثہ کو پیش نظر رکھ کر اپنے صاحبزادوں کے نام تجویز فرمائے تو جواباً عرض ہے کہ شیعہ حضرات بھی حضرت علی مرتضیٰ"...... کی اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے مخلصین یا اُن کے اجداد کے ناموں کی نیت پر یہ نام رکھ لیں؟...... علاوہ بریں جب معروف اسماء انھیں خلفاء ثلاثہ کے تھے۔ تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا ضروری ٹھہرا کہ آپ نے خلفاء ثلاثہ کے اسماء مقدسہ پر ہی اپنے فرزندوں کے نام رکھے تھے۔

جواب الثالث: ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ اہل السنّت کے اعاظم اور اکابر کے نام

عبدالرحمٰن اور یزید ہیں۔ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل سنت کو قاتلانِ ائمہ سے محبت ہے۔ لخ......

اول آپ پر اپنا دامن صاف کرنا لازم ہے...... حضرت ابوالحسن کے معجزہ اور کرامت والی روایت کا تحقیقی جواب دیے بغیر الزامی جواب دینا قطعاً روا نہیں تھا......

دوم آیا یزید طبری یا اس کا پوتا محمد طبری اعاظم و اکابر اہل سنت سے ہیں؟......

سیوم ان ناموں کے تجویز کرنے والے ائمہ کرام نہیں تھے۔ اور نہ اکابرین اہل سنت وہ تو عام قسم کے لوگ تھے۔ ان کے اقدام کو حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ کرام کے تعامل سے کیا نسبت ہو سکتی ہے...... مزعوم مخالفوں کے اسماء کے ساتھ موسوم لوگوں کے ساتھ شیعہ کا سلوک...... (یہاں سرگودھا کے ایک ڈاکٹر کے سلوک کا تذکرہ اور "تنزیہ الامامیہ" کے تبصرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد موصوف رقمطراز ہیں)......

اگر علامہ صاحب اس پر اعتبار نہیں کرتے تو میں ان کو صدیوں پرانی کتابوں کے آئینہ میں ان کا اصلی چہرہ دکھلا دیتا ہوں کہ اصحابِ ثلاثہ اور دیگر اصحابِ رسولؐ کے نام سن کر وہ کس قدر بدحواس ہو جاتے تھے اور ان کا ردعمل کتنا شدید ہوتا تھا۔

① ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں رقمطراز ہے: "کان صاحب الربیع شیعیا" لخ۔ ترجمہ ربیع وزیر شیعہ تھا اس کے پاس دو شخص اپنے جھگڑے میں فیصلہ کرانے کے لیے آئے۔ جن میں سے ایک کا نام علی تھا اور دوسرے کا معاویہ تھا۔ تو وزیر نے معاویہ کے خلاف شہادت مہیا ہوئے بغیر سو کوڑے لگا دیئے...... جب اس کو معلوم ہوا یہ سب کچھ میرے نام کی وجہ سے میرے ساتھ ہوا ہے۔ تو اس نے وزیر سے کہا کہ میرے مدمقابل کی کنیت تو معلوم کرو تو اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، جو کہ معاویہ کی کنیت ہے، تو اس نے اسے بھی زمین پر لٹا کر سو کوڑے لگا دیے......

② قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ عبید زاکانی کے رسائل میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے دراز گوش فروخت کیا، رسید لکھنے والے نے اس کا نام پوچھا تو کہا "ابوبکر"۔ باپ کا نام کیا ہے؟ "عمر"۔ دادے کا نام کیا ہے؟ "عثمان" تو لکھنے والا حیران ہو گیا اور کہا کیا لکھوں...... لخ

③ سید نعمت اللہ جزائری نے لکھا ہے کہ: علاقہ قزوین میں ایک دیہات ہے، وہاں سے ایک شخص کا گزر ہوا، جس کا نام عمر تھا تو انھوں نے اس کو خوب مارا پیٹا...... ابولولو مجوسی کا عرس اور توہین فاروق اعظم...... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کاشان کے عوام اور اوباش ذوالحجہ کی چھبیس تاریخ کو جو کہ حضرت عمر کے قتل کی تاریخ ہے۔ اس پر آٹے کا ایک مجسمہ تیار کرتے ہیں۔ لخ...... (مجالس المومنین) علامہ

ڈھکو صاحب ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ شیعہ مذہب میں ناموں پر دارومدار ہے۔ یا نہیں؟

نیز قاضی شوستری نے صرف کاشان کے اوباش اور عوام کا ذکر کیا ہے...... ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کاشان کیا سارے جہان میں جہاں جہاں بھی شیعہ ہیں، عوام ہوں یا خواص یا اخص الخواص وہ سبھی اس رذیل حرکت اور کمینگی میں برابر کے حصّہ دار ہیں...... (چونکہ "تنزیہ الامامیہ" میں سادات کرام کو واجب الاحترام قرار دیتے ہوئے پیر سیالوی کو جناب الحاج ڈاکٹر سید حاذق تقی شاہ صاحب مرحوم پر الزام تراشی کا مجرم قرار دیا گیا تھا تو اس کے جواب میں سیالوی صاحب نے یوں دل کے پھپھولے کھولے ہیں (اہل تشیّع کا سادات کے ساتھ ادب و نیازمندی کا نمونہ......)

پھر یہاں بعض شعراء کے بعض اشعار کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ جب سید کہلانے والا دشمن علی کا پیروکار ہو تو وہ اپنے باپ کا نہیں ہے...... اور وہ کتے سے بدتر ہے......

(مجالس المومنین)

بتلائیے علامہ صاحب یہی ادب واحترام ہے ساداتِ کرام واجب الاحترام کا...... عند الشیعہ مخالفین اولادِ شیطان ہیں...... یہاں مؤلف نے بعض روایات کا سہارا لیا ہے۔ جن میں مذکور دشمنانِ اہل بیت (یعنی ناصبی اور خارجی لوگوں) کی خلقت میں شرک شیطان ہوتا ہے...... موجودہ ساداتِ کرام تو ڈھکو صاحب کی نگاہ میں واجب الاکرام والاحترام ہیں۔ لیکن ان کے دو تین پشت سے تمام آباء واجداد خالص سنی تھے...... ان تمام ساداتِ کرام کا جو ادب پایا گیا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

نسل سادات کا اقرار

علامہ صاحب نے کہا کہ پیغمبر اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ میری اولاد کی عزت کرو۔ صالحین کی اللہ تعالیٰ کے لیے اور بدعمل اور راہِ شرع سے عدول کرنے والوں کی میری خاطر مگر اس کا ذکر کر کے اور صحیح مان کر اور مقام استدلال میں بطور حجّت و برہان پیش کر کے ڈھکو صاحب نے اپنے مذہب کا صفایا کر دیا ہے۔ کیونکہ سادات تمام کے تمام اہل بیت کرامؑ ہیں۔ اور اہل بیت کرامؑ سبھی پاک و مطہر ہیں۔ قال اللہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الایہ۔ الخ......

(تحفہ حسینیہ جلد ۱۳ از صفحہ ۳۶۶ تا ۴۰۰)

(۴) اس پر ہمارا جامع تبصرہ:

بموجب ؎

در پس آئینہ صفت طوطی داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت بگو می گویم

گو اشرف سیالوی نے حسب عادت بات کا بتنگڑ بناتے ہوئے اور ایک مختصر سے مسئلہ کو شیطان کی آنت سے بھی دراز تر کرتے ہوئے حضرت امیر علیہ السلام اور بعض دوسرے ائمہ طاہرینؑ کے اپنی بعض اولاد کے ابوبکر، عمر و عثمان نام رکھنے سے اصحابِ ثلاثہ اور ائمہ اہل بیتؑ کے تعلقات خوشگوار ہونے پر اپنے استدلال کی جو دیوار کھڑی کی ہے، وہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ اور کمزور ہے۔ الغرض: ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

قرآنی آیات، سینکڑوں روایات اور ہزاروں اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہے کہ حضرت علیؑ اور اصحابِ ثلاثہ کے تعلقات شیر و شکر کی طرح نہیں تھے، بلکہ تیر و تلوار کی مانند تھے۔ اس حقیقت کا صرف اس بنا پر انکار کرنا اور ان تعلقات کے خوشگوار ہونے کی دلیل قرار دینا کہ حضرت علیؑ نے اپنے فرزندوں دلبندوں کے نام ابوبکر عمر عثمان رکھے تھے۔ سادہ لوحی یا پھر مکاری وعیاری کی انتہا ہے۔ نام میں کچھ نہیں ہے، سب کچھ مسمّی میں ہے، ورنہ اربابِ عقل و دانش اور اصحابِ رائے و بینش جانتے ہیں کہ اسم تو صرف اپنے مسمّیٰ کی ایک شناختی علامت ہوتی ہے اور کسی بھی آدمی میں جو کچھ خوبی یا خامی ہوتی ہے وہ صرف مسمّیٰ میں ہوتی ہے نہ کہ اسم میں۔ اگر بقول سیالوی صاحب وہ نام اچھے ہوتے ہیں جن میں اللہ کی عبودیت یا انبیاء علیہم السلام کی غلامی پائی جائے تو ان اسماء ثلاثہ میں تو یہ خوبی بھی نہیں پائی جاتی! اس سلسلے میں مستقل کتاب "تحریف اسماء اولاد المعصومین" مولفہ محقق ڈاکٹر نجاح الطائی ملاحظہ فرمائیں، جو ابھی حال ہی میں ایران سے شائع ہو چکی ہے۔

⑵ مخالفین کے نام پر نام نہ رکھنا تنگ نظری ہے

① سیالوی صاحب نے دیکھا کہ ہمارے معاشرہ میں یہ رسم و ریت ہے کہ عام لوگ مخالفین کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام نہیں رکھتے۔ تو یہ کنویں کے مینڈک قسم کے لوگوں کی گھٹیا سوچ ہے مگر جو بالغ النظر اور وسیع المشرب لوگ ہوتے ہیں وہ ان چکروں میں نہیں پڑتے۔

کار پاکاں را قیاس از خود میگر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

② اگر یہ خیال محال صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ فوت شدگان میں ہے، واجب الاحترام شخصیات کے

ناموں پر نام رکھے جاتے ہیں، تو پھر اس معیار پر پرکھا جائے تو سیالوی صاحب کے کئی اکابر واصاغر کے نام جو عبدالرحمن اور یزید ہیں، تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ نام رکھنے والوں کو حضرت علیؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے عقیدت تھی اور وہ ان کے نزدیک واجب الاحترام تھے۔ حاشا وکلا

(۳) اصحابِ ثلاثہ اور اہل بیت کے تعلقات تو متنازعہ فیہ ہیں، مگر یہ بات تو مسلم ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام معاویہ اور یزید کو اپنا دشمن اور پکا بے ایمان جانتے تھے۔ جب کہ ان کے اصحابِ باصفا میں سے بہت سے لوگوں کے نام معاویہ اور یزید تھے۔ اس سلسلہ میں کتب رجال دیکھی جا سکتی ہیں!

(۴) اگر ان تمام حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے بفرض محال یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ کسی کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھنا باہمی احترام ومحبت کی دلیل ہے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت علیؑ نے یا امام حسن علیہ السلام یا کسی دوسرے امام نے اپنی اولاد کے نام ابوبکر، عمر وعثمان اصحابِ ثلاثہ کے ناموں کو سامنے رکھ کر رکھے ہیں۔ کیا اصحابِ ثلاثہ کے سوا ان ناموں کا کوئی موسوم اچھا نہ تھا؟ مثلاً:

☆ ایک ابوبکر وہ ہے جس نے حضرت امیر علیہ السلام سے اِقتدار غصب کیا تو دوسرا ابوبکر وہ ہے جس نے ابوبکر کی بیعت ہی نہیں کی، بلکہ اُسے برسرِعام ٹوکا۔

☆ ایک عمر بن الخطاب ہے تو دوسرا عمر والعلاء ہے، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جداعلیٰ ہے۔ تیسرا عمر بن سلمہ اور چوتھا عمر بن مالک ہے، وغیرہ وغیرہ۔

☆ اُسی طرح عثمان ایک ابن عفان ہے تو دوسرا عثمان بن مظعون ہے۔ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلیل القدر صحابی ہے۔ اور تیسرا عثمان بن حنیف ہے، جو حضرت امیر علیہ السلام کا عظیم المرتبت صحابی بھی ہے۔ اور آپ کے دَورِ خلافت میں بصرہ کا گورنر بھی رہا ہے۔

لہٰذا عین ممکن ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ نے ان بزرگوں کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی اولاد کے یہ نام رکھے ہوں۔ لہٰذا جب تک علماء اہل سنت یہ ثابت نہ کریں کہ ائمہ اہل بیتؑ نے اصحابِ ثلاثہ کو پیش نظر رکھ کر اپنی اولاد کے یہ نام رکھے ہیں۔ تب تک ان کا مزعومہ نظریہ یعنی ائمہ اہل بیتؑ اور اصحابِ ثلاثہ کے تعلقات کا خوشگوار ہونا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات علماء اہل سنت قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے۔ ع

آزمائے جس کا جی چاہے

ناموں کے تبدیل کرنے والی روایت نا قابل اعتماد ہے

• سیالوی صاحب کے چند کتابوں کے حوالہ سے یعقوب سراج نامی کسی شخص کی ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جب کہ وہ پنگھوڑے میں آرام فرماتے تھے۔ اسے اپنی بیٹی کا نام تبدیل کرنے کا حکم دیا جس نے اس کا نام "حمیرا" رکھا تھا......

یہ روایت مقطوع السند اور مرسل ہونے، نیز اسلامی مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہے۔ جبکہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ایک دختر کا نام عائشہ تھا۔ (ملاحظہ ہو کتاب چودہ ستارے صفحہ ۶۶۰ طبع لاہور جدید)...... لہٰذا یہ روایت اصول روایت و درایت کے تحت نا قابل اعتماد ہے۔

والحمد للہ

مزعوم مخالفوں کے اسماء کے ساتھ

موسوم لوگوں کے ساتھ شیعہ کا سلوک

جناب اشرف سیالوی نے مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے شرح حدیدی، مجالس المومنین اور انوار نعمانیہ کے حوالوں سے اصحاب ثلاثہ کے ہمنام لوگوں کی توہین یا خود اصحاب ثلاثہ کی تذلیل کے جو واقعات لکھے ہیں، ان سے حاصل کیا ہوا؟

ہم نے پہلے "تنزیہ الامامیہ" میں لکھا تھا کہ یہ عوام "کالا نعام" ہوتے ہیں۔ جو ناموں کے چکر میں پڑ کر ایسی سوقیانہ اور غیر شریفانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ شیعہ مذہب کے اکابر اور خواص کا دامن ان گھٹیا قسم کی حرکتوں سے پاک و صاف نظر آتا ہے۔ لہٰذا یہ عامیانہ و سوقیانہ واقعات بیان کر کے سیالوی صاحب کا یہ کہنا بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے کہ: "جہاں جہاں بھی شیعہ ہیں عوام یا خواص یا اخص الخواص وہ سبھی اس رذیل حرکت اور ننگی میں برابر کے حصہ دار ہیں"۔

(تحفہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۳)

سبحان اللہ ھذا بھتان عظیم

وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون

سیالوی کی بے جا طنز و تشنیع

سیالوی صاحب نے اپنے نامہ اعمال کی طرح اپنے رسالہ کثیفہ وطویلہ کے کئی صفحات اس طنز و تشنیع میں سیاہ کیے ہیں کہ شیعہ کہیں تو سادات کی عزت وتوقیر کو واجب ولازم جانتے ہیں۔ مگر کہیں ان کو نہ حلالی جانتے ہیں۔ بلکہ شرک شیطان جانتے ہیں، جبکہ وہ سنی ہوں۔ یہ کُھلم کُھلا بہتان اور غلط الزام ہے۔ شیعوں کا یہ منفی نظریہ دشمنانِ اہل بیتؑ کے بارے میں ہے۔ وہ تمام اہل سنت کو ہرگز دشمن اہل بیت نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ تو خوش عقیدہ مُحبِ اہل بیتؑ ہیں۔ جیسا کہ مولانا حالی پیغمبر اسلام ﷺ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: ؎

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
وہ تیری مُحبت تیری عترتؑ کی وِلا ہے

سیالوی صاحب نے جو جو اشعار وعبارات پیش کیے ہیں ان سب میں یا لفظ ناصبی موجود ہے یا مبغض اہل بیت..... اور ظاہر ہے کہ ناصبی یا مبغض اس بدبخت کو کہا جاتا ہے۔ جو عترت اہل بیت کے بغض وعداوت کی بیماری میں اس طرح مبتلا ہو کہ علیؑ ومعاویہ کی باہمی جنگ وجدل میں معاویہ کو برحق اور معرکہ کربلا میں حسینؑ ویزید کی معرکہ حق و باطل میں یزید کو برحق سمجھے۔ لہٰذا ناصبی اور مبغض کا ترجمہ سنی کرنا بددیانتی کی انتہاء ہے۔ اگر خدانخواستہ سیالوی صاحب اس مرض میں مبتلا ہیں تو پھر وہ خدارا تمام اہل سنت کو اپنے جیسا ہرگز تصور نہ کریں وہ تو عظمت سادات کو اپنا دین سمجھتے ہیں۔ اور محبّت اہل بیتؑ کو جزء اسلام جانتے ہیں۔

مذہب شیعہ میں سادات کے احترام کا معیار

ہر اس سیدزادہ کا احترام واکرام کرنا واجب جانتے ہیں، جو اپنے اب وجد کے مذہب ومسلک پر ہو۔ ہاں عملی طور پر خواہ نیک ہو یا بد..... جیسا کہ حدیث پیغمبر اسلامؐ میں صالح وطالح ہر دو قسم کے سادات کے احترام کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اگر سید کہلانے والا اپنے ان آباء واجداد کے مذہب و مسلک کو ہی خیرباد کہہ دے، جن کی وجہ سے اس کا احترام واکرام واجب تھا، تو پھر وہ پسرِ نوح کی مانند ہو جاتا ہے۔ جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے: "انہ لیس من اھلک"۔ اے نوحؑ! ترا یہ بیٹا تیرے

اہل میں سے نہیں ہے......

لہٰذا تمام سادات کو پیغمبر اسلامؐ کے اہل بیتؑ میں داخل کرنا سیالوی صاحب کی جہالت مرکبہ کی بین دلیل ہے۔ جبکہ اہل بیتؑ اس میں صرف جناب خاتون قیامتؑ یا بارہ ائمہ معصومین علیہم السلام شامل ہیں۔ وبس

سیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ موجودہ سادات کا شجرۂ نسب دیکھا جائے تو وہ دو تین پشت اوپر سب سنی نظر آئیں گے۔ قطع نظر اس بات کی صحت وسقم کے اگر سونے پر زنگال چڑھ جائے تو وہ سونا ہی رہتا ہے، ذرا سی گرمائش پہنچانے سے زنگال دُور ہو جاتا ہے۔ اور ویسے خدا کی قدرت ہے کہ وہ بے ایمانوں سے مومن اور مومنوں سے بے ایمان پیدا کرتا رہتا ہے۔ یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی۔ کیونکہ وہ علی کل شئی قدیر ہے۔

احترام واکرام کا انحصار نسبت پر بھی ہے

یہ قرآنی اصول سر آنکھوں پر کہ: "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کہ خدا کی بارگاہ میں وہی شخص زیادہ لائق اکرام واحترام ہے جو سب سے زیادہ نیکوکار اور پرہیز گار ہے۔ مگر یہ بات بھی مسلّم ہے کہ اسلام میں (جو کہ دینِ فطرت ہے) نسبت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کے ماں باپ جیسے بھی بدکردار کیوں نہ ہوں حتّٰی کہ اگر کافر و مشرک بھی ہوں اور وہ خود سلمانِ دوران اور ابوذر زمان بھی کیوں نہ ہو، اس پر ان کا احترام واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ: وصاحبھما فی الدنیا معروفاً کہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

اور یہی معاملہ سادات کرام کا ہے۔ قولہؐ: "اکرموا اولادی الصالحین للہ و الطالحین لی"۔ "میری اولاد کا احترام کرو اگر نیکوکار ہوں تو خدا کے لیے اور اگر بدکار ہوں تو میرے لیے"۔

(بحار الانوار وغیرہ)

اسی فرمانِ رسالتؐ کے تحت ہم نے پیر آف سیال شریف کی جناب سیادت وشرافت مآب الحاج ڈاکٹر سید حاذق تقی شاہ صاحب مرحوم کے خلاف الزام تراشی اور اتہام سازی کا تسلی بخش جواب باصواب پیش کیا تھا، اور ان کی پوزیشن واضح کی تھی کہ وہ اس قدر بے تعصب اور مخلص انسان تھے کہ اگر اصحابِ ثلاثہ کے ہمنام تو کجا بلکہ اگر خود اصحابِ ثلاثہ بھی بغرض علاج ان کے پاس آجاتے تو وہ ان کا بھی علاج ومعالجہ کرتے۔ یعنی اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے اور کوئی کوتاہی اور بددیانتی نہ کرتے۔

سیالوی صاحب نے ان کے اس خلوص وللّٰہیت کے جذبہ کو سراہنے کی بجائے الٹا اس میں تشکیک پیدا کرنے کی ناکام وناپاک سعی نافرجام کی ہے۔ مگر ہر ہر مسئلہ ومعاملہ کی طرح یہاں بھی ناکامی اور نامرادی ان کا ناقابل تبدیل مُقدّر رہے۔ کیونکہ "ان اللہ لا یھدی کید الخائنین"۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ولیکن ھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ھذہ الرسالۃ الشریفۃ و العجالۃ المنیفۃ فی

رد التلبیسات السیالویۃ و التسویلات الابلیسیۃ الاشرفیۃ

بحول اللہ تعالی و قوتہ القدوسیۃ و قد وقع الفراغ

فی یوم الاثنین ساعۃ الثالثہ و النصف فی

الثالث من شھر رمضان ۱۴۳۱ھ

الموافق الرابع عشر من

اگست ۲۰۱۰ (یوم پاکستان)

صانہ اللہ تعالی من الحدثان الی یوم القیام

بحق النبی و آلہ الطاہرین علیھم الصلوۃ و السلام

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ

کمپوزنگ سید حسن واسطی 0307-6719282 048-3214705

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

فہرست عناوین تنزیہ الامامیہ جدید

ناشر مکتبۃ السبطین ۲۹۶/۹ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

اہل ایمان کے لیے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

- **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصۃ التفسیر منصۂ شہود پر آ گئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔
- **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل 10 جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔
- **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آ گئی ہے۔
- **سعادة الدارین فی مقتل الحسین** زیور طبع سے آراستہ ہو کر مومنین کے لیے آ گئی ہے۔
- **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار وایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد واصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آ گئی ہے ہدیہ صرف تیس روپے۔
- **اثبات الامامت** آئمہ اثنا عشری کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن
- **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آ گیا ہے ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
- **تحقیقات الفریقین اور اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آ گئے ہیں۔
- **قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ** (دو جلد)۔
- **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرہویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
- **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظر عام پر آ گیا ہے۔

مکتبة السبطین

9/296 بی، سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

ہدیہ -/300 روپے